

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔
ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

خلفاء بنو عباس کے مذہبی رجحانات

(۱۳۲ھ تا ۲۴۷ھ / ۷۵۰ء تا ۸۶۱ء)

تحقیقی مقالہ

برائے

پی ایچ ڈی (علوم اسلامیہ)

thesis\bahao-logo.jpg
not found.

زیر نگرانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا
صدر شعبہ علوم اسلامیہ
بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی
ملتان

مقالہ نگار

محمد خالد اقبال رضا
صدر شعبہ علوم اسلامیہ
گورنمنٹ ایس ای کالج
بہاولپور

بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔
ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

سرٹیفکیٹ

یہ تحقیقی مقالہ بعنوان ”خلفاء بنو عباس کے مذہبی رجحانات (۱۳۲ھ - ۲۴۷ھ)
ایک تحقیقی مقالہ“ محمد خالد اقبال رضا کی طرف سے پی ایچ ڈی (علوم اسلامیہ) کی
ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے برائے منظوری پیش کیا گیا اور معیاری قرار پایا۔

نگران مقالہ:

.....

بیرونی ممتحن:

.....

چیئر مین - کوارڈینیٹر پی ایچ ڈی پروگرام

.....

شعبہ علوم اسلامیہ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

mushtaqkhan.iiui@gmail.com: ڈاکٹر مشتاق خان

DEPARTMENT OF ISLAMIC STUDIES

BAHA-UD-DIN ZIKIRIA UNIVERSITY MULTAN

TO WHOM IT MAY BE CONCERNED

It is certified that Mr. Khalid Iqbal Raza S/O Rasheed Muhammad Raza has completed his research under my supervision on the topic of

خلفاء بنو عباس کے مذہبی رجحانات (۱۳۲ھ تا ۲۴۷ھ / ۷۵۰ء تا ۸۶۱ء)

I am fully satisfied with the standard of the research work conducted by the student and allow him submission of his thesis for the degree of Ph.D Islamic Studies.

Prof. Dr. Muhammad Akram Rana
Chairman
Department of the Islamic Studies
Baha-ud-Din Zikiria University
Multan.

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

DECLARATION

I, Muhammad Khalid Iqbal Raza S/O Rasheed Muhammad Raza at Baha-ud-Din Zikiria University Multan do hereby solemnly declare that the thesis entitleds

خلفاء بنو عباس کے مذہبی رجحانات (۱۳۲ھ تا ۲۴۷ھ / ۷۵۰ء تا ۸۶۱ء)

Submitted by me in partial fulfillment of Ph.D degree in Islamic Studies is my original work and has not been submitted or published earlier and shall not in future be submitted by me for obtaining any degree from this or another university or institution.

Signature: _____

Muhammad Khalid Iqbal Raza
Chairman
Department of the Islamic Studies
Govt. S.E. College
Bahawalpur

فہرست ابواب

مقدمہ

باب اول:

1 تا 81

خلافت بنو عباس کے قیام کا پس منظر

باب دوم:

82 تا 106

عباسی خلفاء کے خلافت و حکومت سے متعلق نظریات

باب سوم:

خلفائے بنو عباس کے مرکزی اداروں کی ہیئت و ساخت میں قدیم

107 تا 147

اسلامی روایات اور جدید ماحولیاتی اثرات کا جائزہ

باب چہارم:

148 تا 211

عہد بنو عباس میں مذہبی مناقشات پر مبنی گروہ اور خلفاء کا ردِ عمل

باب پنجم:

خلفائے بنو عباس کے مذہبی رجحانات کا جائزہ

212 تا 273

(پہلا حصہ)

274 تا 333

(دوسرا حصہ)

334 تا 340

حاصل کلام

341 تا 347

کتابیات

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔
ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

انتساب

اپنے والدین کے نام

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔
ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کلماتِ شکر و امتنان

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين وعلى اله وصحبه اجمعين اما بعد!
رب کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے مجھے خاص فضل و کرم سے اس اہم موضوع پر تحقیقی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ہمت مرحمت فرمائی۔ تحقیق و جستجو کے اس طویل اور کٹھن سفر میں میرے والدین، اساتذہ کرام، رفقاء کار اور احباب کی خصوصی دعائیں، قیمتی مشورے اور عملی تعاون میرے شامل حال رہا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم سے نوازے، میں ان تمام احباب کے لیے سراپا سپاس گزار ہوں، کیونکہ فرمانِ رسول ﷺ: **ومن لم يشكر الناس لم يشكر الله** کے مصداق اپنے محسنوں کا شکریہ ادا کرنا ایک خوشگوار مذہبی اور اخلاقی فریضہ ہے۔

سب سے پہلے تو میں اپنے نگرانِ تحقیق جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا صاحب صدر شعبہ علوم اسلامیہ بہاولدین زکریا یونیورسٹی ملتان کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں، جنہوں نے نہ صرف موضوع کے انتخاب میں میری رہنمائی کی بلکہ بعد ازاں میری درخواست پر مجھے اپنی زیر نگرانی کام کرنے کا موقع بھی عنایت فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب محترم نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود مقالے کا جائزہ لے کر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا، مجھے اعتراف ہے کہ تحقیق کے مختلف مراحل میں اگر ان کا بھرپور تعاون حاصل نہ ہوتا تو مقالے کی تیاری اور معیارِ تحقیق کو قائم رکھنا میرے لیے یقیناً مشکل ہو جاتا۔

میں ان تمام احباب کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مقالے کی تیاری میں میری مدد فرمائی خاص طور پر پروفیسر ظفر احمد چوہدری صاحب، پروفیسر ڈاکٹر معظم صاحب، پروفیسر محمد طاہر صاحب، پروفیسر سید عارف صاحب، پروفیسر زاہد صدیقی صاحب، سید حبیب اللہ بخاری صاحب، سید اختر حسین زیدی، لائبریرین صاحب بہاولدین زکریا یونیورسٹی ملتان، لائبریرین صاحب گورنمنٹ ایس۔ای۔ کالج بہاولپور، میرے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے مقالے کی تیاری میں بھرپور معاونت فرمائی۔

آخر میں اپنے خاندان کے تمام افراد کا خاص طور پر شکر گزار ہوں، بالخصوص میرے والدین جو مسلسل میری کامیابی کے لیے دعا گو رہے (اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین) کیونکہ میرے والدین کی یہ دلی خواہش تھی کہ میں پی۔ایچ۔ ڈی کروں اور آج میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنا پی۔ایچ۔ ڈی کا تحقیقی مقالہ جمع کروا رہا ہوں نیز اپنی اہلیہ، اپنی بیٹی اور اپنے بیٹوں محمد ثوبان رضا اور محمد روحان رضا کا ممنون احسان ہوں جنہوں نے میرے لیے تحقیقی سفر کو آسان کیے رکھا۔

جزاهم الله احسن الجزاء آمین۔

مقالہ نگار

محمد خالد اقبال رضا

صدر شعبہ علوم اسلامیہ

گورنمنٹ ایس۔ای۔ کالج بہاولپور

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

mushtaqkhan.iiui@gmail.com: ڈاکٹر مشتاق خان

Abstract

From the study of history, it comes up that Hazrat Abbas (God be pleased with him), despite being not the real uncle, had a great regard and love for the Holly Prophet (peace be upon him). It is due to this very reason that Hazrat Abbas was seen standing shoulder to shoulder with the Holy Prophet (Peace be upon him) at every moment. Seeing this, the Caliphs showered respect and honour on Hazrat Abbas as the real uncle of the Holy Prophet (Peace be upon him).

Hazrat Umar Farooq and Hazrat Usman were in such a trance that, being caliphs, whenever they passed through the colony of Hazrat Abbas, used to descend their vehicles in his honour. In Islamic history, from the point of tenure expansion, the spread of civilization and knowledge, the Abbasid Caliphate is of the greatest importance and distinction.

Therefore, I have attempted to analyze their religious trends during the one hundred & fifteen years (132H – 247H) tenure of the Abbasids, because the dignified caliphs like Abu Jafar Mansoor, Haroon-ur-Rasheed, Mamoon-ul- Rasheed and Mua'tasim Billah have been in the same age. Whereas the rest of the four centuries indicate their demise.

If seen from an objective glass, it comes to be known that the Abbasid demise had started in the age of Mua'tasim because the Turks had dominated the state affairs heavily. Then the Arab domination ended by posting, the Iranians and the Turks on high administrative offices. Nevertheless, much authority remained with the Abbasi caliphs because their orders were valid in the state affairs. These Abbasid Caliphs took the shelter of religion to create harmony

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

mushtaqkhan.iiui@gmail.com: ڈاکٹر مشتاق خان

between the state institutions and the state affairs. If these caliphs did not do the same, the Caliphate neither could have survived for five countries nor they could have got respect and importance among the masses. Although the Abbasids adopted such religious ideas merely to serve the demands of time and under the influence of surroundings, yet soon these religious trends became their need.

Similarly, when the expansions of the Islamic government reached the avenues of Caesar of Rome and Khusrao of Iran, consequent upon which, the society of the New Muslims and the Zimmis came into being, these new Muslims and the zimmis were primarily, unaware of the religious boundaries and the blessings of the religious system, secondly, they did not seem ready to quiet their inheritance. Thereupon, the Abbasid Caliphs searched out such a way, to entertain the new Muslims, as could conform with both the systems. The Abbasids, devised a new strategy after being impressed ideologically and practically by the Iranians. After holding the reigns of rule, these Abbasid Caliphs considered their peacefulness in moulding the government in the guise of religious robes, on the pattern of Imam so as to bestow it an eternal life. For the same cause, the Abbasids attempted to be popular by wearing the robes of Immamat (The religious and spiritual bliss) from the day first, and they claimed that the Caliphate will remain in their family till the second coming of the Christ. Therefore, the end of their Caliphate would be synonymous with the destruction of the universe.

Therefore, to show themselves the real heir of the Holy Prophet, they turned the title of this famous hadith “Al Aema min’al

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

Qutaibah ibn al-Attab came to Abbas. As the Abbasids came aided

by the Iranians, therefore, under Iranian impression, they presented the theory of Divine Right for Kingship. They claimed that this caliphate was bestowed upon them through God, therefore, they were God-gifted, thereupon, through this rule, they were not answerable to anyone but God.

Mutawakil, went far ahead in these ideologies, than the other Caliphs, and he presented the idea of “Niyabat-e-Allah” instead of Niyabat-e-Rasool, and coined for the Caliphs the term “Zil-ul-Allah” (Caliph is the shadow of God on earth). The purpose of such coinage was to enhance the dignity of the Caliph to the maximum. For the enhancement of the same, the Abbasid Caliphs decorated the grandiose court life with the necessities / requisites of Imamat. Keeping all the background in view, they started wearing black turban. They used to wear the Holly Robes of the Holy Prophet (Peace be upon Him), they used to keep the Holy Stick in hand, nay, by keeping Mus’Haff-e-Usmani in view, they tried to impress upon that those (Abbasid Caliphs) were of the realm of supernatural, therefore, the masses considered them as the custodians of Islam, hence, kissing their hands and bowing the look/heads in-front of them was taken as a bliss.

These Abbasid Caliphs tried their level best for the cultivation, spread and zenith of Islam. The Roman empire had always been a hard nut for them. Whenever the Romans got a chance, they assaulted, attacked, looted and imprisoned the Muslims. The Abbasids always did give preference to the release of the Muslims; sometimes by virtue of war, sometimes by offering Fidiya, and sometimes by signing the

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

mushtaqkhan.iiui@gmail.com: ڈاکٹر مشتاق خان

part of peace. nevertheless, far greater danger lay within the country

for the Abbasids from the rise of secular / irreligious movements.

Amongst these irreligious movements, the Zannarqa, Kharmiya and Muqaniya were the most important.

Lacs of Muslims had to offer their lives for to quiet such irreligious movements. Had the Abbasid Caliphs shown a bit of flexibility or softness, Islam would have witnessed such a danger and loss, that the compensation of which could not have been possible for centuries.

But despite all this, the other side of the personality of these Caliphs is not worthy of pride. Not only these people accepted the Muatazali ideas, but they also played their part for the idea of creation of the Quran and against Roo'at-e-Bari Ta'la. To popularize their Muatazali ideas, they exercised tortures and cruelties on the religious scholars. Even great people like Imam Ahmad Bin Hambal were not spare from their cruelties. The worthy Imam was not only tortured physically but was also killed horribly. Consequently, there started generating the feelings of severe disgust among the masses against these Abaasid Caliphs.

For the achievement of power, the Abbasids were busy shoulder to shoulder with the Alvis. When the Abbasids were successful in achieving the power, the Alvis were the only danger for them. They feared lest the Alvis demand the caliphate. Keeping these dangers in view, the Abbasids gave heavy tolls of punishment to the Alvis. According to them the ummayids could have been forgiven but the very name of the Alvis was intolerable for them. Therefore, they left no stone unturned in crushing the Alvis.

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

in this way the change which appeared in the religious circle

due to the difference of the government was not real but an appearant one. Because contrary to the Alvis the Abbasids did adopt the guise of religion and apparently, they preached their religiosity but actually they did not prove less religious than the ummayids. Therefore, if there is any difference between the ummayids and Abbasid caliphate, it is only in that the ummayids sultanate was purely Arab sultanate whereas the Abbasi sultanate was that of the new Muslims and in its racial ingredients the Arabs have the status of one ingredient.

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

مقدمہ

تاریخ عالم میں جن دو امور نے انسانی فکر کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ قوت اور مذہب ہیں قوت کا اثر محدود ہوتا ہے اور اس سے فقط انسانی جسم پر تسلط حاصل کیا جاسکتا ہے جب کہ مذہب کے ذریعے اقلیم دل پر حکمرانی کی جاسکتی ہے اور انسانی جذبات اور فکر و نظر کی راہیں متعین کی جاتی ہیں مذہب انسانی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتا ہے سچ یہ ہے کہ تہذیب انسانی کی نشوونما میں مذہب کو بڑا دخل حاصل ہے کارلائل کے مطابق کسی شخص یا قوم کی تاریخ کی روح تک پہنچنے کے لیے ان کے معتقدات مذہبی کی تحقیق کرنا ضروری ہے۔ یہی مذہبی جذبات انسانی کردار اور اس کے بنائے ہوئے اداروں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ دنیا کے ہر مذہب نے اپنے ماننے والوں کو کسی نہ کسی درجہ میں ایک ذات مطلق کا تصور، عبادات کا ایک نظام اور ایک ضابطہ اخلاق ضرور دیا ہے عبادات کا یہی نظام مذہب کو ایک ادارے کی حیثیت سے زندہ رکھنے اور اس کے پیروکاروں میں جماعتی یگانگت اور اجتماعی کردار پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اخلاقی ضوابط مذہب کی روح ہیں۔ تمام عبادات کا مقصد اور ذات مطلق میں ایمان کی آخری منزل یہی ہے کہ انسان ان اخلاقی ضوابط کی رہنمائی میں ایسے آداب معاشرت سیکھے، جن پر نہ صرف اس کی ذاتی فوز و کامرانی بلکہ انسانیت کی بقا کا دارومدار ہے۔

مذہب کا جس قدر تعلق مسلمانوں کی زندگی میں ہے وہ کسی اور مذہب کا خاصہ نہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے مذہب کے لیے دین اسلام (سلامتی کا راستہ) کی اصطلاح وضع کی گئی ہے یعنی ایسا دین یا راستہ جس کا انتخاب خود اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی دنیوی اور اخروی نجات کے لیے کیا۔ قرآن کریم میں پیغمبروں کی بعثت کا مقصد یہی بتلایا گیا ہے کہ انہوں نے وحی الہی کے ذریعے انسانی رشد و ہدایت کا اہتمام کیا۔ اس مذہبی رہنمائی یا دین اسلام کی تبلیغ و ترویج کا سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا اور اس کی تکمیل حضرت محمد ﷺ نے فرمائی۔ حضور اکرم ﷺ نے عملی طور پر مذہب اسلام کے اصولوں پر مدینہ میں اسلامی معاشرہ قائم کیا اور دنیا کی پہلی مسلم ریاست کی بنیاد رکھی۔ حضور اکرم ﷺ کوئی نیا مذہب نہیں لائے تھے۔ لیکن آپؐ نے ہر ایسے مذہب کا انکار کیا جو قوموں کا خود ساختہ تھا۔ آپؐ نے ایسے تمام مذاہب کو جو قوموں میں فرقہ بندی اور شرانگیزی تفرقہ کے موجب تھے باطل قرار دیا۔ آپؐ نے ایک ایسا دین پیش کیا جس کو دین اللہ اور دین حق سے معنون کیا گیا ہے۔ یہ دین نہ صرف تمام عالم انسانی کا ہے بلکہ کل کائنات السموات و الارض و ما بینہما کا ہے۔

تمام انبیاء اور رسل اس کی تبلیغ کرتے آئے ہیں کہ دین الحق اسلام ہے جس سے تمام کائنات کا نظم و نسق قائم ہے یہود نے اس دین کو اپنی قومیت سے اور نصاریٰ نے اپنے آپ کو ایک بڑی شخصیت حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ سے وابستہ کر کے ایسے مذاہب کا شاخسانہ کھڑا کر دیا جو سرے سے اس سچے دین کے منافی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے مذاہب کی بنیاد پر جو سیاسی نظام مرتب کیا، اس کی بنیاد شوری، اخوت، مساوات اور عدل و انصاف پر تھی۔ وطن قومیت، حسب و نسب اور مال و جاہ وغیرہ کے تمام غلط امتیازات مٹا کر ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کی جس میں تو حید کا نظریہ عملاً بروئے کار تھا، نہ کوئی حکمران طبقہ تھا اور نہ کوئی محکوم، قانون کی نظر میں ادنیٰ و اعلیٰ سب برابر تھے۔ حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین میں دین اسلام

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کے وہ تین بنیادی اصول جن پر اسلامی نظام حکومت کے بنیادی تصورات متعین ہوئے، یہ ہیں۔

۱۔ ان الحکم الا للہ۔ ”اقتدار اعلیٰ کا مالک اللہ ہے۔“

۲۔ و امر ہم شورى بینہم۔ ”اور (اللہ کے) ان (بندوں) کا کام معاملات کو باہم مشورے سے طے کرنا ہے۔“

۳۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم ”اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اولوالامر کی اطاعت کی جائے۔“

اسلامی نظم و مملکت کے درج بالا تین نظریات جو قرون اولیٰ کی خلافت راشدہ کے دوران اپنے تمام تر لغوی و حقیقی مفہوم کے ساتھ قائم رہے بنو امیہ کے دور میں ان کے اصطلاحی معنی میں انحراف کا آغاز کیسے ہوا؟ اور خلفائے عباسیہ نے کون سی راہ اختیار کی؟

یہ ایسا اہم سوال ہے جس کا معقول جواب ہمیں ضرور معلوم ہونا چاہیے چنانچہ مقالہ زیر نظر میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ اور خلافت راشدہ کے دور میں مرتب شدہ اسلامی نظام مملکت کے ان آفاقی نظریات اور اصولوں سے سیاسی مصلحتوں اور ماحولیاتی تقاضوں کے تحت انحراف کی جو راہ اموی خلافت کے دور میں اختیار کی گئی اس راہ پر عباسی خلفاء نے کس حد تک پیش رفت کی اور اپنے ان افعال کو کیا مذہبی رنگ دیا؟ حقیقی دینی معتقدات و نظریات سے انحراف کی یہ وہ مثالیں تھیں جنہیں بطور نظیر آج تک کی اسلامی مملکتوں کے حکمرانوں نے اختیار کیا اور اس روگردانی کے نتیجے میں خدائی ثمرات و برکات سے محروم رہے۔

یہ تحقیقی کام دور سابق کی ان غلطیوں کو جنہیں عباسی خلفاء نے حتمی رواج دیا تھا کی نشاندہی کرنے کے بعد عالم اسلام کو اپنی کامرانیوں کے لیے قرون اولیٰ کے درست دینی معتقدات اور نظام حکومت و سیاست سے رجوع کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

خلفائے بنو عباس کے مذہبی رجحانات کے جائزے سے دو نتائج سامنے آتے ہیں ایک اسلام کے ان اصولوں کا ہمیں علم حاصل ہوتا ہے جن پر حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین نے عمل کیا تھا اور دوسرے ہمیں عباسی دور کے مروجہ اخلاقی اور سماجی نظریات کے بتدریج پروان چڑھنے کا پتہ چلتا ہے۔ پہلے زاویے سے جب خلفائے عباسیہ کے افکار و نظریات پر نظر ڈالی جاتی ہے تو ان کی صدہا خامیاں سامنے آتی ہیں اور ان کی زندگی کے بہت سے ایسے پہلو نظر آنے لگتے ہیں جو قابلِ تعزیر ہیں لیکن جب اس عہد کے عام سیاسی ماحول میں ان کے اعمال کا جائزہ لیا جائے تو ان کی اور ہی تصویر بنتی ہے۔

اس تحقیقی کام کو موجودہ دور سے منطبق کرنے کے لیے خلفائے عباسیہ کے مذہبی معتقدات اور ان کے بنائے ہوئے سیاسی اور معاشی اداروں کو مذہب اور قومیت کے موجودہ تصورات کی روشنی میں جانچنے کی سعی کی گئی ہے۔

خلفائے بنو عباس کے نظم مملکت کے جائزے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کے تمام سیاسی اعمال و افعال اور ان کی زندگی سرتاپا کسی مذہبی جذبے کا نتیجہ نہیں تھی وہ نہ تو ملک میں خالصتاً مذہب اسلام کے نمائندے کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور نہ ہی اسلامی مقبوضات میں اسلام کی نشر و اشاعت ان کی کوششوں کی مرہون منت تھی۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

دراصل خلافت راشدہ کے بعد اموی دور سے ہی مذہبی اعتقادات کو ضروریات ملک و سیاست کے تابع رکھا جانے لگا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ خلافت بنو امیہ کی طرح بنو عباس کے زمانے میں بھی یہی معتقدات جڑ پکڑ چکے تھے کہ اسلامی اختیارات کے عام اصولوں کا حاکم وقت پر اس طرح سے اطلاق نہیں ہوتا جس طرح کہ ایک عام انسان پر خصوصاً وہ قوانین جن کا تعلق شراب، زنا اور قتل سے ہے۔ دراصل عجمی شہنشاہیت کے نظریات سے اثر پذیر ہوتے ہوئے اول خود خلفائے بنو امیہ و بنو عباس اور پھر رفتہ رفتہ ان کے بطن سے جنم لینے والے سلاطین اور حکمران طبقہ متعلقہ اخلاقی قوانین کی پامالی کو اپنا استحقاق سمجھنے لگا تھا لیکن اس پس منظر میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عوام، خلفاء اور حکمران طبقہ سے رسمی طور پر مذہبی ضوابط اور مروجہ روایات کے احترام کی توقع رکھنے لگے اور خلفاء نے بظاہر ان کی اس توقع کو پورا کرنے کی کوشش کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ عباسی خلفاء کے دنیوی جاہ و جلال اور نمود و نمائش کے لیے تعمیر کردہ قصر جو دجلہ کے کنارے نو میل کی وسعت پر محیط تھے چشم زدن میں نیست و نابود ہو گئے لیکن وہ فطری عمارات جو دینی اغراض و مقاصد کے لیے استوار کی گئیں تھیں ان کے آثار آج بھی باقی ہیں یقیناً رسکن Reskin کا تجزیہ صحیح ہے کہ اگر کسی قوم کی سپرٹ کا مطالعہ کرنا ہو تو اس کی قدرتی عمارات کا ملاحظہ کیا جائے۔

یہ خلفاء بنو عباس کا شاندار دور تھا جس کے دوران علوم و حکمت کی طرف خصوصی توجہ دی گئی۔ ائمہ دین نے فقہی مسالک اختیار کر کے دین اسلام کی حتمی صورت میں حد بندی کر دی۔ محدثین نے تدوین حدیث کے ساتھ ساتھ اصول حدیث مرتب کر کے جعلی احادیث کی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بیخ کنی کر دی۔ اس دور میں مختلف علوم کے مسلم حکماء نے جو کچھ لکھا اس کی روشنی میں اہل مغرب نے اپنی ترقی کی منازل طے کیں۔ ان نامور مشائخ، علماء اور ائمہ فقہ نے اپنی بے لوث خدمتِ خلق سے عوام و خواص سب کو متاثر کیا اور اس طرح اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ یہ تمام پیش رفت چونکہ مذہبی رجحانات کے حامل عباسی خلفاء کے دور میں ہوئی اس لیے اس سہرے کا حق دار انہی کو ٹھہرایا جاتا ہے۔

خلافت عباسیہ کا قیام ایران کی نشاۃ ثانیہ کا باعث ہوا۔ عباسی خلفاء کا ایرانیوں کے سماجی اور فکری حالات سے متاثر ہونا ناگزیر تھا۔ نظام حکومت چلانے کے لیے انہیں ایرانیوں کی مدد اور ان کے تعاون کی ضرورت تھی۔ لہذا ان کے دور رس اثرات کا دائرہ نظام حکومت تک ہی محدود نہ رہا بلکہ ابتدا میں ان اثرات کی سماجی نوعیت واضح ہوئی اور پھر ان کے ایرانی عورتوں سے ازدواجی تعلقات کی بنا پر ان اثرات نے ہمہ گیر صورت اختیار کر لی۔ حتیٰ کہ زرتشت اور کسریٰ کے افعال و اعمال نے جب خلافتی ادارہ کو پوری طرح سے اپنی گرفت میں لے لیا تو انہیں مذہبی تقدس کا لبادہ پہنا کر عوام کی خوشنودی حاصل کی گئی۔

یہ بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بظاہر خلفاء بنو عباس کی شخصی زندگی پر اسلام کا کتنا ہی اثر کیوں نہ ہو لیکن اس کے سیاسی اداروں میں عملاً اکاسرہ فارس کی روح سرایت کر گئی تھی۔

عباسی تحریک کی کامیابی میں خراسانیوں نے جو کردار ادا کیا اس کے پس پشت ایرانی اقتدار کی بحالی کا عزم تھا۔ اگرچہ یہ مقصد عربوں کے اقتدار کے خاتمے اور ایرانیوں کی عباسی خلافت کے تمام شعبوں پر بالادستی کی صورت میں حاصل ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

نومسلم ایرانی اپنی اس نشاۃ ثانیہ سے مطمئن نہ تھے انہوں نے اس موقع پر عباسی خلافت کو ایرانی شہنشاہیت سے آلودہ کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اسی قسم کی لادینی تحریک اسلام کو کمزور کرنے کے لیے شروع کر دیں جیسی کہ خلافت راشدہ کے قیام کے فوراً بعد نومسلم عرب قبائل نے فتنہ ارتداد کی شکل میں پیا کی تھیں۔

عہد عباسیہ کی لادینی تحریکوں میں مثلاً تحریک خرمیہ نے بڑا عروج حاصل کیا۔ اس تحریک کا آغاز عہد ابو جعفر منصور میں اس وقت ہوا جب عباسی خلیفہ نے سیاسی مصلحت کے تحت ابو مسلم خراسانی کو قتل کروا دیا۔ ابن الاثیر کے بقول ابو مسلم خراسانی مجوسی تھا اور بظاہر اسلام قبول کرنے کے باوجود وہ مجوسی ہی رہا۔ یہ تحریک دراصل ابو مسلم خراسانی کا انتقام لینے کیلئے عباسی خلیفہ کے خلاف ایک بغاوت تھی۔ اس تحریک کا آغاز خراسان سے ہوا کیونکہ اہل خراسان ابو مسلم خراسانی کو نبی گردانتے تھے تاہم ابو جعفر منصور نے اپنی بیدار مغزی اور دانشمندی سے اس فتنے کو فرو کیا، جس کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ امت مسلمہ ایک نئے متوقع نبی کے خطرے سے بچ گئی۔ بابک خرمی نے ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد اس کا انتقام لینے کیلئے اس تحریک کا آغاز کیا۔ بابک خرمی اس تحریک میں شامل نہ ہونے والے شہروں اور دیہاتوں پر حملہ آور ہوتا اور وہاں کی مسلم رعایا کو زندہ جلا دیتا۔ المسعودی کے بقول بابک خرمی نے دس لاکھ مردوں، عورتوں اور بچوں کا ناحق خون کیا۔ عہد مامون الرشید اور معتصم باللہ میں اس تحریک کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ چنانچہ معتصم باللہ نے اس تحریک کے ملحدانہ عقائد کو دیکھتے ہوئے اس کو منطقی انجام تک پہنچایا اس طرح معتصم باللہ نے بابک خرمی کو گرفتار کر کے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اسے صلیب دے دی۔ ان لوگوں نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کو ترک کر کے شراب کو اپنے لئے حلال کر لیا تھا یہ محرمات کو اپنے لئے حلال اور عورت کو مشترکہ ملکیت سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے عقائد کی تائید کیلئے جھوٹی احادیث بنانے سے بھی گریز نہ کیا۔ دراصل اس قسم کی لادینی تحریکوں کا بڑا مقصد اسلام کی اصل روح کو نقصان پہنچانا تھا۔ اس دوران ایرانی بڑی خاموشی سے موضوع احادیث کے ذریعے اپنے زرتشتی عقائد کی ترویج و اشاعت میں مصروف عمل رہے۔ ان کی سرگرمیوں کا مرکز کوفہ تھا۔ ان میں سے ایک فرقہ راوندیہ نے تو ابو جعفر منصور کو خدا بنا کر اس کے محل کا طواف کرنا شروع کر دیا۔ اس کا مقصد نوزائیدہ خلافت عباسیہ کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا تھا جس میں انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

مقالہ میں ان لادینی تحریک کے اسباب و عوامل اور مضمرات پر بحث کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے خلاف عباسی خلفاء کے عملی اقدامات کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ لادینی تحریک کی بیخ کنی میں خلفائے عباسیہ کا کردار ہمیشہ مثبت رہا، ماسوائے مسئلہ خلق قرآن کے۔ اس نظریے کی عملی تبلیغ و اشاعت میں بعض عباسی خلفاء نے بڑا اہم کردار ادا کیا اور انہوں نے معتزلی نظریات نہ اپنانے والوں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا حتیٰ کہ اس دوران بعض علمائے حق کو اپنی جانوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔

عباسی خلفاء کے مذہبی افکار کے مطالعہ میں مسلم سوسائٹی کے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ خلفاء کے لیے عام حالات میں یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھائیں جس سے عام مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچے۔ یہی وجہ ہے کہ جب خلق قرآن کا مسئلہ زور پکڑ گیا تو مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر عباسی خلفاء نے عام مسلمانوں کے مسلک کو ہی قبول کیا۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

عباسی تحریک کی کامیابی اپنے تمام مذہبی رجحانات کے ساتھ ساتھ انقلاب فرانس اور انقلاب روس سے بھی زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس لیے کہ اس انقلاب کے جلو میں کچھ ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں جس کے دیر پا اثرات نے ایران کے علاوہ برصغیر پاک و ہند تک کو متاثر کیا، رفتہ رفتہ خلیفہ پر قابو پانا شروع کر دیا۔ غزنی میں الپتگین کی حکومت کا قیام اس کی ایک صریح علامت تھی۔ ایران میں صفوی اور ہندوستان میں سید اور لودھی خاندانوں کے ماسوا تمام مسلمان بادشاہ ترکی النسل تھے اس ترک حکمران طبقہ نے بعد ازاں ہندوستان کو بھی فتح کر لیا، اس انجام کا آغاز اس عباسی انقلاب میں پنہاں تھا جس نے مذہبی رجحانات کے مل پر حکومت کو مستحکم کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی خلافت خود اس سیاسی غلطی کی وجہ سے مٹ گئی لیکن اسلام کو ضعف نہ پہنچا بلکہ ترکوں نے اس کو اور بھی تقویت دی۔

عباسی خلافت کے زوال اور ترک امراء کے عروج نے ایک نئے سیاسی ادارہ کو ’سلطان‘ کے نام سے جنم دیا۔ سلاطین اپنے تمام تر دنیوی اقتدار اور حربی بالائری کے باوجود آئینی و قانونی اقتدار اور عوامی تائید و حمایت کے لیے زوال پذیر خلافتی ادارے کے دینی تقدس کی بناء پر اس سے پروا نہ خلافت کا حصول سیاسی مصلحت کے تحت کرتے تھے۔ بنو عباس کی نیابت کا یہ سلسلہ ہندوستانی ترک سلاطین کے لیے عوامی تائید و حمایت کا باعث بن گیا اور انہوں نے اس کا اظہار عقیدت اپنے مسکوکات اور خطبات کے ذریعے کیا حتیٰ کہ خلافت عباسیہ کی مسحور کن مذہبی سیادت و قیادت کا یہ سلسلہ سقوط بغداد کے بعد بھی جاری رہا اور عالم اسلام کو ایک نظریاتی مرکزیت فراہم کرتا رہا۔

اس مذہبی تقدس کے پس پردہ خلفائے عباسیہ کے سیاسی مصالح ہی سہی لیکن اس کے نتیجے میں جو تقویت اور مرکزیت اسلام کو میسر آئی اس کا مطالعہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ماضی کے اس تجربے کو آج کی منتشر مسلم ریاستیں اپنا کراپنی مرکزیت اور قوت کا سامان کر سکتی ہیں۔ خلافت عباسیہ کے دور میں کئی قسم کے مذہبی اداروں، دینی ولادینی تحریک اور طبقات نے جنم لیا اور ان سب کے پس پشت فاطمیوں، عباسیوں اور خراسانیوں کے مابین سیاسی اختلافات و مصالح تھیں۔ ان میں سب سے بڑی سیاسی تحریک فاطمی تحریک تھی۔ جو سانحہ کربلا کے نتیجے میں پروان چڑھی۔ جب تک ان کا بنو امیہ سے مقابلہ رہا فاطمی، عباسی اور خراسانی متحد رہے۔ اموی خلافت کے خاتمے کے بعد تینوں کو اپنے مفاد نے ابھارا، اس کشاکش میں عباسیوں کو سیاسی برتری حاصل ہوئی تو فاطمیوں نے اسے اپنی حق تلفی پر محمول کرتے ہوئے ابتدا میں خلافت کے حصول کے لیے بہت جدوجہد کی۔ حضور اکرم ﷺ سے قرابت کی وجہ سے عام مسلمانوں کے دلوں میں ان کی از حد عزت و تکریم تھی خود ان کا دعویٰ خلافت بھی آپ سے نسبی تعلق کی وجہ سے تھا۔ اموی دور میں ایرانیوں اور عباسیوں نے ان کو اپنا آلہ کار بنایا، لیکن جب بنو عباس بساط سیاست پر ان کو مات دے گئے اور خلافت عباسیہ مستحکم ہو گئی تو یہ مایوس ہو گئے۔ فاطمیوں، امویوں اور عباسیوں کے سیاسی اختلافات نے دین اسلام میں کئی دینی تحریک اور مسلم فرقوں کو جنم دیا جو اپنے آغاز کار سے ہی کئی سیاسی و دینی مناقشات کا باعث چلے آتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری و ساری ہے۔

اس دوران ایک اور اہم تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ جب عباسیوں نے اپنی شاطرانہ سیاست کی وجہ سے فاطمیوں کو مات دے دی اور خلافت عباسیہ مستحکم ہو گئی تو موخر الذکر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ روحانی امامت یعنی دینی حکومت پر قبضہ کر لیں۔ فاطمیوں

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

میں حضرت امام جعفر صادق اس منصب پر فائز ہونے والی پہلی شخصیت ہیں۔ خلافت اور امامت کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس سے امامت کا منصب علیحدہ ہو گیا۔ گو عباسی خلفاء ہمیشہ اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے روحانی پیشوا کی حیثیت بھی دیتے رہے ان دونوں اداروں کی کیا اہمیت تھی؟ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر خلافت دنیوی حکومت تھی تو امامت دینی حکومت۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دنیوی حکومت تو جسموں پر ہوتی ہے لیکن دینی حکومت دلوں پر ہوتی ہے ہر ایک قوم کی تاریخ میں یہ دو طاقتیں دینی حکومت (Church) چرچ اور دنیوی حکومت (State) برسر اقتدار رہی ہیں۔ قرآن کریم میں دینی حکومت کو نبوت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے ساتھ اس نبوت کا خاتمہ ہو گیا اور اس کی جگہ خلافت قائم ہوئی جو امامت کی ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہوتی تھی اور دینی اور دنیوی امور کا انصرام بھی کرتی تھی دراصل امامت کو خلافت کا ایک جزو لاینفک سمجھا جاتا تھا۔ دور عباسیہ میں امامت کا عہدہ ائمہ دین کے سپرد ہوا۔ مختلف فقہی مکاتب فکر کے وجود پذیر ہونے سے دینی امامت صرف فاطمیوں تک ہی محدود نہ رہی بلکہ اسی طرح حدیث اور علوم حدیث کی نشر و اشاعت سے فقہ و حدیث کے جلیل القدر ائمہ بھی سامنے آئے اس میں کچھ شک نہیں کہ ابتدا میں یہ امامت مشہور ہستیوں کے ہاتھ میں رہی، جن کا اثر و رسوخ بھی بہت تھا لیکن دینی زوال کے دور میں بعد ازاں یہ مسجد کے ملاں کے ہاتھ میں آ گئی۔

دور عباسیہ میں امامت کے خلافت سے علیحدہ ہونے کے کیا اثرات مسلم سیاست پر مرتب ہوئے؟ مقالہ زیر نظر میں اس کے مطالعے نے نئی جہتوں کا تعین کیا ہے۔ مثلاً زنا و قہ نے مسلمانوں کو فریضہ جہاد سے غافل کرنے کے لیے یا اسلام کے نادان دوستوں نے ترغیب عبادات کے لیے ایسی احادیث کثرت سے وضع کیں، جس میں ایک ایک نفل کا ثواب ہزار شہداء کے اجر کے برابر قرار دیا گیا۔ فریضہ جہاد سے یہ غفلت صحیح حدیث کے مطابق مسلم قوم کی ذلت کا سبب ہوئی اور اب تک ہے۔

دراصل جہاد سے روگردانی کا ارتکاب عباسی خلفاء نے کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دور میں فتوحات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ شخصی حکومت اور پھر اس کے خلاف سازشوں اور مسلسل بغاوتوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے جہاد کے مقاصد پورے نہیں ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں جہاد سے عباسی سلطنت کی جغرافیائی حدود میں مزید وسعت نہ ہوئی وہاں مفتوحہ اقوام کی پرفریب رعنائیوں نے عباسی خلفاء کو مدہوش کرنے کے ساتھ ساتھ مسلم امہ کو بھی خواب غفلت میں مبتلا کر دیا، جس کے نتیجہ میں سقوط بغداد جیسی عالمگیر تباہی ان کا مقدر بن گئی۔

مقالہ زیر نظر میں عباسی عہد میں جہاد سے روگردانی کے اسباب کا جائزہ لیا گیا ہے اس کے مضمرات کی نشاندہی کی گئی ہے اور موجودہ اسلامی مملکتوں کی توجہ اس اہم دینی فریضہ کی طرف مبذول کرائی گئی ہے۔

مسلمانوں کی ملی تاریخ میں یہ بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلافتی ادارے کا جو سیاسی و مذہبی کردار خلافت راشدہ کے آغاز سے متعین کیا گیا تھا اس کے ہمہ گیر اثرات مسلمانوں کی ملی تاریخ پر ہمیشہ کے لیے نقش رہے، اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب عباسی خلافت کی شکست و ریخت کے نتیجے میں متعدد اسلامی مملکتیں ظہور پذیر ہوئیں تو ان میں سے ہر ایک نے عباسی خلافت کی مرکزیت کو تسلیم کیا اور خلیفہ کی مذہبی سیادت جو اس وقت تمام عالم اسلام کے اتحاد و یگانگت کی علامت تھی برقرار رہی۔ حتیٰ کہ سقوط بغداد کے بعد جب عباسی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

خلافت کا نشان تک مٹ گیا تو اس کے بعد بھی ہندوستان کے سلاطین نے اس ادارے سے رسمی و تخیلاتی وابستگی اپنے خطبات و مسکوکات کی شکل میں جاری رکھی۔

خلافت کے اس مذہبی تقدس کو پروان چڑھانے میں سب سے بڑا کردار خود عباسی خلفاء اور ان کے ہی خواہوں کا تھا اور یہی ایک طریقہ تھا جس کے ذریعہ عالم اسلام کو متحد رکھا جاسکتا تھا۔ اگرچہ بعد میں مصر میں فاطمی خلافت اور ترکی میں عثمانی خلافت قائم ہوئی لیکن عباسی خلافت کے دور جیسی مرکزیت عالم اسلام کو پھر کبھی بھی نصیب نہ ہوئی۔

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہے کہ حکمکن دین کے لیے خلافت کا ادارہ جس قدر ماضی میں ضروری تھا امت مسلمہ کو امن و حکمکن اور تبلیغ و اشاعت دین کے مقاصد کے لیے اس ادارے کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت آج ہے کیونکہ موجودہ دور میں عالم اسلام جس انتشار و افتراق کا شکار ہے انہی کی وجہ سے باہمی تنازعات نے اسلامی ممالک کو اور کمزور کر دیا ہے۔

مزید برآں اقوام متحدہ کے موجودہ کردار اور مغربی طاقتوں کی عالم اسلام سے روایتی مخالفت کے پیش نظر ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمانوں کی مرکزیت کا ادارہ خلافت اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ دوبارہ قائم ہو اور جس کا سربراہ بطور خلیفہ اسلام تمام ملت اسلامیہ کی مذہبی و سیاسی قیادت کا امین اور ذمہ دار ہو۔

باب اول

خلافت بنو عباس کے قیام کا پس منظر

فصل اول: خاندان بنو عباس کا عرب میں مرتبہ و مقام

فصل دوم: ظہور اسلام سے فتح مکہ تک خاندان بنو عباس کا اسلام سے متعلق مجموعی طرزِ عمل۔

فصل سوم: حصولِ خلافت سے قبل خاندان بنو عباس کی دینی خدمات

فصل چہارم: خلافت عباسیہ کا قیام و استحکام

الف: اموی خلافت کے زوال کا پس منظر

ب: تحریک اہل بیت کی علویوں سے عباسیوں میں منتقلی۔

ج: تحریک ہاشمیہ کی کامیابی کے اسباب۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

بنو عباس کا تعلق قریش¹ کی معز بنی شام بنو ہاشم سے ہے۔ ان کا سلسلہ پانچویں پشت پر قصی بن کلاب سے ملتا ہے یعنی عباس بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

”ان الله اصطفى كنانة من ولد اسمعيل و اصطفى قريشاً من كنانة و اصطفى من قريش بني هاشم و

اصطفاني من بني هاشم“²۔

”اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے بنو کنانہ کو چن لیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو پسند فرمایا اور قریش میں سے

بنو ہاشم کو پسند کیا اور بنو ہاشم میں سے مجھے برگزیدہ فرمایا“

قصی بن کلاب (قصی کا اصل نام زید تھا) نے اپنی موت سے قبل خانہ کعبہ کی تولیت اور اس سے منسلک تمام مناصب اپنے سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کے لیے وصیت کر دیے³۔ اس طرح قصی کی موت کے بعد عبدالدار ان کے قائم مقام کی حیثیت سے مکہ کی شہری ریاست کے سربراہ بن گئے⁴۔

قصی بن کلاب کی موت کے کچھ عرصہ بعد عبدمناف بن کلاب کے بیٹوں عبدالشمس، ہاشم، مطلب اور نوفل نے اس بات کا متفقہ فیصلہ کیا کہ عبدالدار بن قصی کے پاس حجاب، لوا، سقایہ اور رقادہ کے جو عہدے ہیں وہ ان سے واپس لے لیے جائیں کیونکہ ہم عبدالدار کے مقابلے میں یہ کام سرانجام دینے کے زیادہ اہل ہیں۔ اس کے لیے بنو عبدمناف اور اس کے حلیفوں نے عطر سے بھرے ہوئے طشت میں ہاتھ ڈال کر کعبہ کے پاس آخر دم تک لڑنے مرنے کا عہد کیا۔ اس طرح وہ معاہدین ”حلف المطیین“ (خوشبو لگانے والوں) کے لقب سے مشہور ہوئے⁵۔

دوسری طرف بنی عبدالدار اور ان کے حلیفوں نے بھی بیت اللہ کے پاس اپنے عہد کے لیے قسمیں کھائیں کہ ہم ایک دوسرے کو بے یار و مددگار نہ چھوڑیں گے یہ معاہدین تاریخ اسلام میں ’احلاف‘⁶ کے نام سے مشہور ہیں۔

لیکن جلد ہی فریقین جنگی تیاریوں کے بعد صلح پر آمادہ ہو گئے اور یہ طے پایا کہ بنو عبدمناف کو سقایہ اور رقادہ کے امور سونپ دیئے جائیں جب کہ حجاب، لوا، ورنہ وہ بدستور بنو عبددار کے پاس ہی رہیں گے اس طرح فریقین میں خونریز جنگ ہوتے ہوئے رک گئی⁷۔

عبدمناف کی موت کے بعد ریاست کا انتظام وانصرام ان کے لڑکے ہاشم بن عبدمناف کے ہاتھ میں آ گیا، ہاشم⁸ کا اصل نام عمرو تھا، ان کی کنیت ایک روایت کے رُو سے ابو زید جبکہ دوسری روایت کی رُو سے ابو اسد تھی⁹۔

عبدالشمس اور ہاشم دونوں ہی عبدمناف کے قابل ذکر بیٹے تھے۔ عبدالشمس کے بیٹے امیہ سے اموی خاندان اور ہاشم سے بنو ہاشم کا خاندان چلتا رہا۔ باپ (عبدمناف) کی وفات کے بعد ایک بیٹے کے حصے میں کعبہ سے متعلق خدمات اور دوسرے کے حصے میں فوج کی سپہ سالاری آئی جس سے ان کے بیٹوں کے درمیان حسد شروع ہو گیا۔ ایک نے دوسرے سے حسد کیا، اس طرح اقتدار کی یہ کشمکش آئندہ چل کر مخالفت کا سنگ بنیاد بنا بت ہوئی۔ اسی وجہ سے دونوں خاندانوں میں ہمیشہ یہ خصامت رہی¹⁰۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

قحط سالی کے ایام میں ہاشم نے جو کا خیر کیا اس کی بدولت قریش کے نزدیک ہاشم کی عزت و توقیر میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ قریش میں ہاشم کی اس عزت افزائی سے امیہ کے دل میں اس کے خلاف اور زیادہ حسد پیدا ہو گیا۔ پہلے تو اس نے ایسا ہی مرتبہ و مقام حاصل کرنے کے لیے کچھ امور خیر انجام دیئے لیکن جب ان امور کی انجام دہی سے بھی اسے وہ قدر و منزلت حاصل نہ ہو سکی تو اس نے ہاشم کو مناظرے کا چیلنج دے دیا، ہاشم نے اس سے بچنے کی بارہا کوشش کی لیکن لوگوں کے مجبور کرنے پر وہ طوعاً و کرہاً اس پر راضی ہو گیا، لیکن ہاشم نے یہ شرط رکھی کہ:

”تیرے مغلوب ہونے کی صورت میں تجھے سیاہ آنکھوں والی پچاس اونٹیاں بطن

مکہ میں ذبح کرنا ہوں گی اور تجھے دس برس کے لیے مکہ سے جلا وطن ہونا پڑے

“۱۱۔

امیہ نے اس شرط کو قبول کر لیا، قریش نے بنو خزاعہ کے کاہن (جنوں سے دریافت کر کے غیب کی خبریں بتانے والے) نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دیا کہ امیہ سیاہ آنکھوں والی پچاس اونٹیاں بطن مکہ میں ذبح کرنے کے لیے ہاشم کے حوالے کرے اور خود دس سال کے لیے مکہ سے جلا وطنی اختیار کرے پھر شرائط کے مطابق ہاشم نے امیہ سے وہ اونٹ لے کر ذبح کیے اور اس سے قریش کی ضیافت کی اور امیہ معاہدے کے مطابق دس سال کے لیے شام جلا وطن ہو گیا۔ یہی وہ واقعہ تھا جس سے اموی ہاشمی چپقلش کا آغاز ہوا ۱۲۔

ایک عرصہ تک ہاشمی بلا شرکت غیرے کعبہ کے متولی رہے، مکہ کی زمینیں ان کے تصرف میں رہیں۔ عبدالقیس بن عبد مناف اکثر سفر میں رہتے تھے اور ان کا قیام مکہ میں بہت کم ہوتا تھا۔ پھر یہ ٹھگ دست اور کثیر العیال بھی تھے۔ جب کہ ان کے بھائی ہاشم مالدار تھے، اسی وجہ سے بنو ہاشم حجاج کو نہایت سیرچشمی سے کھانا کھلاتے، چرمی حوضوں میں زم زم بھر کر منیٰ میں بہل (نام کے بت) کے پاس رکھتے تھے اور حج کے موقع پر قریش کو یوں مخاطب کرتے تھے:

”اے گروہ قریش! تم لوگ اللہ کے زیر جوار ہو، بیت اللہ والے ہو، اس موسم میں

تمہارے پاس اللہ کے زائر آتے ہیں، وہ اللہ کے مہمان ہیں..... اللہ نے تمہیں

اس نعمت سے مخصوص کیا ہے اور یہ شرف خاص تمہی کو عطا کیا ہے..... لہذا تم

بھی اس کے زائرین کی نگہداشت میں کوئی فروگزاشت نہ کرو، تم ان کی ضیافت کرو،

کھانا کھلاؤ اور پانی پلاؤ“ ۱۳۔

ہاشم مقام منیٰ و مکہ میں حاجیوں کی ضیافت کا معقول انتظام کرتے، انہیں گوشت روٹی اور ستو کی شرید (شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹیاں) دیتے۔ حوضوں کی کمی کے باوجود منیٰ میں پانی پلانے کا مناسب انتظام ہوتا تھا، منیٰ سے واپسی پر مناسک حج کی ادائیگی کے بعد حجاج کرام اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

نہطہ عرب میں بنو ہاشم کی دوسری فضیلت یہ تھی کہ انہوں نے تجارت کو نہایت ترقی دی 14۔ یہ طے پایا کہ عرب سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارتی سفر کر سکیں گے۔ قیصر روم سے یہ فرمان حاصل کیا گیا کہ قریش کے جو تجارتی قافلے روم جائیں گے ان سے کسی قسم کا ٹیکس نہ لیا جائے گا اسی قسم کا فرمان حبشہ کے نجاشی بادشاہ سے بھی حاصل کر لیا گیا۔

ہاشم نے مختلف عرب قبائل کا دورہ کر کے ان سے یہ معاہدہ کیا کہ وہ قریش کے تجارتی قافلوں کو نہ لوٹیں گے اس کے بدلے میں قریش خود ان قبائل میں خرید و فروخت کی چیزیں لے کر جایا کریں گے، اس معاہدے کی وجہ سے قریش کے تجارتی قافلے ہمیشہ عربوں کی لوٹ مار سے محفوظ رہتے 15۔

ہاشم نے مدینہ آ کر بنو نجار کی سلمی نامی عورت سے شادی کی، اس کے بطن سے ایک لڑکا ”عبد المطلب“ 16 پیدا ہوا اور آٹھ برس تک اس نے اپنی ماں کے پاس مدینہ میں پرورش پائی، ہاشم کے بھائی مطلب کو جب بھیجے کی پیدائش کا علم ہوا تو وہ انہیں لینے کے لیے مدینہ آئے، چونکہ یہ یتیم تھے اور مطلب نے ان کی پرورش کی تھی اس لیے عرب محاورے کے مطابق شیبہ ”عبد المطلب“، یعنی ”مطلب کے غلام“ کے نام سے مشہور ہو گئے 17۔

ساری قوم عبد المطلب کے جو دو کرم کی وجہ سے ان کو فیض رساں کہتی تھی اور لوگ بھی ان کو بزرگ اور شریف النفس انسان سمجھتے تھے۔ ہاشم نے اپنے بھائی مطلب بن عبد مناف کو اپنا وصی بنایا تھا اس لیے مطلب کے بعد ملکی ریاست کی سربراہی ان کے زیر تربیت بھیجے عبد المطلب کو حاصل ہوئی۔ ہاشم کے چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں ان میں عبد المطلب نے بڑی شہرت پائی اور یہ مرتے دم تک قریش کے سردار رہے۔

عبد المطلب قریش میں خوش رو، بلند وبالا، مرد بار، معتدل مزاج اور فیاض تھے کبھی بھی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ کسی بادشاہ نے انہیں دیکھا ہو اور ان کی تعظیم نہ کی ہو، ایک دفعہ قبیلہ خزاعہ کے کچھ لوگوں نے ان سے کہا کہ ”ہم سب لوگ گھر کے اعتبار سے آپس میں ہمسائے ہیں کیوں نہ ہم باہمی امداد و نصرت کا عہد و پیمان کر لیں“ 18۔ اس کے بعد عبد المطلب اپنی جماعت کو لے کر دارالندوہ پہنچے، جہاں دونوں قبائل نے ایک دوسرے کی مدد کے عہد و پیمان کیے اور ایک عہد نامہ لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا۔ اسی معاہدے کے بارے میں عبد المطلب نے اپنے بیٹے زبیر سے کہا تھا کہ:

”اگر میری موت آئی تو زبیر بن عبد المطلب کے لیے میری یہ وصیت ہے کہ میرے

اور فرزند ان عمر و خزاعی کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا وہ اس پر قائم رہے اور اسے

ٹوٹنے نہ دے“ 19۔

اسی معاہدے کی پاسداری کے لیے عبد المطلب نے اپنے بیٹے زبیر کو، زبیر نے اپنے بھائی ابو طالب کو اور ابو طالب نے عباس بن عبد المطلب کو وصیت کی تھی۔ ایک بار جب عبد المطلب تجارت کی غرض سے یمن گئے تو وہاں ان کی ملاقات ایک عمر رسیدہ اور قدیم کتب کے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

عالم و ماہر سے ہوئی اس نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا ”میں تم میں نبوت و حکومت دیکھ رہا ہوں مگر ان دونوں چیزوں میں سے مجھے ایک چیز بنی زہرہ میں نظر آتی ہے“²⁰۔ اس سفر سے واپسی پر عبدالمطلب نے پہلے خود بنی زہرہ کی خاتون ہالہ بنت وہب ابن عبد مناف بن زہرہ سے شادی کی، پھر اپنے بیٹے عبد اللہ کا نکاح بھی خاندان بنی زہرہ کی آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ سے کر دیا، ابن سعد اور دیگر اہل سیر کی روایت کے مطابق حضرت آمنہ اور ہالہ دونوں چچا زاد بہنیں تھیں ابن سعد کی روایت کے مطابق سیدنا آمنہ بنت وہب بن عبد مناف اپنے چچا وہیب بن عبد مناف کی پرورش میں تھیں حضرت عبدالمطلب نے اپنے لڑکے کے حضرت عبد اللہ کا نکاح سیدنا آمنہ بنت وہب سے کیا جبکہ اسی محفل میں حضرت عبدالمطلب نے اپنا نکاح ہالہ بنت وہیب سے کیا۔ 20-A۔ حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ اور آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ اسی ہالہ بنت وہیب کے بطن سے ہیں۔²¹ حضرت آمنہ کے بطن سے حضور اکرم ﷺ کی ولادت ہوئی اس طرح حضرت حمزہؓ حضور اکرم کے چچا اور رضاعی بھائی ہیں کیونکہ دونوں نے ابولہب کی لونڈی ثویبہ کا دودھ پیا تھا اور مذکورہ تفصیل کی رو سے دونوں باہم خالہ زاد بھائی بھی ہیں اور یوں اللہ تعالیٰ نے خاندان عبدالمطلب میں نبوت و حکومت کو جمع کر دیا۔

عبدالمطلب کا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے چاہ زم زم²² کو کھود کر دوبارہ قابل استعمال بنایا، جسے بنو جرہم²³ مکہ سے جاتے ہوئے مٹی سے بھر گئے تھے۔ عبدالمطلب کو خواب میں چاہ زم زم کھودنے کا اشارہ ملا اور ساتھ ہی جگہ کی نشان دہی بھی کی گئی۔

چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد حارث اور عبدالمطلب نے چاہ زم زم کھود لیا، کھدائی کے دوران ان کو سونے کے دو ہرن، کچھ اچھی قسم کی تلواریں اور زرہیں ملیں، جو بنو جرہم جاتے ہوئے اس کنویں میں دفن کر گئے تھے۔ عبدالمطلب نے ہرنوں والا سونا کعبہ کی دیواروں اور دروازوں پر لگا دیا اور باقی چیزیں خود رکھ لیں۔ یاد رہے کہ چاہ زم زم کے علاوہ مکہ میں کئی کنویں اور بھی موجود تھے جن سے قریش سیراب ہوتے تھے۔ چاہ زم زم کی اہمیت اس لیے زیادہ تھی کہ یہ حضرت اسمعیلؑ کے اڑیاں رگڑنے سے نکلا تھا²⁴۔

ہاشم کے بعد ستقایہ اور رفادہ کے منصب عبدالمطلب کو تفویض ہوئے، جو عبد الشمس کے بھائی تھے۔ عبدالمطلب حاجیوں کو کھانا کھلاتے اور پانی پلاتے تھے، چاہ زم زم کی کھدائی کے بعد حجاج کرام کو زم زم کا پانی پلانا شروع ہوا اور یہی پانی میدان عرفات میں پہنچایا جاتا تھا²⁵۔

چاہ زم زم کی کھدائی کے دوران جب عبدالمطلب اور ان کا بیٹا حارث قریش کے مقابلے میں سینہ سپر تھے تو اس وقت عبدالمطلب نے منت مانی تھی کہ:

”اگر خدا مجھے دس بیٹے دے اور وہ میری زندگی ہی میں جوان ہوئے تو میں ان

میں سے ایک بیٹے کی خدا کی راہ میں قربانی کروں گا“²⁶۔

اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان کے ہاں دس بیٹے پیدا ہوئے، ان کے کما درج ذیل ہیں:

حارث، زبیر، جطل، ضرار، مقوم، ابولہب، عباسؓ، حمزہؓ، ابوطالب اور حضرت عبد اللہ (والد رسول اللہ ﷺ)

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

حضور اکرم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ، زیر اور ابو طالب تینوں سگے بھائی تھے اور ان کی ماں فاطمہ بنت عمرو تھی اپنے ہی بیٹے کو خود اپنے ہاتھوں ذبح کرنے کی یہ دوسری بڑی مثال تھی اس سے قبل حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسمعیلؑ کو رضائے الہی کے لیے خود قربان کرنا چاہا، اب اس طرح کی دوسری مثال عبدالمطلب نے پیش کرنا چاہی۔

عربوں میں منت پوری کرنے کا یہ دستور تھا کہ جس شخص نے نذر پوری کرنی ہوتی تو وہ کعبہ کے اندر جا کر ہبل (بت کا نام) کے پاس تیروں کے ذریعے قرعہ نکالتے۔ اگر قرعہ اندازی میں ”ہاں“ کا تیر نکل آتا تو منت پوری کر دی جاتی، اگر ”نہ“ والا تیر نکلتا تو اس معاملے کو مؤخر کر دیا جاتا اب چونکہ قرعہ اندازی میں ہاں کا تیر نکل آیا تھا۔ اس لیے عبدالمطلب نے اپنی منت کا تذکرہ اپنے تمام بیٹوں سے کیا اور تمام بیٹے اپنے والد کی خواہش پوری کرنے پر تیار ہو گئے۔ آپ نے اپنے تمام بیٹوں کو ایک ایک تیر دیا اور ان سے کہا کہ اس پر اپنا اپنا نام لکھیں تاکہ کعبہ میں ہبل کے پاس جا کر اس کی قرعہ اندازی کی جاسکے۔ چنانچہ قرعہ اندازی کے نتیجے میں حضرت عبداللہ کا نام نکلا، جو عبدالمطلب کا سب سے پیارا بیٹا تھا۔ اب عبدالمطلب حضرت عبداللہ اور چھری کو لے کر ناکہ اور اسف نامی بتوں کے پاس گئے جہاں قریش قربانی کے جانور ذبح کرتے تھے انہوں نے حضرت عبداللہ کو ذبح کرنے کے لیے ابھی اپنے پاؤں میں لٹایا ہی تھا کہ حضرت عباسؓ نے دوڑ کر انہیں اپنے باپ کے زخمی سے چھڑایا۔ اس دوران حضرت عباسؓ کے چہرے پر چھری کے زخم کا نشان آگیا، جو مرتے دم تک ان کے چہرے پر موجود رہا۔²⁷ یہاں یہ یاد رہے کہ بعض اہل سیر مثلاً واقدی وغیرہ کے نزدیک حضرت عبداللہ کی انتقال کے وقت عمر بچیس برس تھی اس لیے بطور نذر ذبح کیے جانے کے وقت ان کی عمر تیس چوبیس برس سے زیادہ نہیں ہو سکتی حضرت عبداللہ اپنے والد کی اولاد میں سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔^{27-A} جبکہ حارث بن عبدالمطلب بیٹوں میں سب سے بڑے تھے۔^{27-B} اس لیے حضرت عباسؓ کے حضور اکرم ﷺ سے دو تین برس بڑے ہونے میں کوئی عقلی اشکال نہیں ہے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس دوران ابو طالب اور زیر بھی وہاں موجود تھے اور دونوں میں سے کسی نے بھی انہیں بچانے کی کوشش نہ کی، حالانکہ دونوں ہی ان کے سگے بھائی تھے اس سے حضرت عباسؓ کی خاندان رسالت کے ساتھ دلی وابستگی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اب قریش کے لوگوں اور عبدالمطلب کے دوسرے لڑکوں نے اپنے والد سے کہا کہ ہمیں حجاز میں سباح نامی عرفہ²⁸ (غیب کی خبریں بتانے والی) کے پاس جانا چاہیے وہ ہمیں جو مشورہ دے اس پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ اس پر سب راضی ہو گئے۔ ان لوگوں کے حجاز جانے پر عرفہ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے ہاں آدمی کا خون بہا کتنے اونٹ ہیں، ان لوگوں نے کہا کہ دس اونٹ۔ اس پر عرفہ نے کہا:

”اپنے بیٹے کو اور دس اونٹوں کو اپنے پاس رکھو، پھر ان دونوں پر تیروں کے ذریعے

قرعہ ڈالو، اگر ہر بار قرعہ (یعنی تیر) تمہارے بیٹے کے نام پر نکلے تو ان اونٹوں میں

دس کا اضافہ کیے جاؤ یہاں تک کہ تیر اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو ان اونٹوں کو

ذبح کر دینا، خدا تم سے راضی ہو جائے گا“،²⁹۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

چنانچہ عبدالمطلب نے مکہ آکر حضرت عبداللہ اور افوٹوں کے کاموں کے قریب ڈالے، تو جب قریب میں افوٹوں کی تعداد سو تک پہنچ گئی تو قریب افوٹوں کے نام کا نکلا۔ اس طرح حضرت عبداللہ کی جان بچ گئی اور عبدالمطلب نے ایک سو افوٹوں کو ذبح کیا اور انہیں لوگوں کے لیے چھوڑ دیا اور کسی بھی شخص کو ان کے گوشت سے محروم کیا اور نہ ہی روکا³⁰۔ البتہ یہ گوشت نہ خود کھایا اور نہ ہی ان کی اولاد میں سے کسی نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے ساتھ ہی بنو ہاشم کا مرتبہ و امتیاز گھٹ گیا اور اسی دن سے ہی بنو امیہ کا خاندان دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنو ہاشم پر غالب آ گیا عبدالمطلب کی مسند ریاست پر اب حرب بن امیہ متمکن ہوا۔ اس وقت مناصب ریاست میں سے صرف سقایہ (یعنی حجاج کرام کو پانی پلانا) ہی حضرت عباسؓ کے ہاتھ میں رہا۔ تاہم بنو امیہ کی خلافت کے بعد خلافت کا منصب حضرت عباسؓ کی اولاد میں منتقل ہو گیا۔

بشیر نبوی ﷺ کے بعد امویوں سے زیادہ بنو مخزوم، اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے اور اعلان اسلام کے بعد سب سے زیادہ تکالیف بھی ابو جہل مخزومی ہی نے مسلمانوں اور آپ ﷺ کو دیں۔ ابو جہل کی موت کے بعد بھی بنو مخزوم کی عداوت نمایاں رہی اور غزوہ احد میں بھی خالد بن ولید نے (حالت کفر میں) عقب سے حملہ کر کے مسلمانوں کو شدید جانی نقصان پہنچایا تھا خالد بن ولید کا تعلق بھی بنو مخزوم ہی سے تھا۔

امویوں کی اصل مخالفت ہمیں غزوہ بدر کے بعد نظر آتی ہے کیونکہ اس غزوہ میں ایک تو ابوسفیان کا خسر (ہندیت عقبہ کا والد) عقبہ مارا گیا۔ دوسرے ابو جہل کی وفات کے بعد مکہ کی سرداری عملی طور پر ابوسفیان کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس طرح ظاہر ہے کہ سردار ہونے کے باطنے تمام امور مملکت اس کے مشورے سے ہی طے ہونا تھے۔ اس لیے قبولیت اسلام سے قبل ہمیں ابوسفیانؓ اسلام دشمنی میں بظاہر پیش پیش نظر آتے ہیں۔

تاریخ سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ ابوسفیان اور اس کے خاندان نے ذاتی حیثیت میں مسلمانوں کے خلاف کوئی نمایاں کردار ادا نہ کیا، کیونکہ مسلمانوں سے جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان میں یزید بن ابی سفیان یا امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کے نام ہمیں کہیں نظر نہیں آتے۔ دراصل امویوں اور ہاشمیوں کی جو مخالفتیں ہمیں غزوہ بدر کے بعد نظر آئیں وہ فتح مکہ کے بعد ختم ہو گئیں۔ اس کی تصدیق قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔

عسی اللہ ان يجعل بینکم و بین الذین عاد یتهم مودة ط واللہ قلیبر ط واللہ غفور رحیم۔³¹

”بہت ممکن ہے کہ اللہ تم میں اور ان لوگوں میں جن سے تمھاری عداوت ہے دوستی کر دے۔ اور اللہ کی بڑی قدرت ہے اور اللہ تعالیٰ

غفور رحیم ہے۔“

امویوں اور ہاشمیوں میں اختلاف کے دوسرے دور کا آغاز خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد ہوا۔ قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے کے مسئلے پر حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں اختلاف سے اس دور کا آغاز ہوا۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

گذشتہ صفحات میں ہم نے خاندان بنو ہاشم کے مرتبہ و مقام پر تفصیلی بحث کی۔ اب ہم رسول کریم ﷺ کی بعثت سے قبل اور زمانہ جاہلیت میں امویوں کے مقام و امیتا پر مختصر روشنی ڈالیں گے۔

حضور اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل عرب میں کوئی ملک گیر حکومت نہ تھی، البتہ مکہ کو شہری مملکت کا درجہ دیا جاسکتا ہے، مکہ میں دس سرداروں کی ایک کمیٹی قائم تھی³²۔ جن کے پاس بیس عہدے تھے۔ ان عہدوں میں سب سے اہم عہدہ ”عقاب“³³ کہلاتا تھا۔ یہ عہدہ ابوسفیان کے پاس تھا۔ جنگوں میں سپہ سالاری کے فرائض بھی یہی سرانجام دیتا تھا³⁴۔ اہم معاملات میں بھی امویوں سے ہی مشورے ہوتے تھے بیرونی طاقتوں کے ساتھ سیاسی و تجارتی معاہدے بھی عقاب سے ہی طے ہوتے تھے۔ اس دور میں عرب معاشرے میں سیاسی اقتدار کے ساتھ ساتھ امویوں کی معاشی حالت بھی کافی بہتر تھی۔ ابوسفیان کا تجارتی کاروبار شام و عجم تک پھیلا ہوا تھا، پھر عرب دستور کے مطابق ”نہر باع“³⁵ بھی ابوسفیان ہی کو ملتا تھا۔

تجارتی قافلوں کی حفاظت کے لیے ”نظام خفارہ“³⁶ بھی ابوسفیان کے لیے کافی نفع بخش تھا۔ نظام خفارہ کی وجہ سے غیر ممالک اور قبائل قریش سے تجارتی معاہدے ہوتے تھے۔ اور یہ تمام معاہدے ابوسفیان سے ہی ہوتے تھے۔ یہ عہدہ قبائلی نظام اور عصبیت کی وجہ سے اگرچہ انہیں موروثی طور پر ملتا تھا تاہم ابوسفیان نے اپنی خدا واد صلاحیتوں، بلند ارادے، اعلیٰ حوصلے، بے مثال تدبیر اور جرأت و بہادری سے اس میں اضافہ کیا تھا اس وجہ سے ان کا شمار عرب کے چوٹی کے مدبروں اور سپہ سالاروں میں ہوتا تھا۔

ظہور اسلام سے قبل امویوں نے اپنے سیاسی اقتدار سے فائدہ اٹھا کر بنو ہاشم کا اقتدار چھیننے کی کوشش کی تھی³⁷ لیکن حضور اکرم ﷺ کے بنی ہاشم میں مبعوث ہونے سے ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا اور وہ بے اختیار کہنے لگے کہ ”قریش کی بادشاہی اگر کسی کو مل سکتی تھی تو صرف ابوسفیان کو ہی مل سکتی تھی“³⁸۔ یہی وجہ تھی کہ اموی حضور اکرم ﷺ کی بنو ہاشم میں نبوت کو اپنے رقیب کی فتح تصور کرتے تھے۔ قسمت کی اس ستم ظریفی پر اموی جتنا بھی ماتم کرتے وہ کم تھا کیونکہ اسلام کے آنے سے امویوں کو اتنا نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا جتنا کہ برسر اقتدار خاندان کو حملہ آور خاندان کی کامیابی سے ہو سکتا تھا۔ اموی یہ بخوبی جانتے تھے کہ اگر محمد ﷺ کامیاب ہو گئے تو انہیں درج ذیل نقصانات برداشت کرنا پڑیں گے۔ اس لیے انہوں نے آپ ﷺ کی مخالفت میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔

_____ بنو امیہ کو سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اگر حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کو عرب میں مذہبی و سیاسی

قیادت و سیادت حاصل ہو گئی تو ان کی اہمیت و وقعت میں نمایاں کمی واقع ہو جائے گی۔

_____ حضور اکرم ﷺ اور اسلام کی کامیابی سے امویوں کے وہ ذرائع آمدنی بھی ختم ہو جائیں گے جو انہیں صرف

خاندان کے اعزاز کی وجہ سے حاصل تھے۔

_____ انہیں یہ بھی گمان تھا کہ ہمارے ٹک کرنے سے اگر محمد ﷺ مدینہ چلے گئے تو اس سے ہمیں بہت سے مسائل سے

دوچار ہونا پڑے گا لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے۔

_____ حضرت ابوسفیان کا شمار گودمران عرب میں ہوتا ہے لیکن بعض معاملات میں وہ زیادہ دوراندیش ثابت نہ ہوئے کیونکہ اگر وہ ان باتوں کا ادراک اس وقت کر لیتے جس سے انہیں بعد میں دوچار ہونا پڑا تو شاید وہ بعد کی شرمندگی سے بچ جاتے۔

_____ ابوسفیان کو اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ مسلمان مدینہ کے قریب سے گزرنے والے تجارتی راستے کو بطور ہتھیار استعمال کریں گے۔ چنانچہ مسلمانوں نے ایسا ہی کیا کیونکہ جب مسلمانوں نے یہودیوں اور بنو نضیر کے قبائل کے ساتھ تجارتی معاہدے کیے تو انہوں نے اس راستے کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہوئے بند کر دیا جس سے قریش کی کمر لٹ گئی مسلمانوں کے اس اقدام کو قریش اور خاص طور پر اموی اپنی معاشی موت سمجھتے تھے کیونکہ یہی قریش کی واحد تجارتی گزرگاہ تھی۔

مندرجہ بالا خطرات کے پیش نظر امویوں نے ابتدائے زمانہ سے لے کر فتح مکہ تک تبلیغ اسلام میں روڑے اٹکائے حتیٰ کہ انہوں نے آپ ﷺ کی زندگی ختم کرنے کی تدبیروں سے بھی گریز نہ کیا۔ اس چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے ابوسفیان نے مسلمانوں کے خلاف سوائے غزوہ بدر کے ہر جنگ میں قریش کی سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش اور جدوجہد کی۔ اب ویسے بھی عتبہ، شیبہ، ابو جہل، ولید، امیہ بن خلف اور ابوالبختری جیسے سرداران قریش غزوہ بدر میں مارے جا چکے تھے۔ بنو ہاشم کی مخالفت میں صرف اموی ہی پیش پیش نہ تھے بلکہ اور قبائل بھی ان سے بغض و حسد رکھتے تھے۔ ان میں ابو جہل کا قبیلہ بنو مخزوم سب سے نمایاں تھا۔

امویوں کی اس انتہا پسندی اور اسلام دشمنی کے باوجود فتح مکہ کے بعد جب ابوسفیانؓ اور دوسرے قبائل قریش نے اسلام قبول کر لیا تو رسول خدا ﷺ نے ان کی برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیا، بلکہ ان کی گزشتہ بدسلوکیوں اور مظالم کے باوجود انہیں ”لا تشریب علیکم الیوم“³⁹ (آج تمہارا کوئی مواخذہ نہ ہوگا) کی نوید سنائی۔ ابوسفیانؓ اور دوسرے قریش مکہ کی تالیف قلبی کی اور یتالیف عام مسلمانوں سے ہٹ کر بنو امیہ کے لیے زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ ابوسفیانؓ کے قبول اسلام کے بعد حضور اکرم ﷺ ان کا خاص طور پر خیال کرتے تھے، اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ابوسفیانؓ حضور اکرم ﷺ کے خسر⁴⁰ تھے، کیونکہ ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان حضور اکرم ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ دوسری وجہ غالباً یہ تھی کہ ابوسفیان کو کہیں یہ احساس نہ ہو کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے مقام و مرتبہ میں کوئی کمی آگئی ہے۔ اسی لیے ان تو مسلموں کو مال و اسباب کے ساتھ ساتھ حکومتی عہدوں سے بھی نوازا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے ابوسفیانؓ کو جرش کا والی بنایا⁴¹۔ ان کے بیٹے امیر معاویہؓ کو کاتب وحی مقرر کیا⁴²۔

خاندان بنو عباس کا تاریخی پس منظر:-

بنو عباس کے مورث اعلیٰ کا نام حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور کنیت ابوالفضل ہے والدہ کا نام نقیسہ بنت جناب ہے ان کا

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

تعلق قبیلہ نمیر سے تھا حضرت عباسؓ حضور اکرم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کے سوتیلے بھائی تھے⁴³۔ آپؓ مکہ میں پیدا ہوئے اور حضور اکرم ﷺ سے عمر میں دو تین برس بڑے تھے^{43-A}۔ حضرت عباسؓ نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مل کر تعمیر کعبہ میں حصہ لیا⁴⁴۔ تعمیر کعبہ کے دوران نجد کے ایک شخص نے آگے بڑھ کر حضور اکرم ﷺ کو ایک پتھر دینا چاہا تا کہ اس سے کعبہ کی دیواروں کو مضبوط کیا جاسکے، اس دوران حضرت عباسؓ نے آگے بڑھ کر آپ کو ایک پتھر دیا اور اس نجدی شخص کو پیچھے دھکیل دیا، اس پر نجدی بڑا غضبناک ہوا، لیکن حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”بیت اللہ کی تعمیر میں ہمارے ساتھ وہی شخص کام کرے گا جو ہم میں سے ہو

“45۔

اس پر نجدی نے کہا کہ:

”یہ شخص سب سے بڑھ جائے گا سب کو اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا، خوش بنی اور

سعادت ان سے بانٹ لے گا“⁴⁶۔

کہا جاتا ہے کہ کہنے والا شخص ابلیس تھا⁴⁷۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی کوئی اہم موقع آیا خواہ وہ تعمیر کعبہ کا ہو یا خاندان بنو ہاشم میں خوشی و غمی کا لمحہ ہو حضرت عباسؓ آپ ﷺ کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں جیسا کہ ابوطالب کی وفات کے وقت ابو جہل، عبداللہ بن ابی امیہ، حضرت عباسؓ اور رسول کریم ﷺ موجود تھے۔ جب ابوطالب حالت سکر میں تھے تو رسول خدا ﷺ نے ان سے فرمایا کہ:

”اے میرے چچا! آپ ایک بار لا الہ الا اللہ کہہ دیں تا کہ میں خدا کے پاس

آپ کے ایمان کی گواہی دے سکوں“⁴⁸۔

جب کہ قریب بیٹھے ہوئے ابو جہل نے کہا ”اے ابوطالب! کیا تم مرتے وقت دین عبدالمطلب کو چھوڑ دو گے“⁴⁹۔ اس طرح ابو جہل اپنی بات دہراتا رہا اور حضور اکرم ﷺ ابوطالب کو بنی حق کی دعوت دیتے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب کا آخری وقت آگیا اور انہوں نے کہا کہ علی ملة عبدالمطلب⁵⁰ ”میں عبدالمطلب کے دین پر مارتا ہوں“

اس کے بعد ابوطالب نے رسول خدا ﷺ کی طرف دیکھ کر کہا کہ:

”اے بھتیجے! میں وہ کلمہ ضرور کہہ دیتا جو آپ ﷺ مجھے کہہ رہے ہیں لیکن قریش

کہیں گے کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا“⁵¹۔

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”میں اس وقت تک آپ کے لیے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا جب تک خدا مجھے اس سے منع نہ فرمادے“⁵²

ابوطالب کی وفات کے بعد آپ ﷺ پر درج ذیل آیات نازل ہوئیں۔

”ما كان للنبي والذين امنوا ان يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولى قربى“

من بعد ماتبين لهم انهم اصحاب الجحيم،⁵³ -

”پیغمبر اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے شایانِ شان نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لیے بخشش مانگیں، گو وہ ان کے قرابت داری کیوں نہ ہوں۔“

اسی طرح جب حضور اکرم ﷺ 12 نبوی/621ء میں معراج پر تشریف لے گئے تو بنو ہاشم سخت پریشان ہوئے، اس پریشانی میں حضرت عباسؓ آپؐ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ واقعہ معراج میں حضور اکرم ﷺ کو آسمانوں کی سیر کروائی گی۔ آپؐ کو حضرت جبرائیلؑ کے ہمراہ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس لے جایا گیا⁵⁴۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

سبحن الذي اسرى بعبدہ ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصی

"وہ (اللہ) پاک ہے جو اپنے بندے (حضور اکرم ﷺ) کو شب میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا"

اس کے بعد آپ ﷺ کو بیت المقدس سے آسمانوں کی طرف لے جایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس رات آپ ﷺ گم ہو گئے تھے۔ خاندان عبدالمطلب بھی اس سلسلے میں خاصا پریشان تھا حضرت عباسؓ آپؐ ﷺ کو دیکھتے دیکھتے مقام ذی طویٰ تک پہنچ گئے۔ یہاں پر آپؐ کی ملاقات حضور اکرم ﷺ سے ہو گئی تو حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ سے رات کے واقعہ پر استفسار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھے خیر کے سوا اور کوئی بات پیش نہیں آئی“⁵⁵۔

یاد رہے کہ معراج سے واپسی پر آپ نے لوگوں کو وہ سارے حالات اور واقعات بتائے جو آپ نے ملاحظہ فرمائے تھے اگرچہ لوگوں نے آپ ﷺ کا تمسخر اڑایا اور آپ ﷺ کی باتوں سے انکار کیا، اس وقت حضرت ابو بکر ہی وہ واحد آدمی تھے جنہوں نے فوراً آپ کی باتوں کی تصدیق کی اور اسی دن سے آپ کا لقب صدیق مشہور ہو گیا⁵⁶ معراج کے موقع پر ہی آپ ﷺ کی امت پر پانچ نمازیں فرض ہوئیں⁵⁷۔ الغرض اگر حضرت عباسؓ آپؐ ﷺ سے اتنی محبت و شفقت رکھتے تھے تو حضور اکرم ﷺ بھی آپؐ پر جان چھڑکتے تھے اور آپؐ کی تکلیف کو اپنی تکلیف ہی سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ شہید بیماری میں مبتلا ہوئے تو حضور اکرم ﷺ آپؐ کی عیادت کے لیے گئے تو حضرت عباسؓ نے موت کی تمنا کی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”اے رسول ﷺ خدا کے چچا! موت کی تمنا نہ کرو کیونکہ اگر تم محسن (نیکوکار) ہو تو

تمہیں مہلت ملے پر تمہاری نیکیاں اور بڑھ جائیں گی اور اگر تم بد ہو تو مہلت پر تم

خدا کو راضی کر سکتے ہو“⁵⁸۔

اس سے پیشتر حضور اکرم ﷺ کے بہت سے ساتھی حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے لیکن قریش کی عداوت و مخالفت میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی، اس لیے آپ ﷺ کی پریشانی دور نہ ہو سکی کیونکہ نہ تو قریش ہی مسلمان ہوئے اور نہ ہی مکہ سے باہر آپ ﷺ کو وہ پذیرائی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ملی جس کی آپ ﷺ توقع فرما رہے تھے۔ اسی دوران آپ ﷺ کو خواب میں ایک سرسبز و شاداب علاقے کی طرف ہجرت کرنے کا اشارہ ملا، وہ علاقہ یثرب تھا۔ اس سے پیشتر یثرب کے چیدہ چیدہ لوگ بھی اسلام قبول کر چکے تھے۔

عہد رسالت میں حضرت عباسؓ کی خدمات اسلام:

ذی الحجہ 13 نبوی/اواخر 621ء میں پانچ سو افراد کی جماعت بیت اللہ کی زیارت کے لیے مدینہ سے مکہ آئی۔ ان میں سے بہتر (۷۲) آدمیوں نے اسلام قبول کیا آنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس سے قبل اسلام قبول کر چکے تھے۔ یہ لوگ سب سے پہلے حضرت عباسؓ کو ان کے گھر پر ملے۔ اگرچہ اس وقت حضرت عباسؓ خود بھی مسلمان نہ ہوئے تھے لیکن وہ آپ ﷺ کی ہر طرح سے مدد کرتے تھے، اور آپ ﷺ کی کامیابی کے متنی تھے، آپ ﷺ کی اس تحریک کے زبردست حامی و ناصر تھے اور اس رازداری کے کام میں رسول خدا ﷺ کے شریک تھے۔ مدینہ سے آنے والے لوگوں کی آپ ﷺ سے ملاقات ۱۲ ذوالحجہ کو شعبہ ایمین 59 میں ہوئی۔ ان لوگوں سے یہ کہا گیا کہ وہ نہ تو کسی سونے والے کو جگائیں اور نہ ہی کسی کا انتظار کریں، وہاں سے ایک ایک دو دو کر کے رخصت ہوں، ان بیعت کرنے والوں کی تعداد بعض مورخین نے ستر (۷۰) بتائی ہے اور بعض کے نزدیک یہ بہتر (۷۲) تھے۔ ابن ہشام کے بقول ان کی تعداد بہتر (۷۳) تھی⁶⁰۔ ان بیعت کرنے والوں میں دو عورتیں بھی شامل تھیں جب یہ سب لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عباسؓ نے انہیں اس طرح مخاطب فرمایا:

”اے گروہ خزع! حضور اکرم ﷺ اپنے خاندان میں با اعتبار اور حسب و نسب

میں محترم و مکرم ہیں۔ اگر تم صاحب قوت و شوکت ہو، جنگ میں ماہر ہو اور سارے

عرب کی مخالفت کو برداشت کر سکتے ہو تو آپس میں مشورہ کر لو کیونکہ ان کے مدینہ

جانے کے بعد تم کو سارے عرب سے جنگ کرنا پڑے گی، بہتر بات وہ ہوتی ہے جو

سب سے سچی بات ہو“ 61-A۔

اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے انہیں اللہ کی طرف دعوت دی اور اسلام کی طرف بلایا، پھر اس مقصد کو بیان کیا جس کی طرف ان

سب کو دعوت دی گئی تھی۔ اس کے بعد سب لوگ آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے لگے۔ اس تمام واقعے میں حضرت عباسؓ نے حضور اکرم

ﷺ کے ساتھ جس خلوص و رواداری کا مظاہرہ کیا، خاندان عبدالمطلب میں ہمیں حضرت عباسؓ کے علاوہ کوئی بھی اس مقام پر فائز نظر نہیں

آتا 61-B۔

غزوہ بدر 17 رمضان 2ھ/11 مئی 624ء۔ بدر ایک گاؤں کا نام تھا۔ یہاں ایک بازار تھا جہاں پر ہر سال لوگ جمع ہوتے

تھے۔ لوگوں کے اس اجتماع کو میلے سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ یہ مقام مدینہ سے اٹھانوے میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ مقام اس نخلہ کے قریب تھا

جہاں شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گزار گھاٹیوں میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ جب لشکر قریش مرالظہر ان پہنچا تو ابو جہل نے کہا کہ:

”اے گروہ قریش! کیا تمہاری مبادی نہ ہوگی تم نے کیا کیا، بنی ہاشم کو پیچھے چھوڑ

آئے ہو، اگر محمد (ﷺ) تم پر فتح مند ہو گئے تو وہ تمہارا انتقام عنقریب تم سے تمہاری
 اولاد سے اور تمہارے اعزہ سے لیں گے۔ لہذا تم ان کو اپنے صحن اور اپنے میدان
 میں نہ چھوڑو، ان کو اپنے ساتھ لے جاؤ، خواہ ان سے تمہارا کام بھی نہ نکلے،“⁶²۔

چنانچہ سردارانِ قریش مکہ آئے اور حضرت عباسؓ، نوفل اور حضرت عقیلؓ کو زبردستی اپنے ساتھ جنگ کے لیے لے گئے، جب
 حضور اکرم ﷺ کو ان لوگوں کی آمد کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”اگر اثنائے جنگ میں ابو البختری، حضرت عباسؓ، حضرت عقیلؓ اور نوفل
 تمہارے سامنے آئیں تو انہیں قتل نہ کرنا کیونکہ وہ زبردستی میدانِ جنگ میں لائے
 گئے ہیں،“⁶³۔

باوجود اس کے کہ حضرت عباسؓ مال و دولت میں دوسرے سردارانِ قریش کے ہم پلہ نہ تھے اور نہ ہی آپؓ عرب میں بطور نئی مشہور
 تھے، لیکن جہاں خاندان کی عزت و توقیر کی بات ہوتی وہاں حضرت عباسؓ سب کچھ لٹانے کے لیے تیار ہو جاتے۔ اس کی واضح مثال ہمیں غزوہ
 بدر کے موقع پر نظر آتی ہے۔ دوسرے روسائے قریش عقبہ، حارث، ابو جہل اور امیہ کی طرح حضرت عباسؓ بھی دورانِ سفر روزانہ دس دس اونٹ
 ذبح کرتے، جس سے لشکرِ قریش کی ضیافت ہوتی تھی⁶⁴۔ اس جنگ میں قریش کو شکست ہوئی، کفار کے ستر لوگ مارے گئے ستر لوگ قید
 ہوئے جب کہ مسلمانوں کے کل چودہ آدمی شہید ہوئے⁶⁵۔ ان میں سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے۔

اسیرانِ بدر میں حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ کو بھی دوسرے قیدیوں کی طرح بیڑیوں میں جکڑا گیا اور
 دورانِ قید حضرت عباسؓ کے کراہنے کی آواز نے آپ ﷺ کو سونے نہ دیا۔ صحابہؓ کے استفسار پر آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کی تکلیف کا
 ذکر کیا، پھر لوگوں نے آپ ﷺ کی خوشنودی کی خاطر حضرت عباسؓ کی بیڑیاں کھول دیں، پتہ چلنے پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کی
 بیڑیاں کھول دی جائیں⁶⁶۔

اسی طرح اسیرانِ بدر کے پاس کپڑے نہ تھے۔ ان میں حضرت عباسؓ بھی شامل تھے۔ چنانچہ عبداللہ ابن ابی⁶⁷ سے اس کا کرتہ لیکر انہیں دیا
 گیا۔ اسی احسان کے بدلے میں عبداللہ ابن ابی کو مرنے کے بعد حضور اکرم ﷺ کے کرتہ میں دفن کیا گیا۔ عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین
 تھا۔

جب قیدیوں کی رہائی کا معاملہ زیرِ بحث آیا تو انصار نے بغیر فدیہ کے حضرت عباسؓ کو رہائی دلانا چاہی۔ لیکن حضور اکرم
 ﷺ نے اسے خلافِ مساوات سمجھتے ہوئے اس سے انکار کر دیا۔ قریش کے لوگ جب فدیہ کے عوض اپنے قیدیوں کو رہائی دلا چکے تو
 حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ:

”اے عباسؓ! اپنے بھتیجے عقیلؓ، نوفل بن حارث اور اپنے حلیف عقبہ بن عمرو کا

فدیہ دو، کیونکہ تم مالدار ہو،⁶⁸۔

اس پر حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ، ”ہم تو مسلم تھے، ہمیں زبردستی جنگ میں جھونکا گیا،“⁶⁹۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”اگر یہ حق ہے تو اللہ بہتر جانتا ہے اور وہ اس کا تمہیں صلہ دے گا، لیکن حقیقت

حال اس کے برعکس ہے اور تمہاری ظاہری حالت کے پیش نظر تمہیں نظر انداز

بھی نہیں کیا جاسکتا،“⁷⁰۔

چنانچہ حضرت عباسؓ نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی۔ ان کا فدیہ بعض کے نزدیک اسی اوقیہ سونا اور بعض کے

نزدیک بیس اوقیہ سونا تھا اور کچھ لوگ اس فدیہ کی رقم ایک ہزار روہم بتاتے ہیں⁷¹۔ رہائی پانے کے بعد حضرت عباسؓ نے حضور اکرم ﷺ

سے مدینہ میں قیام کی اجازت چاہی، اس پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

”اے عباسؓ! تمہارا وہاں رہنا زیادہ مفید اور اچھا مجاہدہ ہے“⁷²۔

اس کے بعد حضرت عباسؓ مکہ چلے گئے اور وہاں جا کر نادر اور کنز و مسلمانوں کی دنگیری کرتے رہے⁷³۔

قریش کے مسلمان نہ ہونے کے باوجود حضرت عباسؓ کو ان سے بڑی ہمدردی تھی۔ اس کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

10 رمضان 8ھ / 30 مئی 630ء کو حضور اکرم ﷺ مکہ فتح کرنے کی غرض سے دس ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ مدینہ سے روانہ

ہوئے۔ جب یہ لشکر ذی الحلیفہ کے مقام پر پہنچا تو ان کی ملاقات حضرت عباسؓ سے ہوئی، جو اپنے خاندان اور مال و اسباب کے ساتھ مدینہ جا

رہے تھے، پھر حضرت عباسؓ بھی اس لشکر میں شامل ہو گئے⁷⁴۔ قریش کو اس بات کا ہر وقت خدشہ لگا رہتا تھا کہ مسلمان کسی بھی وقت ان پر حملہ

آور ہو سکتے ہیں۔ اس خدشہ کے پیش نظر بدیل بن ورقاء اور ابوسفیانؓ شہر سے باہر نکلے تاکہ حالات سے باخبر رہیں۔ اس دوران حضرت عباسؓ

اپنی جگہ پریشان تھے، ان کی بے چینی یہ تھی کہ قریش اب بھی اگر اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو ان کا کچھ نہ بچے گا، لہذا حضرت عباسؓ حضور

اکرم ﷺ کا خچر لے کر مرا لظہر ان سے باہر آئے تاکہ کسی نہ کسی طرح سرداران قریش کو مسلمانوں کی آمد سے آگاہ کر سکیں۔ جب حضرت

عباسؓ ان کے پاس پہنچے تو وہ گفت و شنید میں مصروف تھے۔ اس دوران حضرت عباسؓ نے ان دونوں کو اس بات پر قائل کر لیا کہ وہ دونوں

حضور اکرم ﷺ کے پاس جا کر اسلام قبول کر لیں، چنانچہ ان دونوں نے حضرت عباسؓ کی پناہ میں حضور اکرم ﷺ کے پاس جا کر اسلام

قبول کر لیا اور حضرت عباسؓ کی سفارش پر ہی ابوسفیانؓ کے گھر کو دارالامان قرار دیا گیا⁷⁵۔

غزوہ حنین شوال 8ھ / اواخر جون 630ء میں جب مسلمان ابتدائی فتح کے بعد مشرکین کی زبردست تیر اندازی سے دوچار

ہوئے اور وہ محاذ جنگ چھوڑنے لگے تو رسول خدا ﷺ نے پریشانی کے عالم میں حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ:

”اے عباسؓ! اصحابِ سمرہ کے نام سے لوگوں کو ندا دو“⁷⁶۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

حضرت عباسؓ چونکہ بلند آواز شخص تھے، اس لیے حضرت عباسؓ کی آواز پر مہاجرین و انصار اس طرح رسول خدا ﷺ کی طرف پلٹے جیسے گائے اپنے بچے کی طرف کھنچی چلی آتی ہے۔ اس دوران حضرت عباسؓ دوڑ کر حضور اکرم ﷺ کی طرف پلٹے اور آپ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑ لی تاکہ دشمنان اسلام آپ ﷺ کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اس طرح حضرت عباسؓ کی گرجا آواز نے جنگ کا نقشہ ہی پلٹ دیا اور حکم خداوندی سے بظاہر ہاری ہوئی جنگ فتح میں بدل گئی۔⁷⁷

حضرت عباسؓ کی شخصیت ایسی تھی جس پر حضور اکرم ﷺ سب سے زیادہ بھروسہ کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی پریشانی کو اپنی پریشانی سمجھتے تھے اور آپؓ کا سارا خاندان حضور اکرم ﷺ کی ایک آواز پر ہر وقت مرٹنے کے لیے تیار رہتا۔ اس کی واضح مثال ہمیں حضور اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ (28 ربیع الثانی 10ھ / 27 جنوری 632ء) کے انتقال کے وقت نظر آتی ہے۔ حضرت عباسؓ اس غم کی گھڑی میں آپ ﷺ کی تسلی و تسفی کے لیے اپنے خاندان سمیت موجود تھے۔ اس موقع پر حضرت فضل بن عباسؓ نے حضرت ابراہیمؓ کو غسل دیا، حضرت فضلؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابراہیمؓ کو لحد میں اتارا۔ تدفین کے آخری مرحلہ تک حضرت عباسؓ رسول کریم ﷺ کے پہلو میں بیٹھے رہے اور ان کی دلجوئی کرتے رہے۔⁷⁸

اگر حضرت عباسؓ رسول خدا ﷺ سے اس قدر والہانہ محبت و خلوص رکھتے تھے تو حضور اکرم ﷺ بھی ان کا احترام اپنے والد کی طرح کرتے تھے اور بعض اوقات تو ان کی معمولی سی اذیت بھی آپ ﷺ کے لیے بڑی پریشانی کا باعث بن جاتی۔ ایک دفعہ حضرت عباسؓ نے حضور اکرم ﷺ سے شکایت کی کہ قریش جب آپس میں ملتے ہیں تو شگفتگی اور شائستگی سے ملتے ہیں جب ہم سے ملتے ہیں تو ان کے چہرے پر برہمی اور ناپسندیدگی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ سن کر حضور اکرم ﷺ غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ إِلَّا يَمَانُ حَتَّى يَحْبِبَ كَمَا اللَّهُ

وَلِرَسُولِهِ ثُمَّ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَنْ أَذَى عَمِي فَقَدْ أَذَانِي فَأَنَا عَم

الرَّجُلِ صَنُوبِيه⁷⁹۔

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جو شخص خدا اور اس

کے رسول ﷺ کے لیے تم سے محبت نہ کرے گا اس کے دل میں نور ایمان نہ

ہوگا پھر آپؓ نے فرمایا! اے لوگو! جس نے میرے چچا کو ایذا پہنچائی اس نے

مجھے ایذا پہنچائی کیونکہ چچا باپ کا قائم مقام ہوتا ہے۔“

اسی طرح ایک مرتبہ مہاجرین میں سے ایک شخص حضرت عباسؓ سے ملا اور اس نے کہا کہ ”اے ابو الفضل! کیا تم نے کبھی غور کیا کہ

عبدالطلب اور الغیطلہ دونوں دوزخ میں ہیں“⁸⁰۔ اس پر حضرت عباسؓ نے کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا اور خاموشی اختیار کی۔ کچھ دنوں کے بعد

دوسری مرتبہ یہ شخص آپؓ سے ملا اور اس نے پھر وہی بات دہرائی، اس پر بھی حضرت عباسؓ خاموش رہے ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ اس

شخص نے تیسری بار پھر وہی بات کی۔ اب حضرت عباسؓ سے برداشت نہ ہوا اور آپؓ نے اس شخص کے منہ پر ایسا زور دار طمانچہ مارا کہ اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ چنانچہ یہ شخص اور اس کا قبیلہ جوش انتقام میں حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباسؓ کو بھی بلا لیا۔ جب حقیقت حال کا آپؓ پر انکشاف ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”کیا تم جانتے ہو کہ خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم کون ہیں؟ عباس مجھ سے ہیں اور میں عباس سے ہوں۔ تم لوگ ہمارے مردوں کو گالیاں نہ دو، جس سے ہمارے زندوں کو ایذا پہنچے۔ عباسؓ کو ایذا دیکر مجھے ایذا نہ دو۔ جس نے عباس کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی“ 81۔

ایک مرتبہ حضرت عباسؓ نے حضور اکرم ﷺ سے بیت اللہ کی درباری کی درخواست کی تو اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

”سقایہ کا منصب جو اس سے بہتر ہے میں تمہیں اس پر مقرر رکھتا ہوں“ 82۔

اس کے برعکس جب حضرت عباسؓ نے رسول کریم ﷺ سے مکہ میں قیام کی اجازت طلب کی تاکہ حجاج کرام کو آب زم زم پلایا جا سکے تو آپ ﷺ نے بے حد شوق اس کی اجازت دے دی 83۔

حضرت علیؓ نے ایک بار حضرت عباسؓ کو مشورہ دیا کہ آپؓ رسول اکرم ﷺ سے درخواست کریں کہ وہ آپؓ کو زکوٰۃ پر عامل مقرر فرمائیں۔ جب حضرت عباسؓ نے یہ بات حضور اکرم ﷺ سے کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”میں ایسا نہیں ہوں کہ آپؓ کو لوگوں کے گناہوں کے دھبوں پر عامل بناؤں“ 84۔

حضرت عباسؓ نے اسلام اور آپ ﷺ کے لیے جو خدمات سرانجام دی تھیں حضور اکرم ﷺ نے ان کا اعتراف میں کبھی بھی عار محسوس نہ کی۔ ایک بار آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے لیلۃ العقبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”اس شب کو میرے چچا حضرت عباسؓ سے میری تائید و نصرت کی گئی جو انصار سے لین دین کرتے تھے یعنی ایمان اور ہجرت کے معاملات طے کرتے تھے“ 85۔

حضور اکرم ﷺ حضرت عباسؓ کا احترام اپنے والد کی طرح کرتے تھے ایک مرتبہ حضرت عباسؓ آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور بیٹھنے کے لیے اپنی جگہ پیش کی اور فرمانے لگے ”آپؓ یہاں تشریف رکھیں کیونکہ آپؓ میرے چچا ہیں“ 86۔

ایک بار حضرت عمرؓ اور حضرت عباسؓ میں کسی بات پر ٹکرا ہو گئی، جب بات بڑھنے لگی تو حضرت عمرؓ نے خاموشی اختیار کی۔ بعد میں حضرت عمرؓ حضور اکرم ﷺ سے فرمانے لگے کہ:

”یا رسول اللہ ﷺ میں انہیں جواب دے سکتا تھا لیکن میں نے سوچا کہ وہ آپؓ

ﷺ کے ”عم محترم ہیں“ 87۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”اللہ تم پر رحمت کرے، انسان کا چچا اس کے باپ کا بھائی ہوتا ہے۔ جس نے

عباس کو اذیت دی اس نے مجھے ایذا پہنچائی“ 88۔

جب رسول خدا ﷺ نے حضرت عباسؓ کو جنت البقیع میں آتے دیکھا تو فرمایا:

”قریش میں یہ سب سے زیادہ کشادہ دست اور رشتہ داروں کا خیال رکھنے والے

ہیں“ 89۔

ایک بار حضرت عباسؓ نے حضور اکرم ﷺ سے اجازت لے کر دو سال کی یکمشت زکوٰۃ ادا کر دی۔ حضرت عمرؓ جب زکوٰۃ کی

وصولی کے سلسلے میں حضرت عباسؓ سے ملے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں پہلے ہی دو سال کی زکوٰۃ ادا کر چکا ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے بڑی

نا پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور رسول خدا ﷺ کو جا کر تمام حالات سے آگاہ کیا۔ حضرت عمرؓ کی بات پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

واما العباس فہی علی ومثلها معہا ثم قال یا عمر! اما شعرت

ان عم الرجل صنو ابیہ 90۔

”اور جہاں تک عباسؓ کا تعلق ہے تو ان کی زکوٰۃ مجھ پر ہے اور نہ صرف اسی سال

کی بلکہ اس کے مثل (یعنی آئندہ سال کی) بھی۔ پھر فرمایا اے عمر! کیا تم نہیں

جانتے کہ کسی شخص کا چچا اس کے باپ کی مانند ہوتا ہے؟“۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود آپ ﷺ پر اگر کوئی بات حضرت عباسؓ کی گراں گزرتی تو آپ ﷺ اس کا اظہار فوراً فرما دیتے۔

مثال کے طور پر جب حضرت عباسؓ نے اپنے گھر کے باہر چھجھ بنایا تو آپ ﷺ نے اس کے گرانے کا حکم دیا۔ حضرت عباسؓ نے اس کے برابر

خرچ کرنے کی پیش کش بھی کی لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اے گرا دو“ 91۔ اس کے بعد حضرت عباسؓ نے وہ چھجھ خود ہی گرا دیا جہاں تک

دنوی منفعت کا تعلق ہے تو حضور اکرم ﷺ نے ہمیشہ حضرت عباسؓ کو دوسروں پر فوقیت دی۔

ایک دفعہ امیر بحرین علاء بن الحضرمی نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اسی ہزار دینار بھجوائے 92، یہ اتنی بڑی رقم تھی جو اس

سے قبل یا اس کے بعد کبھی مسلمانوں کو نہ ملی۔ اس موقع پر حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ:

”بدر میں میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ دیا تھا جب کہ عقیل کے پاس کچھ نہ تھا اس میں

سے آپ مجھے بھی عطا فرمائیں“ 93۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”اے لے لو“ 94۔ حضرت عباسؓ نے اپنی چادر بچھائی اور اس میں اتنا مال ڈال لیا کہ آپ سے وہ

اُٹھایا نہ جاسکا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ”اے عباس! اتنا لے جاؤ جتنی تم میں طاقت ہو“ 95۔

یہاں یہ یاد رہے کہ حضور اکرم ﷺ بنو ہاشم کو اس طرح ہدایا و تحائف زکوٰۃ و صدقات کے اموال سے عطا نہ فرماتے تھے کیونکہ بنو ہاشم کے لیے یہ شرعاً حلال نہیں بلکہ ایسے ہدایا اور تحائف اموال غنیمت اور اموال فے سے عطا فرمایا کرتے تھے اس واقعے کے بعد حضرت عباسؓ اکثر کہا کرتے تھے کہ خدا نے مجھ سے دو وعدے کیے تھے۔ ایک تو خدا نے پورا کر دیا (یعنی بدر کے فدیہ میں دی گئی رقم سے کئی گنا زیادہ مال مل گیا)، دوسرے وعدے میں نہ جانے خدا مجھ سے کیا کرے گا۔ دوسرے وعدے سے مراد مغفرت تھی۔ حضرت عباسؓ کے نزدیک قرآن کی یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی۔

قل لمن فی ایدیکم من الامری ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا یوتکم خیرا

مما اخذ منکم ویغفر لکم مط واللہ غفور رحیم 96۔

”جو قیدی تمہارے ہاتھ میں (گرفتار) ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر خدا تمہارے دلوں میں نیکی معلوم کریں گے تو جو (مال) تم سے چھین لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں عنایت فرمائیں گے اور تمہارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔“

حضرت عباسؓ کا مذکورہ قول آخرت کے خوف کی بناء پر ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے پر (معاذ اللہ) اعتماد نہیں تھا غلبہ خشیت کی یہ نفسیاتی کیفیت ہمیں اکثر اصحاب رسول ﷺ میں ملتی ہے، جو غیر اختیاری ہونے کی بناء پر مور و طعن نہیں۔ حضرت عباسؓ کا ذریعہ معاش تجارت تھا لیکن آپؓ زیادہ تر سودی کاروبار کرتے تھے اور آپؓ نے اس میں کافی سرمایہ لگایا ہوا تھا اور مکہ کے اکثر لوگ آپؓ کے مقروض تھے۔ سود کا یہ سلسلہ فتح مکہ تک جاری رہا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع ذوالحجہ 10ھ / مارچ 632ء کے موقع پر سود کی حرمت کا ذکر کیا اور حضرت عباسؓ کا نام لے کر ان کے ہر قسم کے سود کو ساقط کر دیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”دیکھو ہر قسم کا سود ساقط کر دیا گیا ہے، البتہ تمہارے اصل مال تمہارے لیے حلال

ہیں۔ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اب کوئی سود نہیں ہے اور میں عباسؓ کا سارا سود ساقط کرتا

ہوں“ 97۔

اس کے بعد سے لے کر وفات تک آپؓ نے سودی کاروبار نہ کیا۔ حضور اکرم ﷺ طواف ختم کر کے حضرت عباسؓ کے پاس گئے اور آپؓ زم زم پینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت عباسؓ نے گھر سے پانی منگوانے کا ارادہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”مجھے اسی میں سے ہی پلا دو“۔ حضور اکرم ﷺ آپؓ زم زم پی کر حضرت عباسؓ کے ساتھ چاہ زم زم میں اتر گئے اور جاتے ہی حضرت عباسؓ لوگوں کو پانی نکال نکال کر پلانے لگے۔ یہ دیکھ کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ”تم یہ کام اچھا کر رہے ہو، یہ کام کیسے جاؤ“ 98۔ اس کے بعد حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

سے حجاج کرام کو پانی پلانے کی خاطر مکہ ہی میں ٹھہرنے کی اجازت مانگی اس وقت جبکہ ”مہیت بمئی“ (منی میں رات گزارنا) لازم تھا کیونکہ آپ مناسک حج ادا کرنے آئے تھے آپ ﷺ نے اجازت عطا فرمادی 99۔

حضرت عباسؓ کی رسول خدا ﷺ سے محبت اور خلوص کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ کی بیماری سے لے کر آپ ﷺ کی تجہیز و تکفین تک نہ صرف عباسؓ بلکہ انکا سارا خاندان آپ ﷺ کے پاس موجود رہا۔ حضور اکرم ﷺ کو جب تکلیف شروع ہوئی تو آپ ﷺ اس وقت حضرت میمونہؓ کے گھر میں تھے (حضرت میمونہؓ سے آپ ﷺ کا نکاح حضرت عباسؓ نے چار سو درہم مہر کے عوض کیا تھا اور مہر کی رقم بھی حضرت عباسؓ نے خود ہی ادا کی تھی) آپ ﷺ ازواج مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں منتقل ہو گئے۔ یہاں آکر آپ ﷺ پر بیہوشی طاری ہو گئی جس پر حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کو لدود کیا (ذات الجنب کے لیے مخصوص گھریلو دوا پلائی گئی)۔ ہوش آنے پر آپ ﷺ نے دوا کے بارے میں استفسار کیا تو وہاں پر موجود لوگوں نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کے چچا نے آپ ﷺ کے منہ میں ڈالی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”عباسؓ کو چھوڑ کر سب گھروالوں کو یہ دوا پلا دو“ 100۔

آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل میں یہ دوا تمام گھروالوں کو پلا دی گئی۔ اس روز حضرت میمونہؓ حالانکہ روزہ سے تھیں اس کے باوجود انہیں بھی دوا پلا دی گئی۔ جب رسول خدا ﷺ کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی تو حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ ”یہ دوا ہم نے آپ ﷺ کو اس لیے دی تھی کہ کہیں آپ ﷺ کو ذات الجنب نہ ہو گیا ہو“ 101۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا ”یہ وہ بیماری ہے جس سے خدا ہمیں ضائع نہ کرے گا“ 102۔ دوسری روایت کی رو سے حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ ”ہمیں یہ خدشہ ہوا کہ کہیں آپ ﷺ کو ذات الجنب نہ ہو گیا ہو“ 103۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”یہ تکلیف شیطان کی وجہ سے ہوتی ہے اور اللہ اس کو مجھ پر مسلط نہ

کرے گا“ 104۔

حضرت عباسؓ کو لدود نہ کرنے کی مصلحت یہ تھی۔ کہ آپؓ رسول خدا ﷺ کے چچا تھے اس لیے احترام کے پیش نظر آپؓ کو دوا نہ دی گئی۔

باقی تمام اہل خانہ کو دوا دینے میں یہ مصلحت تھی کہ یہ دوا ضرر رساں نہ تھی اگر یہ ذرہ برابر بھی ضرر رساں ہوتی تو اس کا نقصان باقی افراد خانہ کو بھی ہوتا۔ اس میں دوسری حکمت یہ ہے کہ کل کلاں کسی کو یہ شیطانی شبہ لاحق نہ ہو کہ آپ ﷺ کو آپ کی ازواج اور صحابہ کرامؓ نے معاذ اللہ زہر دے دیا تھا۔ اس طرح حضور اکرم ﷺ نے اپنی حکیمانہ تدبیر سے شکوک و شبہات کا یہ دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

شدت مرض میں آپ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کے گھر کے سوا تمام گھروں کے دروازے جو مسجد میں کھلتے تھے بند کروا

دیئے 105۔ حضرت عمرؓ نے درخواست کی کہ ”مجھے چھوڑ دیجئے تاکہ میں آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ سکوں“ 106۔ لیکن حضور اکرم ﷺ نے آپؓ کی درخواست کو شرف قبولیت نہ بخشا۔ اس پر حضرت عباسؓ نے آپ سے استفسار کیا کہ:

”یا رسول اللہ! کیا بات ہے کہ آپ ﷺ نے مسجد میں کچھ دروازے کھلے رہنے دیئے اور کچھ بند کروا دیئے“ 107۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”اے عباسؓ! نہ میں نے اپنے حکم سے دروازے کھلے رکھے اور نہ ہی اپنی مرضی سے بند کئے بلکہ جو کچھ بھی ہوا حکم خداوندی سے ہی ہوا“ 108۔

اب ہم خلافت و امامت کے بارے میں چند روایات نقل کرتے ہیں تاکہ خلافت کے متعلق صحیح تصویر سامنے آ سکے۔ حضور اکرم ﷺ کی شدت مرض میں حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کو مشورہ دیا۔

”تین دن کے بعد تم لکڑی کے غلام ہو جاؤ گے میں رسول خدا ﷺ کے چہرے پر موت کے آثار دیکھ رہا ہوں کیونکہ میں خاندان عبدالمطلب کے چہروں سے ان کی موت کے آثار پہچان لیتا ہوں۔ اس لیے تم ہمیں حضور اکرم ﷺ کے پاس لے چلو، اگر امارت و خلافت ہمارے لیے ہوگی تو ہمیں پتہ چل جائے گا اور اگر ہمارے علاوہ دوسروں کے حق میں ہوگی تو آپؓ انہیں ہمارے بارے میں حسن سلوک کی وصیت فرمادیں گے“ 109۔

اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ:

”خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہ کروں گا کیونکہ اگر حضور اکرم ﷺ نے انکار کر دیا تو لوگ قیامت تک ہمیں خلافت و امارت نہ دیں گے“ 110۔

دوسری روایت اس طرح ہے کہ آپ ﷺ کی علالت کے وقت حضرت عباسؓ نے خاندان بنو ہاشم کو حضرت علیؓ کے ہاں مدعو کیا اور حاضرین سے کہا:

”ہم آپ ﷺ کے پاس چلتے ہیں اور آپ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد خلافت کن لوگوں کے پاس ہوگی۔ اگر ہم میں سے ہو تو ہم اسے ترک نہ کریں اور اگر کسی اور میں ہوگی تو میں اور آپؓ ان کی وفات کے بعد اسے کسی اور کے لیے طلب نہ کریں گے“ 111۔

اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا:

”اے میرے چچا یہ حکومت آپ کی ہوگی۔ کوئی ہے جو آپ سے اس بارے میں
 جھگڑا کرے“ 112۔

حضرت علیؓ کے اس جواب کے بعد تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور کوئی بھی اس سلسلے میں رسول خدا کے پاس نہ گیا۔
 اس سلسلے کی تیسری روایت یوں بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے خلافت کے حصول کے بارے میں
 بات کی تو حضرت علیؓ نے فرمایا:

”میں ہرگز نہ جاؤں گا اگر آپ ﷺ نے ”نہیں“ کہا تو آپ ﷺ کے
 بعد جب ہم خلافت طلب کریں گے تو لوگ ہمیں نہ دیں گے کیونکہ انہیں پتہ
 ہوگا کہ آپ نے اس کا انکار کیا تھا“ 113۔

حضرت عباسؓ کے حکم سے حضرت ابو طلحہؓ نے رسول خدا ﷺ کے لیے لحدی قبر کھودی، کیونکہ مدینہ میں اس قسم کی قبریں ہی کھودی
 جاتی تھیں 114۔ حضرت عباسؓ نے غسل رسول اللہ ﷺ میں شرکت نہ کی کیونکہ حضور اکرم ﷺ اپنے وصال سے قبل فرما چکے تھے کہ:
 ”عباسؓ مجھے غسل نہ دیں گے کیونکہ وہ میرے والد ہیں اور والد اپنی اولاد کے ستر کو
 نہیں دیکھتا“ 115۔

حضور اکرم ﷺ کو فضل بن عباسؓ، قثم بن عباسؓ، علی بن ابی طالبؓ، اسامہ بن زیدؓ اور عثمان (آپ کے غلام خاص) نے
 غسل دیا۔ آپ ﷺ کو کفن تین چادروں میں دیا گیا۔ جن میں دو قریہ صحار (یعنی یمن کی بنی ہوئی تھیں) اور ایک دھاری دار چادر تھی 116۔
 نماز جنازہ سب سے پہلے حضرت عباسؓ نے، پھر خاندان بنو ہاشم نے، پھر عام مردوں نے، پھر عورتوں نے اور سب سے آخر میں بچوں نے
 پڑھی۔ آپ ﷺ کو حضرت عائشہ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ تجھیز و تکفین میں بھی وہی لوگ شامل تھے جنہیں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے
 اجازت دی تھی کیونکہ وہی آپ ﷺ کے اصل ولی تھے۔ تعزیت کے لیے بھی لوگ حضرت عباسؓ کے پاس ہی آتے تھے کیونکہ وہ خاندان بنو
 ہاشم کے بزرگ و آپ کے عم محترم تھے۔

خلافت و امارت کے بارے میں اگر ہم مندرجہ بالا روایات کو پیش نظر رکھیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ حضرت عباسؓ نے
 حضرت علیؓ کو کافی حد تک خلافت کے بارے میں قائل کرنے کی کوشش کی کہ اس سلسلے میں حضور اکرم ﷺ سے کوئی فیصلہ لے لیا جائے لیکن
 حضرت علیؓ اس کے خواہش مند نہیں تھے کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کو حضرت عباسؓ کی رائے کو نہ ماننے کی غلطی کا احساس کچھ عرصہ کے بعد
 شدت سے ہونے لگا۔ عبداللہ بن یحییٰ نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔

”کاش میں نے عباسؓ کا کہا مان لیا ہوتا کیونکہ عباسؓ نے سچ کہا تھا کہ ہمیں رسول
 اللہ ﷺ کے پاس لے چلو، اگر خلافت ہم میں ہو تو خیر ورنہ آپ ﷺ ہمارے

ذریعے سے لوگوں کو وصیت کر دیں گے لیکن میں نے ان کی بات نہ مانی،¹¹⁷۔

ہماری نظر میں اس طرح کی تمام روایات نہ صرف مبالغہ آمیز ہیں بلکہ ضعیف ہیں چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ منصب خلافت کو قبول کرنے سے انکار فرماتے رہے، لوگوں کے نہایت اصرار پر آپؓ نے ان سے اپنی خلافت پر بیعت لی۔
 حضرت عباسؓ کا قبول اسلام:-

حضرت عباسؓ کے قبول اسلام کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ان میں سے ایک روایت حضرت ابورافعؓ کی ہے جو حضرت عباسؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور وہ ہجرت مدینہ کے بعد بھی حضرت عباسؓ کے ساتھ مکہ ہی میں رہے۔ وہ فرماتے ہیں۔
 ”میں، عباسؓ اور ان کے اہل خانہ اسلام قبول کر چکے تھے لیکن حضرت عباسؓ نے اپنے اسلام کا اظہار قریش کے ڈر سے نہ کیا، مبادا قریش کو اس بات کا پتہ چل گیا تو وہ ان کا سارا مال ہڑپ کر لیں گے۔ اسی وجہ سے وہ غزوہ بدر میں قریش کا ساتھ دینے پر مجبور ہوئے،“¹¹⁸۔

اگر ہم اس روایت کو درست مان لیں تو ہو سکتا ہے کہ انہوں نے غزوہ بدر سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا ہو، لیکن اپنے کاروبار کے پیش نظر اسلام کا اظہار کھلم کھلا نہ کیا ہو¹¹⁹۔ ابورافعؓ کی تصدیق درج ذیل واقعہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ حضرت حجاج بن علاط اسلمی جو مکہ کے تاجر تھے اور غزوہ خیبر میں مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ ان کا سارا مال قریش میں پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے خفیہ طور پر اسلام قبول کیا تھا جس کا قریش کو علم نہ تھا انہوں نے اپنا مال وصول کرنے کے لیے آپ ﷺ سے اجازت لے کر قریش میں غزوہ خیبر میں آپؐ کی شکست کا ڈرامہ رچایا تھا تا کہ اپنا مال وصول کر سکیں جب حجاج بن علاط مکہ کے قریب مقام ثنیۃ البیضاء¹²⁰ کے قریب پہنچا تو قریش کے کچھ لوگ اسے ملے جو خیبر کے حالات کی ٹوہ میں تھے کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ آپ وادی خیبر میں گئے ہوئے ہیں انہوں نے جب حجاج کو دیکھا تو کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ قاطع (رشتہ داری توڑنے والا، تعلق رشتہ ختم کرنے والا) خیبر گیا ہوا ہے اس پر حجاج بن علاط نے کہا کہ:

”محمد ﷺ نے غزوہ خیبر میں زبردست شکست کھائی ہے اور اس کے تمام ساتھی اس معرکہ میں بری طرح قتل ہوئے ہیں اور محمد ﷺ کو ان لوگوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ میرا مال چونکہ قریش میں پھیلا ہوا ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ میرا مال وصول کرنے میں میری مدد کریں تاکہ میں محمد ﷺ کی شکست سے بھرپور فائدہ اٹھا سکوں،“¹²¹۔

یہ سن کر قریش میں تو خوشی کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے سارے کام کاج چھوڑ کر حجاج بن علاط کا سارا مال اکٹھا کروا دیا۔ حضرت عباسؓ کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو وہ سخت اضطراب میں حجاج کے پاس پہنچا اور اس خبر کے بارے میں استفسار کیا۔ اس پر حجاج نے کہا کہ:

”خیبر کا تمام علاقہ فتح ہو چکا ہے اور محمد ﷺ نے رئیس خیبر کی بیٹی صفیہؓ بہت جی

بن اخطب سے شادی کر لی ہے، 122۔

حضرت عباسؓ نے جب یہ خبر حجاج کے جانے کے بعد قریش کو سنائی تو وہ لوگ کہنے لگے اور سٹ پٹا اٹھے اور کہنے لگے۔

”خدا کی قسم! ہمیں یہ باتیں اگر پہلے معلوم ہو جاتیں تو وہ ہوتے یا پھر ہم

ہوتے،“ 123۔

حضرت عباسؓ کے اضطراب کی دو ہی وجوہات ہو سکتی ہیں۔

_____ چونکہ آپؓ مسلمان تھے اس لیے حضور اکرم ﷺ کی شکست ان کے لیے ناقابل برداشت تھی۔

_____ آپؓ کو حضور اکرم ﷺ سے بے پناہ محبت تھی اس لیے وہ زیادہ پریشان ہوئے ہوں گے۔

حضرت عباسؓ کی خوشی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے فتح خیبر کی خوشی میں اپنے ایک غلام ابو زبیبہ کو رہا کر

دیا تھا 124۔

اس سلسلے کی دوسری روایت کچھ اس طرح ہے کہ غزوہ بدر کے بعد حضرت عباسؓ کو آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ ﷺ

نے فرمایا کہ ”تم اپنا، عقیل، نوفل اور اپنے حلیف کاندیہ ادا کرو اس لیے کہ تم مالدار ہو“ اس پر حضرت عباسؓ نے فرمایا:

”یا رسول اللہ! میں تو مسلمان تھا قوم نے زبردستی مجھے جنگ میں جھونک

دیا،“ 125۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

”مگر یہ درست ہے تو خدا تمہارے اسلام کو خوب جانتا ہے۔ وہ اس کا اجر دے

گا تاہم اس سلسلے میں تمہاری ناداری کا عذر قبول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ مجھے معلوم

ہے کہ تم ایک بڑی رقم آتے ہوئے اُم فضل کو دے آئے ہو،“ 126۔

اس طرح حضرت عباسؓ نے اپنا اور باقیوں کا فدیہ دے کر رہائی حاصل کی۔

مندرجہ بالا واقعات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بھی حضرت عباسؓ کے اسلام کا یقین نہ تھا۔ اس لیے آپ

نے انہیں اپنا اور باقی لوگوں کا جزیہ ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔

چنانچہ یہ بات اپنی جگہ درست معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کی بعثت کے وقت اسلام قبول نہ کیا تھا کیونکہ جب

ارشادِ ربانی ہوا۔

وانذر عشیرتک الاقربین واخفص جناحک لمن اتبعک من المومنین۔ 127

”اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ اور ایمان لانے والوں میں جو لوگ تمہاری پیروی کریں ان کے ساتھ تواضع سے پیش

۲۰

اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ نے خاندانِ عبدالمطلب کو کھانے پر مدعو کیا¹²⁸۔ اس میں حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور ابوطالب جیسے لوگ شامل تھے۔ جب آپ ﷺ نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو نہ کسی نے اسلام قبول کرنے کی حامی بھری اور نہ ہی کسی قسم کی معاونت کا یقین دلایا سوائے حضرت علیؓ کے جو اس وقت بچے تھے۔ اس تمام واقعے میں حضرت عباسؓ کے اسلام کا ہمیں کوئی ذکر نہیں ملتا۔

اکثر روایات میں ان کے قبول اسلام کا زمانہ 8ھ / 630ء یعنی فتح مکہ ہی بتایا گیا ہے چنانچہ اس موقع پر جب انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا¹²⁹ تو حضور اکرم ﷺ نے انہیں دوبارہ منصبِ ستایہ عطا فرمایا۔

الغرض حضرت عباسؓ کے قبول اسلام کے بارے میں لوگوں کی آراء مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے بعثتِ نبویؐ کے وقت اسلام قبول کیا تھا۔ بعض کے نزدیک وہ غزوہ بدر میں فدیہ کی ادائیگی کے وقت مسلمان ہوئے¹³⁰ جب کہ اکثر مؤرخین فتح مکہ کو ہی ان کے قبول اسلام کا زمانہ بتاتے ہیں۔ بعض محققین کی رائے میں غزوہ بدر ان کے قبول اسلام کا زمانہ نہ تھا کیونکہ اگر یہ بات درست ہوتی تو آپ ﷺ کبھی یہ نہ فرماتے:

”مگر تمہارا مسلمان ہونا حق ہے تو خدا بہتر جانتا ہے اور وہ تمہیں اس کا اجر دے گا
 لیکن حقیقتِ حال اس کے برعکس ہے اور تمہاری ظاہری حالت کو بھی نظر انداز نہیں
 کیا جاسکتا اور نہ ہی کوئی عذر قبول کیا جاسکتا ہے“¹³¹۔

اب ہمارے سامنے ایک تو حضرت ابورافعؓ کی روایت ہے کہ عباسؓ اور ام الفضل مسلمان تھے اور وہ مکہ میں رہ رہے تھے اور عباسؓ نے قریش کے ڈر سے اسلام کا گھلم کھلا اظہار نہ کیا تھا۔

اگر ہم مندرجہ بالا روایت کو درست مان لیں تو غزوہ بدر کی اسیری میں حضرت عباسؓ اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا وہ اس کے برعکس ہے کیونکہ ایک طرف ابورافعؓ غلام اور نو مسلم ہیں اور دوسری طرف حضور اکرم ﷺ ہیں لہذا ابورافعؓ کے مقابلے میں آپ ﷺ کی بات زیادہ قابل قبول ہوگی۔

اس سلسلے میں دوسری روایت ہے کہ حضرت عباسؓ نے بعثتِ نبویؐ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔ اس سلسلے میں تاریخ گواہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے خاندانِ بنی عبدالمطلب کو کھانے پر مدعو کیا اور وہ دودن تک مسلسل دعوت پر آتے رہے تو ان افراد میں سے کسی نے بھی اسلام قبول کیا اور نہ ہی آپ ﷺ کی معاونت کی حامی بھری بلکہ ابولہب نے تو دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کی¹³²۔ لہذا مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں بعثتِ نبویؐ کے وقت حضرت عباسؓ کا اسلام قبول کرنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔ البتہ حضرت عباسؓ کا فتح مکہ (629ء) کے موقع پر اسلام قبول کرنا درست دکھائی دیتا ہے لیکن یہ قبول اسلام مکہ کی فتح سے کچھ وقت پہلے ہو چکا تھا کیونکہ آپ ﷺ لشکر اسلام

میں شامل تھے اور آپؑ کی سفارش پر ہی حضور اکرم ﷺ نے ابوسفیانؓ کے گھر کو دارالامان قرار دیا تھا¹³³۔
 عہد خلفاء راشدین اور حضرت عباسؓ:-

حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد جب حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے باغ فدک میں اپنی میراث کا مطالبہ کیا، اس پر حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کی یہ حدیث بیان فرمائی۔
 لا نورث ما ترکنا صدقۃ¹³⁴

جب حضرت عمر فاروقؓ کا دور آیا تو انہوں نے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کو باغ فدک کا انتظام سپرد کیا تھا لیکن وہ دونوں باہمی اتفاق سے اس کا انتظام نہ کر سکے اور دونوں نے حضرت عمرؓ سے اس کی تقسیم کی درخواست کی تو حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:
 ”میں نے یہ صرف تمہارے گزارے کے لیے دیا تھا۔ اس پر وراثت کا قانون جاری نہیں کیا جاسکتا“¹³⁵۔

یہ سن کر دونوں خاموش ہو گئے۔

خلفائے راشدین آپؑ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کا معمول تھا کہ جب کبھی وہ حضرت عباسؓ کے محلے سے گزرتے اور سوار ہوتے تو اپنی سواریوں سے اتر جاتے اور کہتے تھے کہ ”یہ رسول اللہ کے عم محترم کا علاقہ ہے“¹³⁶۔ حضرت عباسؓ کے فہم فراست کے بارے میں حضرت عثمان بن محمد بن الاخنسی کا قول ہے کہ:
 ”ہم نے دور جاہلیت اور اسلام میں کوئی ایسا آدمی نہیں پایا جو حضرت عباسؓ بن

عبدالطلب کو عقل و دانش میں مقدم نہ کرتا ہو“¹³⁷۔

اس سلسلے میں حضرت اخنس بن قیس حضرت عمر فاروقؓ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

”قریش لوگوں کے سردار ہیں ان میں سے جب کسی پر کوئی مصیبت آتی ہے تو لوگ

یا لوگوں کی جماعت اس کے ساتھ ہو جاتی ہے“¹³⁸۔

حضرت اخنس فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمرؓ کے قول کی تاویل اس وقت معلوم ہوئی جب لوگوں نے حضرت عمرؓ کو خنجر سے زخمی کر دیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت صہیبؓ سے کہا کہ تم نماز کی امامت کراؤ، اور ان لوگوں کے کھانے کا انتظام کرو تا وقتیکہ لوگ اپنا خلیفہ منتخب کر لیں، چنانچہ جب لوگ خلیفہ منتخب کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کے جنازے سے فارغ ہو کر آئے تو ان کے سامنے کھانا رکھا گیا لیکن لوگ کھانے سے رکے رہے کیونکہ سب لوگ دکھ میں مبتلا تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عباسؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ جب ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کے جنازے سے فارغ ہو کر آئے تھے تو ہم لوگ کھانے پینے میں مصروف ہو گئے تھے¹³⁹۔ موت سے تو کوئی چارہ نہیں لہذا تم بھی کھاؤ۔ اس کے بعد لوگوں نے کھانا کھایا اور مجھے حضرت عمر فاروقؓ کے قول کی سمجھ آئی کہ وہ لوگوں کے سردار ہیں۔ خلفائے راشدین کے دور میں عام طور پر تقریبات میں بنو ہاشم

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کوسب سے پہلے مدعو کیا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جب ”عمو الدیوان“ 140 مرتب کر لیا تو دستور کے مطابق بنو ہاشم کو سب سے پہلے دعوت دی۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں بھی حضرت عباسؓ کو سب سے پہلے بلایا جاتا تھا کیونکہ وہ زمانہ جاہلیت سے ہی بنو ہاشم کے سربراہ چلے آ رہے تھے۔

عہد فاروقی میں جب مسجد نبوی کی توسیع کا مسئلہ درپیش ہوا تو آپؐ نے اس سلسلے میں حضرت عباسؓ سے بات کی، کیونکہ ان کا مکان مسجد نبوی ﷺ سے متصل تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو تین شرائط پیش کیں۔

ا۔ اس مکان کو میرے ہاتھ فروخت کر دو اور اس کے عوض تم جتنی رقم چاہتے ہو بیت المال سے لے لو 141۔

ب۔ اس مکان کے عوض مدینہ میں جہاں سے چاہو زمین لے لو اور میں بیت المال سے اس پر تمھاری حسب منشاء مکان تعمیر کروادوں گا۔

ج۔ اس مکان کو مسلمانوں پر وقف کر دو تا کہ اس سے مسجد نبوی ﷺ میں توسیع ہو سکے۔

چنانچہ کافی بحث و تکرار کے بعد حضرت عباسؓ نے اس مکان کو مسلمانوں کے لیے ہبہ کر دیا اور اس کی کوئی قیمت وصول نہ کی اور نہ ہی اس کے عوض زمین حاصل کی 142۔

قرابت رسول ﷺ کی وجہ سے حضرت عمرؓ اکثر حضرت عباسؓ کو اپنے مشوروں میں شریک کرتے تھے۔ کبھی خشک سالی اور کبھی پریشانی میں آپؐ سے دعائیں بھی کرواتے تھے۔ 18ھ / 639ء میں جب عرب میں قحط پڑا تو اس موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ:

اللھم انا کنا نتوسل الیک بنینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم بنینا۔ 143۔

”اے باری تعالیٰ! حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں ہم لوگ آپ ﷺ کا وسیلہ

پکڑ کر آپ سے دعائیں کرواتے تھے اور اب ہم ان کے عم محترم (حضرت عباسؓ)

کو وسیلہ بنا کر آپ سے دعا گو ہیں۔“

اسکے بعد حضرت عباسؓ منبر رسول ﷺ پر گئے اور خدا سے گڑگڑا کر دعائیں مانگنے لگے۔ دیکھتے ہی دیکھتے فلک پر ابر نمودار ہوا اور کوہ و بیاباں جل تھل ہو گئے 144۔ یہ بارش چونکہ غیر متوقع تھی اس لیے لوگ حضرت عباسؓ کے ہاتھ پاؤں چومتے ہوئے کہنے لگے

اے ساقی حرمین! مبارک ہو، 145۔

حضرت عمر فاروقؓ کا حضرت عباسؓ کے ساتھ محبت و خلوص کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خلیفہ کانی نے اپنے عہد میں بیت المال سے حضرت عباسؓ کے لیے سات ہزار درہم سالانہ مقرر کر دیئے تھے 146 اور آپؓ نے ازواج مطہرات کے علاوہ اہل بدر پر کسی کو فضیلت نہ دی 147۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپؓ نے وظائف کی فہرست پر نظر ثانی کر کے حضرت عباسؓ کو اصحاب بدر کے برابر کر دیا 148۔ حضرت عباسؓ کی اگر کوئی بات حضرت عمرؓ کو گراں بھی گزرتی تو خلیفہ وقت اس پر درگزر فرماتے۔ درج ذیل واقعے سے اس کا اندازہ

لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت عباسؓ نے خلیفہ ثانی سے بحرین والی جاگیر کا مطالبہ کیا جو ان کے بقول انہیں حضور اکرم ﷺ نے عنایت فرمائی تھی۔ اس مطالبے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ اسے کون جانتا ہے کہ وہ جاگیر حضور ﷺ نے آپؓ کو دی تھی۔ اس پر حضرت مغیرہ بن شعبہ نے حضرت عباسؓ کے حق میں گواہی دی، اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے وہ جاگیر حضرت عباسؓ کو دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے انکار پر حضرت عباسؓ نے خلیفہ وقت کو کافی سخت کہا۔

جب حضرت عباسؓ بولنے سے نہ رکے تو حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے کہا ”اپنے والد کا ہاتھ پکڑ لو اور یہاں سے لے جاؤ“ 149۔

مندرجہ بالا جملوں کے علاوہ حضرت عباسؓ کی شان میں آپؓ نے ایک لفظ بھی نہ کہا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رسول خدا ﷺ ان کا احترام اپنے والد کی طرح کرتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عباسؓ کے پرنا لے سے ذبح کیے ہوئے چوزے کا خون حضرت عمرؓ کے کپڑوں پر گر گیا جب کہ آپؓ نماز جمعہ پڑھانے جا رہے تھے۔ آپؓ نے غصہ میں حکم دیا کہ اس پرنا لے کو ہٹا دو۔ لوگوں نے آپؓ کے حکم کی تعمیل کی۔ جب حضرت عباسؓ کو اس واقعے کا علم ہوا تو آپؓ نے فرمایا اس پرنا لے کا وہی مقام تھا جس پر یہ نصب تھا کیونکہ حضور ﷺ نے از خود اس کو یہیں لگایا تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے حضرت عباسؓ سے کہا:

”آپ میرے کندھوں پر سوار ہو کر اسے اسی جگہ نصب کر دیں جہاں پر آپ ﷺ

نے اسے لگایا تھا“ 150۔

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے اٹھاسی برس کی عمر میں 14 رجب 32ھ / 19 فروری 653ء بروز جمعۃ المبارک وفات پائی 151۔ حضرت نملہ بن ابی نملہ سے روایت ہے کہ بنو ہاشم کے مؤذن نے سب سے پہلے اطراف مدینہ میں حضرت عباسؓ کے انتقال کا اعلان کیا۔ جب کہ حضرت عبدالرحمن بن یزید بن حارثہ کے مطابق ہمارے پاس قبائیں دو مؤذن آئے۔ ایک بنی ہاشم کی طرف سے اور دوسرا خلیفہ وقت کی طرف سے۔ ان دونوں نے انصار کے ایک ایک گاؤں کا رخ کیا، یہاں تک کہ عورتیں بھی پیچھے نہ رہیں۔ عائشہ بنت سعد کہتی ہیں کہ:

”ہم لوگ مدینہ میں دس میل کے فاصلے پر تھے کہ عثمان بن عفان کے قاصد نے

ہمیں عباسؓ کے انتقال کی اطلاع دی، اسی طرح سمرہ سے ابو ہریرہؓ بھی آ گئے۔ بھیڑ

اس قدر تھی کہ وہ خواہش کے باوجود جنازے کو کندھانہ دے سکے“ 152۔

حضرت عباسؓ کی وفات پر خلیفہ وقت نے ان کے اہل خانہ کو کہلا بھیجا کہ اگر تمہاری اجازت ہو تو میں ان کے غسل میں شریک ہو

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

جاؤں۔ اس طرح حضرت عثمانؓ اہل خانہ سے اجازت لے کر ان کے گھر گئے اور گھر کے ایک کونے میں الگ ہو کر بیٹھ گئے۔ جنازے میں لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ حضرت عثمانؓ کو محافظ دستے بلا کر لوگوں کو بنی ہاشم سے الگ کرنا پڑا 153۔ وصیت کے مطابق حضرت عباسؓ کو حرہ کی چادروں میں کفن دیا گیا۔ حضرت عباسؓ کو حضرت علیؓ، حضرت عبید اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت قثم بن عباسؓ نے غسل دیا۔ حضرت عثمانؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے آپؓ کو قبر میں اتارا، اور آپؓ کو جنت البقیع کے مقبرہ بنی ہاشم میں دفن کیا گیا 154۔ خاندان بنو ہاشم کی عورتیں ایک سال تک آپؓ کا سوگ مناتی رہیں 155۔

خلافت بنو امیہ کی مخالفت:

اموی خلفاء نے اپنے نوے سالہ دور میں حکومت الہیہ کی روح کو برقرار رکھنے کی بجائے عربوں کی قومی حکومت کی داغ بیل ڈالی، جس سے لوگوں کو ان کے خلاف اور نیا دہشور شیں برپا کرنے کا موقع مل گیا۔ ان کے دور میں اسلامی جمہوریت کی بجائے خاندانی بادشاہت کے آثار دیکھ کر اہل بیت کو یہ احساس ہونے لگا کہ قرابت رسول ﷺ کی وجہ سے وہ امامت و خلافت کے زیادہ حقدار ہیں اس وجہ سے امویوں کی مخالفت میں اٹھنے والی ہر تحریک میں اہل بیت نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

شیعان علیؓ شروع سے ہی امویوں کے خلاف تھے لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی حلیم طبع اور وقتی مصلحت کے تحت اس بند کو باندھے رکھا۔ مگر واقعہ کربلا 156 کے بعد اہل بیت کے طرفداروں میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔

دراصل سعید بن علیؓ کی تحریک کا آغاز 56ھ/676ء سے ہی ہو گیا تھا کیونکہ سلیمان بن سرد نے کربلا کا انتقام لینے کی قسم کھا کر اس تحریک کی قیادت سنبھالی۔ اس کے بعد مختار بن ابی عبید اللہ ثقفی 157 اس تحریک کا سربراہ بنا۔ شیعان علیؓ اور موالی اس کے دست راست تھے چونکہ موالیوں کا مختار بن ابی عبید کے اتنا زیادہ قریب ہونا عربوں کو گوارا نہ تھا لہذا انہوں نے اس کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کے بھائی 158 (مصعب بن زبیرؓ) نے جلد ہی اس کا کام تمام کر دیا۔

مختار بن ابی عبید کے بعد 132ھ/749ء میں حضرت زید بن علیؓ نے حکومت کے خلاف خروج کیا لیکن ناکامی ہوئی، ان کے بعد ان کے بیٹے یحییٰ بن زید بن علیؓ نے اس تحریک کی قیادت سنبھالی لیکن یہ بھی حکومتی کارندوں سے نہ بچ سکے۔ اہل تشیع کی ناکامی کی ایک وجہ اموی حکومت کا مرکز میں طاقتور ہونا تھا۔ دوسرا سبب ان کی دوراندیشی اور بیدار مغزی تھی۔ کیونکہ اہل بیت کا جب بھی کوئی فرد ابھرتا یا حکومت اسے اپنا مد مقابل سمجھتی تو اس کی کڑی نگرانی شروع ہو جاتی اور پھر اسے جیلوں بہانوں سے قتل کروا دیا جاتا۔

چنانچہ انہی پے درپے واقعات ہی کا یہ رد عمل تھا کہ اہل بیت سمجھنے لگے کہ خدا، خلافت و نبوت کو ان میں جمع نہیں کرنا چاہتا۔ اس وجہ سے اہل بیت دنیوی زندگی کی کشمکش سے علیحدہ ہو کر یا الہی میں مشغول ہو گئے لیکن عباسیوں نے ان کو اپنا آلہ کار بنایا اور امویوں کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ شروع کر دیا جبکہ اس دوران انہوں نے اہل بیت کو ایک طرف کر دیا اور خود پکا ہوا شمر اپنی جھولی میں ڈالنے کی جستجو میں لگ گئے۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ہر انقلابی تحریک کی طرح اُموی حکومت کے خلاف چلائی جانے والی تمام تحریکیں اُن کے بعض طبقات کے خلاف ناروا سلوک اور عوام کے جمہوری حقوق کے اُتلاف اور بعض اُموی حکمرانوں کے ناپسندیدہ طرزِ عمل کا نتیجہ تھیں مثلاً عبدالرحمن بن محمد بن الاشعث 159 کی تحریک حجاج بن یوسف 160 کے خلاف تھی۔ حجاج بن یوسف چونکہ حکومتی نمائندہ تھا اس لیے اس تحریک نے خلیفہ وقت کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مولیوں نے اس تحریک میں عبدالرحمن بن اشعث کا بھرپور ساتھ دیا۔ کیونکہ وہ ہر اس تحریک کے حامی ہوتے تھے جو اُموی حکومت کے خلاف ہوتی تھی۔

سلیمان بن عبدالملک نے لوگوں کو ذاتی دشمنی کی بناء پر قتل کروانا شروع کر دیا۔ اس نے حجاج بن یوسف کی وجہ سے اس کے رشتہ داروں، اس کے مقرر کردہ والیوں کو یہ کہہ کر مروانا شروع کر دیا کہ اس سے حکومت کے خلاف حجاج کی پیدا کردہ نفرت میں کمی آئے گی 161۔ حجاج بن یوسف کا انجام دیکھ کر قتیبہ بن مسلم، 162 دوسرے جرنیلوں اور حکومتی عہدیداروں نے ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے اپنی دولت اور ہمدردوں میں اضافہ کیا جاسکے تاکہ بڑے فتوں میں یہ دونوں چیزیں کام آسکیں۔

جہاں ایک طرف حکومتی عہدیداروں کی سوچ میں تبدیلی آنے لگی تو دوسری طرف ان بغاوتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا، جن کو فرد کرتے کرتے اُموی حکومت کا سارا زور ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد جب حکومت کا مقابلہ ایک زبردست دشمن سے ہوا تو باغی عہدیداروں، ناراض رعایا اور بیزار فوج کے سوا ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا 163۔

کسی معاشرے کے مذہبی، سیاسی اور نفسیاتی رجحانات کی تشکیل سال دو سال میں مکمل نہیں ہوتی بلکہ برسوں تک اس کے عناصر اندر ہی اندر معاشرے کے ذہنی اجتماعی میں تشکیل پاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ خارج میں بھی ایسے عناصر پیدا ہو جاتے ہیں جس سے بعض رجحانات ایک خاص شکل میں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

”کسی تحریک کی مثال بیج کی سی ہوتی ہے کہ اگر اسے زرخیز زمین میں بویا جائے اور

بادوباراں بھی موافق رہیں تو وہ بیج نشوونما پا کر تناور درخت بن جاتا ہے ورنہ اندر

ہی اندر جل کر بے نشان ہو جاتا ہے“ 164۔

وہ اسباب اور عوامل جو عباسی تحریک اور حکومت کی تشکیل کا باعث ہوئے ان کی نشان دہی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور سے کی جاسکتی ہے۔

اموی دورِ عروج میں اگرچہ ہمیں بظاہر خلیفہ کی ہستی برگزیدہ معلوم ہوتی ہے ایک باقاعدہ اور منظم فوج بھی حکومت کے شانہ بشانہ دکھائی دیتی ہے۔ فتوحات کا دائرہ بھی وسیع نظر آتا ہے اندرونی اصلاحات سے بظاہر عوام کی خوشحالی اور ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش بھی دکھائی دیتی ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود غنیمت غار دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امویوں کے اس دورِ عروج میں بھی ان کے زوال کا راستہ ہموار ہو رہا تھا۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اولاً۔ بیرونی فتوحات کی تکمیل کے بعد عوام کے سیاسی شعور نے انہیں حکومت کی خرابیوں کی طرف متوجہ کیا، اس سے معاشرے میں امن کی بجائے بد امنی اور فساد کا آغاز ہو گیا۔

ثانیاً۔ والیوں کا ضرورت سے زیادہ طاقتور ہونا، خلیفہ کی اطاعت سے بے نیاز کرنے کی مثال بنا رہا۔ چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید کے دور سے ان سب خرابیوں کا آغاز ہو گیا اور پھر اس کے بعد جانشین بننے والے کمزور، ظالم، عیش پسند اور ناقابل اعتماد خلفاء ان نتائج کو نہ روک سکے۔

سوم۔ حضور اکرم ﷺ نے عرب و عجم کے جس تعصب کو ختم کر دیا تھا وہ چیز دوبارہ عود کر آئی تھی۔ اُمویوں نے حکومت کو اپنے خاندان میں رکھ کر عصبیت کو خوب ہوا دی، اسی وجہ سے اس دور کے نو مسلم موالیوں کی حیثیت معاشرے میں سب سے کم تر تھی، انہوں نے اس مساوات کی بیخ کنی کی، جس کی داغ بیل حضور اکرم ﷺ نے ڈالی تھی¹⁶⁵۔ جرجی زیدان کے بقول:

”اہل عرب کا خیال تھا کہ ہم نے ان کو کفر اور گمراہی کی تاریک غار سے نکال کر

مذہب اسلام کی صاف اور روشن شاہراہ پر کھڑا کر دیا ہے اس لیے انہیں ہمیشہ ہمارا

ممنون رہنا چاہیے“¹⁶⁶۔

اسلامی قانون کی رو سے غیر مسلم زمینداروں سے اسلام قبول کرنے کے بعد خراج کی بجائے عشر لینا چاہیے تھا۔ مگر اس کے برعکس عبدالملک بن مروان کے زمانے سے ہی نو مسلم زمینداروں سے مسلسل خراج ہی وصول کیا جانے لگا اور اس کی وصولی میں حکومتی اہلکار بڑی سختی روا رکھتے تھے¹⁶⁷۔ عبدالملک بن مروان سے قبل عراق میں فی نفر (نفر سے مراد نو کر یا ملازم ہے) ایک دینار جزیہ مقرر تھا۔ خلیفہ نے اس رقم کو کم محسوس کرتے ہوئے عراق کی مردم شماری کرائی، لوگوں کی آمدنی و اخراجات کا ریکارڈ بنوایا، اس کے بعد جزیہ کی رقم ایک دینار سے بڑھا کر چار دینار فی نفر مقرر کر دی اور تمام لوگوں کو ایک ہی طبقے اور درجے میں رکھا۔ عراق و خراسان میں ان قوانین کے نفاذ کے بعد عبدالملک نے اپنے بھائی عبدالعزیز بن مروان (حاکم مصر) کو نو مسلموں سے جزیہ و خراج کی وصولی کا لکھا، لیکن عبدالعزیز بن مروان نے خلیفہ کی مرضی کے برعکس نو مسلموں سے جزیہ اور خراج کی وصولی سے انکار کر دیا¹⁶⁸۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر کوئی ذمی خراج ادا کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اسے خوشحالی تک مہلت دی جائے، اگر قدرت کے باوجود وہ خراج ادا نہ کرے تو اسے قید کر دیا جائے اور اگر اس ذمی کا مال مل جائے تو قرض کی طرح اسے فروخت کر کے خراج وصول کیا جائے اس طرح امام موصوف کے نزدیک کسی ذمی کے مسلمان ہونے پر اس سے جزیہ اور خراج ساقط ہو جاتا ہے¹⁶⁹۔

حجاج بن یوسف کی متعصبانہ پالیسی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔ عبدالرحمن بن محمد بن اہمت کا ساتھ دینے اور حجاج بن یوسف کے خلاف بغاوت کے جرم میں جب سعید بن جبیر کو گرفتار کر کے لایا گیا تو حجاج بن یوسف نے اپنے احسانات کا کچھ اس انداز سے تذکرہ کیا جو اس نے سعید بن جبیر پر کیے تھے۔

۱۔ میں نے تمہیں کوفہ میں اس وقت امام مقرر کیا جب یہاں عرب کے علاوہ کوئی دوسرا شخص امامت نہ کروا سکتا تھا حالانکہ اس پر لوگوں نے احتجاج بھی کیا۔

۲۔ میں نے تمہیں قضاء کا منصب عطا کیا جس پر کوفہ کے لوگ جھلا اٹھے کیونکہ اس منصب پر صرف عربی کوعیناٹ کیا جاسکتا تھا۔

۳۔ میں نے تمہیں اپنے قصہ گوؤں میں جگہ دی جن میں تمہارے علاوہ سب کے سب عرب سردار تھے 170۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانے میں ہر نومولود کے لیے دس درہم مقرر تھے اور جب وہ بچہ فطیم (دودھ چھوڑنے کی عمر) کو پہنچتا تو اس کے لیے فریضہ (مقررہ حصہ میں وظیفہ کی ایک قسم) مقرر ہوتا تھا۔ لیکن حضرت امیر معاویہؓ نے نومولود کی بجائے صرف فطیموں کے لیے وظائف مقرر کیے۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے پیشروؤں کی روایات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس عام طریقے کو ساقط کر دیا اور خلیفہ جس فطیم کا چاہتا اس کا وظیفہ مقرر کر دیتا 171۔ اموی حکومت کی بنیاد اس نظریہ پر قائم تھی:

”جو خون ان (عربوں) کی رگوں میں دوڑ رہا ہے وہ ممتاز خون ہے اس لیے

ایرانی اور رومی خون اس کی برابری نہیں کر سکتا“ 172۔

اس نظریے کو بنیاد بنا کر امویوں نے حکومت کی اور ان کی حکومت میں عوام الناس سے مساوات کا سلوک روا نہ رکھا جاتا، حکام رعایا کے خادم تو تھے لیکن صرف عربوں کے نہ کہ عجمیوں کے۔ فیکس صرف عجمیوں اور چھوٹے قبیلوں سے وصول کئے جاتے تھے جبکہ عرب اس سے مستثنیٰ تھے۔ ”حق و باطل کے فیصلے یہ دیکھ کر کئے جاتے تھے کہ ان کا صدور کن لوگوں سے ہوا ہے ایک کام حق بن جاتا اگر وہ کسی عربی النسل سے صادر ہوتا یا کسی خاص قبیلے سے سرزد ہوتا اور وہی کام باطل قرار پاتا اگر وہ کسی آزاد کردہ غلام یا کسی چھوٹے قبیلے سے سرزد ہوتا تھا“ 173۔

ایک طرف یہ نو مسلم امویوں کے خلاف تھے تو دوسری طرف عربوں میں عصبیت نے پھوٹ ڈالی تھی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قبیلہ اذد کے ایک بوڑھے نے کہا کہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا میرے ساتھ ساتھ ایک شخص بار بار اپنے باپ کی مغفرت کی دعائیں کر رہا تھا اس سے کسی نے پوچھا کہ:

”تو اپنی ماں کے لیے دعا کیوں نہیں کرتا“

اس پر اس نے جواب دیا کہ:

”اس لیے کہ وہ ہمارے قبیلے کی نہیں تھی بلکہ وہ قبیلہ بنو نمیم کی تھی“ 174۔

اسی طرح حضرت علیؓ کے بارے میں روایت کیا جاتا ہے کہ:

”حضرت علیؓ بن ابی طالب کسی شریف کو کسی غیر شریف پر اور کسی عربی کو کسی عجمی پر

کوئی فضیلت یا ترجیح نہ دیتے تھے اور نہ ہی وہ روساء و امراء قبائل سے بنائے رکھنے

کی فکر میں رہتے یہ وہ قوی اسباب و وجوہ تھیں جن کی وجہ سے عربوں نے حضرت علیؓ

کا ساتھ نہ دیا، 175۔

عربوں میں ہسجین (عرب باپ اور لونڈی ماں سے جنم لینے والا لڑکا) کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور اسے معاشرے میں آزاد انسان کے سے حقوق حاصل نہ تھے یہاں تک کہ وراثت میں اسے آزاد لڑکے کے برابر حصہ بھی نہ ملتا 176۔

اموی ہسجین کو اس لیے خلیفہ نہ بناتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ عرب کے لوگ ان کی اطاعت نہ کریں گے 177۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امویوں نے جب خالد بن عبد اللہ قسری کو عراق کا گورنر بنایا تو جہاں ایک طرف امویوں کو لوگوں کی شدید تنقید کا سامنا کرنا پڑا تو دوسری طرف خالد بن عبد اللہ کی عرب شعراء نے بڑی جھوکی، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ خالد بن عبد اللہ کی ماں ایک رومی باندی تھی۔

یہ تعصب صرف امویوں تک ہی محدود نہ رہا بلکہ عباسیوں نے بھی اس سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اس کا اندازہ عباسیوں کے امام ابراہیم بن محمد کے اس خط سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے ابو مسلم 178 (حاکم خراسان) کو لکھا۔
 ”مگر تمہیں یہ قدرت حاصل ہو کہ خراسان میں کسی عربی بولنے والے کو زندہ نہ چھوڑو، ہر عربی بولنے والے کو قتل کر دو تو ضرور ایسا کر ڈالو“ 179۔

عجمی ہونے کی وجہ سے ابو مسلم تو پہلے ہی عربوں سے سخت نفرت کرتا تھا اب جب کہ اسے امام موصوف کی طرف سے کھلی چھٹی مل چکی تو اس نے عربوں کے خون بہانے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ اس کے اپنے بقول اس نے میدان جنگ کے علاوہ ایک لاکھ عربوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگے اور اس کے حکم سے چھ لاکھ عربوں کو تہ تیغ کیا گیا 180۔

اموی حکومت کی پیدا کردہ عصبیت آخر کار ان کی بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس عصبیت کا یہ اثر ہوا کہ ان کی حکومت کے عہدیدار بھی اپنے اپنے قبیلوں کو اہمیت دینے لگے اور صرف انہیں ہی انعام و اکرام سے نوازنے لگے۔

امویوں کی پالیسی یہ تھی کہ جب تک یہ قبائل آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں گے اس وقت تک حکومت کی کمزوریوں پر پردہ پڑا رہے گا، لیکن ہوا اس کے برعکس، جب کسی قبیلے کا کوئی عہدیدار معزول ہوتا تو وہ فوراً حکومت مخالف قبیلے کو حکومت کی ساری کمزوریاں بتا دیتا تھا جس سے مخالفوں کو حکومت کے خلاف اور زیادہ مواد مل جاتا۔

اموی خلفاء کی کمزوری کی ایک وجہ ان کا طریقہ ولی عہدی بھی تھا۔ شریعت یا دستور کی رو سے خلیفہ کو اپنے بعد دو ولی عہد بنانے کا حق حاصل نہ تھا 181۔ لیکن ہر خلیفہ مرنے سے قبل سابقہ ولی عہد کی جگہ اپنے بیٹوں یا بھائیوں کو لے آتا۔ یہ موقع عہدیداروں کے لیے بڑا کٹھن ہوتا تھا اگر وہ سابقہ ولی عہد برقرار رکھنے کا مشورہ دیتے تو خلیفہ وقت کے غیظ و غضب کا شکار ہوتے اور اگر وہ ان ولی عہدوں کی معزولی کا مشورہ دیتا تو بعد کے خلیفہ اس کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھتے جیسا کہ ولید بن عبد الملک کے بھائی سلیمان بن عبد الملک نے حجاج بن یوسف کے ساتھ کیا۔ سلیمان بن عبد الملک نے فاتح سندھ محمد بن قاسم اور اس کے خاندان کو تباہ و برباد کر کے کوڑی کوڑی کا محتاج کر

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

دیا 182، اسی طرح موسیٰ بن نصیر 183 بھی سلیمان کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہوا۔

اموی حکومت کی Divide and Rule (تقسیم کرو اور حکومت کرو) والی پالیسی کامیاب نہ رہی کیونکہ عصبیت کی بناء پر تمام قبائل ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے اور کوئی ایسی مشترک غرض نہ رہی جو ان قبائل کو متحد کر سکتی، یہی وجہ ہے کہ حکومت کا ڈھانچہ بظاہر شاندار ہونے کے باوجود اندر ہی اندر سے کھوکھلا ہو گیا اس دوران خفیہ طور پر ایسی تحریکیں نشوونما پانے لگیں جو تمام حکومت مخالف عناصر کو اپنے ساتھ ملانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی تھیں ان میں تحریک اہل بیت سرفہرست تھی۔

اموی حکومت کے زوال کا اولین سبب یہ تھا کہ خلافت کا منصب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ شوریٰ یا جمہوری نہ رہا تھا بلکہ موروثی ملوکیت کی علامت بن گیا تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنیؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد قاتلین سے قصاص لینے کے بارے میں سیدنا حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان سیاسی اختلافات رونما ہوئے۔ خانہ جنگی کے مضر اثرات کو بجا طور پر محسوس کرتے ہوئے دونوں حضرات نے جنگ بندی پر 40ھ/660ء میں مصالحت کر لی۔ سیدنا حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امت مسلمہ کو مزید کسی خون ریزی اور خانہ جنگی سے بچانے کے لیے سیدنا حضرت حسنؓ نے کمال ایثار اور سیاسی حکمت و بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے مصالحت کے عمل کو مزید یوں آگے بڑھایا کہ انہوں نے 41ھ/661ء میں خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا۔

سیدنا حسنؓ کی دستبرداری کو اس وقت کے صحابہ، تابعین اور صلحائے امت نے احسن قدم قرار دیا۔ اور اس سال کو ”عام الجماعة“ کا نام دیا گیا۔ یعنی اتحاد کا سال اور حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہو گئی 183-A۔

ان ابنی هذا سید یصلح اللہ علی یدہ بین فتنین عظیمین . 184۔

”یہ میرا بیٹا سردار ہے اور اللہ اس کے ہاتھوں مسلمانوں کے دو متحارب فرقوں میں صلح کرائے گا“

اس طرح حضرت امام حسنؓ کے اس اقدام سے مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگی کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن حضرت امیر معاویہؓ کے بعد بنو امیہ بد قسمتی سے اس اتحاد کو برقرار رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۱۔ _____ دور ملوکیت کے آغاز سے حکمرانوں نے قیصر و کسریٰ کا طرز زندگی اختیار کر لیا، اور اس طریقہ کو چھوڑ دیا جس پر رسول خدا ﷺ اور خلفائے راشدین زندگی بسر کرتے تھے۔ حکمران شاہی محلات میں رہنے لگے، جہاں ان کی حفاظت کے لیے حفاظتی دستے تعینات ہوتے تھے۔

عوام الناس سے حکمرانوں کا رابطہ منقطع ہو گیا اور اب رعایا کے حالات معلوم کرنے کا واحد ذریعہ ان کے مقرر کردہ کارندے رہ گئے جن کے ذریعے ارباب اقتدار کو کبھی بھی صحیح صورت حال کا علم نہ ہوتا اور رعایا کے لیے یہ بھی ممکن نہ رہا کہ وہ اپنی حاجات اور شکایات براہ راست حکمرانوں تک پہنچا سکیں۔ اس تبدیلی کی ابتداء حضرت امیر معاویہؓ کے دور سے ہو چکی تھی 185۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

۲۔ بیت المال کے اسلامی تصور میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی۔ بیت المال جو خلیفہ کے پاس خدا اور اس کی مخلوق کی امانت ہوتا، جس میں خلیفہ کو کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہ ہوتا، خلیفہ بیت المال میں رقم کی آمد و خرچ کے لیے جوابدہ ہوتا اور خلیفہ اگر ضرورت محسوس کرتا تو صرف اتنی ماہانہ تنخواہ لے سکتا تھا جو کہ اوسط درجے کی زندگی گزارنے کے لیے کافی ہوتی تھی۔

دور ملوکیت میں بیت المال کا تصور یکسر بدل گیا۔ خزانہ بادشاہ اور اس کے خاندان کی ذاتی ملک تصور ہونے لگا۔ رعایا بادشاہ کی محض باجگوار بن گئی، جسے حساب پوچھنے کا حق حاصل نہ تھا۔ باغ فدک جو کہ حضور اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانے سے ہی بیت المال کی ملک رہا تھا مروان بن الحکم نے اس کو اپنے زمانہ خلافت میں اپنی اور اپنی اولاد کی میراث بنا لیا¹⁸⁶۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اصلاحات کیں تو اسے دوبارہ بیت المال کی ملک بنا دیا اور سب سے پہلے انہوں نے اپنی چالیس ہزار دینار کی سالانہ جائیداد کو بیت المال میں جمع کروا دیا جو انہیں وراثت میں اپنے والد سے ملی تھی۔ خلیفہ موصوف نے ان تمام ناجائز ٹیکسوں کو موقوف کر دیا جو ان سے قبل اموی حکمران رعایا سے وصول کرتے تھے^{187-A}۔ اس زمانے میں ظلم کی انتہا یہ تھی کہ نو مسلموں سے اسلام قبول کرنے کے بعد بھی جزیہ اور خراج وصول کیا جاتا رہا^{187-B} اور حکمران طبقہ اس کی یہ دلیل دیتا کہ ان لوگوں نے محض جزیہ و خراج سے بچنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں خراسان کے نو مسلموں نے آ کر خلیفہ موصوف سے گورنر خراسان الجراح بن عبداللہ الحکمی کی شکایت کی کہ وہ ہمارے مسلمان ہونے کے باوجود ہم سے جزیہ و خراج وصول کرتا ہے لوگوں کی اس شکایت پر خلیفہ نے گورنر خراسان کو معزول کر دیا اور لوگوں پر عائد جزیہ و خراج کو ساقط کر دیا اور فرمایا کہ:

”خدا کے رسول ﷺ کو داعی بنا کر بھیجا گیا تھا نہ کہ ظلم کرنے اور مال جمع کرنے کے لیے بھیجا تھا“¹⁸⁸۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے مختصر بہترین دور کے بعد بنو امیہ میں بگاڑ اور اخلاقی زوال کا سلسلہ حسب سابق شروع ہو گیا

۳۔ اس دور میں اہم تبدیلی یہ رونما ہوئی کہ مسلمانوں سے آزادی تقریر و تحریر کا بھی حق چھین لیا گیا۔ حالانکہ اسلامی ریاست میں ہر شخص کو خلیفہ سمیت ہر فرد پر تنقید کا حق حاصل ہے۔

اسلامی معاشرہ ہر شخص کو نہ صرف امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حق دیتا ہے بلکہ ہر ایک پر فرض ہے کہ وہ اپنے ضمیر کے مطابق ہر بڑے سے بڑے آدمی کو بھی غلط کام پر ٹوک سکے اور ہر بات پر ملا کہہ سکے۔

خلفائے راشدین نہ صرف رعایا کو اس کی اجازت دیتے تھے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے جبکہ اس زمانے میں حق بات کہنے والے ڈانٹ و دھمکی سے نہیں بلکہ تعریف و تحسین سے نوازے جاتے تھے اور تنقید کرنے والوں کو دبا یا نہیں بلکہ مطمئن کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ دور ملوکیت میں لوگوں کی زبانیں قفل چڑھا کر بند کر دی گئیں اور یہ اصول کارفرما ہو گیا کہ زبان کھولو تو صرف تعریف و تحسین کے لیے ورنہ چپ رہو۔ اگر تمہارا ضمیر اتنا ہی منہ زور اور حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتا تو قید، قتل اور کوڑوں کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس دور میں تنقید کرنے والوں کو سخت سے سخت سزائیں دی گئیں تاکہ وہ پوری قوم کے لیے باعث عبرت ہوں۔ اموی حکومت سے عوام کی بیزاری کی ابتداء خود حضرت

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

امیر معاویہؓ کے دور سے شروع ہو چکی تھی آپؓ کے بعض اقدامات سے لوگوں میں مندرجہ ذیل غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔

۱۔ حضرت امیر معاویہؓ نے حکومت لوگوں کی رائے اور مشورے سے حاصل نہیں کی تھی بلکہ معروضی حالات کے تحت وہ خلافت پر

قابض ہو گئے تھے، تاہم حضرت حسنؓ سے مصالحت کے بعد حالات میں کافی بہتری پیدا ہوئی لیکن یہ دور محض عبوری دور ثابت ہوا۔

۲۔ یزید کو اپنا جانشین بنانا، اگرچہ امیر معاویہؓ کا یہ اقدام یزید سے حسن ظن کی بناء پر تھا لیکن بہر حال اس کے مابعد نتائج خوشگوار ثابت

نہ ہوئے۔

۳۔ حضرت امیر معاویہؓ کے بعد اموی حکمرانوں کے طرز عمل میں مزید تبدیلی آئی چنانچہ حضرت مسور بن مخرمہ کو حاکم مدینہ مروان بن

الحکم نے ناگوں سے بیٹھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ ”آپؓ نے یہ بری بات کہی ہے“ 189۔

اسی طرح ایک دفعہ جب حجاج بن یوسف کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جمعہ کا خطبہ لہا کرنے اور جمعہ میں تاخیر کرنے پر ٹوکا تو اس پر حجاج بن

یوسف نے کہا:

”میرا ارادہ ہے کہ تمہاری یہ دونوں آنکھیں جس سر میں ہیں اس پر ضرب

لگاؤں“ 190۔

عبدالملک بن مروان جب 75ھ/694ء میں مدینہ گیا تو منبر رسول ﷺ پر اس نے اعلان کیا:

”اب اگر کسی نے مجھے اتقوا اللہ 191، (اللہ سے ڈرو) کہا تو میں اس کی گردن مار

دوں گا“ 192۔

ولید بن عبدالملک نے ایک مرتبہ جمعے کے خطبے کو اتنا طول دیا کہ عصر کا وقت بھی گزرنے لگا۔ ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ:

”امیر المومنین! وقت آپ کا انتظار نہ کرے گا اور نماز میں اتنی تاخیر کر دینے پر آپ

خدا کے سامنے کوئی عذر پیش نہ کر سکیں گے“ 193۔

ولید بن عبدالملک نے اتنی سی بات پر اس کے قتل کا حکم دے دیا۔

حکومت کی مندرجہ بالا پالیسی نے رعایا کے جس قسم کی سیرت و کردار کی نشو و نما کی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔

سانحہ کربلا کے بعد ایک شخص نے حضرت علی بن حسین 194 (زین العابدین) کو صرف تین سو درہم کے لالچ میں حاکم کوفہ عبید اللہ بن زیاد

کے حوالہ کر کے انعام حاصل کیا۔ حالانکہ یہ وہ شخص تھا جو امام زین العابدین کو ہر وقت دیکھ دیکھ کر روتا تھا اور امام موصوف اس شخص کو اپنا مخلص

ترین شخص سمجھتے تھے 195۔

۵۔ اسلامی ریاست کے دستور میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ حکومت مشورے سے کی جائے اور مشورہ ان لوگوں سے لیا جائے جو علم،

تقویٰ اور دیانت میں عوام کے اعتماد پر پورے سائرتے ہوں۔ خلفائے راشدین کو عام طور پر وہ لوگ میسر ہوتے تھے جن پر پوری قوم کو اعتماد تھا

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

یہ لوگ خلفاء کو غلط راستے پر نہ جانے دیتے اور یہی لوگ امت کے اہل حل و عقد تسلیم کیے جاتے تھے۔

جب ملوکیت کا دور آیا تو شوریٰ کی جگہ شخصی استبداد نے لے لی۔ حق کو، اہل علم اور حق شناس لوگ بادشاہوں سے دور بھاگنے لگے۔

اب بادشاہوں کے مشیر، گورز، قائدین شاہی خاندان کے امراء اور درباری لوگ تھے نہ کہ اہل الرائے اصحاب جن کی قابلیت اور امانت و دیانت پر امت کو اعتماد تھا۔ اس طرح یہ شاہی کونسل خلیفہ کو مشورے دیتی رہتی اور اس کونسل کے فیصلوں کو عوام میں پزیرائی حاصل نہ ہوتی تھی اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اس بڑھتے ہوئے تمدن میں پیش آنے والے قانونی مسائل کا فیصلہ دینے والا کوئی ایسا بااختیار ادارہ باقی نہ رہا جس کی طرف مسائل کے حل میں بروقت رجوع کیا جاسکتا ہو۔

۶۔ اس دور میں عدلیہ کی آزادی کو بھی سلب کر لیا گیا۔ خلفاء راشدین کے دور میں اگرچہ قاضیوں کا تقرر بھی خلیفہ ہی کرتا تھا لیکن جب کوئی قاضی مقرر ہو جاتا تو اس پر خدا کے خوف اور اپنے علم و ضمیر کے سوا کوئی دوسرا بوجھ نہ رہتا۔ قاضی اتنے بااختیار ہوتے تھے کہ خلیفہ جیسی شخصیت کے خلاف فیصلے دے سکتے اور دیتے تھے۔ ملوکیت کے آتے ہی عدلیہ آزاد نہ رہی، قاضیوں کے لیے خلیفہ، اس کے خاندان، امراء سلطنت، گورزوں اور والیوں کے خلاف فیصلے دینے مشکل ہو گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور کے دیا نندار اور نیک لوگ اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کرتے اور جو لوگ اس منصب کو قبول کرتے ان کو عوام شک کی نظر سے دیکھتے تھے۔ عدلیہ پر انتظامیہ کی گرفت اتنی سخت تھی کہ گورز قاضیوں کے تنزل و ترقی میں مختار کل تھے 196۔

۷۔ دور ملوکیت میں قوم، وطن اور قبیلے کی وہ تمام عصمتیں دوبارہ لوٹ آئیں جنہیں رسول اکرم ﷺ نے ختم کیا تھا۔ عصمت کا یہ عالم تھا کہ والی، قاضی، امام مسجد اور نماز جنازہ پڑھانے کے لیے بھی عربوں کا ہی تقرر عمل میں آتا۔ عجمی کو نماز جنازہ پڑھانے کی صرف اس صورت میں اجازت تھی۔ جب کہ اس وقت کوئی عربی موجود نہ ہوتا 197۔

انہیں چیزوں کو دیکھتے ہوئے عجمیوں میں عجم قوم پرستی کے جذبات پیدا ہوئے اور اس چیز کو عباسیوں نے اُمویوں کے خلاف استعمال کیا اور انہوں نے عباسیوں کا صرف اس لیے ساتھ دیا کہ شاید ان کے آنے سے ہماری محرومیوں کا ازالہ ہو سکے۔ یہ عصمت صرف عرب و عجم تک محدود نہ رہی بلکہ عربوں میں اس چیز نے قبائلی نفرتیں پیدا کر دیں۔ اس دور میں عدنانی، قحطانی، یمنی، مضر، اذہ، تمیم، کلب اور قیس کے پرانے جھگڑے پھر سے پیدا ہو گئے۔ جب ایک قبیلے کا آدمی گورز بناتا تو وہ اپنے قبیلے کو نوازتا اور مخالف قبیلے کے ساتھ ظلم و نا انصافی کرتا۔ اس چیز کو دیکھتے ہوئے خراسان میں ابو مسلم نے بھی یمنی اور مضر قبائل کو لڑا کر اموی حکومت کا خاتمہ کیا۔ عصمت کی انتہا یہ تھی کہ ایک قبیلے کے لوگ دوسرے قبیلے کے امام کے پیچھے نماز تک پڑھنا گوارا نہ کرتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ اُمویوں کے زوال کے وقت ہر مسجد میں دو دو محرابیں ہوتیں اور جامع مساجد میں دو منبروں پر دو امام خطبہ دیتے تھے اور دو جماعتوں کی الگ الگ امامت ہوتی تھی 198۔

خلفائے راشدین میں حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ مرجع شہادت پر اس لیے فائز ہوئے کہ ان کی کوئی ذاتی یا سرکاری محافظوں کی فوج نظر موج نہ تھی۔ جس روز حضرت علیؓ شہید ہوئے اسی روز حضرت معاویہؓ پر بھی ایک خارجی نے قاتلانہ حملہ کیا تھا ان تلخ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

تجربات کی روشنی میں خلفائے راشدین کے برعکس حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی حفاظت کے لیے باقاعدہ محافظین کا تقرر کیا اور امن و امان کو بحال رکھنے کے لیے انہوں نے بعض اوقات عدل و انصاف کے تقاضوں پر انتظامی مصلحتوں کو ترجیح دی۔ بعض سنگین حالات میں انتظامی مصالحے کو فوقیت دینے کی مثالیں خود رسول خدا ﷺ کے اسوہ حسنہ سے بھی ملتی ہیں۔ مثلاً

حضرت عمرؓ نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی شراوتوں اور اسلام دشمن حرکتوں پر حضور اکرم ﷺ کو مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے اور عدل و انصاف کا تقاضا بھی یہی تھا لیکن حضور اکرم ﷺ نے اسے انتظامی مصلحت کے خلاف سمجھتے ہوئے فرمایا کہ ”میں ایسا اس لیے نہیں کروں گا کہ منافقین میں یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ محمد ﷺ اپنے ہی اصحاب کو قتل کرتے ہیں۔“

مکہ فتح ہونے پر آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ خانہ کعبہ کو اسی طرز پر از سر نو تعمیر ہونا چاہیے جیسا کہ اسے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ نے تعمیر کیا تھا۔ لیکن اے عائشہ! تیری قوم ابھی ابھی مسلمان ہوئی ہے اگر میں ایسا کروں گا تو انہیں پریشانی لاحق ہوگی کہ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے؟ غزوہ حنین و اوطاس کے بعد آپ ﷺ نے اموال غنیمت میں سے انصار کو کچھ بھی نہ دیا اور مہاجرین کو بھی بہت کم دیا تقریباً سارے کے سارے اموال غنیمت نو مسلم قریش مکہ کو تالیفِ قلب (دلجوئی) کے لیے دیئے۔ اس میں یہ انتظامی مصلحت پوشیدہ تھی کہ اسلام ان میں مستحکم ہو جائے اس طرح کی اور بھی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

حضرت امیر معاویہؓ نے انتظامی مصلحتوں کے پیش نظر جو کام نیک نیتی سے بھی کئے تھے ان کے بعد کے اموی حکمرانوں نے انہیں اپنی ظالمانہ کارروائیوں کے لیے جواز کا بہانہ بنا لیا، بلکہ ان کا گفتہ بہ بد عملیوں میں وہ بڑھتے ہی چلے گئے مثلاً یزید کے دور میں گورنر کوفہ عبید اللہ بن زیاد نے نواسہ رسول ﷺ سیدنا حسینؑ کو شہید کر کے ان کا سردار یزید میں پیش کیا اور ان کی نعش کو گھوڑے دوڑا کر روندنا گیا 199۔ اور اس نے اہل بیت سے حسن سلوک کے متعلق اپنے ہی باپ (امیر معاویہؓ) کی وصیت کو پامال کر دیا، نیز قتل حسینؑ کا عظیم سانحہ اس کے دور حکومت پر بدترین دھبہ ہے اگرچہ اموی حکمرانوں کی چیرہ دستیوں کا ازالہ اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے ضرور کیا لیکن ان کے بعد دوبارہ ظلم و استبداد کا سلسلہ شروع ہو گیا، انہی اقدامات کی وجہ سے جو عناصر پہلے سے ناراض تھے اور جن کی ناراضگی ابھی دور ہوئی تھی ان کی مخالفت میں اور زیادہ شدت آگئی۔

مندرجہ بالا حالات میں عباسی تحریک نے اسلامی حکومت کے احیاء کے نام پر مختلف عناصر کو اپنے ساتھ ملا لیا جو ہر حالت میں موجودہ حکومت کو ختم کرنے کے متمنی تھے 200۔

خلافت کے جمہوری نظام کو مان لینے کے بعد جانشینی میں حق وراثت کی پالیسی جاری و ساری رہی، بلکہ اس کی مقبولیت میں اور بھی زیادہ اضافہ ہو گیا۔ ناراض طبقے کے علاوہ عراق میں اس پالیسی کو بڑی پزیرائی حاصل ہوئی، کیونکہ یہ لوگ شامیوں کے اقتدار سے پہلے ہی تالاں تھے 201۔ عباسیوں نے اپنے نظریات کو مستحکم اور مقبول بنانے کے لیے متعدد آیات و احادیث کا سہارا لیا جو اس تحریک کی کامیابی کا باعث بنیں۔ ذیل میں ہم ان کا ذکر کریں گے۔

آپ ﷺ کی اولاد پر یہ نہ تھی وفات رسول ﷺ کے بعد حضرت عباسؓ اور حضرت فاطمہؓ نے باغ فدک کو بطور وراثت خلیفہ اول سے طلب کیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد بیان فرمایا:

”لا نوارث ما ترکنا صدقة انما یا کل ال محمد من هذا المال“ 202۔

”ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا جو کچھ ہم نے چھوڑا وہ صدقہ ہے البتہ آل محمد اس مال سے کھائیں گے۔“

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کا یہ جواب سن کر حضرت فاطمہؓ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان فرمایا:

و اولوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ من المومنین والمہاجرین“ 203۔

”کتاب اللہ کی رو سے عام مومنین و مہاجرین کی نسبت رشتہ داری کہ میں ایک دوسرے سے زیادہ حق دار ہیں۔“

اس آیت کی رو سے عباسیوں کے خیال میں حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد امامت و خلافت کے سب سے زیادہ حقدار حضرت عباسؓ تھے کیونکہ وہ آپ ﷺ کے چچا، وارث شرعی اور عصبات میں سے تھے اس لحاظ سے عباسیوں کے بقول خلافت و امامت حضرت عباسؓ اور آل عباسؓ کے لیے مخصوص تھی لیکن لوگوں نے آپ ﷺ کے اس حق کو غصب کر لیا آخر کار پھر خدا تعالیٰ نے ان کو ان کا حق دلادیا۔ ان عباسیوں کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت درست نہ تھی البتہ حضرت علیؓ کی خلافت ان کے نزدیک جائز تھی کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی 204۔ بظاہر ان کا یہ موقف درست دکھائی نہیں دیتا کیونکہ حضرت عباسؓ نے خلفاء راشدین کی بیعت برضا و رغبت کی تھی۔ المسعودی کے بقول حضرت عباسؓ نے وصال نبی ﷺ کے بعد حضرت علیؓ سے کہا تھا۔

یا ابن اخی! ہلم الی أن ابایعک فلا یختلف علیک اثنان. 205۔

”اے میرے بھتیجے! میری طرف آ کہ میں تیری بیعت کر لوں، پھر تیرے بارے میں دو آدمی بھی اختلاف نہ کریں گے۔“

عباسی خلفاء بطور خاص درج ذیل آیت کا حوالہ دیتے ہیں۔ جس کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباسؓ کو اپنے اہل بیت میں شامل کر لیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطہرکم تطہیراً 206۔

”اے اہل بیت خدا چاہتا ہے کہ تم سے مہلک کی دور کر دے اور تمہیں پاک صاف کر دے۔“

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

فاما تہ اللہ مائة عام ثم بعثہ 207۔

”پس اللہ تعالیٰ نے سو برس تک ان کی روح قبض رکھی پھر اس کے بعد اسے دوبارہ زندہ کیا۔“

عباسیوں نے اپنی دعوت و تبلیغ میں اس آیت کو بنیاد بنایا کیونکہ مویوں کی حکومت تقریباً سو سالوں پر محیط تھی اس لیے انہوں نے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

قرآن کی اس آیت کو اپنے حق میں استعمال کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں سو برس تک حکومت کا نہ ملنا مشیت الہی تھا اور اب ہمیں جو حکومت مل رہی ہے وہ بھی حکم خداوندی ہی کا نتیجہ ہے۔ اپنی دعوت کو قرآن کی مذکورہ آیت سے تطبیق دیتے ہوئے عباسیوں نے پہلے امام کا تقرر کیا پھر اس کے چار نائب بنائے پھر بارہ نقیب مقرر کیے۔ ان کے تقرر کے وقت قرآن کی درج ذیل آیت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا۔

وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا 208۔

”ان میں سے ہم نے بارہ نقیب مقرر کئے۔“

سزا دہی مقرر کرتے وقت بھی قرآن سے استفادہ کیا گیا۔ ارشادِ باری ہے۔

وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا 209۔

”موسیٰ نے اس معیار پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے سزا دہی مقرر کیے۔“

اس طرح عباسیوں نے اپنی تحریک کو مذہبی اور الہامی رنگ دے کر لوگوں کو مسخر کرنے کی کوشش کی۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

مَا آفَاءَ لِلَّهِ عَلٰی رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْقَرْيَةِ فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقَرْبَىٰ 210۔

”جو مال خدا نے اپنے پیغمبر کو بستی والوں سے دلویا ہے وہ خدا، اس کے رسول اور اس کے رشتہ داروں کے لیے ہے۔“

اس طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمُوَدَّةَ فِی الْقَرْبٰی. 211۔

”اے محمد کہہ دیجئے کہ میں تم سے سوائے اپنے قرابت داروں کی دوستی (محبت) کے اور کوئی اجر نہیں مانگتا۔“

عباسیوں کے نزدیک یہاں بھی قرابت داروں سے مراد حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو بھی

عباسیوں نے اپنے حق میں استعمال کیا۔

وَاقْبَلْ عَشِيرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ 212۔

”اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔“

قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَاعْلَمُوْا اِنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقَرْبٰی 213۔

”اور جان لو کہ جو چیز تم غنیمت کے طور پر لاؤ (کفار سے) اس میں سے پانچواں حصہ خدا اور اس کے رسول کا

اور اہل قرابت کا ہے۔“

ان کے نزدیک مذکورہ آیت میں اہل قرابت سے مراد حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد ہے۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اپنی خلافت کے استدلال میں بنو عباس کا مذکورہ بالا قرآنی مضامین کو پیش کرنا سراسر غیر متعلق معلوم ہوتا ہے دلائل کا اسی طرح کا انداز امامیہ حضرات کا بھی ہے حضور اکرم ﷺ کے بعد خلفاء راشدین کی خلافت کا برحق ہونا سورۃ النور کی آیت استخلاف سے بخوبی ثابت ہے جیسا کہ ہم نے اسی مقالے کے باب چہارم حوالہ 212-B میں روشنی ڈالی ہے

"وَعَدَالِلَہِ الذِّیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ لِيَسْتَخْلَفْنٰہُمْ فِی الْاَرْضِ
کَمَا اسْتَخْلَفَ الذِّیْنَ مِنْ قَبْلَہُمْ وَلِيُمْکِنَ لَہُمْ دِیْنُہُمْ الَّذِیْ اَرْضٰی لَہُمْ وَلِيَدَّ لَہُمْ مِنْ
بَعْدِ خَوْفِہُمْ اَمْنًا ط یَعْبُدُوْنِیْ لَا یَشْرَکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ط وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ
ہُمُ الْفٰسِقُوْنَ ہ" 213-A

"اور اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں وعدہ کر لیا ہے کہ وہ ضرور بالضرور انہیں زمین میں (حضور اکرم ﷺ) کا خلیفہ بنائے گا اور وہ ضرور بالضرور اس دین کو مستحکم کرے گا جو اس نے ان کیلئے پسند کر لیا ہے اور وہ ضرور بالضرور انہیں ان کے خوف (کی حالت) کے بعد امن (والی حالت) سے بدل دے گا یہ لوگ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھرائیں گے تو جو شخص اس کے بعد (بھی) کفر (یا ناشکری) کرے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔"

اب ہم ان احادیث کا تذکرہ کریں گے جن کی بدولت عباسی خلافت و امامت کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباسؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

”خلافت اُن کی اولاد میں منتقل ہوگی“ 214۔

مندرجہ بالا حدیث کے پیش نظر اولاد عباسؓ ہمیشہ اس بات کی توقع کرتی رہی کہ کب حکومت و خلافت ہمیں ملے گی؟

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”اے عباسؓ تم میں نبوت و حکومت ہوگی“ 215۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے میرے والد سے مخاطب ہو کر فرمایا:

”جیسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے پہلے آدمی سے اس کا آغاز کیا مجھے امید ہے کہ وہ

اس کا خاتمہ بھی ہم پر کرے گا“ 216۔

ایک دفعہ حضرت عباسؓ نے قریش کی بے اعتنائی کا ذکر رسول کریمؐ سے کیا۔ سنتے ہی حضور اکرم ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قال والذي نفسي بيده لا يدخل قلب رجل الايمان حتى
 يحبك لله ولرسوله ثم قال ايها الناس من اذى عمي فقد اذاني
 فانما عم الرجل صنو أبيه 217۔

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کسی شخص کے دل میں
 ایمان داخل نہ ہوگا اگر وہ تم (عباس) کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور
 خوشنودی حاصل کرنے کے لیے دوست نہ رکھے گا۔ پھر فرمایا لوگو! جان لو جس شخص
 نے میرے چچا کو ستایا اس نے مجھے ستایا کیونکہ کسی کا چچا اس کے باپ کا مثل
 ہوتا ہے۔“

حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے والد کو کہا تم سو وار کے دن اپنے تمام اہل خانہ کو لے کر
 میرے پاس آنا، میں تمہارے لیے خدا سے دعا کروں گا۔

فا لبسنا كساءه ثم قال اللهم اغفر للعباس وولده مغفرة ظاهرة و
 باطنة لا تغادر ذنباً اللهم احفظه في ولده 218۔

”اے خداوند عباسؓ کو ان کی اولاد کو بخش دے اور ظاہر و باطن کی ایسی بخشش عطا
 فرما جو کوئی گناہ باقی نہ رہے، الہی عباسؓ کو ان کی اولاد میں قائم و محفوظ رکھ۔“

ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور غریب قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے علاوہ ہمیں اس کی اور کوئی سند معلوم نہیں۔ اس طرح کی
 احادیث سے بنو عباس کی خلافت ثابت کرنا محض ایک تکلف اور تصنع ہے۔

حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب روایت کرتے ہیں کہ ایک شب میں رسول خدا ﷺ کے پاس موجود تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا
 ”تم آسمان پر کوئی چیز دیکھتے ہو؟“ میں نے عرض کی! رسول اللہ ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے عباسؓ کیا دیکھتے ہو۔ میں نے جواب دیا
 ”نہیں!“ (قریب قریب رہنے والے ستاروں کو ثریا کہا جاتا ہے)، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”تمہاری صلب میں سے اس کی تعداد کے مطابق اس امت پر عنقریب حکومت
 کریں گے“ 219۔

عباسیوں کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی اور وہ زمانہ بھی آیا جب کئی صدیوں تک خلافت و حکمرانی کا اعزاز
 عباسیوں میں رہا اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی سعی کی گئی کہ خلافت و امامت کا استحقاق صرف اولاد عباس کو ہی حاصل تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

احبوا الله لما يغذوكم من نعمه، و احبوني بحب الله، و احبوا اهل بيتي بحبي. 220

”اور جس بناء پر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، مجھ سے محبت رکھتے ہو، میرے اہل بیت

کو بھی میری محبت کی وجہ سے عزیز و محبوب رکھو۔“

اس سے عباسیوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ محمد ﷺ کی محبت درحقیقت اللہ کی محبت ہے اور اہل بیت سے محبت اللہ سے محبت ہے اور اہل

بیت سے نفرت دراصل خدا اور اس کے رسول سے نفرت ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

الا ان مثل اهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها هلك. 221

”یا در کھو تمہارے حق میں میرے اہل بیت کی وہی اہمیت ہے جو حضرت نوحؑ کی

کشتی کی تھی جو اس میں سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جو اس کشتی میں سوار

ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔“

جب عبداللہ بن عباسؓ کی پیدائش ہوئی تو حضرت عباسؓ نے نومولود کو لے کر حضور اکرم ﷺ کے پاس گئے آپ ﷺ نے اس کے کان

میں اذان دی اور آپ مبارک ان کے منہ کو لگایا اور فرمایا:

”اے خدا! اس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو قرآن کی تفسیر سکھا۔“ 222۔

عبداللہ بن عباسؓ کو دیتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”لو اس بادشاہوں کے باپ کو۔“ 223۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ ازخود فرماتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے میرے بارے میں فرمایا:

اللهم علّمه الحكمة، اللهم علّمه الكتاب 224۔

”اے اللہ اس کو حکمت عطا فرما، اے اللہ اس کو کتاب اللہ کا علم عطا فرما۔“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار رسول خدا ﷺ کے پاس سے سفید کپڑوں میں ملبوس گزر گیا جب کہ

حضرت جبرائیلؑ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ مجھے دیکھ کر جبرائیلؑ نے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا:

انه لو سح الثياب ، وسيلس ولده من بعده السواد 225۔

”یہ (ابن عباسؓ) تو بہت میلے کپڑوں میں ہے مگر اس کے بعد اس کی اولاد سیاہ لباس پہنے گی۔“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

”نبی اور رسول کے علاوہ جس انسان نے بھی جبرائیلؑ کو دیکھا اس کی بیانی جاتی

رہی لہذا تمہاری بیانی بھی چلی جائے گی لیکن موت کے دن تمہاری بیانی بحال ہو جائے گی، 226۔

کہا جاتا ہے کہ رسول خدا ﷺ کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی کیونکہ آپ (عبداللہ ابن عباس) انتقال سے قبل مایہ تھے مگر انتقال کے روز آپ کی بیانی بحال ہو گئی 227۔ لیکن یہ تمام روایات محل نظر ہیں۔

عباسیوں میں سیاہ رنگ کی بڑی اہمیت تھی اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر سیاہ رنگ کا عمامہ پہنا تھا۔ دوسرا حضرت جبرائیلؑ نے عباسیوں کے لیے سیاہ رنگ کی پیش گوئی کی تھی اس لیے عباسی سیاہ لباس (شعار خلافت بنی عباس) کو اپنے لیے خوش بختی کی علامت سمجھتے ہیں، 228۔ عباسیوں نے اپنی حکومت کے قیام کو شرعی جواز فراہم کرنے کے لیے اپنے مطلب کی احادیث سے بھرپور استفادہ کرنے کی کوشش کی۔

حضرت کعب لا حبار سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يُخْرِجُ عِنْدَ انْقِطَاعِ مِنَ الزَّمَانِ وَظُهُورِ مِنَ الْفِتَنِ رَجُلٌ يَقَالُ لَهُ السِّفَاحُ،
 فَيَكُونُ اعْطَاؤُهُ الْمَالَ حُتْبًا 229۔

”زمانے کے انقطاع اور فتنوں کے ظہور کے وقت اہلبیت میں سے ایک شخص ظاہر ہوگا جسے سفاح کہا جائے گا جو مٹھیاں بھر بھر کے لوگوں کو مال دے گا“

حضرت کعب لا حبار سے ہی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”بنو عباس کے سیاہ جھنڈے ظاہر ہوں گے حتیٰ کہ وہ شام میں آئیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں تمام سرکشوں اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کریں گے“ 230۔

مذکورہ بالا تمام روایات حدیث کے پہلے اور دوسرے درجے کی کتب میں نہیں ہیں بلکہ چھٹے یا ساتویں درجے کی کتابوں میں موجود ہیں۔ جن میں رطب و یابس سب کچھ بھرا ہوتا ہے ابن کثیر نے بھی ان روایات سے اتفاق نہیں کیا ہے 230-A اور بعض روایات ایسی ہیں جن کا تعلق حضرت عباسؓ کی فضیلت سے ہے خلافت اور اس کے استحقاق سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے اصول درایت کے تحت ان روایات کو قبول نہیں کیا جاسکتا ورنہ امت کا سوا داعظم خلفائے بنو عباس کو خلفائے راشدین کے زمرے میں شمار کرنا۔ مزید برآں مستقبل میں وقوع پزیر کسی واقعہ کی خبر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقعہ فی نفسہ (بذات خود) قابل ستائش اور مطلوب و مقصود بھی ہو۔

اسی طرح کی ایک اور روایت کے مطابق حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے سورۃ القدر 231 نازل فرمائی تو

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

میں نے خواب میں اُمویوں کے ایک ایک فرد کو اپنے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا، جس سے مجھے سخت تکلیف ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکہف²³² (کوڑ جنت میں ایک نہر ہے) نازل فرمائی جس سے مجھے خوشی ہوئی۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھتے آ رہے ہیں کہ اصول روایت کے تحت ایسی تمام روایات محل نظر ہیں اور اصول روایت کے تحت بھی انہیں صحیح قرار دینا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ قوی قرائن کی بنیاد اس طرح کی روایات بنی عباس کی حکومت کو سند جواز بخشنے اور علویوں کو خلافت و امارت سے محروم رکھنے کے لیے تراشی گئی معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ ابن کثیر نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں اور اپنی قرآن کریم کی تفسیر میں سورۃ الکہف کے مباحث میں بھی اس پر مبسوط بحث کی ہے اور ایسی روایات کو منکر اور ضعیف قرار دیا ہے^{232-A}۔

اس طرح جب محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ کے ہاں السفاح پیدا ہوا تو امام محمد بن علی نے کہا:

”یہ ہے تمہارا ریا و دوستدار“²³³۔

اس پر حاضرین نے سچے کے ہاتھ پاؤں چومے۔

اسی چیز کو دیکھتے ہوئے محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس نے اپنی دعوت کے آغاز میں فرمایا:

”ہم اس ضمن میں جس امر کے امیدوار تھے اس کا وقت آگیا ہے اس لیے تاریخ کا

ایک سو سال بیت چکا ہے جب بھی کسی قوم یا امت (کے اقتدار) کی عمر سو سال ہو

جائے تو خدا حقداروں کو ان کا حق دیتا ہے اور جھوٹوں کے جھوٹ کو ملیا میٹ کر دیتا

ہے“²³⁴۔

حضرت ثوبانؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جب خراسان کے عقب سے سیاہ جھنڈے آئیں گے تو ان کے پاس آؤ، خواہ

تمہیں برف پر گھٹنوں کے بل چل کر آنا پڑے بلاشبہ ان میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہو

گا“²³⁵۔

اس لیے ابوالعباس السفاح نے اپنے پہلے خطبہ میں کہا تھا کہ:

”اللہ نے ہمیں رسول ﷺ کے رحم و کرم سے مخصوص کیا ہے ہمیں ہمارے آباء

سے پیدا کیا، ہمیں رسول کریم ﷺ کے درخت سے اُگایا، ہم کو آپ ﷺ کی

اصل سے مشتق کیا اور آپ ﷺ کو ہم سے“²³⁶۔

سفاح کے بعد اس کا چچا داؤد بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ منبر پر چڑھا تو اس نے کہا:

”جان لو! یہ امر (حکومت) ہم میں سے نکلنے والا نہیں ہے حتیٰ کہ ہم اسے عیسیٰ بن

مریم کے سپرد کریں گے“ 237۔

داؤد بن علی نے پھر کہا:

”حضور ﷺ کے بعد علیؑ کے سوا کوئی جائز امام نہ گزارا اور آج سفاح جائز اور شرعی

امام ہیں“ 238۔

شیعان علی نے حضرت علیؑ اور امام مہدی منتظر کی شان میں ایسی حدیثیں گھڑیں جن سے ان کے مذہب و مسلک کی تائید ہو سکے اور عباسی ان (امویوں) خصوصیت میں اُمویوں پر بھی سبقت لے گئے 239۔

شیعان علیؑ کا طبقہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کے آغاز پر ہی پیدا ہو گیا تھا۔ اس طبقہ کا روح رواں عبداللہ ابن سبا تھا 240۔ حضرت عثمان غنیؓ کی نرم پالیسی کی بدولت ابن سبا کو اپنی تخریبی کاروائیاں کرنے کا بھرپور موقع ملا۔ شہادت عثمانؓ کے بعد ان کے ہم خیال لوگوں میں اضافہ ہو گیا اور حضرت علیؑ کے دور میں ابن سبا کے نظریات لوگوں میں جڑ پکڑنے لگے، خاص طور پر سیدنا حسینؓ کی شہادت سے سبائی تحریک کو مزید تقویت ملی اور سانحہ کربلا نے دنیائے اسلام کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس سے شیعان علیؑ کو لوگوں کی ہمدردیاں حاصل ہو گئیں کیونکہ مظلومیت سے مقبولیت کو خاص تعلق ہوتا ہے اس سے مجاہد شیعان علیؑ کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔

مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ شیعان علیؑ میں حضرت علیؑ کی جانشینی کے بارے میں مختلف انخیال لوگ پیدا ہو گئے۔ اس فرقہ بندی کی وجہ سے آل عباسؑ کو خلافت حاصل کرنے میں بڑی مدد ملی۔

فرقہ کیسانیہ کے بقول حضرت علیؑ کے بعد محمد بن الحنفیہؓ امام منتخب ہوئے، ان کے بعد ان کا بیٹا ابو ہاشم 241-A وھی بنا۔ ابو ہاشم کو سلیمان بن عبدالملک نے زہر دیکر ہلاک کروا دیا اور مرنے سے قبل انہوں نے محمد بن علی عباسی کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا 241-B۔

ابو ہاشم عبداللہ نے علوی شرفاء کو چھوڑ کر محمد بن علی عباسی کو امامت کے لیے منتخب کیا، کیونکہ اس وقت ان جیسا بلند پایہ مدبر اور باوقار شخص موجود نہ تھا جس کے بارے میں انہیں یقین ہوتا کہ وہ تمام فرقوں کے دل جیت کر کامیابی کے ساتھ حکمرانی کر سکے گا تاہم تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ محمد بن علی نے اپنا کام بڑی جانفشانی، خلوص اور لگن سے کیا۔

محمد بن علی نے دعوت کے دو مراکز قائم کیے جن میں سے ایک عراق جو کہ اہل بیت کا مرکز تھا اور دوسرا خراسان تھا، جس کے باشندوں کے بارے میں امام محمد بن علیؑ کا کہنا تھا کہ:

”خراسان کے لوگ سیدھے سادھے ہیں ان کے دل ایسے صاف ہیں جو

رجحانات و اختلافات کا شکار نہیں ہوئے، یہ فوج کے ایسے سپاہی ہیں جو قد آور،

چوڑے چپکے اور لمبے ڈیل ڈول والے ہیں ان کی آواز گرجا رہی ہے اور بارعب ہے۔

جس سے سننے والوں پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے خدا ان کے ذریعے سے حق و

صدافت کا چراغ روشن کرے گا، 242۔

امام موصوف کے نزدیک چونکہ یہ لوگ ایرانی ملوکیت کے عادی تھے اس لیے ان کے ہاں استحقاق جانشینی کا نظریہ ضرور بار آور ہوگا اور دوسرا یہ علاقہ دارا الخلافہ سے دور دراز فاصلے پر واقع تھا اس لیے مرکز تک ان کی سرگرمیوں کی اطلاع پہنچتے پہنچتے وقت لگتا ہے۔

امام محمد بن علی کے مقرر کردہ نائبین کو ہی صرف امام موصوف سے ملنے کی اجازت تھی۔ امام موصوف نے نائبین کے تقرر کے بعد بارہ نقیب مقرر کیے، جن کا تعلق حلیف قبائل سے ہوتا تھا ان نقیبوں کے تقرر کے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ عصبیت کی بناء پر کبھی یہ لوگ ایک دوسرے کے مخالف نہ ہو جائیں۔ امام ان نائبین کو ایک دستور العمل دیتے تھے جس کے تحت یہ لوگ اپنے آپ کو اسلامی اخلاق و عادات کا نمونہ بناتے۔ یہ لوگ تجارت اور حج کی ادائیگی کے بہانے سفر کرتے تھے²⁴³ اور لوگوں کو اُمویوں کے خلاف براہِ نیکی کرتے اور انہیں تحریک اہلبیت میں شمولیت کی دعوت دیتے تھے۔ اس دوران دعوت کے لیے اہلبیت کے لفظ کو مبہم رکھا جاتا تھا کہ حضرت علیؑ کے طرفداروں کو شبہ نہ ہو سکے چنانچہ محبانِ علیؑ اس سے مراد حضرت علیؑ کی اولاد دیتے اور عباسی اس سے مراد حضرت عباسؑ کی اولاد دیتے۔ جس شخص کے لیے بیعت لی جاتی اس کا علم نقیبوں اور خاص داعیوں کے سوا کسی کو نہ ہوتا تھا²⁴⁴۔ داعیوں کے درج ذیل مقاصد ہوتے تھے:

_____ اُمویوں کے مظالم کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا اور حکمرانوں کا قرآن و سنت کو نظر انداز کرنے کا حال عوام الناس کو بتانا۔

_____ موضوع یا صحیح احادیث سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کرنا کہ اہل بیت عنقریب کامیاب ہونے والے ہیں۔

_____ جہاں ضرورت محسوس کرتے اور کامیابی کی امید ہوتی تو اہل بیت کے حق جانشین کو پیش کیا جاتا تھا اور جو شخص ان کی

دعوت کو مان لیتا تھا اس سے محمد بن علی کے نام خط لکھواتے تاکہ ایک تو سند رہے اور دوسرا امام موصوف اس سے

آگاہ ہو جائیں، 245۔

اس طرح داعیوں اور نقیبوں کی محنت و جانفشانی اور رازداری کے ساتھ یہ تحریک چلتی رہی چونکہ یہ تحریک ایک زبردست حکومت کے خلاف تھی اس لیے اس کی ترقی نہایت تدبیر و تدبیر اور نشوونما کی رفتار سے تھی اس دوران بہت سے داعی اور نقیب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ان اُموات سے دعوتِ عباسیہ کی تبلیغ میں کوئی فرق نہ آتا بلکہ جب کوئی شخص مرجا تا تو فوراً اس کی جگہ دوسرا شخص لے لیتا اس طرح امام محمد بن علی کی دوراندیشی اور سیاست کاری سے یہ تحریک آگے سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ جب لوگوں کے حوصلے جواب دینے لگتے تو قرآن و سنت سے ان لوگوں کی گرتی ہوئی ہمتوں کو حوصلہ دیا جاتا تھا۔ یہ تحریک 107ھ/725ء تک جاری و ساری رہی۔

خراسان میں گورنر اسد بن عبد اللہ نے عباسی داعیوں اور نقیبوں کو چن چن کر قتل کروایا۔ جب تک یہ شخص خراسان کا گورنر رہا یہ تحریک دبی رہی²⁴⁶۔

109ھ/727ء میں اس گورنر کی معزولی کے بعد اس تحریک نے دوبارہ بڑے انہماک سے کام شروع کیا اس تحریک کی کامیابی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 116ھ/734ء میں جب اسد بن عبد اللہ دوبارہ گورنر خراسان بنا تو قبائلی عصبیت کی وجہ سے وہ ان

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

داعیوں اور نقیبوں کا کچھ نہ کر سکا کیونکہ جب بھی کوئی داعی گرفتار ہوتا تو وہ ایک ہی حلیہ بیان دیتا کہ مجھ پر صرف قبائل دشمنی کی وجہ سے الزام لگایا گیا ہے اس پر اسے چھوڑ دیا جاتا تھا۔

ان داعیوں کی تربیت کچھ اس انداز سے کی گئی تھی کہ ان میں کسی قسم کی پھوٹ نہ پڑ جائے اور مبادا یہ ایک دوسرے کے رازا گلنے لگیں۔

124ھ/741ء میں جب امام محمد بن علی کی وفات کے بعد وصیت کے مطابق اس کا بیٹا امیر ایم بن محمد بن علی ان کا جانشین²⁴⁷

بناتو وہ اپنے باپ سے زیادہ دوراندیش، معاملہ فہم، مردم شناس اور بہترین منتظم ثابت ہوا پھر اس کو ابو مسلم خراسانی جیسا مخلص شخص مل گیا جس کی قابلیتوں اور صلاحیتوں سے امام موصوف نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور امام امیر ایم نے 128ھ/746ء میں اسے اپنا نائب بنا کر خراسان بھیجا²⁴⁸۔ اور اپنے داعیوں کو لکھا کہ:

”میں نے ابو مسلم کو خراسان کا امیر مقرر کیا ہے لہذا

تم سب اس کی اطاعت فرمانبرداری کرو“²⁴⁹۔

اس کے ساتھ ہی امام امیر ایم نے ابو مسلم کو یہ بھی حکم دیا کہ:

”مگر تمہیں یہ قدرت حاصل ہو کہ تم خراسان میں کسی عربی بولنے والے کو زندہ نہ

چھوڑو اور ہر عربی بولنے والے کو قتل کر ڈالو ایسا ضرور کرنا“²⁵⁰۔

اسی دوران امام امیر ایم کا بھیجا ہوا قاصد اور خط جو انہوں نے ابو مسلم کے نام لکھا تھا پکڑا گیا اس خط میں ابو مسلم کو سخت جدوجہد

کرنے اور اپنے دشمن کے خلاف کارروائیوں کو تیز تر کرنے کی ہدایت کی گئی تھی چنانچہ قاصد کو مروان بن محمد (آخری اموی خلیفہ) کے سامنے

پیش کیا گیا امام امیر ایم کا یہ خط دیکھ کر خلیفہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے عامل دمشق ولید بن معاویہ بن عبد الملک کو لکھا کہ امام امیر ایم کو گرفتار کر

کے میرے سامنے پیش کیا جائے²⁵¹۔

چنانچہ امام امیر ایم نے گرفتاری کے وقت اپنے خاندان والوں کو ہدایت کی کہ تم لوگ ابو العباس عبد اللہ بن محمد کے ہمراہ کوفہ چلے جاؤ

اور میں نے اپنے بعد ابو العباس کو تمہارا امام اور خلیفہ مقرر کیا۔ تم سب اس کی فرمانبرداری کرنا اور ہماری یہ آخری ملاقات ہے کیونکہ مجھے خدشہ

ہے کہ میں اس سال قتل ہو جاؤں گا²⁵²۔

امام امیر ایم کو پیش کرتے وقت خلیفہ مروان کو بتایا گیا کہ یہی وہ شخص ہے، جس کی طرف ابو مسلم لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور وہ اسے

خلیفہ کہتے ہیں چنانچہ مروان کے حکم سے ان بجھے چو نے سے بھری ہوئی مشک میں امام موصوف کے سر کو داخل کر دیا گیا جس سے امام امیر ایم کا

انتقال ہو گیا²⁵³۔ امام امیر ایم کے انتقال کے بارے میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ مروان کے حکم سے آپ کو زہر دے کر ہلاک کیا

گیا²⁵⁴۔

کوفہ میں جب لوگوں کو امام ابراہیم کے انتقال کی خبر ملی تو اس موقع پر ابوسلمۃ الخلال نے خلافت کو آل علی بن ابی طالب میں منتقل کرنے کی کوشش کی لیکن امراء اور نقباء اس پر غالب آ گئے بعد میں یہی چیز ابوسلمۃ الخلال کے قتل کا باعث بنی ²⁵⁵۔

ادھر ابو مسلم خراسانی کو بھی امام ابراہیم کی وفات کی اطلاع مل چکی تھی لہذا ابو مسلم کوفہ پہنچا اور اس نے سب سے پہلے ابو العباس السفاح سے امام موصوف کی تعزیت کی پھر امام ابو العباس السفاح کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی۔

امام ابراہیم کے حکم کے مطابق ابو العباس اپنے سارے خاندان کو لے کر محرم 132ھ / 20 اگست 749ء میں کوفہ آ گئے۔ کوفہ پہنچ کر اس خاندان نے ولید بن سعد ازدی کے گھر میں قیام کیا اور ان کی آمد کو چالیس روز تک لوگوں سے خفیہ رکھا گیا ²⁵⁶۔

ابو العباس 13 ربیع الاول 132ھ / 20 اکتوبر 749ء بروز جمعہ اپنے محافظوں کے ہمراہ کوفہ کی جامع مسجد میں وارد ہوا ²⁵⁷ جہاں لوگوں نے اس کے ساتھ پر بیعت کی۔

دوسری روایت کی رو سے ابو العباس سفاح کی بیعت 28 ذوالحجہ 132ھ / 7 اگست 750ء بروز بدھ ہوئی اور یہ بیعت ولید بن سعد ازدی کے گھر میں ہوئی ²⁵⁸۔

اس سلسلے میں تیسری روایت یہ ہے کہ ابو العباس کی بیعت 13 ربیع الاول 132ھ / 30 اکتوبر 749ء بروز جمعرات کوفہ کی مسجد میں ہوئی ²⁵⁹۔ لیکن الدینوری کے بقول ابو العباس السفاح کی بیعت خلافت اور ابو جعفر منصور کی بیعت ولی عہدی ماہ رجب 132ھ / فروری 750ء میں ہوئی ²⁶⁰۔

ابو العباس نے منبر رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر پہلے خدا کی حمد و ثناء کی پھر رسول اکرم ﷺ پر درود بھیجا، جب کہ اس سے پہلے اموی خلفاء منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے لوگوں نے السفاح کو تہنیت پیش کی اور کہا۔

”یہ بڑی تعریف کی بات ہے کہ آپ نے اپنے دین میں اپنے ابن عم کے طریقہ کو زندہ کیا“ ²⁶¹۔

اس کے بعد ابو العباس السفاح نے اُمویوں کا ذکر کیا کہ کس طرح انہوں نے محارم کی توہین کی، کعبہ کو گرایا اس پر منہج مذہبیوں سے سنگباری کی اور ان لوگوں کی بد اعمالیوں کا باری باری ذکر کیا۔ اس کے بعد السفاح نے قرآن کی ان آیات کی تلاوت شروع کی جن کے سبب وہ خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔

_____ انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اہل البیت و یطہرکم تطہیراً ²⁶²۔

”اس کے سوا نہیں کہ اللہ چاہتا ہے اے اہل بیت! کہ وہ تم سے آلودگی دور فرما دے اور تمہیں خوب (ہر طرح سے) پاک صاف رکھے۔“

_____ قل لا اسئلكم علیہ اجر الا المودة فی القربی ²⁶³۔

”تو کہہ دے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت کا (خیال رکھو)۔“

_____ وانذر عشیرتک الاقربین ²⁶⁴ -

”اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔“

_____ ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فله وللرسول ولذی القری ²⁶⁵ -

”جو کچھ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو دوسری بستیوں کے لوگوں (کافروں) سے دلوادے

(جیسے باغ فدک اور خیبر کا حصہ) سو وہ (بھی) اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس کے رسول ﷺ اور اس کے

(آپ ﷺ کے) قرابت داروں کا بھی۔“

مندرجہ بالا آیات کی تلاوت کے بعد ابو العباس السفاح نے کہا:

”گمراہ سبائے فرقہ کا یہ خیال باطل ہے کہ حکومت، سیاست اور خلافت ہمارے

علاوہ (یعنی بنو عباس کے علاوہ) دوسرے لوگوں کا حق ہے اس کی تو جیہہ و تاویل

کرتے کرتے ان کی صورتیں بدل گئیں۔“ ²⁶⁶ -

اس کے بعد ابو العباس نے خلافت کا ذکر کیا اور کہا کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے اس کام کو سنبھالا اور

حکومت کے تمام معاملات باہم شوریٰ کے مشورے سے طے ہوتے رہے ²⁶⁷ اور پھر انہوں نے امت کے ترکہ کو اکٹھا کر کے ان میں عدل

کیا اور اسے اس کے اہل لوگوں کو دے دیا جب کہ خود اس سے خالی پیٹ ہو کر نکلے۔ پھر کہا کہ:

”بنو حرب اور بنو مروان نے اس امر کو زبردستی اپنے لیے چھین لیا، باری باری اس

سے نفع حاصل کرتے رہے اپنے آپ کو اس میں ترجیح دی اور اس کے اہل لوگوں پر

ظلم کیا۔ پس اللہ نے ہمیں ہمارا حق دے دیا اور ہمارے ذریعے ہماری قوم کی تلافی

کی۔“ ²⁶⁸ -

اس کے بعد ابو العباس نے اہل کوفہ کو خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ تم اس بات کے اہل ہو کہ ہم تم سے محبت اور خلوص برتیں کیونکہ تم

نے ہمارے حق سے کبھی انحراف نہیں کیا اور باوجود ظالموں کے ظلم و ستم کے تم نے ہماری محبت کو کم نہ ہونے دیا۔ پھر کہا کہ:

”یہ اللہ کا احسان ہے کہ تم نے ہمارا عہد پالیا ہے ہم تم کو سب سے زیادہ بختاور سمجھتے

ہیں اور تمہاری عزت سب سے زیادہ کرتے ہیں اس لیے ہم نے تمہاری عطا میں سو

دینار کا اضافہ کر دیا اور اب تم لوگ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ ²⁶⁹ -

اس کے بعد ابو العباس السفاح نے اہل خراسان کی بڑی تعریف کی جنہوں نے دولت عباسیہ کے قیام میں عباسیوں کی بڑی مدد

کی پھر ابوالعباس نے اپنے خطبہ کو ان الفاظ پر ختم کیا کہ:

”میں سفاح ہوں بہت بڑا فیاض اور شدید خوزیزی کرنے والا“²⁷⁰۔

مندرجہ بالا الفاظ کا مقصد یہ تھا کہ میں جتنا فیاض اور نرم دل ہوں اتنا ہی سنگدل بھی ہوں۔ اس لیے جو شخص میرے راستے میں حائل ہوگا میں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔

سفاح کے بعد اس کا چچا داؤد بن علی منبر پر چڑھا لیکن کئی زینے نیچے کھڑا ہوا جہاں ابوالعباس نے خطبہ دیا تھا۔

”اے لوگو! ہم نے اپنی دولت بڑھانے، جائیدادیں بنانے، نہریں کھدوانے اور

عالیشان محل تعمیر کروانے کے لیے حکومت حاصل نہیں کی بلکہ ہم اللہ اور اس کے

رسول ﷺ اور حضرت عباسؓ کے واسطے اپنے ذمہ لیتے ہیں کہ اس معاملے پر ہم

خاص و عام کے ساتھ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق عمل کریں گے۔

علیؓ بن ابی طالب اور عبد اللہ بن محمد (ابوالعباس) کے سوا اور کوئی جائز خلیفہ اس منبر

پر تقریر کے لیے کھڑا نہ ہوا۔ اب یہ حکومت ہمارے خاندان میں اس وقت تک

رہے گی جب تک ہم خود اسے عیسیٰ بن مریم کے حوالے نہ کریں گے“²⁷¹۔

اس کے بعد ابوالعباس السفاح اور داؤد بن علی مقام قصوریٰ میں آگئے اور ابو جعفر منصور کو مسجد میں بٹھا دیا تاکہ وہ لوگوں سے بیعت

السفاح لیتے رہیں۔

ابوالعباس نے ”صمام العین“ کی چھاؤنی میں کئی ماہ قیام کیا اور کوفہ پر اپنے چچا داؤد بن علی کو اپنا نائب مقرر کیا²⁷²۔ اب ابوالعباس السفاح نے

مختلف محاذوں پر اپنے قریبی تجربہ کار لوگوں کو روانہ کیا اور اپنے دوسرے چچا علی بن عبد اللہ کو ابوعمون عبد الملک بن یزید کے پاس، اپنے بھتیجے

عیسیٰ بن موسیٰ کو واسط میں، یحییٰ بن جعفر کو حسن بن قطیبہ کے پاس مدائن میں اور ابوالیقظان عثمان بن عمرو کو ابواز روانہ کیا²⁷³۔ ابو مسلم جو کہ

کوفہ میں امام ابراہیم کی تعزیت کے لیے آیا ہوا تھا۔ ابوالعباس نے اسے خراسان میں جا کر نصر بن سیار کی حکومت کا تختہ الٹنے کی ہدایت کی اور

ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا۔

”خراسان میں جو بھی عربی بولنے والا تمھارے موقف کا حامی نہ ہو اس کا سراڑا

”²⁷⁴۔

انہی دنوں نصر بن سیار خراسان میں بہت سی مشکلات سے دوچار تھا ایک طرف وہ کرمانیوں سے برسرِ پیکار تھا تو دوسری طرف

ابو مسلم خراسانی کا خطرہ اس کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ ان حالات میں نصر بن سیار نے خلیفہ سے مدد کی درخواست کی، مروان نے اس کی

درخواست کے جواب میں حاکم عراق یزید بن عمر بن ہبیرہ کے نام خط لکھا کہ بارہ ہزار فوجیوں کا دستہ نصر بن سیار کی مدد کے لیے روانہ کیا جائے

اس کے جواب میں حاکم عراق نے خلیفہ کو جواب لکھا کہ:

”افواج کا یہ دستہ اگر شام سے روانہ کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ عراقی عوام خلفائے

بنو امیہ کے خیر خواہ نہیں ہیں اور ان کے دل میں کینہ پنہاں ہے۔“²⁷⁵۔

چنانچہ منصوبے کے مطابق اب لوگ خراسان کے ہر شہر اور گاؤں سے جوق در جوق سیاہ لباس پہننا اور امام ابراہیم کا ماتم کرتے اور ہاتھ میں سیاہ جھنڈا لہراتے ہوئے ابو مسلم کے پاس جمع ہونا شروع ہو گئے، اور ان لوگوں کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز بتائی جاتی ہے²⁷⁶ جبکہ اس دوران خراسان میں مضری اور حمیری عصبیت اپنے عروج پر تھی اور یہ دونوں قبائل ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش میں تھے۔ خراسانی گورنر نصر بن سیار چونکہ مضری تھا اس لیے حمیری قبائل اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے تھے۔ اس طرح ان قبائل کو جب ابو مسلم نے دست و گریبان دیکھا تو اس نے ان کے اختلافات کو اور زیادہ ہوا دے کر مشتعل کیا، اس طرح اس نے خراسان کے اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خراسان پر قبضہ کر لیا۔

ابو مسلم کے جرنیل قطیبہ بن شیبہ نے فارس سے سرخس تک نصر بن سیار کا تعاقب کر کے اسے شکست دی۔ نصر بن سیار پھر تازہ دم ہو کر جرجان کی طرف آیا تاکہ ابو مسلم کو شکست دی جاسکے۔ لیکن دوبارہ مغلوب ہو کر وہ فارس کی طرف بھاگا اور راستے ہی میں اسے اجل نے آلیا۔ اس وقت نصر بن سیار کی عمر پچاسی برس تھی۔

نصر بن سیار کے بعد قطیبہ بن شیبہ نے رے، نہاوند اور اصفہان کو یکے بعد دیگرے فتح کر کے ان علاقوں میں اپنا مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔

مروان کو جب خراسان، رے، نہاوند اور اصفہان میں اموی افواج کی شکست کی خبر ملی تو وہ موصل کے قریب دریائے زاب کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ اس دوران اموی خلیفہ کوکوفہ میں ابوالعباس السفاح کی بیعت کا بھی مکمل حال معلوم ہو چکا تھا۔ ابو عنون بن عبد الملک بن یزید پہلے ہی ابوالعباس السفاح کے حکم سے دریائے زاب کی طرف روانہ ہو چکا تھا۔ اور پھر ابو عنون کے پاس مسلسل غرک بھی پہنچ رہی تھی۔ اب السفاح کا چچا عبداللہ بن علی بھی بیس ہزار افواج کے ساتھ ابو عنون کے پاس جا پہنچا۔ جنگ سے قبل مروان بن محمد نے عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز سے کہا:

”مگر عباسیوں نے زوال آفتاب سے قبل ہم سے جنگ نہ کی تو ہم وہ لوگ ہیں جو

انہیں عیسیٰ ابن مریم تک پہنچا دیں گے اور اگر انہوں نے زوال آفتاب سے قبل

جنگ کی تو انا اللہ وانا الیہ راجعون“²⁷⁷۔

موت کو بالکل قریب دیکھتے ہوئے مروان بن محمد نے عبداللہ بن علی کو صلح کا پیغام بھجوایا جسے عبداللہ بن علی نے بڑی حقارت سے رد کر دیا۔

جنگ کے آغاز پر ہی بڑی عجیب و غریب صورت حال دیکھنے میں آئی۔ مروان بن محمد کی فوج اس کی حکم عدولی کر رہی تھی جس کا خلیفہ

مروان اور اس کی فوج کے افسران کے درمیان مکالموں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مثلاً مروان بن محمد نے قبیلہ بنو قضاہ سے کہا کہ تم میدان میں اترو، انہوں نے جواب دیا کہ تم یہ حکم بنی سلیم کو دو کہ وہ میدان جنگ میں اتریں، خلیفہ نے بنو سکا سک سے کہا کہ حملہ کرو انہوں نے جواب دیا کہ تم یہ حکم بنو عامر کو کیوں نہیں دیتے کہ وہ حملہ کریں، جب خلیفہ نے بنو سکون سے کہا کہ حملہ آؤ اور ہو جاؤ تو بنو سکون نے کہا یہ حکم تم بنو عطفان کو دو کہ وہ حملہ کریں۔ جب خلیفہ نے اپنے خاص محافظ دستے کے سردار سے پیدل چلنے کو کہا تو اس نے جواب دیا میں دشمن کے تیروں کا نشانہ نہیں بننا چاہتا۔ اس پر خلیفہ نے کہا کہ میں تمہیں اس کی سزا دوں گا۔ اس پر اس کے سردار نے جواب دیا کاش کہ تمہیں اس کی قدرت حاصل ہوتی ²⁷⁸۔

اس جنگ میں شامیوں کی شکست جب یقینی ہو گئی تو خلیفہ مروان نے فوج کو لالچ دینے کی غرض سے میدان میں مال و زر کے انبار لگا دیئے اور کہا کہ تم لڑتے جاؤ یہ سارا مال و زر تمہارا ہوگا اب فوج نے لڑنے سے پہلو تہی کرتے ہوئے اس مال و زر کو اٹھانا شروع کر دیا اس پر خلیفہ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن مروان کو حکم دیا کہ جو لوگ لڑائی کے بغیر اس مال و دولت کو اٹھانے کی کوشش کریں ان کی گردن مار دو لیکن مروان کا یہ تیر بھی کارگر ثابت نہ ہوا ²⁷⁹۔

اس جنگ میں خراسانیوں نے بہت سے شامیوں کو قتل کیا، بہت سے لوگ قید ہوئے، جو بچ کر بھاگے لگے وہ دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے اس موقع پر عبداللہ بن علی نے قرآن کی یہ آیت تلاوت کی:

”وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ“ ²⁸⁰۔

”اور جب ہم نے تمہارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا تو تمہیں بچا لیا اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور

تم ان کا غرق ہونا دیکھ رہے تھے۔“

عبداللہ بن علی نے مروان بن محمد کا وہ تمام مال و اسباب لوٹ لیا جسے شامی چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ السناح کو جب مروان کی شکست کی خبر ملی تو اس نے دو رکعت نفل شکرانہ کے ادا کیے اور اس معرکے میں شریک لوگوں کو پانچ پانچ سو درہم انعام اور ان کی تنخواہوں میں اسی درہم کا اضافہ کر دیا ²⁸¹۔

اس موقع پر ابو العباس نے قرآن کی یہ آیت تلاوت کی:

”فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ“ ²⁸²

”پھر جب طالوت اپنی فوجوں کے ساتھ (بیت المقدس سے عمالقہ کی طرف) روانہ ہوا۔“

مروان زاب سے حران اور حران کے بعد قمرین سے ہوتا ہوا حمص چلا گیا۔ عبداللہ بن علی جب حران پہنچا تو والی حران ابان بن یزید نے سیاہ پرچم لہرا کر عبداللہ کا استقبال کیا اور اسے اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ عبداللہ بن علی نے اسے معافی دے کر حران پر برقرار رکھا۔ اس کے بعد عبداللہ نے اہل حران اور اہل جزیرہ کو بھی امان دے دی ²⁸³ اور اس کے بعد حمص بھی کسی مزاحمت کے بغیر عبداللہ بن علی کے زیر

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

تنگین آگیا۔ اس کے بعد مروان دمشق گیا جہاں اس کے داماد ولید بن معاویہ بن مروان کی حکومت تھی پھر مروان اردن سے ہوتا ہوا فلسطین پہنچ گیا۔

عبداللہ بن علی نے بزور شمشیر دمشق کو فتح کیا۔ دمشق فتح ہوتے ہی پوری اموی سلطنت عباسیوں کے قبضے میں آگئی، یہ 5 رمضان 132ھ/17 اپریل 750ء کا واقعہ ہے۔ حران، حمص اور جزیرہ کی طرح فلسطین اور اردن بھی بغیر لڑائی کے عبداللہ بن علی کے ہاتھ آ گئے۔

مروان اب بہت تھک چکا تھا اس لیے مصر جانے سے قبل اب وہ کچھ وقت کے لیے آرام کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے مروان نے دریائے نیل کے کنارے بومیر نامی گاؤں کے کلیسا میں آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی دوران مروان کا تعاقب کرتے ہوئے صالح بن علی بھی اس کلیسا میں پہنچ گیا اور معمولی مزاحمت کے بعد صالح نے مروان بن محمد کا سرتن سے جدا کر دیا۔ یہ واقعہ اتوار کی رات 26 یا 27 ذوالحجہ 132ھ/6،5 اگست 750ء کا ہے²⁸⁴۔ اس کے بعد اس کے سر کو ابو العباس کے پاس بھجوا دیا گیا۔ مروان کے قتل کے بعد اس کا عصا، چادر اور مہر حاصل کر کے عباسی خلیفہ ابو العباس کو بھجوا دی گئیں²⁸⁵۔ اس رات مروان کے دونوں بیٹے عبداللہ اور عبید اللہ بھاگ کر حبشہ چلے گئے اہل حبشہ نے انہیں امان نہ دی بلکہ انہوں نے عبید اللہ کو قتل کر دیا۔ عبداللہ جان بچا کر بھاگ گیا۔ پھر انہیں مکہ میں گرفتار کر کے ابو العباس کے پاس بھجوا دیا۔ ابو العباس نے انہیں قید کر دیا۔ ہارون الرشید کے عہد میں اسے رہائی ملی اس وقت یہ بہت بوڑھا اور آنکھوں سے اندھا ہو چکا تھا اور ہارون الرشید کے عہد میں ہی اس کا انتقال ہو گیا²⁸⁶۔

مروان کے قتل کے بعد شاہی خاندان والوں کی تلاش دور دراز کے علاقوں، ویرانوں، غاروں اور کھنڈروں میں کی جانے لگی۔ اب امویوں کا تعاقب تلاش صیادانہ میں بدل گیا²⁸⁷۔ امویوں کا جو فرد بھی انہیں نظر آتا اسے ذبح کر دیا جاتا۔ فلسطین میں دریائے ابو قطر کے کنارے عبداللہ بن علی نے امویوں کے اسی افراد کو معافی کا وعدہ کر کے جمع کیا پھر انہیں نہایت بے رحمی سے قتل کر دیا گیا²⁸⁸۔ اس نے نہ صرف زندوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا بلکہ مردوں کی قبریں بھی اس سے محفوظ نہ رہیں۔

علی بن عبداللہ نے بصرہ میں امویوں کے کئی آدمیوں کو قتل کروا کر راستوں میں پھینکوا دیا جنہیں مدتوں تک کتے کھاتے رہے اسی نے ہی امویوں کی قبروں کو کھدوایا، معاویہ بن ابوسفیان کی قبر سے ایک موہوم سا خط نکلا۔ عبدالملک کی قبر سے اس کی کھوپڑی برآمد ہوئی اور کئی قبروں میں صرف بعض اعضاء مل سکے۔ مگر ہشام بن عبدالملک کا لاشہ جوں کا توں ملا صرف ناک کی اونچائی جاتی رہی۔ لاش پر کوڑے لگوا کر صلیب پر چڑھایا گیا اور پھر اس کو جلا کر اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا گیا۔

اس عام خونریزی میں امویوں کا کوئی تنفیس جان بڑھ نہ ہو سکا۔ سوائے شیر خوار بچوں یا ان لوگوں کے جو اندلس کی طرف بھاگ گئے، ان میں عبدالرحمن بن معاویہ بن ہشام بھی تھا جس نے اندلس میں جا کر خاندان بنو امیہ کی علیحدہ خلافت کی بنیاد رکھی²⁸⁹۔

بعض مورخین کے نزدیک عباسی خلفاء کا عرب شرفاء کے خاندانوں کو بلا امتیاز قتل کر دینا اب تک ایک ناقابل فہم تصور ہے²⁹⁰۔

ایک ممتاز اموی شخص اموی حکومت کی مبادی کے بارے میں کچھ اس انداز سے تبصرہ کرتا ہے۔

”ہم نے عوام پر سنگین اور بھاری ٹیکس عائد کئے جب ہماری ارضیات بخر ہو گئیں۔

خزانہ خالی ہو گیا، ہماری بے انصافی اور ظلم و جور کو دیکھتے ہوئے عوام ہم سے نجات

کے لئے خدا سے دعائیں مانگنے لگے ہم نے اپنے وزراء پر اعتماد کیا انہوں نے قومی

مفاہات کو ذاتی مفادات پر قربان کر دیا، فوج کو کئی کئی ماہ تک تنخواہ نہ ملتی جس سے

فوج ہم سے بیزار ہو گئی اور جب لڑائی کی نوبت آئی تو ہماری فوج دشمن کے کندھوں

سے کندھا ملا کر کھڑی تھی۔ ہماری اس روش کو دیکھتے ہوئے ہمارے رفیق بھی ہمارا

291

ساتھ چھوڑ گئے“

الغرض اموی حکومت کا خاتمہ دعوت عباسیہ کی کامیابی پر منبج ہوا اور عباسی خلافت قائم ہوئی اس کا پس منظر یہ ہے کہ انسان کو اپنے

مذہب کے بانی اور اس کی اولاد سے اس قدر محبت ہوتی ہے کہ وہ حوادثِ زمانے کے ساتھ ساتھ مذہب کے اصول تو بھول جاتے ہیں لیکن اس

کے بانی کو خدا کا دہرہ دے دیا جاتا ہے حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے تو اپنے خاندان کو خصوصی امتیاز سے منع فرمایا تھا لیکن آپ کے بعد ایک ایسا

فرقہ پیدا ہو گیا تھا جو آپ کی جانشینی کا حقدار صرف اہل بیت کو قرار دیتا تھا یہ لوگ شیعہ کہلاتے تھے اس خاص فرقے کے سوا عوام کی اکثریت

بھی اہل بیت کی پاکدامنی، بے غرض زندگی اور ان کی دین داری سے ضرور متاثر تھی۔ اسی طرح جب امویوں کا مذہب بیزار، دنیا پرست اور خود

غرض طبقہ لوگوں پر مسلط ہونے لگا تو عوام میں اس خواہش کا پیدا ہونا غیر فطری نہ تھا کہ اموی حکمرانوں کو ایوانِ اقتدار سے نکال باہر کیا جائے

چنانچہ حبیان اہل بیت نے موقع سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس عقیدے پر پختہ کر لینے کی کوششیں شروع کر دیں۔

دعوت عباسیہ کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ چلی سطح سے تحریک نے ارتقائی منازل طے کیں۔ اگرچہ حکومت کو اس تحریک

کی موجودگی کا ابتداء سے ہی پتہ تھا کیونکہ جب لوگوں کے خیالات بدلنے لگے تو اس کا اظہار ان کی بات چیت اور ان کے افعال سے بھی

ہونے لگا اور حکومت نے اپنے تئیں اس کی نشوونما کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، اس کے علاوہ امویوں نے اس تحریک کے داعیوں اور نقیبوں کو

قتل کروانا اور انہیں سخت سزائیں دینا اپنا معمول بنا لیا لیکن یہ ساری تدبیریں چند وجوہات کی بناء پر ناکام ہوئیں۔

_____ اگر کسی عوامی تحریک کے بہاؤ کا رخ بدلنے اور اس کے مضمرات کو کم کرنے میں شدت

اختیار کی جائے تو اس میں نہ صرف ناکامی ہوتی ہے بلکہ عوامی تحریک ایسے دباؤ سے اور زیادہ پر جوش اور

ولوے سے ابھرتی ہے۔

_____ عباسی تحریک کا تعلق مذہبی جذبات سے تھا اور لوگ انکھیں بند کر کے اس کی خاطر جان

دینے کو باعثِ نجات و سعادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ حکومت کی یہ پالیسی خود عباسی تحریک کی ترویج میں معاون

ثابت ہوئی۔

_____ جب بھی کوئی داعی مارا جاتا تو فوراً دوسرا آدمی اس کی جگہ لے لیتا اور عوام ان داعیوں کی جانثاری دیکھ کر خود بخود ان کی صداقت کے قائل ہو جاتے اور ان کے طرف دار بن جاتے۔

_____ عباسی تحریک میں کوفہ اور خراسان والوں کی فطری جہلت کا بڑا دخل تھا۔ یہ درست ہے کہ ہر ملک کے جغرافیائی حالات وہاں کے باشندوں کے مزاج پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ویسے بھی طبعی نقطہ نظر سے کوفہ والوں کا بہت جلد مشتعل ہو جانا ان کی فطرت ثانیہ کا حصہ تھا اگر کوفیوں کے ماضی کو دیکھا جائے تو تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ شروع سے ہی ان میں وفا کا فقدان رہا ہے²⁹²۔ پھر یہ تحریک ان کے عقائد کی مناسبت سے ان سے ہم آہنگ تھی اس لیے فوراً ہی وہ لوگ اس کے طرف دار بن گئے۔

_____ ملک کے سیاسی حالات بھی اس تحریک میں بڑے مدد و معاون ثابت ہوئے کیونکہ چند علاقے ایسے تھے جو شروع سے ہی بنو امیہ کے سخت خلاف تھے۔ مثلاً

الف۔ کوفہ جہاں حضرت علیؑ کے حامی اور معتقدین تھے۔

ب۔ بصرہ حضرت زبیرؓ کے حامی و مددگاروں سے بھرا ہوا تھا۔

ج۔ الحیرہ جہاں انتہا پسند خارجی رہتے تھے۔

د۔ مکہ اور مدینہ جہاں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا اثر و اقتدار غالب رہا²⁹³۔ عوام اموی عاملوں کے ظلم و ستم کی وجہ

سے ان کے دشمن تھے جب کہ بذات خود اموی آپس کی دشمنی اور جھگڑوں کے باعث ایک دوسرے سے دست و گریباں تھے۔

دراصل شیعان اہل بیت کے نزدیک امویوں سے خلافت حاصل کرنے سے زیادہ ضروری انہیں مکمل طور پر تباہ و برباد کرنا تھا اب ہر طبقہ کو کسی نہ کسی وجہ سے مروان بن محمد سے شکائیتیں پیدا ہو چکی تھیں لیکن وہ ایسے موقع کی تلاش میں تھے جس پر سب لوگ جمع ہو جائیں یہی وجہ تھی کہ جب ابو مسلم خراسانی بنو ہاشم کے لیے دعوت لے کر نکلا تو ایک ہی دن میں ساٹھ گاؤں کے لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ خراسان پر قبضہ سے پہلے ابو مسلم خراسانی کے ہاتھ پر دو لاکھ لوگوں نے بیعت کر لی تھی²⁹⁴۔

_____ اس تحریک کا حق و صداقت پر مبنی ہونا بھی اس تحریک کی ترویج میں مدد و معاون ہوا۔ پھر داعیوں نے اپنا ذاتی روپیہ پیسہ خرچ کر کے بھی لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا ہر داعی اپنی رقم میں سے اس کا پانچواں حصہ اس تحریک کی ترویج کے لیے خرچ کرتا تھا²⁹⁵۔ اس کے علاوہ امام کو

ملنے والے نذرانے اور چندے کے طور پر دی جانے والی بڑی بڑی رقمیں بھی اس کی ترویج و اشاعت کے لیے مخصوص تھیں۔ بکیر بن ہامان²⁹⁶ جب اس تحریک میں داعی کی حیثیت سے شامل ہوا تو اس کے پاس چار چاندی کی اور ایک سونے کی اینٹ تھی جو اس نے اس

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

297

تحریک کے لیے وقف کردی اس سے لوگوں کو کھانا کھلایا جانا اور تحریک کے دیگر اخراجات پورے کیے جاتے تھے۔

اس طرح جب اس قسم کے خیالات لوگوں میں پھیل جائیں اور لوگ عملی اقدام کے لیے تیار ہو جائیں تو حکومت کو تباہ کر کے انقلاب کو مکمل کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہوتا، چنانچہ اس تحریک میں ایسا ہی ہوا۔

عباسی داعیوں نے آج سے بارہ سو برس پہلے اپنی تحریک کو کامیاب اور مقبول بنانے کے لیے ہر وہ طریقہ استعمال کیا جس سے دور جدید میں استفادہ کیا جاسکتا ہے اور ویسے بھی انسانی نفسیات ہر زمانے میں یکساں رہی ہے تاریخ کے مطالعے سے یہ بات بھی عیاں ہے کہ اموی حکمران شروع سے ہی اہل بیت سے بدگمان تھے۔

الف: اہل بیت کو سیاست میں حصہ لینے کی اجازت نہ تھی۔

ب: ان کے طرفداروں کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔

ج: خون عثمانؓ کے بارے میں حضرت علیؓ کی پالیسی پرنا حق تنقید کی جاتی تا کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت و توقیر باقی نہ رہے۔

اس طرح عباسی داعیوں نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے کیا کیا جتن نہ کیے۔

- ۱۔ مخالف اور سازگار ماحول میں کسی تحریک کا پروان چڑھنا خاصا مشکل امر ہوتا ہے خاص طور پر ایسی تحریک جس کا مقصد ہی صرف اور صرف برسر اقتدار حکومت کو ایوان اقتدار سے بے دخل کرنا ہو۔ ماحول نے ان کی ایسی تربیت کر دی تھی کہ وہ اس کو کامیاب بنا سکتے تھے۔
- ۲۔ ہر سو سال کے بعد خدا کی طرف سے ایک مجدد آتا ہے جو دنیا سے بے راہروی کو دور کر دیتا ہے اس قول کو حدیث کا نام دے کر اس کی خوب تشبیہ کی گئی اور یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ یہ کام اللہ تعالیٰ اہل بیت سے لے گا اس لیے محمد بن علی کو ان کے نائبوں نے کہا تھا:

”اپنا ہاتھ بڑھاؤ تا کہ اس سلطنت کے حصول کے لیے ہم تیری بیعت کریں ممکن

ہے کہ تیرے باعث عدل زندہ ہو اور جور و ستم مر جائے کیونکہ اب وہ وقت آچکا ہے

جس کی پیشین گوئی کی جا چکی تھی،“ 298۔

- ۳۔ اس تحریک کو مذہبی اور الہامی رنگ دے کر لوگوں کو مسخر کرنے کی کوشش کی گئی۔ دوران تبلیغ اگر کوئی داعی گرفتار ہو کر مارا جاتا تو اس واقعہ کو پیشین گوئی کے طور پر لیا جاتا تھا مثال کے طور پر عہد ہشام بن عبد الملک 107ھ / 725ء میں گورنر خراسان اسد بن عبد اللہ قسری نے جب عباسی داعی ابو عمر مہ اور حیان عطار (ابراہیم بن سلمہ کا ماموں) کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر انہیں صلیب دے دی تو اس پر امام محمد بن علی نے فرمایا:

299

الحمد لله الذي صدق دعوتكم و مفاآلتكم و قد بقيت منكم فتلى مستعد

”سب تعریف اس ذات کو ذیبا کہ جس نے تمہارے دعوے اور قول کو سچا کیا البتہ میرا قتل ابھی باقی ہے۔“

اس قسم کی باتیں کر کے لوگوں کو دعوت عباسیہ کی طرف متوجہ کیا جاتا تھا۔

۴۔ اس تحریک کے جڑ پکڑنے کے بعد ابو مسلم نے لوگوں کو کھلم کھلا اس تحریک میں شمولیت کی دعوت دی۔ اب محمد بن علی نے ابو مسلم کے پاس انظر (سایہ) اور اسحاب (بادل) دو جھنڈے بھیجے۔ ایک کا طول تیرہ ہاتھ اور دوسرے کا چودہ ہاتھ تھا۔ انظر نام رکھنے کا مفہوم یہ تھا کہ جس طرح زمین سائے سے خالی نہیں ہوتی اسی طرح عباسی حکومت کے قیام سے زمین خالی نہ ہوگی۔

اسحاب کا مفہوم یہ بتایا گیا کہ جس طرح اسحاب زمین کو ڈھانپ لیتا ہے اسی طرح خلافت عباسیہ زمین کو ڈھانپ لے گی³⁰⁰۔ یہ دونوں جھنڈے ابو مسلم خراسانی کے ہاتھ میں تھے اور وہ یہ آیت پڑھ رہا تھا۔

”اذن للذین یقتلون بانہم ظلمواط وان اللہ علی نصر ہم لقدیر“³⁰¹۔

”جن لوگوں سے کافر لڑتے اور ان پر ظلم کرتے ہیں ان (کافروں) کے ساتھ قتال کی اجازت

دے دی گئی اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے۔“

فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کے عمامے کا رنگ چونکہ سیاہ تھا اس لیے ان جھنڈوں کا رنگ بھی سیاہ رکھا گیا³⁰²۔

۵۔ ان لوگوں نے ہر لمحہ اپنی نسبت حضرت محمد ﷺ اور حضرت عیسیٰؑ کی طرف بتائی تاکہ لوگوں کے مذہبی جذبات اور نفسیاتی کیفیت کو متاثر کر کے اپنا مقصد حاصل کیا جاسکے³⁰³۔ امام محمد بن علی کو ان کے خراسانی و عجمی شخصیت پرستوں نے جو مافوق البشر درجہ دیا ہوا تھا اس کی رو سے امام موصوف صدر کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے احکام کی پابندی بلاچوں و چرا سب پر واجب تھی۔ حالات سے آگاہی کی خاطر دور دراز سے باقاعدگی سے خطوط آتے۔ فانیبین اگر ضرورت محسوس کرتے تو از خود بھی امام موصوف سے ملاقات کر سکتے تھے۔

۶۔ عباسیوں نے اپنی تحریک کو پروان چڑھانے کے لیے قبائلی عصبیت کو خوب ہوا دی کیونکہ یہ چیز عربوں کے نزدیک جان سوز اور سب چیزوں پر غالب آنے والی تھی اسی وجہ سے عباسی داعی گرفتار ہونے کے باوجود سزا سے بچ جاتے تھے³⁰⁴۔

۷۔ داعیوں کے نام اور بھیس بدل دیے جاتے تھے تاکہ پتہ لگنے پر بھی انہیں گرفتار نہ کیا جاسکے۔ خراسان کے اطراف سے داعی تاجر کے بھیس میں آیا کرتے تھے اس لیے حکومت کا ان کو گرفتار کرنا ممکن نہ تھا³⁰⁵۔

۸۔ اس تحریک کی کامیابی میں احتیاط و رازداری کا بڑا دخل تھا اس لیے کسی کو دعوت دینے سے قبل اس سے رازداری کا عہد لیا جاتا تھا۔ احتیاط کے پیش نظر خط و کتابت میں بڑی بڑی عبارتوں کی بجائے اشارے کنائے سے کام لیا جاتا تھا کہ ان خطوط کے پکڑے جانے سے بھی کوئی شخص ان سے مطلب اخذ نہ کر سکے جیسے واقعہ خدش³⁰⁶ کے بعد جب عباسی داعیوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے امام سے رابطہ کیا تو امام موصوف نے عباسی داعیوں کو قرآن کی درج ذیل آیات لکھ کر بھیج دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لا تعلوا علی و اتونی مسلمین³⁰⁷۔

”شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے تم لوگ میرے ساتھ سرکشی نہ کرو اور

میرے پاس فرماں بردار ہو کر چلے آؤ۔“

امام کے اس جواب کے بعد داعیوں نے بخوبی سمجھ لیا کہ امام موصوف ہم سے ناراض ہیں کیونکہ ہم نے خدائے کی تقلید کر کے سنگین غلطی کی ہے۔

۹۔ امویوں پر بظاہر جواہرات لگائے گئے تھے ان کی تردید ممکن نہ تھی اس لیے جب ایسے کمزور حکمرانوں کا دور آیا جنہیں ہر وقت داعی عیش دینے کی فکر لگی رہتی تھی تو اس تحریک کے کامیاب ہونے میں زرا بھی دیر نہ لگی۔ اس لیے بنی امیہ کی ہر یادگار کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ خطبات میں، نماز میں، غرض ہر عوامی کام میں جہاں بھی ممکن ہوا امویوں کے خلاف عمل کیا گیا³⁰⁸۔

۱۰۔ اموی خلیفہ مروان بن محمد نے ایسے وقت حکومت سنبھالی جب طوائف الملوکی اور اندرونی کمزوریوں کا دور دورہ تھا مروان کا اس وقت حکومت کرنا گویا کانٹوں کی بیج پر سونے کے مترادف تھا ہر طرف بغاوتوں کا سلسلہ جاری و ساری تھا۔ مروان کبھی والی حمص سے لڑتا تو کبھی واصل پر فوج کشی کرتا اور کبھی کوفہ پر، حقیقتاً کوئی بھی اس کا ہمدرد اور بھی خواہ نہ تھا۔ گزشتہ خلفاء کی ذاتی منافرت اور قبائلی عصبیت نے عوام کو حکمرانوں کے خلاف کر دیا تھا، خلیفہ کی نہ کوئی عزت و توقیر تھی اور نہ ہی اس کا بادشاہوں والا جاہ و جلال تھا اور نہ ہی اس کے حکم کی تعمیل ہوتی تھی³⁰⁹۔

عباسی داعیوں نے حکومت کا مقابلہ فلولادی ہتھیاروں سے کم نفسیاتی ہتھیاروں سے زیادہ کیا۔ اسی لئے یہ ہتھیار زیادہ مہلک ثابت ہوئے، حکومت کسی دشمن کو اپنا مد مقابل نہ پا کر جوابی کارروائی کرنے سے قاصر رہی۔ اسی وجہ سے اس کے دست و بازو یکے بعد دیگرے اس کا ساتھ چھوڑنے لگے۔ عوام میں ناراضگی برابر بڑھتی جا رہی تھی، خود حکمران خاندان بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھا، حکومت کے مضبوط مرکز شام میں بھی بغاوتیں پھوٹ پڑی تھیں۔

مندرجہ بالا مندرجہ حالات عباسیوں کو حملہ آور ہونے کی کھلی دعوت دے رہے تھے۔ عباسیوں نے مقابلے کی ابتدا خراسان سے کی، اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں پر موالیوں کی اکثریت تھی جو امویوں کی سخت گیر پالیسیوں کی وجہ سے ان سے ناالاں تھے³¹⁰۔

والئی خراسان نصر بن سیار ایک ذہین، قابل، بہادر اور خراسان کے حالات سے باخبر ہونے کے باوجود بے بس تھا کیونکہ یہ خلیفہ وقت ولید بن یزید کی فرمائش پوری کرتے کرتے اپنا خزانہ خالی کر بیٹھا تھا اسی وجہ سے والئی خراسان کی فوج لڑنے سے احتراز کر رہی تھی۔ مروان بن محمد کے مقابلے میں عباسیوں کی شاندار کامیابی کے درج ذیل اسباب تھے۔

_____ اس کامیابی میں سرفہرست سبب اموی سلطنت کی طوائف الملوکی اور خانہ جنگی تھی۔

_____ عباسیوں کی کامیابی کا دوسرا سبب عوام کی ناراضگی تھا اگرچہ مروان نے فلسطین، اردن، دمشق

اور حمص کے لوگوں کی تالیف قلب کے لئے انہیں اپنے اپنے والی چننے کا اختیار دیا لیکن رعایا پھر بھی خلیفہ وقت

سے مطمئن نہ ہو سکی بلکہ حکمرانوں کے لئے ان کے دلوں میں کینا اور بغض برقرار رہا۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

_____ رعایا خراسان اور عراق میں عباسیوں کی کامیابی کو ناید حق سمجھتی تھی اور انہیں یقین تھا کہ عباسی ضرور کامیاب ہوں گے۔ نفسیاتی طور پر بھی رعایا اب عباسیوں کو کامیاب اور امویوں کو مدافعت کار سمجھتی تھی لوگوں کا خیال تھا کہ مروان کی فوج جان بوجھ کر خلیفہ کو شکست سے دوچار کرنا چاہتی ہے اس لیے وہ اس شکست خوردہ فریق کی مدد و حماقت سے تعبیر کرتے تھے۔

_____ مرکز سے قریب ہونے کی وجہ سے حکمران عراقیوں کے ذہنی رجحانات سے بخوبی آگاہ تھی ابھی وہ انہوں نے انہیں دبانے اور ان پر ہر قسم کی سختی روا رکھنے کی روش برقرار رکھی، اسی چیز کو دیکھتے ہوئے عراقیوں نے عین وقت پر لڑنے سے احتراز کیا۔

_____ سفاح کی جانشینی سے اب انہیں یقین ہو گیا تھا کہ حصول مقصد کے لیے اب انہیں صرف ایک ہی جنگ لڑنا ہوگی۔ لہذا وہ اس جنگ میں بڑے جوش و خروش سے لڑے۔

_____ عباسیوں کے سپہ سالار کا فی محتاط اور دوراندیش تھے یہی وجہ تھی کہ معرکہ زاب میں جب عباسیوں نے پہلے حملے میں شکست کھائی تو عباسیوں نے اس خبر کو پھیلنے سے روک دیا تاکہ لوگوں میں بددلی اور کم ہمتی نہ پھیلے۔

_____ یہ درست ہے کہ جنگوں میں نفسیاتی عوامل سے زیادہ مادی عناصر مثلاً انسانوں کی کثرت اور ہتھیار وغیرہ کا رگر ثابت ہوتے ہیں لیکن تاریخ اس امر کی بھی تصدیق کرتی ہے کہ جب لوگوں کو اپنے حق و صداقت پر ہونے کا یقین ہو گیا تو انہوں نے قلیل ہونے کے باوجود بڑی سے بڑی فوجوں کو بھی شکست سے دوچار کر دیا۔ اسی سلسلے میں عہد رسالت میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں ان کی مثال ہمارے سامنے ہے اس میں مسلمانوں کی کامیابی کی اصل وجہ نفسیاتی جذبات و اعتقادات کا جوش تھا نہ کہ ہتھیاروں یا فوجوں کی کثرت۔

درحقیقت مقصد کی یکسانیت اور حالات کی موافقت کی وجہ سے یہ آخری تصادم امویوں کے لیے جھقدر تباہ کن ہوا اسی قدر عباسیوں کے لیے روشن مستقبل کا ضامن بنا۔

عباسیوں اور امویوں کے تصادم کے نتائج بہت دور رس اور قابل لحاظ نکلے۔ اس کے بعد عباسیوں کا سیاہ علم دمشق کے قلعوں پر لہرانے لگا اور بنی امیہ کا اقتدار غروب ہو گیا اور یہ 132ھ/750ء کا انقلاب تھا³¹¹۔ بنو عباس اپنی عظیم الشان طاقت کے باوجود ساری دنیا کے حکمران نہ بن سکے، جو والی اموی دور میں طاقتور تھے اس ہنگامہ آرائی میں اور زیادہ طاقتور اور خود مختار ہو چکے تھے۔ اندلس نے کبھی عباسیوں کی سیادت کو قبول نہ کیا، مصر کے علاوہ باقی تمام افریقی علاقے برائے نام ہی مطیع رہے شرق میں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ نئی بادشاہتیں قائم ہو گئیں ایک مملکت اسلامیہ متعدد مملکتوں میں منقسم ہو گئی، البتہ عباسی حکومت کو اسلامی شہنشاہیت کی نمائندہ حکومت کا امتیاز حاصل رہا۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

امویوں کے ساتھ ساتھ شامی بھی اپنی اہمیت کھو بیٹھے۔ کیونکہ اب حکومت کا مرکز دمشق کی بجائے کوفہ اور پھر بغداد منتقل ہو گیا تھا۔ چونکہ عباسیوں کا رجحان عراق کی طرف تھا اس سے شامیوں کی برتری ختم ہو گئی³¹²۔

عباسیوں کی حکومت دراصل عربوں کے لیے پیغام موت ثابت ہوئی۔ اموی حکومت خالص عربی حکومت تھی اب عربوں کی نہ وہ عزت تو قیر رہی اور نہ ہی وہ حکومت کے حامی و مددگار رہے۔ اب عربوں کے مقابلے میں غیر عرب عناصر کی بڑی اہمیت تھی۔ درحقیقت جفا کشی، جنگی مہمات اور شوقی جہاد جو عربوں کا خاصہ تھا، امویوں کے آخری دور میں یہ چیزیں مفقود ہو گئی تھیں۔ اب یہ لوگ عیش پسند، حرص و غرور اور نمود و نمائش کے عادی ہو چکے تھے۔ عباسی حکمرانوں کو اب عربوں پر اعتماد نہ رہا۔ عرب محافظ بننا دیئے گئے، ان کی جگہ ترکوں کو بھرتی کیا گیا اور انہیں مالی غنیمت سے بھی حصہ اور خاص خاص اختیارات سے نوازا گیا³¹³۔

اب اسلامی حکومت اور اسلامی مرکز کا تعلق ختم ہو گیا۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں مدینہ ہی اسلامی اور سیاسی مرکز تھا حضرت علیؓ نے حالات سے مجبور ہو کر کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا، اس کے برعکس امویوں نے کوفہ کو ہیعیان علیؓ کا گڑھ سمجھتے ہوئے دمشق کو اپنا مرکز بنایا تھا جبکہ ابو العباس السفاح نے دمشق میں رہنا پسند نہ کیا بلکہ چند دن ”حمام العین“ میں قیام کیا، پھر حرہ گئے اور اسکے بعد ”ہاشمیہ“ منتقل ہو گئے۔ اس تصادم میں اگرچہ عربوں کے ساتھ ساتھ عربی زبان کا بھی نقصان ہوا تاہم اس کے ساتھ ہی شاندار علمی دور کا بھی آغاز ہوا۔ ایرانی اثر کی وجہ سے مذہب میں کچھ موٹو شکافیاں بھی ہونے لگیں۔ اسی زمانے میں اسلام میں سینکڑوں فرقے بھی ظہور پذیر ہوئے، جن کی وجہ سے اسلام کو بڑا نقصان ہوا۔

شاہی خاندان کے ساتھ ساتھ حکومت کا اندرونی نظام بھی بدل گیا۔ اب سب لوگ عام رعایا کی حیثیت سے رہتے تھے۔ قدیم قبائلی سرداری نظام بھی بے اثر ہو گیا عربوں کا سیاسی شعور مردہ کر دیا گیا اور حکومت میں ان لوگوں کا اثر ختم ہو گیا تاہم خلیفہ چند خوشامد پسند مصاحبین میں گھر گیا تھا جس سے حکومت کا کاروبار با اثر درباریوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

قدیم امراء کی جگہ اب سرکاری حکام نے لے لی جن کا صدر وزیر ہوتا تھا۔ وزیر کو سب سے زیادہ اختیارات حاصل ہوتے اور وہی ہر جگہ بادشاہ کا نمائندہ ہوتا۔ اس کے اختیارات بظاہر خلیفہ سے بھی زیادہ ہوتے تھے۔³¹⁴

اس دور میں صوبوں کی ولایت کو موروٹی بنانے کا طریقہ شروع ہوا³¹⁵۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خلافت کی عملداری میں خود مختار ریائیم خود مختار مملکتوں کے قیام کا راستہ صاف ہو گیا۔

﴿حواشی﴾

- 1- الف۔ اُردو دائرہ معارف الاسلامیہ، واشنگٹن پنجاپ، لاہور، 1973ء، جلد 16، ص 99۔
 ب۔ لفظ قریش کا مادہ ق۔ ر۔ ش ہے۔ جس کے معنی کمانے اور جمع کرنے کے ہیں۔ دیکھیے
 الفارابی، ابو نصر اسمعیل بن حماد الجوهری، الصحاح، دار التراث العربی، بیروت، لبنان، 1999ء، جلد 3، ص 853۔
 ج۔ صاحب لسان العرب لفظ قریش کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں۔
 الجمع و الکسب الضم من ههنا وههنا بضم بعضه الى بعض
 ”جمع کرنا، کمانا، یہاں سے وہاں، ادھر سے ادھر اکٹھا کرنا اور بعض چیزوں کا بعض چیزوں سے ملانا“۔ دیکھیے
 ابن منظور، ابی الفضل جمال الدین محمد بن مکرم الافریقی المصری، لسان العرب، نشر ادب الحوزہ، قم، ایران،
 1405ھ، جلد 6، ص 334۔
 د۔ قریش قرش کی تصغیر ہے القریش والقرش جسے کلب البحر بھی کہتے ہیں اور قریش اُس بڑی مچھلی کو کہا جاتا ہے جو سمندری
 حیوانات کو پانی میں تلوار کی طرح دانت سے کاٹتی ہے تفصیل کے لیے دیکھیں۔
 لوئیس معلوف الیسوعی، المنجد فی اللغة الادب والاعلام، دار المشرق، بیروت، لبنان، 1983ء، ص 616۔
 ر۔ فہر بن مالک بن نصر چونکہ حاجت مندوں کی حاجتوں کا پتہ لگا کر ان کی ضرورتوں کو پورا کرتا، غریبوں کو دولت دیتا، تنگدستوں کا
 خوف دور کرتا اور بھولے بھٹکے لوگوں کو راستہ دکھاتا تھا اس وجہ سے اس (خاندان و قبیلے) کا نام قریش پڑ گیا۔
 تفصیل کے لیے دیکھیے:
 القلقشنیدی، ابو العباس احمد، نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب، الشرکۃ العربیہ للطباعة والنشر، القاہرہ، مصر،
 1959ء، جلد 2، ص 397۔
 س۔ ابن حزم کی رائے میں بدر بن بخلد بن نظر کو قریش کہا جاتا تھا اور یہ زمانہ جاہلیت میں اپنے تجارتی قافلوں کی قیادت و
 رہنمائی کرتا تھا۔ اس وجہ سے اس قبیلے کا نام قریش مشہور ہو گیا۔
 تفصیل کے لیے دیکھیے
 ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید، جمہورۃ الانساب العرب، دار المعارف، قاہرہ، مصر، سنہ 11ھ، جلد 1، ص 11۔
- 2- الترمذی، ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ، جامع ترمذی، دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، 1999ء، ابواب المناقب عن

- رسول اللہ، باب ماجاء فی فضل النبی، ص 822، حدیث 3605۔
- مسلم، حجاج بن مسلم القشیری نیثا پوری، صحیح مسلم، دارالسلام للنشر والتوزیع، ریاض، 2000ء، کتاب باب نسب النبی و تسلیم الحجر علیہ قبل نبوہ، ص 1008، حدیث 5938
- ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین دمشقی، البدایہ والنہایہ، دارالفکر، دمشق، شام، سنہ 1422ھ، جلد 2، ص 257۔
- 3۔ ابن خلدون، ابوزید عبدالرحمن بن محمد بن محمد، کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، 2003ء، جلد 1، ص 800۔
- 4۔ ابن سعد، ابوعبد اللہ محمد البصری، الطبقات الکبریٰ، دارالبیروت، لبنان، 1960ء، جلد 1، ص 74۔
- 5۔ ابن ہشام، ابومحمد عبدالملک بن محمد بن ایوب الحمیری المعافری، السیرۃ النبویہ لابن ہشام، شرکتہ مکتبہ و مطبعة مصطفى البابي الحلبي واولاده، مصر، 1955ء، جلد 1، ص 130۔
- 6۔ ایضاً
- 7۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 802۔
- 8۔ عربی میں ہشتم کے معنی توڑنے کے ہیں اور ہاشم سے مراد توڑنے والے کے ہیں ایک مرتبہ مکہ میں قحط سالی کے دوران ہاشم نے فلسطین سے بڑی مقدار میں آٹا منگوا کر اس کی روٹیاں پکوائیں اور بہت سے اونٹ ذبح کر کے ان کا قورمہ بنوایا اور پھر ثرید (ثرید روٹی کو شوربے میں بھگو کر تیار کیا جاتا ہے) سے مہمانوں کی ضیافت کی۔ دیکھیے:
- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 1، ص 75۔
- 9۔ ایضاً
- 10۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، مترجم۔ حلیم انصاری ردولوی، نئی بک پونٹ، اردو بازار، کراچی، 2004ء، ص 24۔
- 11۔ طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، مطبعة الاستقامة بالقاهرة، مصر، 1939ء، جلد 2، ص 13۔
- 12۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ص 25
- 13۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد 1، ص 136-137
- 14۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 1، ص 78
- 15۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، قمر سعید پبلشرز، لاہور، 1976ء، جلد 1، ص 171،
- 16۔ شیبہ یا عبدالمطیب، عربی میں سر کے بالوں کی سفیدی کو شیب کہا جاتا ہے چونکہ شیبہ کے سر میں پیدائش طور پر چند سفید بال تھے

- اس لئے ان بالوں کی سفیدی کی وجہ سے ان کا نام شیب سے شیبہ ہو گیا۔ دیکھئے
- بلیاوی، ابو الفضل عبد الحفیظ، مصباح اللغات، سید ایچ۔ ایم۔ کمپنی۔ کراچی، 1973ء، ص 454۔
- 17- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد 1، ص 137-138
- 18- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 1، ص 11
- 19- میرٹھی، زین العابدین سجاد، تاریخ ملت، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1991ء، جلد 1، ص 30
- 20- ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 1، ص 86
- 20-A _____ ایضاً _____ ص 44
- 21- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 1، ص 260
- 21-A- ابن ہشام، سیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد 1، ص 63۔
- 22- ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 802
- 23- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 1، ص 192
- 24- ایضاً، جلد 2، ص 244
- 25- محمد بن اسحاق بن یسار، سیرۃ ابن اسحاق (بکرات المبتدأ والمبعث والمغازی)، تحقیق و تعلیق۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مترجم۔ نور الہی، بحوالہ نقوش (رسول نمبر) ادارہ فروغ اردو، لاہور، 1985ء، جلد 11، شمارہ 13، ص 20۔
- 26- نجیب آبادی، اکبر شاہ خاں، تاریخ اسلام جزیفہ اکیڈمی، لاہور 2000ء، جلد 1، ص 68۔
- 27- ابن اسحاق، سیرۃ ابن اسحاق بحوالہ نقوش، جلد 11، شمارہ 13، ص 22۔
- 27-A- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 2، ص 654۔
- 27-B- _____ ایضاً _____ ص 666
- 28- عرفہ سے مراد وہ عورت جو اپنے تابع موکل کے زیر غیب کی باتیں بتاتی تھی، دیکھئے۔
- ابن ہشام سیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد 1، ص 152
- 29- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 2، ص 3-2
- 30- ابن سعد، الطبقات الکبری۔ جلد 1، ص 85
- 31- القرآن، 60: 7
- 32- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، مکتبہ امراہمیہ، حیدرآباد دوکن، انڈیا، سن ہندارد، ص 40

- 33- ایضاً
- 34- ابن الاثیر، ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد ابی عبد الکرم بن عبد الواحد الشیبانی، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابة، مطبعة الاسلامیہ، ایران، 1914ء، جلد 5، ص 216۔
- 35- ہر غنیمت کا چوتھائی حصہ ہر باع کہلاتا تھا۔ دیکھیے
- محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص 67
- 36- نظام خوارہ سے مراد وہ ٹیکس ہے جو تاجروں کو اپنے تجارتی قافلوں اور اموال تجارت کی حفاظت اور راہداری کے لیے ادا کرنا پڑتا تھا۔ دیکھیے:
- محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص 238
- 37- محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلام کا دستوری ارتقاء، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدرآباد دکن، سن 10ء، ص 10
- 38- ایضاً
- 39- القرآن، 92:12
- 40- ام حبیبہ کا اصل نام رملہ تھا جبکہ ام حبیبہ ان کی کنیت تھی۔ دیکھیے:
- ندوی، شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، غنیمت اکاڈمی، کراچی، 1975ء، جلد 1، ص 85،
- 41- بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر البغدادی، فتوح البلدان، مطبعة الموسوعات شارع باب الخلق، بمصر، 1901ء، ص 66
- 42- صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم القرآن، مترجم۔ غلام محمد حریری، ملک سنز پبلشرز، کارخانہ بازار فیصل آباد، 1988ء، ص 101
- 43- اُردو دائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 12، ص 734۔
- 43-A- ابن الاثیر، اسد الغابہ، جلد 3، ص 163۔
- ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4، ص 321۔
- 44- مسعود احمد، تاریخ الاسلام والمسلمین، جماعت المسلمین، کراچی، 1980ء، جلد 1، ص 931
- 45- ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 1، ص 146
- 46- ایضاً
- 47- ایضاً

- 48۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 811
- 49۔ ابن ہشام، السیرۃ النویۃ لابن ہشام، جلد 1، ص 416
- 50۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح، تاریخ یعقوبی، مترجم اختر فتح پوری، نفس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، 1989ء، جلد 2، ص 54 (حاشیہ)۔
- 51۔ ابن اسحاق، سیرۃ ابن اسحاق بحوالہ نقوش، جلد 11، شمارہ 13، ص 257
- 52۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی ﷺ، جلد 1، ص 242
- نوٹ! وقایع ابوطالب سے متعلق روایات درج ذیل کتب احادیث میں موجود ہیں۔**
- _____ بخاری، محمد بن اسمعیل، صحیح بخاری، دارلسلام للنشر والتوزیع، ریاض، 1999ء، کتاب الجنائز، باب اذا قال المشرک عند الموت: لا اله الا الله، ص 217، حدیث 1360۔
- _____ ایضاً، کتاب مناقب الانصار، باب قصۃ ابی طالب، ص 652، حدیث 3884
- _____ ایضاً، کتاب التفسیر، باب قوله (ماکان للنبی والذین آمنوا ان یتستغفروا للمشرکین) ص 802، حدیث 4675
- _____ مسلم، صحیح مسلم، فی کتاب الایمان، باب الدلیل علی صحۃ اسلام من حضرہ الموت، ص 33، حدیث 132
- 53۔ القرآن، 19: 113
- 54۔ ابن اسحاق، سیرۃ اسحاق، بحوالہ نقوش، جلد 11، شمارہ 13، ص 312۔
- 54-A۔ القرآن، 17: 1
- 55۔ میرٹھی، تاریخ ملت، جلد 1، ص 51
- 56۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله (اسری عبدہ لیلۃ من المسجد الحرام)، ص 814، حدیث 4709-4710
- _____ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 1، ص 214
- 57۔ جیراج پوری، اسلم، تاریخ الامت، ادارہ طلوع اسلام، لاہور، سنہ 1400ھ، جلد 1، ص 102
- 58۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 4، ص 183
- 59۔ یہ مقام منی سے اترتے وقت وادی عقبہ سے نیچے واقع ہے۔ دیکھیے:
- _____ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 1، ص 221
- 60۔ ایضاً، ص 439

61-A۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 3، ص 160

61-B. Watt, W. Montgomery, Muhammad At Mecca, The Clarendon Press,
 Oxford, 1953, P-147.

62۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4، ص 12

63۔ ندوی، تاریخ السلام، جلد 1، ص 178

64۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبئی، جلد 1، ص 39

65۔ ابن الاثیر، ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد ابی عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی، الکامل فی التاریخ،

دارالکتب العربی، بیروت، لبنان، 2004ء، جلد 1، ص 539

66۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 822

67۔ عبداللہ بن ابی بن العوفی کا تعلق بنو خزرج کی شاخ بنی العوف سے تھا ہجرت سے قبل اسے مدینہ کا بادشاہ بنانے کا فیصلہ ہو چکا تھا

اسی وجہ سے بظاہر اسلام قبول کرنے کے باوجود مسلمانوں کے خلاف اس کے دل سے کینہ و نفاق نہ گیا۔ اس نے مختلف مواقع پر

مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تاہم حضور اکرم ﷺ ہر مرتبہ ہی اس پر نظر کرم کرتے رہے مثلاً

_____ غزوہ بنو قریظہ میں اس نے حضور اکرم ﷺ سے گستاخی کی۔

_____ غزوہ بنو نضیر میں اس نے یہود کے ساتھ ملکر مسلمانوں کے خلاف لڑنے کا وعدہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے

سورۃ الحشر نازل فرما کر اس (عبداللہ بن ابی) کی منافقت کا پول کھول دیا۔

_____ واقعہ عقیقہ میں اس نے اہم کردار ادا کیا۔

غزوہ خیبر (7ھ/628ء) سے قبل اس نے یہود کو مسلمانوں کی مغبری کی۔

مندرجہ بالا باتوں کے باوجود حضور اکرم نے اس کے مرنے پر اس کے کفن کے لیے اپنا کرتہ عطا فرمایا اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور

اس (عبداللہ بن ابی) کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تاہم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عبداللہ بن ابی اور اس جیسے دوسرے

منافقین کے ساتھ اس طرح کا طرز عمل اختیار کرنے سے بذریعہ وحی منع فرمادیا۔ دیکھئے

القرآن، 80:9

ابن ہشام، سیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد 2، ص 132۔

68۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 2، ص 132۔

69۔ ایضاً

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

70. ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4، ص 13۔
71. ابن اسحاق، سیرۃ ابن اسحاق بحوالہ نقوش، جلد 11، شمارہ 13، ص 323۔
72. ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 1، ص 840۔
73. جبرائیل پوری، تاریخ الامت، جلد 4، ص 286۔
74. ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 840۔
75. طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 2، ص 323-334۔
76. مسعود احمد، تاریخ الاسلام والمسلمین، ص 932۔
77. ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 1، ص 626۔
78. اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 12، ص 735۔
79. ترمذی، جامع ترمذی، باب مناقب ابی الفضل، ص 854، حدیث 3758۔
80. ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4، ص 24۔
81. ایضاً، ص 26۔
82. ایضاً، ص 25۔
83. ایضاً
84. ایضاً، ص 27۔
85. ایضاً، ص 30۔
86. ایضاً، ص 26۔
87. ایضاً، ص 27۔
88. محمد قطب الدین، مظاہر حق جدید، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، 2002ء، جلد 5، باب مناقب اہل بیت، ص 723، حدیث 22۔
89. ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4، ص 30۔
90. بخاری، صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ، باب قول اللہ تعالیٰ ”وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ“، ص 238، حدیث 1468۔
مسلم، صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فی تقدیم الزکوۃ و ممعھا، ص 395، حدیث 2277۔
محمد قطب الدین، مظاہر حق، جلد 2، ص 174-175۔

- 91- ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4 ص 28۔
 - 92- ایضاً، ص 15۔
 - 93- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 1، ص 537۔
 - 94- ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4، ص 16۔
 - 95- ایضاً
 - 96- القرآن، 70:8۔
 - 97- ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1988ء،
 کتاب المناسک، باب حجۃ رسول اللہ، جلد 3، ص 502، حدیث 3084۔
 - 98- مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الفضل القیام بالسقایہ، صفحہ 552، حدیث 3179۔
 - 99- بخاری، صحیح بخاری، کتاب المناسک، باب السقایۃ الحاج، ص 264، حدیث 1634۔
- Watt, W. Montgomery, Muhammad At Medina, The Clarendon Press,
 Oxford, 1962, P-60۔
- 100- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 2، ص 437۔
 - 101- ایضاً، ص 438۔
 - 102- همیکل محمد حسین، حیات محمد ﷺ، مترجم۔ ابو یحییٰ امام خان، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1993ء، ص 669۔
 - 103- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 225۔
 - 104- ایضاً
 - 105- محمد قطب الدین، مظاہر حق، باب مناقب ابی بکرؓ، جلد 5، ص 600، حدیث 1۔
 - 106- ایضاً _____، ص 601۔
 - 107- ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 2، ص 228۔
 - 108- ایضاً۔
 - 109- بخاری، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ ووفاتہ، ص 756، حدیث 4447۔
 - 110- ایضاً _____
 - 111- ابن کثیر البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 227۔
-

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- 112 - ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 2، ص 246۔
- 113 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 2، ص 437۔
- 114 - ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 2، ص 298۔
- 115 - ندوی، شاہ معین الدین احمد، سیر الصحابہ، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، 2004ء، جلد 2، ص 185۔
- 116 - ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 2، ص 284۔
- 117 - ہیکل، حیات محمد ﷺ، ص 652۔
- 118 - ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4، ص 10۔
- 119 - ایضاً
- 120 - وادی تنعیم مکہ معظمہ کی ایک گھاٹی کا نام ہے۔
تفصیل کے لیے دیکھیے:
- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ۔ جلد 4، ص 215۔
- 121 - ایضاً
- 122 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 2، ص 305۔
- 123 - ابن ہشام، سیرۃ النبویہ لابن ہشام، جلد 2، ص 245۔
- 124 - اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 11، ص 735۔
- 125 - ندوی، تاریخ اسلام، جلد 4، ص 180۔
- 126 - ایضاً
- 127 - القرآن، 15: 214۔
- 128 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 2، ص 62-63۔
- 129 - قاسم محمود، سید، شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، الفیصل ناشران و ناشران کتب، اردو بازار، لاہور، سن ہند 1097۔
- 130 - اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 12، ص 735۔
- 131 - ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 821۔
- 132 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 2، ص 62۔
- 133 - ابن اسحاق، سیرۃ ابن اسحاق بحوالہ نقوش، جلد 11، شمارہ 13، ص 150۔

- 134 - ترمذی، جامع ترمذی، باب تزکیۃ الرسول ﷺ، ص 390، حدیث 1610۔
- 135 - مسعود احمد، تاریخ الاسلام والمسلمین، ص 932۔
- 136 - ندوی، سیر الصحابہ، جلد 2، ص 151۔
- 137 - ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4، ص 28۔
- 138 - ایضاً، ص 29۔
- 139 - ایضاً، ص 30۔
- 140 - الدیوان کے قیام کا مقصد ملازمین کی تنخواہوں اور مالی معاملات کا انتظام تھا نیز اس دیوان کو 20ھ/641ء میں قائم کیا گیا۔
 تفصیل کے لیے دیکھیے:
- أردودائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 9، ص 583۔
- 141 - ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4، ص 22۔
- 142 - ایضاً _____۔
- 143 - بخاری، صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب ذکر العباس بن عبد المطلب، ص 626، حدیث 3710۔
- 144 - ندوی، سیر الصحابہ، جلد 2، ص 152۔
- 145 - ایضاً _____۔
- 146 - بلاذری، فتوح البلدان، جلد 3، ص 551۔
- 147 - ایضاً _____۔
- 148 - قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، ص 1097۔
- 149 - ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4، ص 23۔
- 150 - ایضاً، ص 20-21۔
- 151 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 7، ص 162۔
- 152 - ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4، ص 32-33۔
- 153 - ایضاً، ص 32۔
- 154 - محمد قطب الدین، مظاہر حق، جلد 5، ص 724۔
- 155 - ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 4، ص 33۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

156۔ واقعہ کربلا 61ھ/680ء یزید نے خلافت سنبھالتے ہی حاکم مدینہ ولید بن عقبہ کو سیدنا حسینؑ اور اہل مدینہ کو اپنی بیعت کے لیے لکھا۔ سیدنا حسینؑ بیعت یزید سے انکار کر کے مکہ چلے گئے۔ مکہ پہنچنے پر اہل کوفہ نے آپ (سیدنا حسینؑ) کو بیعت کے لیے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ کوفیوں کی دعوت پر آپؑ اپنے اہل بیت کے ہمراہ کربلا پہنچے ہی تھے کہ سرکاری لشکر نے آپؑ کو دوبارہ بیعت یزید کی دعوت دی، بیعت یزید سے انکار پر سرکاری فوجوں نے آپؑ کا پانی بند کر دیا۔ اس کے بعد فریقین میں گھسان کی لڑائی ہوئی، اس لڑائی میں سیدنا حسینؑ نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ 10 محرم الحرم 61ھ/10 اکتوبر 680ء کا واقعہ ہے۔ دیکھئے

یعقوبی، تاریخ، الیعقوبی، جلد 2، ص 400۔

157۔ مختار بن ابی عبید ثقفی فرقہ کسانہ کا بانی تھا اس نے خلافت و امامت کو محمد بن حنفیہ بن علی بن ابی طالب کی غیر فاطمی اولاد کا حق بتاتے ہوئے اس کو (محمد بن حنفیہ) اپنی تحریک کا سربراہ ظاہر کیا۔ اس نے خلافت و امامت کے ساتھ ساتھ قصاص حسینؑ کا بھی دعویٰ کیا۔ مختار بن ابی عبید کے اسی دعوے نے شیعوں کے منتشر شیرازے کو مجتمع کر دیا، حالانکہ اسے اہل بیت سے کوئی ہمدردی نہ تھی بلکہ اس کا مقصد تو حصول اقتدار تھا اس طرح اس دعوے کی آڑ میں اسے اقتدار تو مل گیا لیکن یہ اقتدار اس کے لیے دیر پا ثابت نہ ہوا کیونکہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد مختار بن ابی عبید ثقفی کو قتل کر دیا گیا اور اس کے قتل کے بعد محمد بن حنفیہ کو طائف میں جلا وطنی کی زندگی گزارنا پڑی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے

یعقوبی، تاریخ، الیعقوبی، جلد 2، ص 428۔

ندوی، سیرہ الصحابہ، جلد 6، ص 229۔

158۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ حضور اکرمؐ کے پھوپھی زاد بھائی زبیر بن العوام کے بیٹے تھے یزید کی موت کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے مصر، حجاز اور عراق پر قبضہ کر کے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ مروان بن الحکم کے عہد میں مصعب بن زبیر (جو کہ عبداللہ بن زبیرؓ کا حقیقی بھائی تھا) کی شکست کے بعد مصر اور عراق امویوں کے قبضے میں چلے گئے، اب صرف حجاز ہی عبداللہ بن زبیرؓ کے زیر تسلط رہا۔ 73ھ/693ء میں عبداللہ بن زبیرؓ اموی فوجوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ ان کی مدت خلافت بارہ برس تھی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔

طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 4، ص 577۔

طالب ہاشمی، سیرت عبداللہ بن زبیرؓ، قومی کتب خانہ، لاہور، 1987ء، ص 255۔

159۔ عبدالرحمن بن اشعث شاہی فوج کا سپہ سالار تھا۔ تبہیل کے ساتھ جنگ نے حجاج بن یوسف اور ابن اشعث کے درمیان اختلافات کو انتہا تک پہنچا دیا۔ اس جنگ کے بعد ابن اشعث عبدالملک بن مروان اور حجاج بن یوسف کی بیعت سے دستکش ہو گیا۔ 80ھ/699ء میں ابن اشعث نے بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ 82ھ/701ء میں حجاج بن یوسف ابن اشعث کو شکست دینے میں کامیاب ہو گیا۔ گرفتاری کے بعد ابن اشعث نے چھت سے کود کر خودکشی کر لی۔ دیکھئے

الدینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤد، الاخبار الطوال، مترجم۔ مرزا محمد منور، اردو سائنس اکیڈمی، لاہور،

1986ء، ص 534 تا 544۔

ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 65۔

نجیب آبادی، تاریخ اسلام، جلد 2، ص 124 تا 128۔

160۔ حجاج بن یوسف کا تعلق بنو ثقیف سے تھا حجاج بن یوسف نے قرآن پر اعراب لگانے، بحرین، ابواز اور ہرمز سے خوارج کا قلع قمع کرنے، اسلامی سلطنت کو سندھ اور ترکستان تک وسعت دینے، شہروں میں امن و سکون کے لیے محکمہ پولیس قائم کرنے، کوفہ و بصرہ کی شورشوں کو ختم کرنے، زرعی ترقی کے لیے آبپاشی کے نئے منصوبوں کا آغاز کرنے اور رشوت ستانی کا انسداد کرنے میں اچھی شہرت حاصل کی جبکہ اس کی شخصیت کا دوسرا رخ اس کے برعکس تھا۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت انس بن مالک اور سہیل بن سعد جیسے صحابہ بھی اس کے شر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اس نے حج کے دنوں میں بیت اللہ پر سنگ باری کے ساتھ ساتھ حضرت عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن صفوان اور عمار بن حزم جیسے نیک صفت لوگوں کو قتل کر کے انہیں کئی روز تک سولی پر لٹکائے رکھا۔ اس کی گردن پر ایک لاکھ بیس ہزار انسانوں کے ناحق قتل کا خون ہے یہاں تک کہ اس کی موت کے وقت اسی ہزار لوگ بغیر کسی جرم کے اس کی قید میں تھے۔

ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1003۔

طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 5، ص 40۔

161۔ سلیمان بن عبدالملک کے خیال میں حجاج بن یوسف اور اس کے مقربین نے ولید بن عبدالملک کو انتقال سے قبل سلیمان بن عبدالملک کی جگہ اس کے اپنے بیٹے (عبدالعزیز بن ولید) کو اپنا جانشین مقرر کرنے کی ترغیب دی تھی، لیکن موت نے ولید بن عبدالملک کو ایسا کرنے کی مہلت نہ دی۔ اس چیز کا انتقام سلیمان بن عبدالملک نے حجاج بن یوسف اور اس کے خاندان کے علاوہ ولید بن عبدالملک کے مقرر کردہ دیگر والیوں سے بھی لیا۔ مزید دیکھیے:

ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 4، ص 1023-1024۔

یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 480۔

162۔ قتیبہ بن مسلم باہلی ولید بن عبدالملک کا جرنیل تھا اس نے سمرقند، بخارا اور ترکستان کو فتح کر کے اسلامی قلمرو میں شامل کیا۔ اس نے سلیمان بن عبدالملک کی بیعت کی بجائے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، وکبع بن ابی اسود نے خلیفہ (سلیمان بن عبدالملک) کو خوش کرنے کے لیے اس (قتیبہ بن مسلم) کا سرا اور اس کی انگوٹھی دمشق میں سلیمان بن عبدالملک کے پاس بھجوا دی۔ دیکھیے:

نجیب آبادی، تاریخ اسلام، جلد 2، ص 143۔

طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 5، ص 281۔

163۔ رحمانی بیگم، ڈاکٹر، دعوت عباسیہ، کریم پبلشرز، کراچی، 1967ء، ص 78۔

164 - ایضاً، ص 81۔

165- Hitti, Philip K. History of the Arabs, Macmillan and company

limited , England, 1961 .P- 232.

166 - رحمانی بیگم، دعوت عباسیہ، ص 84۔

167 - ایضاً، ص 85 تا 87۔

168 - جرجی زیدان، تاریخ التمدان الاسلامی، ص 237۔

169 - الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی، الاحکام السلطانیہ، مترجم۔ سید محمد امجد، ادارہ اسلامیات،
 انارکلی، لاہور، 1988ء، ص 248۔

170 - حسن امجد، تاریخ الاسلام سیاسی، مترجم۔ علیم اللہ صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1959ء، جلد 2، ص 43۔

171 - بلازری، فتوح البلدان، ص 464۔

172 - احمد امین مصری، فطی الاسلام، مترجم۔ عمر احمد عثمانی، دوست ایسوسی ایٹس، اردو بازار، لاہور، 1933ء، ص 39۔

173 - ایضاً، ص 46۔

174 - ایضاً، ص 37۔

175 - ایضاً، ص 40۔

176 - ایضاً، ص 45۔

177 - ایضاً، ص 44۔

178 - ابو مسلم خراسانی کا اصل نام امجد امجد بن عثمان اور اس کی کنیت ابواسحاق تھی۔ لیکن امام امجد بن محمد نے اس کا نام عبدالرحمن بن مسلم
 اور اس کی کنیت ابو مسلم رکھی یہ عجمی اور پارسی النسل شخص تھا۔ ابو العباس السفاح نے اسے خراسان کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ابو جعفر منصور چونکہ شروع
 سے ہی اس سے شاک تھا اس لیے اس نے خلیفہ بننے ہی اس کا (ابو مسلم) کام تمام کر دیا۔ دیکھیے:

حسن امجد، تاریخ الاسلام 1، سیاسی، جلد 2، ص 38، 79، 210۔

نجیب آبادی، تاریخ اسلام، جلد 2، ص 223۔

179 - ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1055۔

180 - حسن امجد، تاریخ الاسلام 1، سیاسی، جلد 2، ص 210۔

181 - ایضاً

- 182 - رضا خان، پروفیسر، تاریخ مسلمانان عالم، علمی کتب خانہ، لاہور، 1983ء، ص 194۔
- 183 - موسیٰ بن نصیر کو ولید بن عبد الملک نے بلا وافریتہ کا گورنر مقرر کیا تھا فتح اندلس کے موقع پر سلیمان بن عبد الملک نے موسیٰ بن نصیر کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کی (سلیمان بن عبد الملک) خلافت کے قائم ہونے پر ہی مال غنیمت لیکر دمشق آئے۔ (کیونکہ ان دنوں ولید بن عبد الملک بستر مرگ پر تھا) جبکہ موسیٰ بن نصیر اس کی خواہش کے برعکس ولید بن عبد الملک کی زندگی ہی میں دمشق چلا آیا۔ موسیٰ بن نصیر کی یہ حکم عدولی سلیمان بن عبد الملک پر سخت ناگوار گزری۔ اس لیے اس نے خلافت سنبھالتے ہی اسے (موسیٰ بن نصیر) گورنری سے معزول کر دیا اور دوران قید ہی اس عظیم فاتح کا انتقال ہو گیا۔ دیکھیے:
- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 174۔
- 183-A - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 3، ص 154۔
- 183-B - ولہاؤزن، جو لیس، عہد اموی میں سیاسی و مذہبی احزاب، مترجم۔ علی محسن صدیقی، قرطاس، کراچی یونیورسٹی، کراچی، 2007ء، ص 164-165۔
- 184 - ترمذی، جامع ترمذی، باب ان ابی ہذا السید، ص 857، حدیث 3773۔
- 185 - مودودی، ابوالاعلیٰ، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1986ء، ص 161۔
- 186 - یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 497۔
- السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، سن ندارد، ص 231-232۔
- 187-A - ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1032۔
- 187-B - نگار، سجاد ظہیر، ڈاکٹر، عرب اور موالی، قرطاس، کراچی یونیورسٹی، کراچی، 2006ء، ص 203۔
- 188 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 188۔
- 189 - ابن عبد البر، ابو عمر، الاستیعاب، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، انڈیا، 1336ھ، جلد 1، ص 353۔
- 190 - ابن عبد ربہ، ابو عمر احمد بن محمد اندلسی، العقد الفرید، لحنۃ النالیف والترجمہ، قاہرہ، مصر، 1940ء، جلد 1، ص 62۔
- 191 - القرآن، 33:70۔
- 192 - الکتبی، محمد بن شاکر، فوات الوفيات، مطبعۃ السعاده، مصر، سن ندارد، جلد 2، ص 33۔
- 193 - ابن عبد ربہ، العقد الفرید، جلد 1، ص 62۔
- 194 - زین العابدین کا اصل نام ابو الحسن بن علی بن علی بن ابی طالب ہے لیکن آپ زین العابدین کے نام سے زیادہ مشہور

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ہیں آپ کو علی اصغر بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ اہل تشیع کے نزدیک آپ کی والدہ آخری ایرانی بادشاہ یزدگرد کی بیٹی شہر بانو تھی جبکہ سنی روایات کی رو سے آپ (زین العابدین) کی والدہ کا نام سلافہ یا سلامہ بیان کیا جاتا ہے آپ کا لقب الخیرین (دو بہترین چیزوں کا مجموعہ) ہے واقعہ کربلا میں بیمار ہونے کی وجہ سے آپ کی جان بخشی ہوئی آپ نے 97ھ/715ء میں مدینہ میں وفات پائی۔ دیکھئے

ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 5، ص 212۔

یعقوبی، تاریخ الخلفاء، جلد 2، ص 406۔

195۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 5، ص 212۔

196۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمان بن ابوبکر، حسن المحاضرہ، مطبعہ الشرقیہ مصر، 1327ھ، جلد 2، ص 88۔

197۔ احمد امین مصری، منہج الاسلام، ص 42-43۔

198۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 49۔

199۔ المسعودی، ابوالحسن بن حسین بن علی، مروج الذهب ومعادن الجوهر، دارالاندلس، للطباعة والنشر، بیروت،

لبنان، بن ندار، جلد 3، ص 62-63۔

200۔ حسن امیر ایم حسن و علی امیر ایم حسن، ڈاکٹر، العظم الاسلامیہ، مترجم۔ علیم اللہ صدیقی، ندوۃ المصنفین، دہلی، انڈیا، 1947ء، ص 65

201۔ ایضاً

202۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب قول النبیؐ: لانورث، ماترکنا صدقہ، ص 1161، حدیث 6726

203۔ القرآن، 6:33

204۔ المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجوهر، جلد 1، ص 450۔

205۔ ایضاً، جلد 3، ص 236۔

206۔ القرآن، 33:33۔

207۔ القرآن، 2:259۔

208۔ القرآن، 5:12۔

209۔ القرآن، 7:155۔

210۔ القرآن، 59:7۔

211۔ القرآن، 42:23۔

212۔ القرآن، 26:214۔

- 213- القرآن، 41:8۔
- 213-A القرآن، 55:24۔
- 214- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 5۔
- 215- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 6، ص 275۔
- 216- ایضاً
- 217- ترمذی، جامع ترمذی، باب مناقب ابی الفضل ام النبی ﷺ، ص 855، حدیث 3762۔
- 218- ایضاً
- 219- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 6، ص 275۔
- 220- ترمذی، جامع ترمذی، باب مناقب اہلبیت، ص 859، حدیث 3889۔
- 221- محمد قطب الدین، مظاہر حق، باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ، جلد 5، ص 739، حدیث 49۔
- 222- ابن طقطقی، محمد بن علی بن طباطبائی، الفخری فی الاداب السلطانیہ والدولۃ الاسلامیہ، مترجم۔ محمود علی خان، ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی، انڈیا، 1969ء، ص 217۔
- 223- ایضاً
- 224- بخاری، صحیح بخاری، مناقب ابن عباسؓ، جلد 1، ص 51۔
- 225- ابن کثیر البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 51۔
- 226- محمد قطب الدین، مظاہر حق، فضیلت ابن عباسؓ، جلد 5، ص 725۔
- 227- ندوی، سیر الصحابہؓ، جلد 2، ص 182۔
- 228- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 277۔
- 229- احمد بن حنبل، المسند الامام احمد بن حنبل، وارا حیا التراث العربی، بیروت، لبنان، 1993ء، جلد 3، ص 498۔
- 230- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 51۔
- 230-A- ایضاً، ص 466، 465۔
- 231- القرآن 1:97 تا 5۔
- 232- القرآن، 108:3 تا 108۔
- 232-A ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 9، ص 464، 463۔

- 233- الدینوری، الاخبار الطوال، ص 556 -
- 234- ایضاً، ص 255 -
- 235- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 51 -
- 236- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 8 -
- 237- ایضاً، ص 11 -
- 238- المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجوهر، جلد 3، ص 236 - 237 -
- 239- احمد امین مصری، فجر الاسلام، مترجم۔ عمر احمد عثمانی، دوست ایسوی انش، اردو بازار، لاہور، 2003ء، ص 244 -
- 240- عبداللہ بن سبأ کا تفصیلی تعارف باب دوم، ص 123، حوالہ 72 پر موجود ہے -
- 241-A- یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 484 -
- 241-B. O' Leary, De Lacy D.D., The Arabic thought and its Place in History,
 Routledge and Kegan Paul Limited, London, 1954, P-97.
- 242- حسن امین حسن، تاریخ الاسلام سیاسی، جلد 2، ص 32 -
- 243- الدینوری، الاخبار الطوال، ص 556 -
- 244- نجیب آبادی، تاریخ اسلام، جلد 2، ص 197 -
- 245- رحمانی بیگم، دعوت عباسیہ، ص 99-100 -
- 246- الیعقوبی، تاریخ الیعقوبی، جلد 2، ص 516 -
- 247- ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1113 -
- 248- حسن امین حسن، تاریخ الاسلام سیاسی، جلد 2، ص 40 -
- 249- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 27، 28 -
- 250- احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص 52 -
- 251- المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجوهر، جلد 3، ص 243 -
- 252- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 85 -

Urdu Bazar, Lahore, 1926, P-177.

- 254 - حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام سیاسی، جلد 2، ص 44۔
- 255 - جعفری، رئیس احمد، امامت و سیاست، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1961ء، ص 579۔
- 256 - ابن الاثیر، الکامل فی التاريخ، جلد 5، ص 85۔
- 257 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 40۔
- 258 - الیعقوبی، تاریخ الیعقوبی، جلد 2، ص 608۔
259. Hitti, The History of the Arabs, P- 285 .
- 260 - الدینوری، الاخبار الطوال، ص 608۔
- 261 - حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام سیاسی، جلد 2، ص 52۔
- 262 - القرآن، 33:33۔
- 263 - القرآن، 42:23۔
- 264 - القرآن، 26:214۔
- 265 - القرآن، 59:07۔
- 266 - ابن الاثیر، الکامل فی التاريخ، جلد 5، ص 8۔
- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 82۔
- 267 - ابن الاثیر، الکامل فی التاريخ، جلد 5، ص 9۔
- 268 - جعفری، امامت و سیاست، ص 574۔
- 269 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 83۔
- 270 - حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام سیاسی، جلد 2، ص 52۔
- 271 - ابن الاثیر، الکامل فی التاريخ، جلد 5، ص 10۔
- 272 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 42۔
- 273 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 87۔
- 274 - الدینوری، الاخبار الطوال، ص 593۔
- 275 - ایضاً
-

- 276- حسن ابراہیم حسن تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 43۔
- 277- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ۔ جلد 5، ص 43۔
- 278- ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 223۔
- 279- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 89-90۔
- 280- القرآن، 2: 50۔
- 281- ابن الاثیر، الکامل فی تاریخ، جلد 5، ص 16۔
- 282- القرآن، 2: 249۔
- 283- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 93۔
- 284- المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 3، ص 246۔
- 285- ایضاً
- 286- المسعودی، ابوالحسن علی بن الحسن بن علی۔ تنبیہ الاشراف، مترجم۔ عبداللہ العماوی، ادارہ الطبع جامعہ عثمانیہ، سرکار عالی، حیدرآباد دکن، انڈیا، 1926ء، ص 209-210۔
- 287- Ameer Ali, A Short History of The Saracens, P-102
- 288- Hitti, History of the Arabs, P-285
- 289- ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1054، 1055۔
- 290- Karen Armstrong, Islam: A Short History, Negarshat Publishers Urdu Bazar Lahore, 2005, P-82
- 291- المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 3، ص 228۔
- 292- کوفی وہ لوگ تھے جن پر اعتماد کرتے ہوئے حضرت علیؑ نے مدینہ چھوڑا، لیکن ان لوگوں نے وفاندگی، یہاں تک کہ انہوں نے (کوفیوں) آپ کو شہید کر دیا۔
- _____ کوفیوں نے سیدنا حسنؑ کے خیمے کو آگ لگا کر انہیں زخمی کر دیا۔
- _____ مال و دولت کے لالچ میں بیعت حسینؑ توڑ کر انہیں شہید کر دیا گیا۔
- _____ مسلم بن عقیل نے شہادت سے قبل سیدنا حسینؑ کو ان کے بارے میں لکھا کہ کوفی ناقابل اعتماد و اعتبار ہیں۔
- _____ حضرت عبداللہ بن مطیع کے بقول کوفی سب سے بڑے عہد شکن ہیں۔

_____ عکرمہ کے بقول کوئی جس سے عہد بیان کرتے ہیں۔ اُسی کے خلاف صف آراء ہوتے ہیں یہ لوگ
 (کوئی) کبھی آگ کی طرح گرم اور کبھی برف کی طرح سرد ہوتے ہیں۔
 تفصیل کے لیے دیکھیے:

Ameer Ali ,A Short History of the Saracens,P-84

- 293۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ السلام السیاسی، جلد 2، ص 160۔
- 294۔ الدینوری، الاخبار الطوال، ص 588۔
- 295۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 15-18۔
- 296۔ بکیر بن ہامان کی کنیت ابو ہاشم تھی اور یہ عباسی تحریک کے اہم داعیوں میں سے ایک تھا۔ اس نے سندھ سے لایا ہوا تمام سونا چاندی اس تحریک کے لیے وقف کر دیا۔ دراصل عراق و عجم میں عباسی تحریک کی کامیابی اسی کی مرہون منت تھی اس نے ابو مسلم خراسانی کو امام ابراہیم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ دیکھیے:
- الدینوری، الاخبار الطوال، ص 557 تا 556۔
- جعفری، امامت و سیاست، ص 579۔
- 297۔ الدینوری، الاخبار الطوال، ص 257 تا 256۔
- 298۔ ایضاً
- 299۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1053۔
- 300۔ ابن کثیر، البدایہ و النہایہ، جلد 5، ص 30۔
- 301۔ القرآن، 39:22۔
- 302۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد 2، ص 140۔
- 303۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 11 تا 10۔
- 304۔ الدینوری، الاخبار الطوال، ص 559 تا 560۔
- 305۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ اسلام السیاسی، جلد 2، ص 33۔
- 306۔ عمار بن زید خراسان میں عباسی تحریک کا سربراہ تھا یہ خداش کے نام سے مشہور تھا یہ منکرات کو مباح اور نسبی محارم (جن سے نکاح حرام ہے جیسے ماں، بہن، بیٹی اور دو بہنوں کا بیک وقت ایک مرد سے نکاح) سے جنسی تعلقات کو جائز اور حلال سمجھتا تھا۔ اس کے نزدیک صوم (روزہ) سے مراد امام کا ذکر ہے صلوٰۃ سے مراد امام کے لیے دعا کرنا اور حج سے مراد امام موصوف سے رجوع کرنا تھا اس کے ان نظریات

کی وجہ سے گورزر اسان نے اسے (خداش کو) صلیب دے دی تھی۔ دیکھئے

ابن کثیر، البدایہ والنہایہ جلد 5، ص 320۔

ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1053-1054۔

307۔ القرآن، 29:27 تا 30۔

308۔ رحمانی بیگم، دعوت عباسیہ، ص 119۔

309۔ ایضاً، ص 128۔

310۔ جعفری، امامت و سیاست، ص 620۔

311۔ حسن امراہیم حسن، انظم الاسلامیہ، ص 65۔

312۔ Hitti, History of the Arabs, P-328

313۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P-313

314۔ Hitti, History of the Arabs, P-318

315۔ حسن امراہیم حسن، انظم الاسلامیہ، ص 72۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

باب دوم

عباسی خلفاء کے خلافت و حکومت سے متعلق نظریات

الف: خلفائے راشدین اور دورِ بنو اُمیہ کے دینی رجحانات کا جائزہ

ب: خلفائے بنو عباس کے خلافت و حکومت سے متعلق نظریات

فصل اول: نظریہ خلافت

فصل دوم: روحانی پیشوائی اور امامت کا تصور

فصل سوم: خلفائے راشدین کا دور اور خلافت کے ادارے سے متعلق ان کی روایات و رجحانات۔

فصل چہارم: دورِ بنو اُمیہ، خلافتِ رجحانات میں تبدیلی اور خلافتی ادارے کا مذہبی رجحانات سے دنیوی حکومت کی

طرف جھکاؤ۔

فصل پنجم: عباسی خلفاء کا مطلق العنانیت کے جواز سے متعلق ”فرمانروائی کے منجانب اللہ“ ہونے کا نظریہ۔

فصل ششم: خلافتی ادارہ کو وراثتی ادارہ بنانے کے سلسلے میں ایرانی نظریہ ”خدا داد حق“ کو مذہبی تطبیق دینے کی

سعی۔

فصل ہفتم: حضور اکرم ﷺ سے قرابت کے ماطے خلافت میں موروثیت کے نظریہ کا جواز۔

قرآن کا نظریہ خلافت

- ۱۔ روحانی پیشوائی اور امامت کا تصور
 - ۲۔ خلفاء کا مطلق العنانیت کے جواز سے متعلق ”فرمانروائی کے منجانب اللہ“ ہونے کا نظریہ
 - ۳۔ خلافتی ادارے کو وراثتی ادارہ بنانے کے سلسلے میں ایرانی نظریہ ”خدا واد حق“ کو مذہبی تطبیق دینے کی کوشش۔
 - ۴۔ حضور اکرم ﷺ سے قرابت کے ماطے خلافت میں موروثیت کے نقطہ نظر کا جواز۔
- قرآن کے تصور کائنات کی رُو سے انسانوں کا حقیقی فرمان روا بھی وہی ہے جو اس کائنات کا حاکم و فرمان روا ہے اس لئے انسانی معاملات میں حاکمیت کا حق بھی اللہ تعالیٰ ہی کو پہنچتا ہے۔ لہذا اُس کے سوا کوئی انسانی یا غیر انسانی طاقت بطور خود حکم دینے اور فیصلہ کرنے کی مجاذ نہیں ہے۔ اس طرح انسان بھی اپنی زندگی کے غیر اختیاری حصے میں طبعاً اس کی حاکمیت اور فرمانروائی کا مطیع ہے پھر اللہ تعالیٰ انسانی زندگی کے کسی بھی حصے میں اپنی اس حاکمیت کو بزورِ قوت مسلط نہیں کرتا بلکہ قرآن کے ذریعے وہ انسانوں کو یہ دعوت دیتا ہے کہ تصور و ارادہ کے ساتھ اس کی حاکمیت تسلیم اور اس کی اطاعت کو اختیار کیا جائے اس لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض ۱۔

”درحقیقت تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا“

اس آیت کی رُو سے ہر اہل عقل کو اس بات کی دعوتِ فکر دی گئی ہے کہ وہ اس ذاتِ اقدس کو اپنا مالک و خالق مانیں جو اس عظیم الشان عالم کو عدم سے وجود میں لانے اور حکیمانہ نظام کو چلانے پر قادر ہے۔ لہذا ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کی عبادت کریں، اس کو اپنا رب سمجھیں، اس سے اپنی حاجات طلب کریں مخلوق پرستی کی دلدل سے نکل کر حقیقت کو پہچانیں ۲۔

قرآن کریم میں ایک اور موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان الحکم الا اللہ ط، امرآلا تعبدوا الا اياه ط ذالک الذین القیم ولكن اکثر الناس لا یعلمون ۳۔

”حکم اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے اس کا فرمان ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، یہی صحیح دین ہے مگر اکثر لوگ نہیں

جانتے“

اس آیتِ کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ یہ بات بیان کر دی ہے کہ حکم اور حکومت پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حق نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے کیونکہ یہ حسنِ قیَم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے۔

قل من یرزقکم من السماء والارض امن یملک السمع والابصار ومن یرزق

الحی من المیت یرزق المیت من الحی ومن یدبر الامر ط فسیقولون اللہ فقل

افلا تنفون ۴ فذلکم اللہ ربکم الحق فماذا بعد الحق الا الضلل فانئی تصرفون ۵۔

”کہو کہ کون تم کو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟

کون بے جان سے جاندار نکالتا ہے اور کون جاندار سے بے جان کو نکالتا ہے اور کون دنیا کا انتظام چلاتا

ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ، کہو پھر تم ڈرتے کیوں نہیں، پھر تو وہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا حقیقی رب ہے

آخر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے؟ پھر تم کدھر کولوٹے جاتے ہو؟“

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کی زبان سے خود اس بات کا اقرار کرواتا ہے کہ کائنات اور انسان کی ہر چیز پر اسے قدرت

کاملہ حاصل ہے یعنی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا، باقی رکھنے، ان سب کا کام میں لگانے کا انتظام کرنے والا صرف ایک ہی اللہ ہے لہذا جب

ان باتوں کا اقرار کر لیا جائے تو پھر عبادت اور اطاعت کا حقدار اس کے سوا کسی اور کو کیوں بنایا جائے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے گمراہ بندے سے پوچھتا ہے کہ جب تم میری صفات کو دیکھ چکے ہو اور اس کا اقرار بھی کرتے ہو تو

پھر حق کو چھوڑ کر گمراہی کی طرف کیوں جا رہے ہو جب کہ تم پر حق بھی ظاہر ہو چکا ہے۔

درج ذیل آیات سے حاکمیت اعلیٰ کا تصور اور بھی واضح ہو جاتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قل اللهم ملك الملك توتى الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء⁵

”کہو! اے ملک کے مالک تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے“

خلافت اور اس کا آغاز:-

حضور اکرمؐ کے وصال کے بعد امت مسلمہ کے دینی اور دنیوی امور کے تحفظ و انصرام کے لئے آپؐ کے ایک ایسے متفق علیہ

جانشین کی ضرورت تھی جس کے ہاتھ میں پوری امت کی قیادت ہو۔ اس لئے حضور اکرمؐ کے بعد ایسا قائد پیدا کرنے کے لئے خلافت کا

منصب ضروری تھا لہذا امت پر فرض تھا کہ وہ اتفاق رائے یا کثرت رائے سے اپنا ایک امام مقرر کرے⁶۔

خلافت کے لغوی معنی نیابت اور قائم مقامی کے ہیں۔ یہ نیابت خواہ کسی سابقہ شخص کی موت کی صورت میں ہو یا اس کے معزول

ہونے پر اپنا اختیار و منصب کسی کے سپرد کرنے سے ہو، تمام صورتوں میں اس کا جانشین اس کا خلیفہ کہلائے گا⁷ اور لفظ خلیفہ کا اصطلاحی مفہوم

پیغمبر اسلام کے قائم مقام یا ان کے جانشین کے ہیں⁸۔

دراصل خلافت ارضی کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں نوع انسانی کی ہدایت کے لئے ایک خاص ذمہ دار نظام یا حکومت قائم ہو، تاکہ وہ

اللہ تعالیٰ کی عدالت کو دنیا میں نافذ کر کے ظلم و طغیان سے اس سر زمین کو پاک کرے، جس سے عوام کو دنیا میں امن و سکون اور راحت و طمانیت

نصیب ہو۔

اللہ تعالیٰ تخلیق انسان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔

لقد خلقنا لانسان فى احسن تقويم⁹

”لقد خلقنا لانسان فى احسن تقويم“

”بے شک انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا گیا“

تخلیق انسان کے بعد انسانی ضرورتوں کی تکمیل کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

10 سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً منه۔

”اور جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے حکم سے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے۔“

باری تعالیٰ نے انسان کے اندر مخصوص اور محدود صفات پیدا کر کے اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا، اس کے بعد فرشتوں کو حکم دیا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

11 انی جاعل فی الارض خلیفۃ

”بیشک میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں“

اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد فرشتوں نے انسان کے بارے میں اپنے شکوک و شبہات کا اظہار کیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان سے اس کے علم کا مظاہرہ کر کے خلافت کے لئے اس کی اہلیت فرشتوں پر ثابت کر دی اس کے بعد ان کو حکم دیا گیا کہ اس کی خلافت کو تسلیم کرو اور اطاعت و تسلیم کے طور پر اس کو تعظیماً سجدہ کرو، اس طرح تمام فرشتوں نے انسان کو سجدہ کر کے اس کی خلافت تسلیم کر لی، لیکن شیطان نے انسان کی خلافت ماننے سے انکار کر دیا اور وہ راندہ درگاہ ہو گیا۔¹²

جمہور کے نزدیک خلیفہ اللہ کا براہ راست جانشین یا قائم مقام نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اللہ کے رسول ﷺ کا نائب ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق حضرت ابو بکرؓ کے اس جواب سے ہوتی ہے جو آپؐ نے کسی کے خلیفہ اللہ کہنے پر فرمایا۔

13 ”میں خلیفۃ اللہ نہیں بلکہ خلیفۃ رسول ہوں“۔

خلیفہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی ملک میں کسی کے تفویض کردہ اختیارات کو اس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے، کیونکہ وہ خود مالک نہیں ہوتا بلکہ اصل مالک کا نائب ہوتا ہے۔ اس کے اختیارات ذاتی نہیں بلکہ مالک کے عطا کردہ ہوتے ہیں اور پھر وہ اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کا حق بھی نہیں رکھتا بلکہ اس کا کام مالک کی منشاء کو پورا کرنا ہوتا ہے اگر وہ اپنے آپ کو ہی مالک سمجھ بیٹھے اور مالک کے تفویض کردہ اختیارات کو من مانے طریقے سے استعمال کرنے لگے یا اصل مالک کو چھوڑ کر کسی اور کو مالک تسلیم کر کے اس کی منشاء پوری کرے اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے لگے تو یہ سب غداری اور بغاوت کے مترادف ہوگا۔¹⁴

دراصل خلافت وہ طرز حکومت ہے جو صرف اسلام کے ساتھ مخصوص ہے¹⁵ اس کی تشکیل میں کسی پچھلے طرز تمدن یا تنظیم سیاسی سے مدد نہیں لی گئی کیونکہ پہلے مرحلے پر یہ حکومت اللہ تعالیٰ کی نیابت کے طور پر براہ راست اللہ کے پیغمبروں کو حاصل ہوئی ہے اور ویسے بھی پیغمبروں کا انتخاب بلاشبہ اللہ تعالیٰ خود ہی فرماتا ہے۔¹⁶

اس لئے ارضی خلافت کے وارث اور خلیفۃ اللہ حضور اکرم ﷺ تھے۔ اس کے بعد یہ مرکزی حکومت جن لوگوں کے ہاتھ آئی وہ

17 خلیفۃ اللہ کے نائب اور قائم مقام تھے اور ان پر ہی لفظ خلیفہ کا اطلاق ہوتا ہے۔

ملکی نظم و نسق برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کے لئے رعایا پر خلیفہ کی اطاعت و فرماں برداری واجب ہوتی ہے کیونکہ خلافت دینی اور دنیوی اقتدار کا ایک خوشگوار امتزاج ہے۔¹⁸

دنیوی اور دینی اقتدار میں مقاصد کے اس فرق کی وجہ سے ان کا طریق کار بھی مختلف ہو گیا کیونکہ دنیوی ملکیت صرف عقلی جواز اور استحقاق کے بہانے سے محض دنیوی مفاد کا خیال رکھتی ہے جبکہ خلافت رعایا کے لیے ان کے دنیوی اور اخروی کاروبار میں شرعی احکام کا نفاذ چاہتی ہے۔¹⁹

خلافت ایک ایسی تنظیم تھی جو بالکل قرآن و سنت کی بنیاد پر قائم کی گئی تھی لیکن اس کا دار و مدار دنیوی اقتدار پر قائم ہوتا تھا، اس لئے قرآن کریم میں بار بار اس کی تشریح کی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا
 اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ هـ۔²⁰

”جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اُن سے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اُن کو ملک کا حاکم بنائے گا جیسا کہ ان سے قبل لوگوں کو حاکم بنایا گیا تھا“

البتہ فرق صرف یہ ہے کہ اسلام میں پاپائیت کے برعکس جس شخص کو مکمل دنیوی اقتدار حاصل نہ ہو وہ ارضی خلافت کا دعویٰ نہیں کر سکتا جبکہ پاپائیت کو ہمیشہ ایک طاقتور شہنشاہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اسلام میں کبھی کسی ایسی دورگی کی حاجت نہیں رہی۔²¹

اس بات کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

الَّذِينَ ان مَكْنَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا
 عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔²²

”یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو وہ نماز پڑھا کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے“

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء صاف دکھائی دیتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں خدا کے قانون الہیہ کے اجراء کی طاقت ہونی چاہیے، کیونکہ دین و دنیا کا امتزاج ہی انسان کو انسان بناتا ہے اور اس سے احسن تقویم کا مظاہرہ ہو سکتا ہے، بصورت دیگر وہ فرشتہ ہو جائے گا شیطان اور ان دونوں اصناف سے الگ ایک خاص مخلوق یعنی انسان کی تخلیق کا مقصد فوت ہو جائے گا۔²³

دراصل خلافت کا مقصد بھی پیغمبر اسلام ﷺ کے مشن کو دوامی بنانا تھا تا کہ پیغام ربانی حفاظت کے ساتھ ہر زمانے کے لوگوں

تک پہنچتا رہے۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

حضور اکرمؐ تک چونکہ نبوت کا سلسلہ جاری رہا تھا اس لئے اُس دور میں اس قسم کے متبادل انتظام کی ضرورت پیش نہ آئی لیکن آپؐ کے بعد اس کام کو جاری رکھنے کے لئے ایک مستقل ادارے کی ضرورت تھی اس لئے آپؐ کے بعد خلافت جیسے ادارے کا قیام عمل میں آیا²⁴۔

یاد رہے کہ عام سیاسی مقاصد محض دنیوی امور کی اصلاح تک محدود ہوتے ہیں اور لوگوں کی نگاہ بھی اس سے آگے نہیں بڑھتی جبکہ پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی دنیا اور آخرت دونوں کی اصلاح ہے جس کے لئے شرعی احکام کے نفاذ کا اجراء اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب و تاکید لازمی ہے خواہ ان کا تعلق دنیوی امور سے ہو یا آخری نبی نجات سے، اس طرح انبیاء کے بعد ان کا یہ فریضہ ان کے خلفاء اور جانشین سرانجام دیتے ہیں۔ اس سے خلافت کے مقاصد واضح ہو جاتے ہیں²⁵۔

دنیوی امور چونکہ آخرت کی طرف لوٹتے ہیں اس لئے خلافت انسان کی شرعی تقاضوں کے مطابق دنیوی اور آخری فلاح و بہبود کی طرف رہنمائی کا نام ہے²⁶۔

عہدِ خلفائے راشدہ میں خلافتی ادارے کی نوعیت:-

حضور اکرمؐ کی رحلت کے بعد خلفائے راشدین نے جو آپؐ کے تربیت یافتہ اصحابؓ تھے اسلامی اصولوں (قرآن و سنت) کے مطابق لوگوں کی رہنمائی کی اور اسلامی مملکت کے نظام کو چلایا، بالفاظِ دیگر خلیفہ کی مجلسِ شوریٰ خدائی قوانین کو نافذ کرنے والی تھی نہ کہ اسے وضع کرنے والی۔ اس دور میں حکومتی امور باہمی مشاورت سے طے کئے جاتے تھے جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔

وامرہم شوریٰ بینہم²⁷۔

”اور وہ اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں“

اس آیت کے پیش نظر خلیفہ اول کے زمانے میں ایک مجلسِ شوریٰ موجود تھی اس مجلسِ شوریٰ کے ارکان کا انتخاب خلیفہ اہلیت اور تقویٰ کی بنیاد پر کرتا تھا اور اس میں ان لوگوں کو منتخب کیا جاتا جو احکامِ شریعت سے بخوبی آگاہ ہوں۔ جنہوں نے اسلام کے لئے قربانیاں دی ہوں اور ان کے کردار بے داغ ہوں۔

تمام شرعی اور انتظامی امور اسی مجلسِ شوریٰ کے سامنے پیش ہوتے تھے اور بحث و تمحیص کے بعد قرآن و سنت کی روشنی میں ان امور پر فیصلے دیئے جاتے تھے اور یہ فیصلے عموماً متفقہ طور پر ہوتے تھے کیونکہ اس مجلسِ شوریٰ کو اجتماعی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا تھا اور اس طرح اتفاق رائے یا کثرت رائے سے طے پانے والے قوانین و ضوابط کا اطلاق خلیفہ سمیت ہر شخص پر ہوتا تھا²⁸۔

اس مجلسِ شوریٰ کے ارکان کبار صحابہؓ میں سے ہوتے اور ان میں سے بعض ارکان کے ذمے بڑے بڑے حکومتی فرائض بھی ہوتے تھے جیسے عہدِ صدیقیؓ میں حضرت عمر فاروقؓ کے ذمے زکوٰۃ کی تقسیم کا انتظام اور محکمہ عدل تھا اسی طرح حضرت علیؓ کے سپرد مراسلت، جنگی قیدیوں کی نگہداشت اور ان سے متعلق زرفدیہ کے کام تھے محکمہ فنی (مال غنیمت) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کے سپرد تھا²⁹، اور آپؐ بیت المال کے

عہد خلفائے راشدین میں بیت المال کو قومی امانت تصور کیا جاتا تھا مملکت کا مالیہ خلیفہ کی ذاتی آسائش کے لئے نہیں بلکہ عوام کی فلاح و بہبود اور ملکی نظم و نسق چلانے کا ذریعہ ہوتا تھا اس لئے خلیفہ اول کے زمانے تک اس پر کوئی محافظ یا پہرہ دار نہ ہوتا تھا اور خلیفہ صرف ناگزیر حالات ہی میں بیت المال سے کچھ لینے کا روادار ہوتا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ خلافت سے قبل تجارت کیا کرتے تھے اب خلافت کے بعد ان کی تجارت سرکاری کاموں میں حائل ہونے لگی، لیکن اس کے بغیر گزارہ بھی ممکن نہ تھا، کیونکہ آپ کو اہل خانہ کی کفالت بھی کرنا تھی لہذا آپؓ کے ان حالات کو دیکھتے ہوئے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح اور حضرت عمر فاروقؓ نے مجلس شوریٰ کی منظوری سے خلیفہ اول کے لئے بیت المال سے سالانہ چھ ہزار درہم وظیفہ مقرر کیا³¹ تاکہ وہ ہمہ وقت عوامی خدمات کی انجام دہی کر سکیں اس مقصد کے لئے خلفائے راشدین بیت المال سے اوسط درجے کا وظیفہ حاصل کرتے تھے مگر اپنے اس مقررہ وظیفہ کے بارے میں بھی اس قدر محتاطا بت ہوئے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وفات سے قبل وصیت فرمائی۔

”ہمارے پاس مسلمانوں کا جو مال ہے اُسے واپس کر دو، میں اس مال میں سے کچھ لینا نہیں چاہتا میری

وہ زمین جو فلاں فلاں مقام پر ہے اُن اموال کے عوض مخصوص ہے جو میں بطور نفقہ بیت المال سے لے

چکا ہوں“³²۔

چنانچہ خلیفہ اول کی وصیت کے مطابق ان کے اہل خانہ نے وہ زمین، اونٹنی، غلام اور ایک چادر جو پانچ درہم کی تھی سب کچھ حضرت عمر فاروقؓ کو دے دیا³³۔

خلفائے راشدین باوجود اختیارات کے بیت المال سے اپنے مقرر کردہ وظیفہ کے علاوہ کچھ اور لینے کے سلسلے میں بہت محتاط تھے³⁴۔

اس دور میں عشر و مالیہ کی رقم غریبوں اور محتاجوں کے علاوہ فوج کی ضروریات پوری کرنے کیلئے استعمال ہوتی تھی حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں یہ حکمت عملی اختیار کی گئی کہ مفتوحہ علاقوں کی اراضی فوج میں تقسیم کرنے کی بجائے اُسے ریاست کی ملکیت بنا دیا جائے۔ اس طرح اس اراضی سے حکومت کو جو آمدنی حاصل ہوتی اس سے فوج کے اخراجات پورے کئے جاتے اور جو کچھ بچ جاتا اُسے حقداروں میں تقسیم کر دیا جاتا³⁵۔

حضرت عمر فاروقؓ نے مالیات کا محکمہ بھی قائم کیا جسے دیوان کہا جاتا تھا³⁶۔ دیوان قائم ہونے کے بعد لوگوں کے وظائف کی فہرست تیار کی گئی اس میں سب سے پہلے اہل بیت، اس کے بعد بدری صحابہ کرامؓ، اس کے بعد اسلام میں فضیلت کے اعتبار سے لوگوں کے ناموں کا اندراج کیا گیا³⁷۔

یہ وظائف بعض ذمیوں کو بھی ان کی وفاداری اور خدمات کے صلہ میں دئے جاتے تھے³⁸۔ عہد فاروقیؓ میں نوازا نیدہ بچوں کا سو

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

39 سے دو سو درہم تک وظیفہ مقرر ہوا۔ اس دور میں مفتوحہ علاقوں کے زمینداروں کی حالت بہتر بنانے کے لیے امانج پر محصول کی شرح کو کم کیا گیا۔ مصر، شام، عراق اور جنوبی ایران کی زمینوں کی پیمائش کر کے ان پر یکساں لگان مقرر کیا گیا۔⁴⁰

خلیفہ ثانی کے ہی دور میں عاملوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں، سب سے پہلے حضرت عمار بن یاسرؓ کو کوفہ کا عامل مقرر کر کے ان کی تنخواہ چھ سو درہم مقرر کی گئی۔ اس طرح فوج کے افسران اور نماز پڑھانے والوں کو بھی چھ سو درہم ماہانہ تنخواہ دی جانے لگی۔⁴¹ اس دور میں قاضیوں کو ماہانہ ایک سو درہم ملتے تھے اس سے قبل قاضیوں کو تنخواہ نہ دی جاتی تھی نیز اس دور میں قاضیوں کو حاکم کے خطاب سے پکارا جاتا تھا۔⁴²

خلافت راشدہ کے عہد میں خلفاء کی زندگیوں کا یہ عالم تھا کہ اگر خلیفہ وقت باقی لوگوں کے درمیان ہوتے تو باہر سے آنے والا شخص کبھی یہ اندازہ نہ کر سکتا تھا کہ ان میں سے خلیفہ کون ہے؟ ایک بار حضرت عمر فاروقؓ لوگوں کو اس حال میں نماز پڑھانے گئے کہ ان کے سر پر پھٹا ہوا عمامہ اور پاؤں میں ٹوٹی ہوئی جوتیاں تھیں۔⁴³ خلفائے راشدین کبھی اپنی ذاتی حفاظت کے لیے پولیس یا پہرہ دار رکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے اس وجہ سے رعایا میں کسی بھی شخص کو خلیفہ سے ملنے میں دشواری پیش نہ آتی اور نمازوں میں امامت کی وجہ سے خلفائے راشدین ہر وقت عوام کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔⁴⁴ خلفائے راشدین کا لباس عام اور معمولی کپڑوں کا ہوتا تھا۔ حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر فاروقؓ کے تہبند میں سٹلہ پیوند لگے دیکھے اور ان کی چادر صرف چھ بالشت کی تھی اور ان کے پیروں میں کھجور کی چھال کی بنی ہوئی جوتیاں ہوتیں۔⁴⁵ حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر فاروقؓ کو ایک بار اس حال میں دیکھا کہ ان کی قمیص پر چار جگہ پیوند لگے ہوئے تھے اس طرح عثمان نہدی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر فاروقؓ کے پانچا میں چمڑے کا پیوند لگا ہوا دیکھا۔⁴⁶ یہ لوگ خلیفہ وقت ہوتے ہوئے بھی بازاروں میں عام لوگوں کی طرح آتے جاتے تھے جن کی حفاظت پر نہ پولیس کے دستے متعین ہوتے اور نہ ہی خفیہ ایجنسیاں ان کے اور عوام کے درمیان حائل ہوتیں تھیں اور جب یہ لوگ کسی چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے کچھ کہتے تو جواب میں انہیں بعض اوقات اپنی بات سے بھی کہیں زیادہ سخت گفتگو سننے کو ملتی۔⁴⁷ یہ لوگوں پر خدا ترسی، انصاف اور عمدہ ہمتاؤ کے ساتھ حکمرانی کرتے تھے۔

خلفائے راشدین کی غذا عام فقراء و مساکین کی غذا سے بھی کم درجے کی ہوتی تھی۔ خلفاء ایسا کس محتاجی یا تنگدستی کی وجہ سے نہ کرتے بلکہ اپنی غریب رعایا کی ہمسری اور ہمدردی کے خیال سے کرتے تھے۔⁴⁸

حضرت علیؓ کو اپنی املاک سے بیش بہا آمدنی ہوتی تھی وہ سب کی سب فقیروں اور محتاجوں کو دے ڈالتے تھے اور اپنا گزارہ مہربو قناعت سے کرتے۔⁴⁹

الغرض یہ کہ خلفائے راشدین اپنے آپ کو مطلق العنان یا خود مختار نہ سمجھتے تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت و اختیارات کو عوام کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرتے تھے۔ اس بات کا اندازہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پہلے خطبہ سے لگایا جاسکتا ہے:

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

”جب تک میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مطابق حکم دوں تو

میری اطاعت تم پر فرض ہے ورنہ میری اطاعت تم پر لازم نہ ہوگی“⁵⁰۔

عہد نبوی ﷺ اور عہد خلافت راشدہ میں لوگوں کو عہدے رنگ و نسل یا قوم و قبیلے کی بنیاد پر نہیں بلکہ ذاتی فضیلت و قابلیت اور صالح اعمال کی وجہ سے دیئے جاتے تھے اس طرح ہر شخص اپنی قابلیت کی بنیاد پر بڑے سے بڑے عہدے پر فائز ہو سکتا تھا۔ اس کا ثبوت درج ذیل واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ابوسفیانؓ نے خلیفہ اولؓ سے شکایت کی کہ ہم سردارانِ قریش ہیں اور ہمیں کسی بھی حکومتی عہدہ میں متعین نہیں کیا گیا اس کے جواب میں خلیفہ اولؓ نے فرمایا:

”تم بھی جہاد میں اپنے بھائیوں کے سے کارنامے دکھاؤ“⁵¹۔

خلیفہ وقت کے اس جواب کے بعد ابوسفیانؓ کا خاندان جہاد میں مشغول ہو گیا اس کے بعد خلیفہ اولؓ نے اسلام کے ساتھ اس خاندان کے خلوص کو دیکھتے ہوئے انہیں حکومتی عہدوں پر متعین کرنا شروع کر دیا۔ خلیفہ اولؓ نے سب سے پہلے یزید بن ابوسفیانؓ کو دمشق کا والی مقرر کیا حضرت عمرؓ نے یزید بن ابوسفیان کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کو دمشق کا والی مقرر کیا۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ نے نہ صرف انہیں اس عہدے پر برقرار رکھا بلکہ دوسرے علاقوں کو بھی ان کی قلم رو میں شامل کر کے انہیں پورے شام کا عامل مقرر کر دیا⁵²۔

عمال کے تقرر کے لیے ایسے قوانین بنائے گئے، جس سے ان کے محاسبے میں آسانی رہے ان اعمال کی تقرری کے وقت ان سے درج ذیل باتوں کا حلف لیا جاتا تھا۔

_____ عامل ترکی گھوڑے پر سواری نہ کرے گا۔

_____ عامل باریک کپڑا نہ پہنے گا۔

_____ سرکاری عہدیداران (گورنریا قاضی) دروازے پر دربان مقرر نہ کریں گے۔

_____ عامل چھنے ہوئے آٹے کی روٹی نہ کھائے گا۔

_____ تقرر کے وقت عمل سے ان کے مال و اسباب کی فہرست تیار کروا کے رکھی جاتی تھی۔ اگر تقرری کے بعد کسی

عہدیدار کے مال و اسباب میں غیر معمولی اضافہ دیکھنے میں آتا تو اس کے مال کا نصف حصہ بیت المال میں جمع

کروا دیا جاتا تھا⁵³۔

چنانچہ جب حضرت عمر فاروقؓ کو اطلاع ملی کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے مال و اسباب میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور تحقیق

کے بعد یہ بات درست ثابت ہوئی تو خلیفہ ثانیؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کا نصف مال بیت المال میں جمع کروانے کا حکم دیا⁵⁴۔

حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں قانون کا اطلاق بلا تخصیص تمام لوگوں پر ہوتا تھا خواہ کوئی گورنر، قاضی یا فوجی جرنیل ہی کیوں نہ ہوتا۔

یہاں تک کہ اگر خلیفہ کا بیٹا بھی ہوتا تو وہ بھی حدود کی خلاف ورزی پر قابل گرفت ٹھہرتا۔ ایک بار خلیفہ ثانی کے بیٹے عبدالرحمن بن عمرؓ نے شراب

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

پی، حضرت عمر فاروقؓ نے نہ صرف ان پر حد قائم کی بلکہ بیماری کی حالت میں انہیں کوڑے بھی لگوائے اور انہیں قید کر دیا اور دوران قید ہی ان کا انتقال ہو گیا⁵⁵۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اطلاع ملی کہ گورنر بحرین قدامہ بن مظعون نے شراب پی ہے۔ خلیفہ نے اپنے طور پر اس کی تحقیق کی اور ان پر یہ الزام درست ثابت ہوا، حضرت عمر فاروقؓ نے نہ صرف ان پر حد فذ کی بلکہ انہیں گورنری کے عہدے سے معزول کر دیا۔ حالانکہ یہ گورنر ہونے کے ساتھ ساتھ خلیفہ وقت کے برادر نسبتی بھی تھے⁵⁶۔

گورنر مصر عیاض بن غنم کے بارے میں خلیفہ ثانی کو شکایت ملی کہ ان کے گھر کے باہر دروازہ لگا ہوا ہے۔ جس سے سائلین کو ان سے ملنے میں دقت پیش آتی ہے تحقیق کے بعد یہ شکایت بھی درست ثابت ہوئی اس پر خلیفہ نے گورنر مصر کے گھر کے دروازے کو جلانے کا حکم دے دیا⁵⁷۔

حضرت علیؓ نے کسی سیاسی مصلحت کی پرواہ کئے بغیر حضرت عمر فاروقؓ کی پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اہلیت کی بناء پر حکومتی مناصب پر اہل افراد کو متعین کیا⁵⁸۔

ہر خلیفہ راشد نے اپنے اپنے دور میں کئی انقلابی کام کیے اس سلسلے میں حضرت علیؓ نے سرکاری ریکارڈ کو محفوظ بنانے کے لیے محافظ خانہ قائم کیا⁵⁹۔

خلافت و امامت کا تعلق اور اس کا مفہوم:-

خلیفہ کو امام سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح نماز میں مقتدی کے لیے امام کی اتباع ضروری ہے اسی طرح رعایا کے لیے خلیفہ کی پیروی ضروری ہے⁶⁰۔

ہیجان علیؓ کے نزدیک امامت و خلافت بھی ارکان اسلام میں داخل ہے۔ جب کہ جمہور امامت کا اس سے اختلاف ہے کیونکہ اگر خلافت و امامت بھی دین کا رکن ہوتی تو حضور اکرم ﷺ نماز کی طرح اس میں بھی اپنا جانشین بنا جاتے جس طرح نماز میں حضرت ابو بکرؓ کو آپ ﷺ نے اپنا جانشین بنایا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:-

مروا ابابکر فلیصل بالناس⁶¹۔

”تم لوگ ابو بکرؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں“

اس طرح لوگوں میں خلافت کی جانشینی بھی نماز کی جانشینی کی طرح مشہور ہو جاتی۔ اس لیے حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کو نماز پر قیاس کر کے یہ استدلال پیش کیا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ دین کے لیے آپؐ سے راضی تھے تو کیا دنیا کے لیے آپؐ ان سے راضی نہ ہوں گے۔ یہ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے کسی کو اپنا خلیفہ مزدکر نے پر صریح دلیل ہے⁶²۔

حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک اسلامی نظام حکومت میں خلافت کے ادارے کو کیا اہمیت حاصل تھی خود ان کے قول سے یہ ثابت ہے:

”آج مسئلہ خلافت تمام مسائل سے اہم ہے کیونکہ اپنی حمایت اور اصلاحات کا نفاذ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اس پر موقوف ہے اس سے ہی قوم کو انتشار و افتراق سے بچایا جاسکتا ہے کیونکہ

خلافت ہی اتحاد و اتفاق کا واحد ذریعہ اور شریعت کے احکام و مقاصد کے تحفظ کی

ضامن ہے“⁶³۔

امام کا تقرر صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہے کیونکہ جب رسول ﷺ کا وصال ہوا تو ان کی تجہیز و تکفین سے قبل ہی خلیفہ کا انتخاب عمل میں آیا اور تمام ملکی انتظامات خلیفہ اولؓ کے سپرد کیے گئے⁶⁴۔ اس کے بعد کبھی بھی مسلمانوں کو بغیر خلیفہ کے نہ چھوڑا گیا۔

اگر امامت کو بغیر امام کے چھوڑ دیا جائے تو لوگوں کے اغراض و مقاصد میں تصادم کی وجہ سے جھگڑے پیدا ہوں گے جس سے لوگ کٹ مریں گے اور معاشرہ بد امنی کا شکار ہو جائے گا ایسے حالات کی روک تھام کے لیے امت پر ایک طاقتور اور بالادست امام کے تقرر کی ضرورت کو محسوس کیا گیا تاکہ تخلیق انسان کے مقاصد کی تکمیل ہو سکے⁶⁵۔ جب کہ ابن خلدون کے نزدیک تقرر امام کی دلیل کا ماخذ شریعت ہے نہ کہ عقل⁶⁶۔ خوارج اور معتزلہ میں سے بعض لوگوں کا استدلال ہے کہ تقرر امام شریعت اور عقل کے اعتبار سے ضروری نہیں ہے۔ بالفاظ دیگر ان کے نزدیک امام کا تقرر فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں، لیکن جمہور کے نزدیک تقرر امام کے بعد اس کی اطاعت و فرمانبرداری رعایا پر واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

واطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم⁶⁷۔

”اطاعت کرو اللہ کی، اس کے رسول ﷺ کی اور اپنے ارباب امر کی“

ماوردی کے نزدیک اس آیت کی رو سے اللہ نے اپنے حکام کی اطاعت ہم پر فرض کر دی ہے اور یہاں حکام سے مراد وہ امام ہیں جو ہم پر مقرر کئے گئے ہیں⁶⁸۔ جب کہ ابو ہریرہؓ مندرجہ بالا آیت میں اولی الامر سے وہ حکام و ائمر مراد لیتے ہیں جن کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے⁶⁹۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں خلافت کی جگہ امامت کی اصطلاح اختیار کی گئی جو خلافت کے مقابلے میں زیادہ جامع اور ہمہ گیر تھی۔ اس کے بعد شیعان علیؓ میں یہ نظریہ تقویت پانے لگا کہ نبی ﷺ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بعد کوئی امام مقرر کر جائے اس لیے بقول ان کے غدیر خم⁷⁰ کے موقع پر حضور ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے بعد امام مقرر کرنے کی لوگوں کو وصیت کی تھی اسی وجہ سے حضرت علیؓ کو وصی رسول اللہ ﷺ کہا جاتا ہے⁷¹۔ شیعان علیؓ میں ان نظریات کی تخم ریزی کرنے والا شخص عبداللہ بن سبا تھا⁷² اور یہ ایرانی نظریات سے بہت متاثر تھا⁷³۔

شہادت عثمانؓ کے بعد سبائی گروہ حضرت علیؓ کے گرد جمع ہو گیا اور انہوں نے حضرت علیؓ کے گرد حلال و تقدیس کا ہالہ قائم کر کے انہیں امامت جیسے مقدس منصب پر فائز کر دیا اور کہا کہ امامت صرف حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کا ہی حق ہے⁷⁴۔ اسی وجہ سے حضرت علیؓ کے بعد امامت خود بخود بنو ہاشم اور پھر سیدنا حسینؓ میں منتقل ہو گئی⁷⁵۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اس کے بعد ایرانیوں میں اس قصے نے بڑی شہرت حاصل کی کہ فتح فارس 17ھ/638ء کے وقت یزدگرد بن شہریار کی تین لڑکیاں گرفتار ہو کر مدینہ لائی گئیں۔ حضرت عمرؓ ان لڑکیوں کو عام لونڈیوں کی طرح بازار میں فروخت کرنا چاہتے تھے جب کہ حضرت علیؓ نے خلیفہ ثانیؓ کو ایسا کرنے سے منع فرمایا کیونکہ ان کے نزدیک شاہی خاندان کے ساتھ ایسا سلوک ان کی کسر شان کے خلاف تھا اس لیے حضرت علیؓ نے اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ان میں سے ایک لڑکی شہربانو (سلافہ) کی شادی سیدنا حسینؓ سے، دوسری کی حضرت محمد بن ابی بکرؓ سے اور تیسری لڑکی کی شادی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کر دی۔ اس کے بعد سیدنا حسینؓ سے زین العابدینؓ، حضرت محمد بن ابی بکرؓ سے قاسم اور عبداللہ بن عمرؓ سے سالم پیدا ہوئے⁷⁶۔

اس روایت کو سب سے پہلے زرخشیری نے ”ربیع الامار“ میں لکھا مگر یہ ہے کہ زرخشیری کوئی مؤرخ نہیں بلکہ مفسر تھا اس لیے اس کی اس روایت کو تاریخ میں کوئی اہم مقام حاصل نہ ہوا۔ بعد میں اس روایت کو ابن خلکان نے سیدنا زین العابدینؓ کے حال میں تحریر کر دیا⁷⁷۔ حقیقت یہ ہے کہ عہد عمر میں یزدگرد کا شاہی خاندان مسلمانوں کے مطلق قابو میں نہ آ سکا کیونکہ معرکہ مدائن میں یزدگرد اپنے اہل خانہ کے ساتھ حلوان چلا گیا تھا جب مسلمانوں نے حلوان پر فوج کشی کی تو یہ اصفہان بھاگ گیا پھر یہاں سے یہ مرو پہنچا جہاں پر عہد عثمانی میں 30ھ یا 31ھ/650ء یا 651ء میں قتل ہو گیا⁷⁸۔ اگر زرخشیری کے اس قصے کو درست تصور کر لیا جائے تو یہ واقعہ عہد عثمانی کا ہو گا نہ کہ عہد فاروقی کا 17ھ/638ء۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زرخشیری اس چیز سے بالکل بے خبر تھا کہ یزدگرد کا قتل کس عہد اور کس سن میں ہوا؟ زرخشیری کے مطابق سیدنا حسینؓ اور شہربانو کی شادی عہد عمر 17ھ/638ء میں ہوئی جبکہ بقول جمہور سیدنا حسینؓ 5ھ/625ء میں پیدا ہوئے اس طرح 17ھ/638ء میں آپؐ کی عمر بارہ برس بنتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ جیسے جہاندیدہ شخص کو اپنے نابالغ بیٹے کی شادی میں کیا جلدی تھی؟ اس سلسلے میں زرخشیری اور اس کے ہم مسلک مؤرخین اس کا جواب دینے سے قاصر نظر آتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یزدگرد 13ھ/634ء میں تخت نشین ہوا اس وقت اس کی عمر 16 برس تھی^{78-A} فتح فارس 17ھ/638ء کے ایام میں اس کی عمر بیس برس تھی بیس سالہ شخص کی تین لڑکیاں جو عہد عمر میں مدینہ لائی گئی ہوں اور وہ نکاح کے قابل ہوں نہایت مضحکہ خیز داستان ہے مثل مشہور ہے کہ

دروغ گو را حافظہ باشد (جھوٹے شخص کا حافظہ نہیں ہوتا)

اصل بات یہ ہے کہ زین العابدینؓ کی والدہ کا نام سلافہ تھا یہ ایک لونڈی تھی جو افریقہ سے گرفتار ہو کر آئی تھی علامہ ابن حزم نے جمہور الانساب میں ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی سرح اموی نے جب عہد عثمانی میں افریقہ پر حملہ کیا تو یہ سوڈان سے گرفتار ہو کر آئی تھی شاید اسی سلافہ کو ایرانیوں نے اپنے ساتھ حضرت حسینؓ کا رشتہ جوڑنے کے لیے پہلے سلافہ کو سلامہ اور پھر سلامہ سے شہربانو بنا دیا۔ یہ واقعہ نہ صرف قدیم بلکہ جدید محققین و مؤرخین کی نظر میں بھی مشکوک نظر آتا ہے چنانچہ D.O' Lary جیسا مؤرخ بھی اس کو

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

شک کی نظر سے دیکھتا ہے:

”دراصل سیدنا حسینؑ اور یزدگرد بن شہریار کی بیٹی شہر بانو کی شادی ایک فرضی

داستان ہے حالانکہ یہ روایتی شادی ایرانیوں کے نزدیک امامت کا ایک اہم جزو

ہے کیونکہ اس شادی کی رو سے ہی شہر بانو کو تمام اماموں کی ماں ہونے کا شرف

حاصل ہوا جب کہ اس کی تاریخی شہادت بڑی مشکوک ہے اور بظاہر اس قصہ کا

مذہب اسلام سے کوئی تعلق بھی دکھائی نہیں دیتا⁷⁹۔

تاریخی قرائن بھی مذکورہ قصے کے برعکس ہیں اس لیے طبری، ابن الاثیر، ابن کثیر، یعقوبی، ابن خلدون مسعودی، بلاذری اور امام

ابن قتیبہ جیسے مؤرخین نے عہد عمرؓ میں اس قصے کا کہیں ذکر نہیں کیا یہاں تک کہ مسعودی جیسا شیعہ نظریات کا حامل شخص بھی فتح فارس کے ضمن

میں اس واقعے کا کہیں ذکر نہیں کرتا۔

دراصل ایرانیوں کے نزدیک اولاد حسینؑ کی رگوں میں عربوں کے شریف ترین خون اور ایرانیوں کے لطیف ترین خون کا امتزاج

تھا⁸⁰۔

مزید برآں واقعہ کربلا میں سیدنا حسینؑ کی شہادت نے اس تصور امامت کو ورزیدہ تبرک بنا دیا جو اسلام اور قدیم ملوکیت کا حسین

امتزاج تھا⁸¹۔

کہا جاتا ہے کہ شہر بانو کے بطن سے سیدنا حسینؑ کا ایک صاحبزادہ علی بن الحسین پیدا ہوا، جو ہاشمی عرب ہونے کے ساتھ ساتھ

بہترین عجمی بھی تھا⁸²۔ یہی چیز ایرانیوں کی اہلیت سے محبت کا باعث بنی اور اسی وجہ سے عجمیوں نے عباسیوں کو خلافت و امامت دلانے میں

ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا^{83-A}۔

اہل تشیع کے نزدیک چونکہ امام مامور من اللہ اور معصوم ہوتا ہے اس لیے نبیوں کی طرح امام کی اتباع بھی امت پر فرض ہے^{83-B}

ان کے نزدیک امام کا درجہ رسول خدا کے برابر لیکن دوسرے انبیاء سے بالاتر ہوتا ہے۔ یہ امام چونکہ دین و دنیا میں حاکم و رہبر ہوتے ہیں اس

لیے پوری دنیا میں حکومت کا حق صرف انہی کو ہوتا ہے ہیعیان علی کے نزدیک ان کے آئمہ کے علاوہ دنیا کی تمام حکومتیں ظالم، غاصب اور

طاغوت کی حکومتیں ہوتی ہیں اس لیے آئمہ کرام کو معصوم عن الخطا⁸⁴ اور دنیا و آخرت میں حاکم اعلیٰ سمجھنا ہی شرط نجات ہے⁸⁵۔

دراصل آغاز میں ہیعیان علی صرف حضرت علیؑ کی فاطمی اولاد کو آئمہ قرار دیکر انہیں مذہبی اور سیاسی اقتدار اعلیٰ کا مستحق سمجھتے تھے۔ ان

کی دلیل یہ تھی کہ آئمہ ایک طرف خانوادہ رسولؐ (نبوت) سے تعلق رکھتے ہیں تو دوسری طرف ان کا تعلق آل ساسان سے ہے عام اہل فارس کا

یہ نظریہ ایک سیاسی عقیدے کی حیثیت رکھتا تھا⁸⁶۔

واقعہ کربلا کے بعد اہل فارس کی ہیعیان علیؑ میں شمولیت سے امامت کے متعلق ایک اور تصور پیدا ہو گیا جو دراصل مذہب سے زیادہ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

سیاسی وجوہات کا حامل تھا اس نظریے کی رو سے درحقیقت علوی ہی تخت و تاج کے حامل حقدار ہیں کیونکہ ایک وہ شہر بانو کی بیہ سے آل ساسان کے وارث ہیں اور دوسرا نواسہ رسولؐ ہونے کی بیہ سے مذہبی پیشوا ہیں⁸⁷۔

عباسیوں کا طریقہ بیعت :-

بیعت کا لفظ ”بیع“⁸⁸ کا مصدر ہے جس کے معنی بیچنے کے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ بیعت کرنے والا اپنے اختیارات اس کے ہاتھ بیچ ڈالتا ہے جس سے بیعت لی جاتی ہے۔ بیعت کے لغوی اور شرعی معنی بھی یہی ہیں⁸⁹۔

دراصل بیعت، مصافحہ کی ایک قسم ہے کیونکہ بیعت کرنے والا اپنے عہد کو مضبوط بنانے کے لیے اپنا ہاتھ امیر یا خلیفہ یا امام کے ہاتھ میں دیتا ہے۔ عہد خلفائے راشدین کے دور تک بیعت کا طریقہ انتہائی سادہ تھا منتخب خلیفہ کی بیعت دارالخلافہ کے عوام مسجد نبوی میں کرتے تھے۔ مجلس شوریٰ کے ارکان اور برگزیدہ صحابہ بیعت میں پہل کرتے تھے، یعنی بیعت صرف چند خاص امراء، مصاحبین اور پیشوائے ملک ہی کرتے تھے۔ مابعد کے دور میں کچھ غیر شرعی رسومات اس میں شامل کر دی گئیں، جن کا مقصد منتخب خلیفہ کی اطاعت شعاری کا اظہار ہونا تھا یعنی عام لوگ بیعت کرتے وقت جھک کر زمین بوسی کرتے، ہاتھ پیر اور دامن کو چومتے تھے⁹⁰۔

عباسی دور میں ہر خلیفہ کی وفات کے فوراً بعد بیعت لینا ضروری خیال کیا جاتا تھا کیونکہ یہ احتمال ہوتا تھا کہ ولی عہد سے مالاں کوئی شخص خلیفہ کی وفات کے بعد کہیں خلافت کا دعویٰ نہ کر دے جیسا کہ ابوالعباس السفاح کی وفات کے بعد اس کے چچا عبداللہ بن علی نے کیا تھا⁹¹۔

بیعت دراصل اہل حل و عقد کا انتخاب ہے یعنی عالموں، قاضیوں، ہر داروں اور نامور لوگوں کا کسی کی بیعت کر لینا ہے⁹²۔ بیعت کرنے والا نہ صرف اپنے کاموں میں بلکہ مسلمانوں کے تمام کاموں میں اپنے امیر کی بالادستی کو تسلیم کرتا ہے اور اس وقت بیعت کرنے والا یہ اقرار بھی کرتا ہے کہ اسے امام یا خلیفہ کی طرف سے جو حکم بھی ملے گا وہ بلاچوں و چرا اسے بجالائے گا⁹³۔ جانشین کی نامزدگی کے بعد بڑے بڑے عہدیداروں، قاضیوں، فوج کے جرنیلوں، ماتحت فوجیوں اور حکومتی عہدیداران اور افسران کو ولی عہد کے حلف اٹھانے کے بعد بیعت کے لیے بلایا جاتا تھا⁹⁴۔ دور دراز کے علاقوں میں بیعت گورنروں یا ان کے نمائندوں کے ذریعے لی جاتی تھی۔ بیعت کے وقت ایمان کی تجدید کو بھی ضروری خیال کیا جاتا تھا⁹⁵۔

ماضی میں بیعت خلافت کے سلسلے میں جبر و اکراہ کا طریقہ بھی رائج تھا جیسے ابوالعباس السفاح کے چچا عبداللہ بن علی نے 132ھ/750ء میں دمشق کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے لوگوں سے نئے عباسی خلیفہ کی زبردستی بیعت لی⁹⁶۔ اس طرح دمشق پر قبضے اور لوگوں کی بیعت کے بعد پوری اموی سلطنت عباسیوں کے قبضے میں آ گئی⁹⁷۔

اسلام میں سب سے پہلی بیعت لیلۃ العقبہ⁹⁸ والی بیعت تھی اور اس کے بعد دوسری بیعت صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے ہونے والی بیعت تھی جسے قرآن نے بیعت الرضوان⁹⁹ کہا ہے۔ مشہور مؤرخ سید امیر علی بیعت کے طریقہ کار کے بارے میں رقمطراز

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ہیں کہ:

”بادشاہ ایک آراستہ شہری شامیانے کے نیچے جس کو چتر شمشاہی تاج کہتے ہیں تخت پر آکر بیٹھ جاتا تھا بغلی کمرے میں وہ عہدے دار اور درباری جو ایسی رسومات میں شامل ہونے کے مجاز ہوتے حاضر رہتے، پہلے شہزادے تخت کے نزدیک آتے اور دعائے کلمات پڑھتے ہوئے بیعت کرتے، ان کے بعد وزیر اور ان کے بیٹے، پھر محافظ دستے کے افسران اور محل کے ملازم آتے اور حلف اٹھاتے جب یہ رسم ادا ہو جاتی تو خلیفہ کے بھائی، امراء و وزراء تخت کے دونوں اطراف حلقہ باندھ کر کھڑے ہو جاتے پھر حاجب جو کمرہ کے ایک طرف کھڑا ہوتا جوں جوں دوسرے اشخاص داخل ہوتے جاتے وہ خلیفہ کی طرف سے ان سے حلف اطاعت لیتا“¹⁰⁰۔

منتخب خلیفہ کا حلف اطاعت نشانِ ربانی کا حکم رکھتا تھا اور اس کی شخصیت میں ایک خاص قسم کا تقدس پیدا کر دیا جاتا۔ جس کا دورِ حاضر میں ہم ادراک نہیں کر سکتے۔ مکہ اور مدینہ کی مساجد میں نئے خلیفہ کے لیے دعائیں مانگنا، اس کے تقدس کو اور بھی زیادہ تقویت دیتا¹⁰¹۔ سید امیر علی کے خیال میں مسلمان جب اتفاق رائے یا کثرت رائے سے کسی شخص کو جمہور اسلام کا روحانی پیشوا یا مذہبی امام منتخب کر لیں تو ان کا انتخاب ربانی حکم کا درجہ رکھتا ہے اور اس سے منتخب شخص میں تقدس پیدا ہو جاتا ہے اور پھر وہ مستند حکومت کا سرچشمہ اور امام وقت بن جاتا ہے اور اس طرح اسے نماز کی امامت، مقدمات کے فیصلے اور حکومت کرنے کے لیے نائب مقرر کرنے کا اختیار بھی مل جاتا ہے اور یہ عباسی خلفاء کے اس تقدس کا ہی طفیل تھا کہ جب وہ دنیوی حکومت سے محروم ہو گئے تو بھی محمود غزنوی جیسے بہادر اور فاتح سلطان ان سے اپنی حکومت کے جواز کا فتویٰ لینے کے طالب ہوتے تھے۔ یعنی بادشاہ کو اپنی حکومت جائز اور درست قرار دینے کے لیے بھی خلیفہ سے منظوری ضروری تھی¹⁰²۔

ابو العباس السفاح نے اپنی وصیت میں ابو جعفر منصور کے بعد اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد مقرر کیا تھا ابو جعفر منصور جب تخت خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے عیسیٰ بن موسیٰ کو مختلف ذرائع سے نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ دربار خلافت میں عیسیٰ بن موسیٰ کو نہ صرف تخت پر بلکہ امراء سلطنت کے برابر بیٹھنے کی اجازت بھی نہ تھی۔ اکثر اوقات یہ سب سے پیچھے زمین پر بیٹھ جاتا جس سے خاک اس کے سر اور کپڑوں سے چھڑنے لگتی¹⁰³۔ بعض اوقات دربار شاہی کے اشاروں سے ایسے لوگوں کو اس کے پیچھے لگا دیا جاتا جو اس پر آوازیں کتے اور اسے مختلف ذرائع سے ٹھک کرتے، جب عیسیٰ بن موسیٰ اس کی شکایت خلیفہ سے کرتا تو اسے کہا جاتا کہ دراصل لوگ تمہارے مقابلے میں مہدی بن ابو جعفر منصور سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور لوگوں کی یہ خواہش ہے کہ تم مہدی کے حق میں دستبردار ہو جاؤ¹⁰⁴۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ایک روایت یہ بھی ہے کہ خالد برمکی، خلیفہ وقت کی ایماء پر تیس آدمیوں کے ہمراہ عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس گیا اور وہاں جا کر انہوں نے عیسیٰ بن موسیٰ کی طرف سے دستبرداری کی ایک دستاویز تیار کی اور اس پر خالد برمکی کے تمام ساتھیوں نے دستخط کر کے لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ عیسیٰ بن موسیٰ، مہدی بن ابو جعفر منصور کے حق میں ولی عہدی سے دستبردار ہو گیا ہے اگرچہ عیسیٰ بن موسیٰ نے اس کی پرزور تردید کی لیکن اس کی کوئی شنوائی نہ ہوئی¹⁰⁵۔ اس طرح ابو جعفر منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے مہدی کو اپنا جانشین بنایا اور اس کی بیعت لی¹⁰⁶۔ مرنے سے قبل ابو جعفر منصور نے مہدی کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہد نامزد کیا اور اسے امور سلطنت میں مہدی کی مدد اور اس کے ساتھ وفاداری کی وصیت کی¹⁰⁷۔

مہدی بن ابو جعفر منصور کی بیعت کے لیے ایک منفرد طریقہ اختیار کیا گیا، اس کے مطابق منصور کے غلام ربیع بن یونس نے خلیفہ کی وفات کے بعد خاندان کے لوگوں، فوج کے جرنیلوں اور امراء سلطنت سے مہدی کی بیعت لی۔ اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ نے مقام ابراہیم (خانہ کعبہ) پر پہلے اہل مکہ پھر حجاج کرام سے مہدی کی بیعت لی۔ اس طرح 6 یا 7 ذوالحجہ 158ھ / 6 یا 7 اکتوبر 775ء میں مہدی کی بیعت کا مرحلہ مکمل ہوا¹⁰⁸۔ اس طرح عباسیوں میں مہدی بن ابو جعفر منصور پہلا خلیفہ تھا جس کی بیعت خانہ کعبہ میں ہوئی¹⁰⁹۔ جبکہ عیسیٰ بن موسیٰ اس لحاظ سے بڑا بد قسمت ثابت ہوا کیونکہ پہلے اس کے چچا ابو جعفر منصور نے اسے ولی عہدی سے مؤخر کیا اس کے بعد اس کے چچا زاد بھائی مہدی بن ابو جعفر نے اسے ولی عہدی سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ اپنے دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد نامزد کیا¹¹⁰۔ ہادی بن مہدی کی بیعت اور جانشینی کے سلسلے میں ایک نئی صورتحال سامنے آئی، دراصل مہدی نے اپنی زندگی میں ہی اپنے دونوں بیٹوں کی بیعت لے لی تھی اور مہدی نے خلافت میں ہادی کو ہارون پر فوقیت دی تھی لیکن جلد ہی مہدی اور اس کی بیوی خیزراں نے اپنے اس عمل کو غلطی پر محمول کیا اور اب مہدی اس چیز کی منصوبہ بندی کرنے لگا کہ کس طرح ہارون کو مہدی پر مقدم کرے؟ لیکن مہدی کی زندگی نے وفا نہ کی اور مہدی اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ مہدی کی وفات کے وقت ہادی طبرستان اور جرجان کے محاذ پر جنگ میں مصروف تھا اس لیے باپ کی وفات کے بعد ہارون نے بڑے خلوص کے ساتھ رعایا سے ہادی کی بیعت لی اور جب ہادی واپس آیا تو اسے تخت خلافت پر بٹھایا۔ ہادی نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے دادا (ابو جعفر منصور) کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے بھائی ہارون کو ولی عہدی سے معزول کر کے اس کی جگہ اپنے کمسن بیٹے جعفر بن ہادی کو اپنا ولی عہد نامزد کرنا چاہا، جب کہ خوشامدی قسم کے امراء سلطنت اور وزراء بھی اس کے ہم نوا تھے اس مقصد کی تکمیل کے لیے ہادی نے بڑے جتن کیے لیکن ہارون کا اتالیق یحییٰ بن خالد برمکی اور خلیفہ کی ماں ملکہ خیزراں اس کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھیں¹¹¹۔ اس طرح ہادی اپنی اس خواہش کی تکمیل کے بغیر ہی اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ہارون بن مہدی کی بیعت میں وہی طریقہ اختیار کیا گیا جو اس کے پیشروؤں کے دور میں معمول تھا ہارون نے اپنی جانشینی کے انتخاب میں ایک نئی اختراع پیدا کی اور اس نے یکے بعد دیگرے اپنے تین بیٹوں کو ولی عہد مقرر کر کے اپنی زندگی ہی میں ان کی بیعت لے لی۔ وصیت کے مطابق پہلے امین، پھر مامون اور اس کے بعد قاسم کو ولی عہد نامزد کیا گیا۔ البتہ قاسم کی ولی عہدی کے بارے میں مامون کو یہ اختیار

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

دیا گیا کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو قاسم کو ولی عہدی پر مقرر رکھیں ورنہ اسے برطرف کر دیں¹¹²۔

ہارون الرشید کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق اس کے چھوٹے بیٹے صالح بن ہارون نے فوج اور جو لوگ اس وقت طوس میں موجود تھے ان سے امین کی بیعت لی¹¹³۔ بیعت کا مرحلہ مکمل ہونے کے بعد صالح نے رجاہ (خادم ہارون الرشید) کے ہاتھ

نشانات خلافت طوس سے بغداد روانہ کیے۔ رجاہ کے بغداد پہنچنے پر امین کی بیعت 14 جمادی الثانی 193ھ / 14 اپریل 809ء میں ہوئی¹¹⁴۔ سب سے پہلے خاندان بنو ہاشم نے پھر فوج کے جرنیلوں نے، اس کے بعد دوسرے عہدیداروں نے اور سب سے آخر میں رعایا

نے بیعت کی۔ مامون نے بھی خراسان سے اپنے بھائی امین بن ہارون کو خلافت کی مبارک باد کا پیغام اور بہت سے تحفے ارسال کیے¹¹⁵۔ امین الرشید نے بیعت خلافت کے بعد مامون کو ولی عہدی سے معزول کر دیا، جس سے فریقین میں جھڑپوں کا سلسلہ شروع ہو

گیا۔ اس محاذ آرائی نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ 25 محرم 198ھ / 25 ستمبر 813ء کو امین الرشید کو شام فرار ہوتے ہوئے ایرانی سپاہیوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا¹¹⁶۔

امین کے قتل کے وقت اس کی خلافت صرف بغداد تک ہی محدود تھی اس کے برعکس مصر، شام، ایران و خراسان اور حجاز کے علاقوں میں پہلے ہی مامون کی عملداری تھی اور وہاں کے لوگ مامون کو ہی اپنا خلیفہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ مامون کو دار الخلافہ بغداد میں اپنی بیعت کے سلسلے

میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیش نہ آئی۔ اس کے بعد بغداد میں مامون کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور امین کی برائیاں بیان کی گئیں¹¹⁷۔ بغداد میں انتشار کی وجہ سے فتنہ و فساد برپا تھا کہ خارجیوں نے بغاوت کر دی، انہی حالات کو دیکھتے ہوئے 200ھ / 815ء میں مکہ میں امام محمد بن

جعفر علوی نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا¹¹⁸۔ اہل مکہ نے انہیں امیر المومنین کا لقب دے کر ان کی بیعت کر لی۔ مامون نے اس بغاوت کو فرد کرنے کے لیے ایک فوج روانہ کی، جس نے امام محمد بن جعفر علوی پر فتح حاصل کی اور امام موصوف کو گرفتار کر کے مامون کے سامنے پیش کیا،

امام موصوف نے اپنی اغزشوں پر ندامت کا اظہار کیا، اس پر مامون نے امام موصوف کا مواخذہ نہ کیا¹¹⁹۔

200ھ / 815ء میں مامون نے علویوں اور خراسانیوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے خلافت کو عباسیوں سے علویوں میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا¹²⁰۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے خلیفہ مامون نے شیعوں کے آٹھویں امام علی بن موسیٰ الکاظم کو مدینہ سے بلوایا اور

2 رمضان 201ھ / 25 مارچ 817ء کو امام موصوف کو ”الرضا من آل محمد“ کا خطاب دیکر انہیں اپنا ولی عہد مقرر کیا¹²¹۔ مگر مامون کے اس فیصلے نے خود اس کے خاندان اور اہل بغداد کو اس کا مخالف بنا دیا اور انہوں نے انتقاماً مامون کے چچا امیر ہیم بن مہدی کو مبارک کا لقب دیکر

5 محرم 202ھ / 24 جولائی 817ء میں اس کی بیعت کر لی اور مامون کو خلافت سے معزول کر دیا¹²²۔

بہت ممکن تھا کہ مامون کی خلافت میں امام موصوف کی بطور ولی عہدی نامزدگی سے ملک خانہ جنگی کا شکار ہو جاتا مگر تقدیر اس دوران مامون پر بڑی مہربان ہوئی کیونکہ بغداد آمد کے دوران مقام طوس پر اچانک امام علی رضا کا انتقال ہو گیا، جس سے مامون مخالف

جذبات ٹھنڈے پڑ گئے۔ بعد ازاں صفر 202ھ / اگست 817ء میں خلیفہ مامون بغیر کسی مزاحمت کے بغداد میں داخل ہو گیا پہلے لوگوں نے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

خلیفہ کی بیعت کی پھر اس نے لوگوں سے عباس بن مامون کی ولی عہدی کی بیعت لی¹²³۔ چونکہ امام علی رضا وفات پا چکے تھے اس لیے اب نئے ولی عہد کی بیعت ضروری تھی۔

محمد بن ہارون الملقب معتصم باللہ کی بیعت 13، رجب 218ھ / 4 اگست 833ء کو ہوئی۔ معتصم باللہ کی بیعت کے وقت فوج نے پس و پیش سے کام لیا چونکہ فوج میں معتصم باللہ کی نسبت عباس بن مامون زیادہ مقبول تھا اس لیے فوج کی خواہش تھی کہ مامون کے بعد عباس کو خلیفہ بنایا جائے لیکن جب عباس نے معتصم کی بیعت کر لی تو فوج نے بھی معتصم کو خلیفہ تسلیم کر لیا¹²⁴۔ عباس بن مامون کو خلافت نہ ملنے میں دراصل ترکوں کا عمل دخل کا فرما تھا کیونکہ ترک سرداروں کی خواہشات کے برعکس کوئی بھی تخت خلافت پر متمکن نہ ہو سکتا تھا¹²⁵۔

ہارون بن معتصم (واثق باللہ) نے ولی عہدی کے نظام کا خاتمہ کر دیا یہاں تک کہ خلیفہ نے اپنے بیٹے محمد بن ہارون کو بھی ولی عہد نہ بنایا، بلکہ مرض الموت میں جب لوگوں نے خلیفہ سے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کی درخواست کی تو اس نے کہا کہ:

”خلافت کے بارگراں کو میں نے اپنی زندگی میں سنبھالا اب میں اس کی ذمہ

داریاں مرنے کے بعد اپنے سر نہیں لینا چاہتا“¹²⁶۔

ولی عہد مقرر نہ کر کے واثق نے حضرت عمر فاروقؓ اور معاویہ ثانی کی تقلید کی¹²⁷۔

جعفر بن معتصم (متوکل علی اللہ) کی بیعت 24، ذوالحجہ 232ھ / 10 اگست 847ء کو ہوئی۔ متوکل نے ہارون الرشید کی تقلید

کرتے ہوئے اپنے تین بیٹوں مستنصر باللہ، معتز باللہ اور موسیٰ باللہ کو یکے بعد دیگرے اپنا ولی عہد نامزد کیا¹²⁸۔

﴿حواشی﴾

- 1- القرآن، 54:7۔
- 2- محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، 2006ء، جلد 3، ص 572۔
- 3- القرآن، 40:12۔
- 4- القرآن، 31:10 تا 32۔
- 5- القرآن، 26:3۔
- 6- صدیقی، امیر حسین، خلافت و سلطنت، مترجم۔ سبطین احمد و معراج محمد باریق، جمعیتہ الفلاح، کراچی، 1962ء، ص 11۔
- 7- ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ احمد معافری الاندلسی، العواصم من القواصم، مترجم۔ محمد سلیمان گیلانی، ادارہ احیاء السنہ، گوجرانوالہ، 1983ء، ص 23۔
- 8- ابن خلدون، ابوزید عبد الرحمن بن محمد بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، المكتبة التجارية، مکة المکرمہ، 1997ء، جلد 1، ص 202۔
- 9- القرآن، 4:95۔
- 10- القرآن، 13:45۔
- 11- القرآن، 30:2۔
- 12- محمد شفیع، معارف القرآن، جلد 1، ص 187۔
- 13- شاہ ولی اللہ، ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، مترجم۔ محمد عبدالشکور، قادیان کتب خانہ، کراچی، سن ندارد، جلد 1، ص 16۔
- 14- مودودی، ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ، لاہور، 1982ء، ص 184۔
- 15- جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، مترجم۔ حلیم انصاری رودولوی، نئی بک پوائنٹ، کراچی، 2004ء، ص 127۔
- 16- حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی، بکس، اردو بازار، لاہور، 2005ء، ص 14۔
- 17- آزاد، عبدالکلام، مسئلہ خلافت، مکتبہ جمال، اردو بازار، لاہور، 2004ء، ص 20۔
- 18- رحمانی بیگم، ڈاکٹر، دعوت عباسیہ، کریم سنز پبلیکیشنز، کراچی، 1967ء، ص 41۔
- 19- ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، ص 202۔
- 20- القرآن، 55:24۔
- 21- آزاد، مسئلہ خلافت، ص 22۔

- 22- القرآن، 41:22۔
- 23- حمید اللہ، رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی، ص 110۔
- 24- رحمانی بیگم، دعوت عباسیہ، ص 42۔
- 25- ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، ص 202۔
- 26- الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی، الاحکام السلطانیہ، مترجم۔ سید محمد امین، دارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور، 1988ء، ص 30۔
- 27- القرآن، 38:42۔
- 28- صدیقی، خلافت و سلطنت، ص 17۔
- 29- ابن سعد، ابوعبد اللہ محمد بن منیع البصری، الطبقات الکبریٰ، دارصادر، بیروت، لبنان، 1985ء، جلد 3، ص 184۔
- 30- السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، سنہ 79۔
- 31- Ameer Ali, A Short History of the Saracens, Islamic Book Service, Lahore, 1926, P-27.
- 32- ابن الاثیر، ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد ابی عبد اللہ کریم بن عبد الواحد الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دارالکتب العربی، بیروت، لبنان، 2004ء، جلد 2، ص 266۔
- 33- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 79۔
- 34- بیماری کی حالت میں معالج نے حضرت عمر فاروقؓ کے لیے شہد تجویز کیا جو آپؓ کے گھر میں موجود نہ تھا۔ لہذا آپؓ نے لوگوں کی اجازت سے بیت المال سے شہد حاصل کیا۔
تفصیل کیلئے دیکھئے:
- ہیکل محمد حسین، عمر فاروقؓ، مترجم۔ محمد مسعود عبدہ، الفیصل ناشران و ناشران کتب، اردو بازار، لاہور، سنہ 752۔
- جعفری، سید رئیس احمد، امامت و سیاست، شیخ غلام علی اینڈ سنز، اردو بازار، لاہور، 1961ء، ص 68۔
- 35- Karen Armshrong, Islam: A Short History, Nigarshat Publishers, Lahore, 2005, P-60
- 36- الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص 316۔
- 37- ہیکل، عمر فاروقؓ، ص 77۔

38- Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 62

39- بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر الشیر، فتوح البلدان، لشركة المصرية الوطنية، مصر، 1318ھ، ص 457۔

40- ابو یوسف، قاضی، یعقوب بن ابرہیم، کتاب الخراج، مترجم، محمد نجات اللہ صدیقی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، 1966ء،

ص 163۔

41- جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ص 10۔

42-Ameer Ali, A short History of the Saracens, P-62

43- ندوی، معین الدین احمد، سیر الصحابہ (عہد خلفائے راشدین)، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، 2004ء،

جلد 1، ص 141۔

44-Ameer Ali, A short History of the Saracens, P-44

مودودی، ابوالاعلیٰ، خلافت و طوکیست، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، 1986ء، ص 161۔

جرجی زیدان، تاریخ تمدن الاسلامی، ص 93۔

45- ایضاً

46- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 129۔

47- صدیقی، خلافت و سلطنت، ص 13۔

48- جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ص 93۔

49- ایضاً، ص 94۔

50- ابن الاثیر، الكامل فی التاريخ، جلد 2، ص 192۔

51- جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ص 88۔

52- ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین دمشقی، البدایہ والنہایہ، دارالفکر، بیروت، لبنان، 1978ء، جلد 3،

ص 409۔

بلاذری، فتوح البلدان، ص 114-115۔

53- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 128۔

54- ایضاً۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

55- Hitti, Philip K, History of the Arabs, Macmillan and Company Limited,

London, U.K. 1961, P-176,

56- ططاوی، عمر بن خطاب، مترجم۔ عبدالصمد صارم، البیان چوک انارکلی، لاہور، 1971ء، ص 193-194۔

57- ایضاً، ص 190۔

58- Ameer Ali, A Short History of the Saracens, p- 60

59- Ibid, p-59

60- ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، ص 202۔

61- ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، دار السلام للنشر والتوزیع، الرياض، 1999ء، ص 173۔

62- ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد 3، ص 179۔

63- ابن الاثیر، ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد ابی عبد الکرم بن عبد الواحد الشیبانی، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ،

مکتبہ اسلامیہ، تہران، ایران، 1966ء، جلد 4، ص 199

64- حسن ابراہیم حسن و پروفیسر علی ابراہیم حسن، النظم الاسلامیہ، مترجم۔ علیم اللہ صدیقی، ندوۃ المصنفین، دہلی، انڈیا، 1947ء، ص 35-36۔

65- الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص 4۔

66- ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، ص 145۔

67- القرآن، 4: 59۔

68- الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص 04۔

69- محمد شفیع، معارف القرآن، جلد 2، ص 450۔

70- Morgan, Kenneth W. Islam: The Straight Path, Ronald Press Company,

New York, 1958, P-295.

71- حسن ابراہیم حسن، تاریخ اسلام، سیاسی، مترجم علیم اللہ صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1959ء، جلد 2، ص 3۔

72- عبد اللہ بن سبا، یمن کا یہودی اور اس کا لقب ابن سودا تھا۔ ایرانی نظریات کے پیش نظر اس نے اسلام کے تصور خلافت میں امامت

کی نئی اصطلاح اختراع کی اور امامت کے لئے صرف حضرت علیؑ اور اولاد علیؑ کو ہی اس کا حقدار ٹھہرایا، اس کے نزدیک نبی کی طرح

امام بھی مامور من اللہ اور معصوم ہوتا ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیے:

- قدیر الدین، قاضی، اسلام میں فرقہ بندی کی ابتداء، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، 1995ء، ص 17 تا 19۔
- 73۔ احمد امین مصری، فجر اسلام، مترجم۔ عمر احمد عثمانی، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، 2003ء، ص 337-338۔
74. D.O' Lary, Philosophy of Islam, Nafees Academy, Karachi, N.D, P- 83.
75. Morgan, Islam. The Straight Path, P-318.
- 76۔ ابن خلکان، احمد بن محمد بن ابوبکر، وفیات الاعیان، دارالصادر، بیروت، لبنان، سن ہزارہ، جلد 3، ص 267۔
- 77۔ Morgan, Islam: The Straight Path, P-297
- 78۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 924۔
- 78-A۔ الدینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤد، الاخبار الطوال، مترجم۔ مرزا محمد منور، اردو سائنس بورڈ، پرمال، لاہور، 1986ء، ص 145۔
79. D.O' Lary, Philosophy of Islam, P-88-89.
- 80۔ حسن امراہیم حسن، تاریخ اسلام سیاسی، جلد 2، ص 4۔
- 81۔ ایضاً، ص 36۔
- 82۔ قدیر الدین، اسلام میں فرقہ بندی کی ابتداء، ص 21۔
- 83-A۔ Karen Armstrong, Islam: A Short History, P-83.
- 83-B۔ لیونا رڈ ہائینڈر، مسلمانوں کے سیاسی نظریے، مترجم۔ عابد علی عابد، بزم اقبال، نرسنگھ داس گارڈن، لاہور، 1958ء، ص 137۔
84. Morgan, Islam: The Straight Path, P-318.
- 85۔ نعمانی، محمد منظور، ایرانی انقلاب، حاجی عارفین اکیڈمی، کراچی، 1985ء، ص 28۔
- 86۔ حسن امراہیم حسن، تاریخ اسلام سیاسی، جلد 2، ص 36-37۔
- 87۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، ص 209۔
- 88۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن اسلامی، ص 133۔
- 89۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 2، ص 157۔
90. Palmer, Haroon-el-Rashid, London, 1881, P.37-38.
- 91۔ ابوالعباس السفاح کی وفات کے وقت عبداللہ بن علی (جو کہ ابوالعباس اور ابو جعفر منصور کا چچا تھا) شام میں تھا اس نے شاہی فوج اور رعایا سے اپنی بیعت لے کر اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ ابو جعفر منصور نے اس پر فوج کشی کی، شکست کے بعد عبداللہ بن علی کو قید

کر دیا گیا اور دوران قید ہی اسے (عبداللہ بن علی) سازش کے تحت مروا دیا گیا۔
 تفصیل کے لیے دیکھیے:

- ابن طقطقی، محمد بن علی بن طباطبا، الفخری فی الادب السلطانیہ والدول اسلامیہ،
 مترجم۔ محمود علی خان، ندوة المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی، انڈیا، 1969ء، ص 252۔
- 92۔ شاہ ولی اللہ، اذالۃ الخلفاء عن خلافتہ الخلفاء، جلد 1، ص 23۔
- 93۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، ص 157۔
94. Ameer Ali, A Short History of the saracens, P-403.
- 95۔ حسن ابراہیم حسن، انظم اسلامیہ، ص 28-29۔
- 96۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 26۔
- 97۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ اسلام، جلد 2، ص 29۔
- 98۔ ہیکل، محمد حسین، حیات محمد ﷺ، مترجم۔ ابو یحیی امام خان، علم و عرفان
 پبلیشرز، مال روڈ، لاہور، 2004ء، ص 261۔
- 99۔ القرآن، 18:48۔
100. Ameer Ali, A Short History of the saracens, P-404.
101. Ibid.
102. Ibid, P-405.
- 103۔ ابن طقطقی، الفخری فی الادب السلطانیہ، ص 259۔
- 104۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 151۔
- 105۔ ابن طقطقی، الفخری فی الادب السلطانیہ، ص 259، 260۔
- 106۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب ابن واضح، تاریخ یعقوبی، مترجم۔ اختر فتح پوری، نفیس اکیڈمی، اردو بازار،
 کراچی، 1989ء، جلد 2، ص 605۔
- 107۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم و الملوک، مطبعة الاستقامة، القاہرہ، 1939ء،
 جلد 6، ص 293۔
- 108۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، ص 128۔

- 109 - ابن الاثیر، الكامل فی التاریخ، جلد 5، ص 194۔
- 110 - یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، جلد 2، ص 628۔
- 111 - حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 99-100۔
- 112 - المسعودی، ابوالحسن علی بن الحسین بن علی، تنبیه والاشراف، مترجم، عبداللہ العماوی، دارالطبع جامع عثمانیہ ہرکار عالی، حیدرآباد دکن، انڈیا، 1926، ص 233۔
- 113 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 290۔
- 114 - ابن کثیر، البدایہ النہایہ، جلد 5، ص 222-223۔
- 115 - طبری، تاریخ الامم، جلد 6، ص 551۔
- 116 - ابن خلدون، ابو زید عبدالرحمن بن محمد بن محمد، کتاب العبرودیوان المبتداء والخبر، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، 2003ء، جلد 1، ص 1170-1171۔
- 117 - ایضاً، ص 1171۔
- 118 - شبلی نعمانی، المامون، اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور، بن فدارد، ص 174۔
- 119 - حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 385-386۔
- ندوی، معین الدین احمد، تاریخ السلام، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، 1986ء، جلد 3، ص 132-133۔
120. Karen Armstrong, Islam: A Short History, P-89.
121. Watt, W. Montgomery, The Majesty that was Islam, SidGWick and Jackson, London, 1984, P-118.
- 122 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 141۔
- 123 - حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 385۔
124. Ameer Ali, A Short History of The Saracens, P-281-282.
125. Karen Armstrong, Islam: A Short History, P-90.
- 126 - حسن امیرایم حسن، العظم اسلامیه، ص 73۔
- 127 - ایضاً۔
- 128 - یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، جلد 2، ص 760۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

باب سوم

خلفائے بنو عباسؓ کے مرکزی اداروں کی ہیئت و ساخت میں

قدیم اسلامی روایات اور جدید ماحولیاتی اثرات کا جائزہ

فصل اول: شاہی دربار اور محلاتی نظام

خلیفہ: دینی اور دینیوی سربراہ کی حیثیت سے انتخاب، منصبی حقوق و فرائض اور امتیازات کے سلسلے میں روار کھے

جانے والے اقدامات کا جائزہ

فصل دوم: خلافتی استحقاق کی علامات و نشانات، ردائے رسول ﷺ، عصائے رسول ﷺ، مصحف عثمانی، خطبہ و

سکہ اور سند حکومت

فصل سوم: دربار اور محلاتی ادارے

(عباسی دربار مذہبی سیادت، دینیوی شان و شوکت اور جاہ و حشمت کا مرکز)

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

بغداد کی تاریخ اور خلافت عباسیہ کے قیام و سقوط کی تاریخ پہلو پہلو چلتی ہے بلا واسطہ میں جو خاندان یکے بعد دیگرے تخت و

تاج کے وارث ہوئے ان میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا دار الخلافہ بنایا۔

حضور اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد یثرب کو اپنا مدینہ (شہر یا دار الخلافہ) بنایا، رفتہ رفتہ وہ اسلامی سلطنت کا دار الحکومت بن کر مدینۃ الرسول ﷺ کے نام سے مشہور ہو گیا اور یہ شہر ایک زمانہ تک مسلمانوں کا دار الخلافہ رہا۔ خلفائے راشدین میں سے جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا کیونکہ کوفہ کے لوگ بنو ہاشم اور اہل بیت سے محبت کے دعویدار تھے۔ شاید اسی بھروسہ پر انہوں نے دار الحکومت میں تبدیلی کی جو ان کے حق میں مضرت ثابت ہوئی¹ کیونکہ ایک تو کوفیوں میں وفا کا فقدان تھا دوسرا یہ لوگ پرلے درجے کے ناقابل اعتماد و اعتبار، سرکش و نافرمان اور مفسد تھے اور ان کی اکثریت شرارت پسند اور فتنہ انگیز تھی جو ہر حکومت کے خلاف شب و روز سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ اس تبدیلی کا تیسرا اثر یہ ہوا کہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں جو قبائل عرب میں توازن برقرار تھا وہ درہم برہم ہو گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں حضرت علیؓ پر کوفیوں کی حقیقت کھل کر سامنے آ گئی²، لیکن دار الحکومت کی اس تبدیلی سے جو نقصان ہو چکا تھا اب اس کی تلافی ممکن نہ تھی کیونکہ اس کے بعد خانہ جنگیوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا اور ہاشمی و اموی عداوت کھل کر سامنے آ گئی۔ تاہم حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد وقتی طور پر اس آتش عداوت میں کچھ کمی واقع ہوئی لیکن عداوت کا یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم نہ ہوا۔

حضرت علیؓ کے بعد اسلامی دار الحکومت کوفہ کی بجائے دمشق قرار پایا جو مکہ و مدینہ کے بعد دار الخلافہ کے لیے بڑی موزوں جگہ تھی کیونکہ اس میں شہد اور دودھ موجیں مارتے تھے۔ اس کے برعکس ان شہروں کی مرکزی حیثیت دمشق کے سیاسی حالات کے لیے ذرہ برابر بھی ضرر ساں نہ تھی کیونکہ اموی حکمرانوں کو صحرائے عرب کی پشت پناہی حاصل تھی جہاں سے اموی حکمرانوں کو ہر وقت مدد و نصرت حاصل ہو سکتی تھی یہی وجہ تھی کہ امویوں نے اس مضبوط دار الخلافہ کی بدولت مسلمانوں پر ایک سو برس تک حکومت کی³۔

عہد خلفائے راشدین کے بعد حضرت امیر معاویہؓ پہلے حکمران تھے جنہوں نے دمشق میں اپنے لیے قصر خضراء کا عظیم الشان محل تعمیر کروایا۔ رومیوں کی تقلید کرتے ہوئے انہوں نے اس میں تخت خلافت نصب کروایا، دروازوں پر دربان مقرر کیے، مسجدوں میں اپنے لیے مقصورے بنوائے⁴۔

عبدالملک بن مروان نے 72ھ/691ء میں بیت المقدس میں ”قبة الصخرة“ کے نام سے ایک عالیشان عمارت بنوائی جس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ خانہ کعبہ کے ساتھ ساتھ بیت المقدس کی زیارت کو بھی آیا کریں جو مسلمانوں کا قبلہ اول تھا۔ لیکن فلپ کے۔ ہٹی۔ جیسے لوگوں کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ عبدالملک بن مروان اس قبة الصخرة کی تعمیر سے لوگوں کی توجہ خانہ کعبہ سے ہٹانا چاہتا تھا جو ان دنوں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے قبضے میں تھا⁵۔ عبدالملک بن مروان ہی نے بیت المقدس کے جنوبی حصے میں مسجد الاقصیٰ کے نام سے ایک مسجد تعمیر کروائی جسے حرمین (بیت اللہ اور مسجد نبوی ﷺ) کے بعد بڑی مقدس جگہ تصور کیا جاتا ہے⁶۔ یہ وہی مسجد ہے جہاں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے (حضور اکرم ﷺ) کو معراج پر بلوایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سبحن الذی اسرای بعبیدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ 7۔

”وہ (اللہ ہر عیب سے) پاک ہے جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو شب میں مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ لے گیا۔“

اموی خلفاء میں ولید بن عبد الملک عمارتیں بنانے میں بڑی دلچسپی لیتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے عہد میں جب لوگ جمع ہوئے تو ان کی گفتگو کا دلچسپ موضوع خلیفہ کی بنائی ہوئی دلکش اور خوشنما عمارتیں ہی ہوتی تھیں⁸۔ ولید بن عبد الملک نے ”قصر عامرة“ تعمیر کروایا جو عالیشان ہونے کے ساتھ ساتھ عجیب و غریب نقش و نگار سے مزین دیواروں کا حامل تھا۔ ولید بن عبد الملک نے حرم شریف کو وسیع اور مزین کیا، مسجد نبوی کی از سر نو تعمیر کی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے شام میں بہت سی مساجد اور مدارس بھی تعمیر کیے⁹۔ اس کے بعد سلیمان بن عبد الملک نے فلسطین میں قدیم ترین شہر رمہ کے کھنڈرات پر نیا شہر اسی نام سے آباد کیا اور یہیں سکونت اختیار کی۔ اموی خلفاء میں یہ پہلا خلیفہ تھا جس نے دمشق کو چھوڑ کر رمہ میں رہنا پسند کیا¹⁰۔

ہشام بن عبد الملک نے رومیوں کی قدیم بستی ”رقہ“ کے قریب ایک نیا شہر رصافہ کے نام سے تعمیر کیا اور ہشام اس میں رہنا زیادہ پسند کرتا تھا¹¹۔ صحرا کے جنوب مغربی کنارے پر یزید بن عبد الملک نے ”مؤقر“ کے نام سے ایک محل تعمیر کروایا، فی زمانہ اس کے تھوڑے سے کھنڈرات بطور نشانات اب بھی موجود ہیں، اس طرح ولید ثانی (بن یزید بن عبد الملک) نے شرق اردن میں قدیم رومی چوکیوں ”قسطل اور ازرق“ کی از سر نو ترمیم و آرائش کر کے اس میں سکونت اختیار کی۔ ولید ثانی نے ہی اس علاقے میں ”شعنا“ نامی قصر کی بنیاد رکھی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ولید بن یزید اس محل کے مکمل ہونے سے قبل ہی قتل ہو گیا تھا¹²۔ تاہم اکثر مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ اکثر اموی خلفاء صحرائے شام کے ان محلات میں رہنا پسند کرتے تھے جو کسی زمانے میں رومیوں کے سرحدی قلعے تھے اور ان خلفاء نے نئے محلات تعمیر کروانے کی بجائے انہی قلعوں کو مرمت کروا کے قابل رہائش بنوایا تھا۔ دور حاضر میں ان محلات کے صرف نشانات ہی ملتے ہیں۔

امویوں کے زوال کے بعد جب عباسی تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے دمشق کو بطور دار الخلافہ اپنے لیے موزوں خیال نہ کیا کیونکہ ان کے نزدیک اسے دار الحکومت بنانے میں درج ذیل قباحتیں تھیں۔

_____ دمشق میں امویوں کے مددگاروں کی کثرت تھی۔

_____ دمشق بلا د فارس سے دور تھا جہاں کے لوگوں کی عباسیوں کو پشت پناہی حاصل تھی کیونکہ یہی عجمی ان کی طاقت کا سرچشمہ تھے۔

_____ دمشق چونکہ بازنطینی حدود کے قریب تھا اس لیے ان کی فوجوں کی غارتگری سے عباسیوں کو ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا، اسی چیز کو دیکھتے

ہوئے عباسیوں نے بلا د فارس کے قریب کسی ایسے شہر کو اپنا دار الخلافہ بنانے کا فیصلہ کیا جہاں ان کے بھی خواہوں کی کثرت ہو۔

_____ دمشق سطح مرتفع پر واقع تھا اور اس کا رخ بحیرہ روم کے مغربی جانب تھا جب کہ عباسی خلفاء کی خواہش تھی کہ ان کا دار الخلافہ

شرق کے رخ فارس کے نزدیک ہو، تا کہ بحری تجارت سے بھرپور استفادہ ہو سکے اور لوگوں کے لیے بحری آمد و رفت نفع

بخش رہے۔ اس لحاظ سے دریاے فرات اور دریائے دجلہ سے بہتر اور کوئی مقام نہ تھا¹³۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

دراصل عربوں نے عراق کی فتح کے بعد کوفہ و بصرہ کی بنیاد ڈالی اور ان دونوں شہروں کو فوجی چھاؤنیوں کی حیثیت سے آباد کیا۔ بصرہ دریاے دجلہ کے دہانے پر اور کوفہ دریاے فرات پر ایسی جگہ واقع تھا جہاں پر حجاز سے فارس کے لیے ایک تجارتی راستہ عراق کے زرخیز میدانوں میں آتا تھا۔

عباسی خلافت کے آغاز پر ابو العباس السفاح نے پرانے ایرانی شہر انبار کے مقام پر اپنے جد اعلیٰ ہاشم بن عبد مناف کے نام سے ”قصر ہاشمیہ“¹⁴ تعمیر کروایا، یہ دریاے فرات کے مشرقی کنارے اور نہر عیسیٰ کے متصل تھا۔ السفاح اپنے انتقال تک اس قصر میں رہائش پذیر رہا، تاہم ابو جعفر منصور نے اپنے بھائی کے انتقال کے بعد اس قصر کے مد مقابل اسی نام سے ایک اور قصر تعمیر کروایا جسے لوگ ”قصر ہاشمیہ ثانی“ کے نام سے تعبیر کرتے تھے۔ بعض مؤرخین کے نزدیک ہاشمیہ ثانی ایک قصبہ تھا جو پرانے ایرانی شہر ”حیرہ“ اور ”کوفہ“ کے درمیان واقع تھا اور اس کا رخ دریاے فرات کے مغربی جانب تھا¹⁵۔ ابو جعفر منصور کے نزدیک ہاشمیہ دار الخلافہ کے لیے موزوں نہ تھا کیونکہ!

_____ ہاشمیہ کوفہ کے بہت نزدیک تھا جہاں ایرانی نثرادشیعہ اور عربی سنیوں کے درمیان اکثر لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔

_____ شجر امیہ اگرچہ جڑ سے اکھڑ چکا تھا تاہم کوفہ میں علوی اور فاطمی دعویٰ اور خلافت موجود تھے اور یہاں ان کی بغاوتوں

سے ہر وقت ہنگامے برپا رہتے تھے۔

_____ یہاں پر شیعہ کا ایک ایسا فرقہ موجود تھا جو خلیفہ کی محبت میں شرک سے بھی دریغ نہیں کرتا تھا اور ان کے نزدیک

خلیفہ کی حیثیت خدا کی سی تھی یہ لوگ اسے معبود سمجھ کر اس کے قصر کا طواف کرتے۔ خلیفہ کو جب ان لوگوں کی ایسی

ناشائستہ حرکات کا علم ہوا تو اس نے انہیں اس سے باز رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی مگر وہ ان شرکانہ امور سے باز

نہ آئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے معبود کا قرب حاصل کرنے کے لیے قصر ہاشمیہ پر دھاوا بول دیا جس سے ان

کے خدا (معبود) کو اپنے ہی بندگی کرنے والوں سے جان بچانا مشکل ہو گئی۔ اس کے بعد خلیفہ نے ایسے خوفناک

لوگوں کی ہمسائیگی سے دور رہنے کا اصولی فیصلہ کیا¹⁶۔

_____ پھر ابو جعفر منصور کو کوفیوں سے انتہائی نفرت تھی کیونکہ انہی لوگوں نے حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے بے وفائی کی،

اس لیے خلیفہ نے ایسے ناقابل اعتبار لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کی۔

مندرجہ بالا حالات کی پیش نظر خلیفہ کسی ایسے مقام کو اپنا دار الخلافہ بنانا چاہتا تھا جس کی سر زمین زرخیز ہو اور اسے دریاے فرات اور

دریاے دجلہ سیراب کرتے ہوں اب خلیفہ نے دار الخلافہ کے انتخاب کے لیے دریاے دجلہ کے کنارے موصل تک تمام علاقوں کا دورہ کیا اور

اس نے موصل کے نشیب میں ایک ایسی جگہ تجویز کی جہاں دریاے دجلہ ”جبل حمیرین“ کو چیرتا ہوا گزرتا تھا لیکن جب اسے پتہ چلا کہ یہاں

کے لوگ غلہ کی گرانی کے ہاتھوں بڑے ٹھگ ہیں تو اس نے اس جگہ کو دار الخلافہ بنانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

بغداد کی تعمیر سے قبل ابو جعفر منصور نے یہاں پر ایک رات اور ایک دن قیام کیا، اسے یہاں کی آب و ہوا اور اس کا ماحول بڑا پسند

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

آیا کیونکہ بغداد ابو جعفر منصور کے دار الخلافہ کا انتخاب کی تمام شرائط پر پورا اترتا تھا وہاں قیام کے دوران اسے دستوراً فرقتے کے راہبوں نے اس جگہ کی یہ خوبی بھی بتائی کہ یہاں پر ٹڈی دل اور مچھر نہیں ہیں اور اس جگہ گرمیوں میں راتیں سرد اور سردیوں میں راتیں خوشگوار ہوتی ہیں¹⁷۔ خلیفہ کے نزدیک دار الخلافہ کے لیے درج ذیل باتوں کا ہونا بڑا ضروری تھا۔

_____ یہ شہر بلندی پر واقع ہونا کہ سیلاب سے محفوظ رہ سکے۔

_____ شہر میں دشمن کا داخلہ مشکل تھا کیونکہ بغداد داخلے میں سمندر اور دریا حائل تھے۔

_____ اس کی آب و ہوا خوشگوار اور معتدل ہونا کہ امراض کے پھیلنے کا اندیشہ کم ہو۔

_____ لوگوں کی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لیے یہاں وافر زرخیز زمین ہو۔ یہی وجہ تھی کہ بغداد دریا ئے دجلہ کے

کنارے ہونے کی وجہ سے یہاں کی زراعت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا تھا¹⁸۔

بغداد چونکہ ساسانی عہد کے ترقی یافتہ شہر اصفہان سے بڑی مماثلت رکھتا تھا اس لیے عباسی خلفاء نے اپنی سلطنت کو قبل از اسلام بادشاہی کے نمونے پر استوار کیا¹⁹۔

بعض مؤرخین کے نزدیک بغداد کی تعمیر سے قبل یہاں بابل کی قدیم تہذیب موجود تھی اور جدید تحقیق سے بھی مؤرخین کے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ بغداد میں کھدائی کے دوران ایسی اینٹیں بھی ملی ہیں جن پر بخت نصر کا نام اور لقب درج تھا²⁰۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ساسانیوں کے آخری دور میں موجودہ بغداد کی جگہ مہینے میں ایک تجارتی منڈی لگتی تھی جسے سوق بغداد کہا جاتا تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے 13ھ/635ء میں اس تجارتی منڈی پر حملہ کر کے بابل بغداد کا سارا سامان اپنے قبضہ میں لے لیا²¹۔

بغداد کے معنی و مفہوم:-

بعض مؤرخین کے نزدیک بلغ سے مراد باغ کے ہیں اور داد اس شخص کا نام تھا جس کا یہ باغ تھا²²۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بلغ چین کے بادشاہ کا نام تھا جب چینی باشندے تاجروں کے روپ میں شہریوں کو لوٹنے اور یہ لوٹا ہوا مال و اسباب لیکر بادشاہ کے پاس جاتے تو کہتے ”بغداد“ یعنی یہ بے تہاشا نفع ہمیں صرف بلغ (بادشاہ) کی برکت سے حاصل ہوا ہے²³۔

بغداد کی مساجد کی محرابیں چونکہ ایک طرف کو جھکی ہوئی تھیں اسی نسبت سے اس کا نام ”زوراء“ یعنی ایک طرف کو جھکا ہوا مشہور ہو گیا²⁴۔ جب کہ ابن کثیر کے مطابق دروازوں کے ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے اسے ”بغداد زوراء“ کہا جاتا تھا²⁵۔ بغداد چونکہ دائرے کی شکل میں تھا اس لیے بعض مؤرخین نے اسے ”مدورہ“ کا نام بھی دیا ہے²⁶۔

بعض لوگوں کے مطابق بغداد کا پرانا نام ”مغداد“ یا ”مغدادہ“ تھا کیونکہ مغ کے معنی آتش پرست کے اور داد یا دادہ کے معنی آباد کرنے والے کے ہیں ممکن ہے کہ اسے کسی آتش پرست نے جس کا نام مغ تھا آباد کیا ہو، اسی نسبت سے اس کا نام آباد کرنے والے نام سے مشہور ہو گیا ہو²⁷۔ مؤرخین کے نزدیک باغ کے معنی بت کے تھے اور داد کے معنی عطا کرنے یا بخش دینے کے ہیں یعنی بت کا عطا کیا ہوا

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

شہر کے معنی چونکہ بت پر محمول تھے اس لیے منصور نے اس کا نام ”دارالسلام“ رکھا²⁸۔ ابن کثیر کے مطابق دجلہ کو چونکہ وادی السلام بھی کہا جاتا تھا اس لیے اسی نسبت سے بغداد کا نام دارالسلام ہی استعمال ہوتا تھا لیکن زبان زد خلافت پرانا نام بغداد ہی رہا²⁹۔ ابو جعفر منصور نے شہر کی بنیادیں رکھتے وقت درج ذیل الفاظ کہے:

بسم الله والحمد لله والارض الله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين³⁰

”شروع اللہ کے نام سے اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں زمین خدا کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں

سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور عاقبت پر ہیزگاروں کے لیے ہے۔“

تغیر بغداد کے وقت نجومیوں نے ابو جعفر منصور کو بتایا کہ اس شہر کی یہ خصوصیت ہوگی کہ اس میں کسی بھی خلیفہ کی موت واقع نہ ہوگی چنانچہ بعد میں یہ پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔

_____ ابو جعفر منصور نے حج کے دوران داعی اجل کو لبیک کہا۔

_____ مہدی کا انتقال ماسندان میں الرز کے مقام پر ہوا۔

_____ ہادی کی وفات عیسابا ز میں ہوئی۔

_____ ہارون الرشید نے طوس میں وفات پائی۔

_____ مامون الرشید نے طرس میں انتقال کیا۔

_____ معتصم باللہ، واثق باللہ، متوکل علی اللہ، منتصر باللہ اور کثر عباسی خلفاء نے سامراء میں وفات پائی³¹۔

ابو جعفر منصور نے بغداد کی تاسیس کے موقع پر بہت بڑا جشن منعقد کیا جس میں دولت عباسیہ کے امراء، وزراء، فوجی جرنیل، علماء اور بڑے بڑے لوگ شامل تھے۔ منصور نے بغداد کی تعمیر سے قبل اس کا تفصیلی نقشہ بنوایا اور پھر نقشے کے مطابق خطوط کھینچے گئے، پھر بنیادوں کی کھدائی کا کام شروع کیا گیا۔ یہ 145ھ 762ء کا واقعہ ہے³²۔ منصور نے سب سے پہلے بغداد کی دو شہر پناہ (فصل) بنانے کا حکم دیا، ایک داخلی شہر پناہ جس کا پہلا حصہ پچاس میٹر چوڑا اور بالائی حصہ بیس میٹر چوڑا تھا خارجی شہر پناہ کا بالائی حصہ تیس میٹر چوڑا اور نچلا حصہ پچاس میٹر چوڑا رکھا گیا۔ خارجی شہر کے ارد گرد گہری خندق کھودی گئی جس میں نہروں کا پانی جاری و ساری رہتا تھا۔ خارجی شہر پناہ کی بنیاد چونے اور پختہ اینٹوں سے تعمیر کی گئی تھی اور اس کے اوپر ایک سوتریسٹھ (163) برج تھے اور ہر برج پانچ فٹ اونچا تھا³³۔ خارجی شہر پناہ کے چار پھاٹک تھے ہر پھاٹک کے اندر ایک اور پھاٹک تھا ان پھاٹکوں میں سے ایک کا نام ’باب الکوفہ‘ تھا جو جنوب مشرق میں تھا۔ اس پر خالد بن عبد اللہ قسری کا بنوایا ہوا پھاٹک نصب کروایا گیا³⁴۔

دوسرے کا نام باب البصرہ تھا جو جنوب مشرق میں واقع تھا۔ تیسرا پھاٹک باب الخراسان کے نام سے موسوم تھا جو شمال مشرق میں دریائے دجلہ پر واقع تھا اس پھاٹک تک بڑی بڑی کشتیوں کے ذریعے پہنچا جاسکتا تھا۔ باب الخراسان کو باب الدولہ بھی کہا جاتا تھا کیونکہ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

خراسان ہی سلطنت عباسیہ کا قوت و بازو تھا۔ یہ پھاٹک ”فراعنہ“ کا بنوایا ہوا تھا جسے ابو جعفر منصور نے شام سے منگوا یا تھا۔ چوتھے پھاٹک کا نام ”باب الشام“ تھا یہ شمال مشرق میں تھا اور اس تک انبار کے راستے سے پہنچا جاسکتا تھا³⁵۔ ان پھاٹکوں کے اوپر ایک نشست گاہ بھی تھی جس پر اونچا گنبد تھا اس نشست گاہ میں تفریح کے لیے ابو جعفر منصور جلوہ افروز ہوتا اور خراسان، شام، بصرہ اور کوفہ سے آنے والے قافلوں کا منظر دیکھتا تھا³⁶۔ شہر کے ہر پھاٹک کی حفاظت کے لیے ایک ایک فوجی افرتینات ہوتا تھا جس کے ماتحت ایک ہزار سپاہی ہوتے تھے³⁷۔ شاہی محل اور جامع مسجد درمیان میں تھی اور اس کے ارد گرد کوئی عمارت نہ تھی تا کہ ان دونوں کی مرکزی حیثیت برقرار رہے۔

قصر قبۃ خضراء کی شہرت ایوان دربار کے گنبد کی بلندی کی وجہ سے تھی کیونکہ اس کی بلندی چھتیس میٹر تھی اور اس دور میں عمارات کی یہ بلندی بڑی غیر معمولی تصور ہوتی تھی اور اس گنبد کی چوٹی پر ایک نیزہ دار سوار کا پتلا نصب تھا اور اس نیزے کا رخ ہمیشہ اس طرف رہتا جس طرف سے دشمن کی آمد کا خطرہ ہوتا³⁸۔ اگر خطیب بغدادی کی اس روایت کو درست مان لیا جائے تو اس نیزے کا رخ کسی نہ کسی طرف تو ضرور رہتا ہوگا جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ شہر ہمیشہ ہی کسی نہ کسی دشمن کی زد میں رہتا اور یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ابو جعفر منصور جیسے جہاندیدہ اور دور اندیش آدمی نے اتنی بڑی بات کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا ہو۔ اس لیے ہمارے خیال میں اس روایت کو حقیقت سے زیادہ مبالغہ آمیزی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔

گنبد کے بالکل نیچے ایک تیس مربع فٹ کا کمرہ تھا اس کی چھت کی بلندی بھی دس میٹر تھی اس کمرے کی چھت پر اسی سائز کا دوسرا کمرہ بنا ہوا تھا اس کی چھت سبز گنبد کی تھی پہلے کمرے کے سامنے ایرانی وضع کا ایک دیوان تھا جس پر تقریباً پندرہ میٹر بلند محراب تھی اس دیوان کی چوڑائی دس میٹر تھی³⁹۔

باب الشام کی طرف صرف ایک عمارت محافظہ دستے کے لیے بنوائی گئی۔ اس عمارت کے آس پاس منصور نے اپنی کمر عرا و لا واوران کے خدمتگاروں کے مکانات تعمیر کروائے۔ ان مکانات کے گرد و نواح میں امراء سلطنت کے ممتاز اشخاص کے مکانات، حکومت کے دفاتر اور عام لنگر خانے تعمیر کروائے گئے⁴⁰۔ دفاتر کے آس پاس شہریوں کے مکانات کا سلسلہ تھا جس کے درمیان میں بازار تھے شہر کی چار بڑی سڑکوں کو اس انداز سے بنایا گیا تھا کہ سارے شہر کی تمام چھوٹی چھوٹی شاہرات آکر ان سے منسلک ہوتی تھیں اس طرح اس شہر میں کسی بھی سمت سے داخل ہونے والا شخص آخر کار انہی بڑی سڑکوں پر آکر نکلتا تھا⁴¹۔

شہر بغداد کا قطر باب الخراسان سے باب الکوفہ تک بائیس میٹر تھا⁴² اور باب البصرہ سے باب الشام تک بھی اتنا ہی فاصلہ تھا۔ اس شہر پناہ کے اوپر برجیاں تھیں ہر برجی پانچ میٹر اونچی تھی اور ہر برجی میں کلس لگے ہوئے تھے۔ خارجی اور داخلی شہر پناہوں کے درمیان ساٹھ میٹر کا فاصلہ تھا اس فصیل اور خارجی شہر پناہ کے درمیان فاصلے کو سور الفصیل کہتے تھے اس کے ارد گرد خندق تھی۔ داخلی شہر پناہ کو ”سور المدینہ“ کہا جاتا تھا۔

بغداد واقعی بلد القصور تھا یہ قصر اینٹ گارے کے نہیں بلکہ خاص سنگ مرمر کے بنے ہوئے تھے۔ بغداد کے مکانوں کا طرز تعمیر

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

دُشَق جیسا تھا تاہم یہاں پر مکانات صرف چند منزلہ ہی تھے اور ان کی تزیین و آرائش ایرانی طرز پر کی گئی تھی محل اور حویلیاں سجاوٹ کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھیں دروازوں پر ریشمی اور سونے چاندی کی تاروں سے بنائے ہوئے پردے لٹکائے جاتے تھے۔ کمرے دیوانوں، خوبصورت میزوں، چینی کے گلدستوں اور سونے چاندی کی چیزوں سے ایسے آرامتہ کیے جاتے تھے کہ آرٹ گیلری کا گمان ہوتا تھا۔ شاہی محلات اندر سے ہیرے جواہرات سے مزین ہوتے اور ہر کمرے کا نام اس کی آرائش و زیبائش کے مطابق رکھا جاتا تھا۔ شہر کے درمیان سے گزرتا ہوا دریا اس کی زیب و زینت میں اضافہ کرتا تھا۔ دریا کے دونوں طرف امراء و روساء کے محل، حویلیاں، مکانات اور باغات کا لامتناہی سلسلہ تھا۔ دریا کے کنارے پانی تک سنگ مرمر کے زینے بنے ہوئے تھے۔ دریا میں موجود پرچم لہراتی ہوئی کشتیوں کا لوگوں کو شہر کے ایک حصے سے دوسرے حصے میں لے جانا اس کے حسن کو مزید دوہلا کرتا تھا⁴³۔ گھاٹ پر چھوٹی کشتیوں سے لے کر بڑے بڑے جہازوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا۔ ان تمام جہازوں کے درمیان خلیفہ کا جہاز پولیس کشتیوں سے ہر وقت گھرا رہتا تھا⁴⁴۔ ان دنوں بغداد چار اضلاع پر مشتمل تھا دریا و جلہ کے مشرقی کنارے پر بوق اور کلاؤزہ کے اضلاع تھے جب کہ اس کے غربی کنارے پر ”قطر بل“ اور ”بادریہ“ کے اضلاع واقع تھے۔ ان شہروں کی درج ذیل خصوصیات تھیں۔

_____ یہاں پر کھجوروں کے جھنڈ اور پانی کی بہتا تھی۔

_____ اگر کسی ایک ضلع میں گرانی غلہ کا مسئلہ درپیش ہوتا تو دوسرے اضلاع سے متاثرہ علاقے کو با آسانی غلہ باہم پہنچایا جاسکتا تھا۔

_____ یہاں پر مصر اور شام کے تجارتی کاروانوں کی آمد و رفت بھی جاری و ساری رہتی۔

_____ دریا و جلہ کے ذریعے قسطنطنیہ اور موصل کی اشیاء یہاں با آسانی پہنچ جاتیں۔

_____ یہ علاقہ چینی مصنوعات کی خرید و فروخت کا واحد مرکز تھا⁴⁵۔

بغداد کی مضافاتی آبادیاں:-

تغیر بغداد سے فارغ ہو کر ابو جعفر منصور نے اپنے ارکان سلطنت کو شہر سے باہر جاگیریں عطا کیں، اس کا ایک مقصد بغداد سے آبادی کو کم کرنا اور دوسرا ان ارکان سلطنت کی خدمات جلیلہ کا انہیں صلہ دینا تھا اس طرح یہ جاگیریں جاگیردار یا اس گروہ کے نام سے موسوم ہوتیں جو اس میں آباد تھے ان میں اہم جاگیریں درج ذیل ہیں:

_____ جاگیر عباسؑ بن محمد (بن عبداللہ بن عباسؑ) یہ جاگیر صیراۃ پر واقع تھی۔

_____ جاگیر صحابہؓ اس میں تمام قبائل عرب مثلاً قریش، انصار، اور مضری تمام قومیں آباد تھیں۔ یہ جاگیر بھی صیراۃ پر واقع تھی۔

_____ جاگیر ربیع بن یونس (یہ ابو جعفر منصور کا آزاد کردہ غلام تھا) اس جاگیر میں خراسان کے بزاز (کپڑے بیچنے والے) آباد تھے۔

_____ جاگیر صالح بن منصور۔ یہ جاگیر بھی بغداد سے ملحقہ تھی اور یہ بڑی تیزی سے آبادی سے معمور ہو گئی تھی اور یہ جلد ہی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

تجارتی سرگرمیوں کا مرکز بن گئی یہاں تک کہ جب معتصم باللہ کے دور میں دارالخلافہ بغداد سے سامراء منتقل ہوا تو

پھر بھی اس کی تجارتی اور علمی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہ پڑا⁴⁶۔

اس کے علاوہ عباسی خلفاء نے ترکوں کو بڑے بڑے صوبے بطور جاگیر عطا کیے، یہ ترک سردار ان جاگیروں کے عوض مقررہ رقم بطور ہدیہ خلفاء کو بھیجتے۔ معتصم باللہ نے اپنے ترک سردار شناس کو مصر کا صوبہ بطور جاگیر عطا کیا، معتصم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے واثق باللہ نے بھی ترک سردار ایتاخ کو مصر کا پورا صوبہ جاگیر کے طور پر دیا۔ اس طرح یہ جاگیردار اور گورنر اپنے اپنے صوبے کا لگان پورا کرنے کے لیے عوام پر جائز و ناجائز طریقے سے ٹیکس عائد کرتے⁴⁷، اسی وجہ سے عباسی خلفاء کی اس غیر منصفانہ پالیسی سے عوام غریب سے غریب تر ہوتے چلے گئے۔

145ھ/762ء میں ابو جعفر منصور نے موصل سے نشیب کی طرف ”قصر حرب“ کے نام سے ایک محل تعمیر کروایا اور پھر اس میں سکونت اختیار کی۔ یہ محل آج بھی اسی نام سے معروف ہے اسی محل میں ذبیدہ بنت ابو جعفر منصور کی ولادت ہوئی۔ یہ جگہ آب و ہوا اور محل وقوع کے اعتبار سے نہایت پرکشش اور حسین تھی اس قصر کے آثار آج بھی موجود ہیں⁴⁸۔ ابو جعفر منصور نے 154ھ/770ء میں مہدی کو ”رافقہ“ کی تعمیر کا حکم دیا⁴⁹، حقائق نقطہ نظر سے مہدی نے اس کے گرد ایک فصیل بنوائی اور کوفہ کے گرد خندق کھدوائی⁵⁰۔ رافقہ کی تعمیر کے لیے رعایا پر پانچ درہم اور آسودہ حال لوگوں پر چالیس چالیس درہم ٹیکس عائد کیا گیا⁵¹۔ مہدی نے رافقہ کو بغداد کی طرز پر تعمیر کیا اور اس میں اتنے ہی دروازے، چوک اور سڑکیں تعمیر کی گئیں جتنی بغداد میں تھیں⁵²۔

”قصر رصافہ“ 151ھ/768ء کی تعمیر حضرت قنصم بن عباس بن عبد اللہ بن عباس کے مشورے سے ہوئی⁵³۔ ابتداء میں رصافہ کو ایک فوجی چھاؤنی کی حیثیت سے تعمیر کیا گیا لیکن جلد ہی سول آبادی یہاں منتقل ہونے لگی۔ اسے بغداد شرقیہ بھی کہا جاتا تھا⁵⁴۔ یہ دریائے دجلہ کے ”بحر اوسط“ (وسطی پل) کے دوسری طرف تھا۔ رصافہ کے مشرق میں ”محلہ شامیہ“ تھا جو دریائے دجلہ کے کنارے پر ”محلہ حربیہ“ کے عین بالمقابل شرقی بغداد کے باب الخراسان تک پھیلا ہوا تھا جب کہ وسطی پل کے جنوب میں ”محلہ مخرم“ تھا۔

ابو جعفر منصور بغداد کے سیاسی حالات کے پیش نظر اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کرتا تھا اسے اندیشہ تھا کہ مبادا باب الذہب کے دروازے پر متعین فوج شورش پسندوں سے مل کر اس کی جان کے لیے خطرے کا باعث بنے، اس خدشے کے پیش نظر خلیفہ نے اس شہر کی بنیاد رکھی اور اس میں اپنے بیٹے مہدی کے لیے قصر رصافہ تعمیر کروایا⁵⁶۔ قصر کی تعمیر کے بعد اس شہر میں بڑی تعداد میں فوج کو متعین کیا گیا۔ بڑی تعداد میں لوگوں کی آباد کاری کی گئی تاکہ بغاوت کی صورت میں یہاں کے باشندے فوج کی معاونت کر سکیں۔ دفاعی نقطہ نظر سے سارے شہر کے گرد خندق کھودی گئی۔ قصر کی تعمیر کے بعد امراء و روساء اور فوجی جرنیلوں کو شہر کے گرد و نواح میں بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں⁵⁷۔ رعایا کی تفریح کے لیے شہر میں باغ، پارک اور وسیع میدان موجود تھے اور یہاں نہریں بھی جاری کی گئیں⁵⁸۔ عہد مہدی میں بہت سے تجارتی بازار مابین القصور سے یہاں منتقل ہو گئے جس نے رصافہ کو اور بھی زیادہ رونق بنا دیا⁵⁹۔ قصر رصافہ کی تعمیر گیارہ سال کے بعد

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

159ھ/775ء میں مکمل ہوئی⁶⁰۔ ہارون الرشید اور براء مکہ کی دلچسپی نے اس شہر کی رونق کو چار چاند لگا دیئے اور اب یہ بغداد سے بھی پرانا شہر تصور ہونے لگا اس کی تعمیر کے بعد بغداد کی ساری چہل پہل یہاں سمٹ گئی⁶¹۔

ابو جعفر منصور نے 155ھ/771ء میں ”المصیصہ“ نامی شہر کو آباد کیا، اس کے گرد فصیل بنوانے کے بعد خندق کھدوائی، شہر کی تکمیل کے بعد یہاں پر قیدیوں کو منتقل کر دیا اور اس میں فوج کی ایک بٹالین کو مستقل طور پر متعین کیا گیا۔ شہر کی تعمیر کا کام عباس بن محمد اور صالح بن علی کے ہاتھوں مکمل ہوا⁶²۔

قصر خلد کی تعمیر:-

ابو جعفر منصور نے 157ھ/773ء میں دریائے دجلہ کے مغربی کنارے باب الخراسان کی سمت کرخ میں ”قصر الخلد“ (جنت کا محل) کا سنگ بنیا رکھا۔ قصر الخلد کو اپنی غیر معمولی خوبصورتی کی وجہ سے ہی اس نام سے موسوم کیا گیا۔ اس قصر کی مناسبت سے ہی اس کے آس پاس کے سارے علاقے کو خلد کے نام سے تعبیر کیا جانے لگا⁶³۔ یہ محل خلیفہ کے غلام ربیع بن یونس اور ابان بن صدقہ کی نگرانی میں تعمیر ہوا۔ اس کے دروازوں پر سونے چاندی کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اس کے بڑے بڑے ستون بہترین نقش و نگار سے مزین تھے۔ اس قصر میں ایک خوبصورت تخت بچھا تھا جس کا نام مجلس امیر تھا اس کا فرش سنگ مرمر کی مربع اینٹوں سے بنایا گیا تھا جوڑوں کی جگہ سونے کی پتیاں لگائی گئیں تھیں اس پر خلیفہ کی مدح میں چند اشعار نقش و نگار کی صورت میں کنڈاں تھے اس مجلس میں موتیوں سے مربع کرسیاں بچھی ہو تیں، جن پر سلطنت کے بڑے بڑے ارکان براہمان ہوتے۔ اس مجلس امیر کے درمیان ایک گنبد تھا جس میں خلیفہ جلوہ افروز ہوتا اس کا فرش سونے سے تیار کیا گیا تھا۔ شاہی محل کے سامنے ایک وسیع میدان تھا جس کو ”مربع“ کہتے تھے اس میں فوجیوں کا جائزہ و معائنہ، ان کی پریڈ اور مختلف قسم کے فوجی کرتب ہوتے تھے۔ رات کے وقت ”مربع“ میں لمپ روشن کیے جاتے۔ ابو جعفر منصور فوجی وردی زیب تن کیے ہوئے چہوڑے پر کھڑا ہو کر یا تخت پر بیٹھ کر فوجوں کا جائزہ لیتا جب کہ ہارون الرشید، مامون الرشید اور معتصم باللہ سوار ہو کر فوجوں کا جائزہ یا پریڈ کا معائنہ کرتے⁶⁴۔

خلیفہ نے کرخ کی شان و شوکت میں اضافے کے لیے بغداد کے تمام شہروں کو یہاں منتقل کرنے کا حکم دے دیا⁶⁵۔ اس کی اہمیت کو نمایاں کرنے کے لیے اس کے بازار بغداد کے مقابلے میں کشادہ رکھے گئے اور لوگوں کی سہولت کے لیے ”باب الشہر“ پر پل تعمیر کیا گیا۔ تجارتی بازاروں کی بغداد سے کرخ منتقلی کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ فلسطین کا سفیر منصور کے دربار میں حاضر ہوا، خلیفہ نے حاجب کو حکم دیا کہ اسے بغداد کی سیر کروائی جائے، سیر سے واپسی پر خلیفہ نے سفیر سے شہر کے بارے میں رائے طلب کی۔ سفیر نے کہا کہ شہر تو بہت اچھا ہے لیکن اس میں خلیفہ کے دشمن بھی اس کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ سفیر سے جب اس فقرے کی وضاحت چاہی گئی تو اس نے کہا:

”تجارتی منڈیوں کے شہر میں ہونے سے غیر ممالک کے تاجر یہاں آتے ہیں

کیا معلوم وہ تاجر ہیں یا تاجروں کے روپ میں خلیفہ کے دشمنوں کے جاسوس

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

پھر یہ لوگ تا جبر بن کر یہاں کے خفیہ حالات اپنے اپنے ممالک میں پہنچاتے

ہوں، چونکہ تمام تجارتی منڈیاں شہر کے دروازوں کے قریب ہیں اس لیے غیر

ممالک کے باشندے بوقت ضرورت ان دروازوں کو باسانی کھول سکتے

66
ہیں۔

سفیر کی ان باتوں نے ابو جعفر منصور کو پریشان کر دیا اور اس نے سفیر کے جاتے ہی تمام تجارتی مراکز کو کرخ منتقل کرنے کا حکم دے دیا۔ کرخ میں پہلی تجارتی منڈی بیس مربع میٹر پر مشتمل تھی لیکن یہ مختصر سی منڈی اس قدر پھیلی کہ اس کے سامنے تمام روئے زمین کی تجارتی منڈیاں اور شہر ماند پڑ گئے۔ کرخ کے بازار مختلف پیشوں اور تجارت کی وجہ سے مشہور تھے اگر کسی کو کوئی چیز درکار ہوتی تو وہ اس بازار سے ملتی جہاں اس کی منڈی ہوتی تھی مثلاً کپڑا صرف بزازوں کے بازار سے ہی ملتا، اسی طرح نہر بزازین کے نیچے باب کرخ کے مغربی جانب موجیوں اور قصابوں کے بازار تھے سبزیاں اور پھل بھی سبزی منڈی کے علاوہ اور کہیں سے مسیر نہ آتے جب کہ انصارف ”قطرہ الرمان“ سے ہی خریدے جاسکتے تھے۔ نہر کرخ کی شاخ ”العمود“ پر تیل بیچنے والوں کا بازار تھا جسے ”مریعة الزیات“ کہا جاتا تھا⁶⁷۔ نہر دجابہ کے کنارے برتن بنانے والوں کا بازار تھا اور اس کے ساتھ ہی باورچیوں کا محلہ تھا۔

158ھ / 774ء میں قصر الخلد کی تعمیر مکمل ہوئی۔ ابو جعفر منصور نے اس میں چند دن ٹھہرنے کے بعد حج کے لیے رخت سفر باندھا

اور راستے ہی میں تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔

قصر الخلد کے نشیب میں لیکن ”قران الصراط“ سے تھوڑا سا بلندی پر ”قصر القراز“ نامی محل تھا اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس محل کے ساتھ ایک تالاب تھا جس کا پانی ہمیشہ ساکن رہتا تھا اسی وجہ سے اس محل کا نام ”قصر القراز“ رکھا گیا۔ اس کا دوسرا نام قصر زبیدہ تھا ملکہ زبیدہ نے اپنے بیٹے امین الرشید کے لُحْراش مصائب اپنی آنکھوں سے اس محل میں رہتے ہوئے دیکھے اور اپنی زندگی کے آخری ایام اسی محل میں بسر کیے۔ اس قصر کا تیسرا نام ”قصر ام جعفر“ تھا جو زبیدہ ہی کا نام تھا⁶⁸۔ امین الرشید کے محاصرے کے دوران قصر الخلد (قصر القراز) پر اس قدر رشید سنگ باری کی گئی کہ قتل امین کے بعد ان دونوں محلوں کی حالت نہایت خستہ ہو گئی⁶⁹۔

ہارون الرشید نے بھی دریائے دجلہ کے کنارے ایک خوبصورت قصر بنوایا جو اپنی مثال آپ تھا اس کے ستون سنگ مرمر کے تھے۔ ہارون الرشید اپنے قصر کی کھڑکیوں میں بیٹھ کر ملاحوں کے نغموں سے محظوظ ہوتا تھا⁷⁰۔ قصر شاہی کے گرد و نواح میں صدہا عمارتیں تھیں جن میں شاہی خواتین، خواجہ سرا اور خاص خاص عمال رہائش پزیر تھے اور شہر کا ایک تہائی حصہ اپنی عمارتوں میں گھرا ہوا تھا مگر قصر شاہی میں سب سے عالی شان ”دربارایوان“ اور اس کا سامان اراکش اس کا فرش قالین پردے اور بچے وغیرہ تھے۔ اس میں ملکہ زبیدہ کے لیے دیبا کا ایک کارچوبی فرش تیار کیا گیا تھا جس میں یاقوت اور دوسرے قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے اس پر لاگت دس لاکھ درہم بیان کی جاتی ہے⁷¹۔

خلفاء کے ساتھ ساتھ شاہی خواتین کو بھی تعمیرات کا بڑا شوق تھا اس لیے ہارون الرشید کی بیٹی ام حبیب نے اپنے لیے ”قصر ام

حبیب، تعمیر کروایا تھا⁷²۔

واثق باللہ نے سامرا میں ایک محل تعمیر کروایا جس کا نام ”قصر ہارونی“ تھا اس میں ایک سائبان بنوایا جس کا نام ”رواق اوسط“ تھا اس سائبان کے ایک جانب انڈے کی شکل کا ایک گنبد تھا جو آسمان سے باتیں کرتا تھا اس گنبد کے درمیان میں لکڑی کا ایک ستون تھا جس پر لا جو رو (نیلے رنگ کا ایک پتھر) اور سونے کی بچہ کاری کی گئی تھی اس گنبد کا نام ”قبة المعطہ“ اور سائبان کی اس سمت کو ”رواق قبة المعطہ“ کہا جاتا تھا⁷³۔

عباسی خلفاء کے زوال کے باوجود ان کی تزک و احتشام میں کمی نہ آئی۔ مشہور مؤرخ فلپ۔ کے۔ ہٹی المتقدر باللہ کے دربار کی منظر کشی اس انداز سے کرتا ہے کہ اس کے بقول خلیفہ کے جاہ و جلال اور شان و شوکت کی عکاسی رومی سفیر کے دربار شاہی میں حاضری کے موقع پر دیدنی تھی۔ خطیب بغدادی کے بقول اس موقع پر ایک لاکھ ساٹھ ہزار سوار و پیادہ فوجیں قطار در قطار کھڑی کی گئیں، سات ہزار زنگی و فرنگی خواجہ سرا اور سات سو حاجب صف بستہ تھے فوجی جلوس میں ایک سو ہر شیر بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے ایوان شاہی ہر طرف سے اڑتیس ہزار پردوں سے مزین تھا جن میں ساڑھے بارہ ہزار گنگا جمنی (ملے جلے رنگ کے) اور فرش پر بائیس ہزار غالیچے بچھے تھے⁷⁴۔ اس موقع پر رومی سفیر کو سب سے زیادہ حیرت زدہ ”دارالبحرہ“ نے کیا جو سونے چاندی سے بنا ہوا پانچ من وزنی درخت تھا اس کی شاخوں پر قیمتی دھاتوں سے بنے ہوئے پرندے بٹھائے گئے تھے یہ سارے ایک خاص بٹن دبانے سے چکنے لگتے⁷⁵۔

المستعین باللہ کی ماں ”مخارق“ کے لیے اس کے دور میں ایک فرش تیار کیا گیا جس میں سونے کی تاروں سے حیوانات اور پرندوں کی تصاویر بنی ہوئی تھیں اور ان کی آنکھوں میں ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اس دور میں اس فرش پر لاگت کئی کروڑ بیان کی جاتی ہے⁷⁶۔

عباسی خلفاء کے وزراء اور امراء بھی ان کی تقلید میں پیچھے نہ رہے اور ان کے محلات اپنی شان و شوکت اور وسعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان قصروں میں قصر عیسیٰ بن علی کو خاصی شہرت حاصل تھی۔ اسے نہر رمل کے دھانے پر تعمیر کیا گیا۔ ایک بار ابو جعفر منصور اپنے چچا عیسیٰ بن علی سے ملنے ان کے قصر گیا خلیفہ کے ساتھ چار ہزار آدمیوں کا ایک دستہ بھی تھا وسعت کے اعتبار سے یہ قصر اتنا وسیع تھا کہ عیسیٰ بن علی کو ان آدمیوں کے انتظام میں ذرہ بذر بھی وقت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ اس چیز کو دیکھ کر ابو جعفر منصور بڑا متاثر ہوا، واپس جاتے ہوئے خلیفہ نے اپنے چچا سے محل لینے کی خواہش ظاہر کی، جب اس کے چچا نے نیم رضا مندی سے یہ محل دینے پر آمادگی ظاہر کر دی تو خلیفہ نے جواب دیا ”محترم چچا آپ کو آپ کا محل مبارک ہو“⁷⁷۔

اسی طرح محمد بن سلیمان نے بصرہ میں ایک عظیم الشان قصر بنوایا یہ جگہ آب و ہوا کے لحاظ سے بڑی لطیف اور محل وقوع کے اعتبار سے نہایت دلکش تھی⁷⁸۔

”قصر جعفر“ دریائے دجلہ کے کنارے مشرقی بغداد کے جنوبی حصے میں محلہ مخرم کے نشیب میں واقع تھا اسے ہارون الرشید کے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

وزیر جعفر برکی نے بنوایا تھا اور اس کا نام قصر جعفر تھا۔ خاندان برمکہ کی بربادی کے بعد عباسی خلافت کی آخری چار صدیوں میں خلفاء یہاں پر مستقل رہائش پذیر ہو گئے۔ یہاں خلفاء کی سکونت کے بعد اس کے گرد و نواح میں اور بھی محل تعمیر ہونے لگے پھر یہی دارالخلافہ بھی مشہور ہو گیا۔ امین الرشید کے قتل کے بعد جب مامون الرشید اس قصر میں رہنے لگا تو یہ "قصر مامونی" کہلانے لگا جب اس قصر میں مامون الرشید کے وزیر حسن بن ہبل نے سکونت اختیار کی تو یہ "قصر حسنی" کے نام سے مشہور ہو گیا⁷⁹۔

جعفر برکی نے محلہ مخرم کے جنوبی حصہ میں اپنے لیے ایک قصر تعمیر کروایا۔ جب خلیفہ ہارون الرشید نے اس فن تعمیر کی بڑی تعریف کی تو جعفر برکی نے برجستہ جواب دیا امیر المومنین! میں نے یہ خوبصورت محل اپنے لیے نہیں بلکہ شہزادہ مامون الرشید کے لیے بنوایا ہے۔ یہ سن کر خلیفہ بڑا شاد کام ہوا اور اسے قبول کیا۔ مامون الرشید نے اپنی عمر کا اکثر حصہ اس میں ہی بسر کیا۔ مامون الرشید نے اس قصر کے نشیب میں چوگان بازی کے لیے ایک میدان تیار کروایا۔ مامون کو یہ جگہ اس قدر پسند تھی کہ اس نے اس قصر کے ساتھ ہی ایک اور محل کی بنیاد رکھی جو قصر مامونیہ کے نام سے مشہور ہوا⁸⁰۔

عباسی خلافت جب سامرا سے دوبارہ بغداد منتقل ہوئی تو قصر جعفر کے نزدیک دو اور محل "قصر فردوس" اور "قصر تاج" کے نام سے تعمیر ہوئے، ان محلات کی پشت پر باغات اور امراء سلطنت کے چھوٹے چھوٹے قصر تھے۔

عباسی فرمانروا چونکہ ایرانیوں سے بڑے متاثر تھے اس لیے انہوں نے اپنے نظام حکومت کو اس کے نظم مملکت میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس طرح رفتہ رفتہ ایرانی شاہد و شراب، القاب، بیویاں، سرور (گیت) فن تعمیر، مذہبی اور قومی تقریبات میں ایرانیوں کی تقلید جیسے امور عباسی خلفاء کے افکار و تخیلات پر چھا گئے اسی وجہ سے ابو جعفر منصور نے ایرانی ٹوپی کا استعمال شروع کر دیا پھر رعایا نے خلیفہ کی تقلید کی اور دیکھتے ہی دیکھتے عباسی سلطنت میں اس ٹوپی کا عام رواج ہو گیا⁸¹۔

عہد عباسی میں دربار دو طرح کے ہوتے تھے ایک دربار عام اور دوسرا دربار خاص۔ دربار عام میں بڑے بڑے اہلوان ہوتے جو ہر وقت درباریوں اور ضرورت مندوں سے کچھا کچھ بھرے رہتے۔ خلیفہ جب دربار میں رونق افروز ہوتا تو ایک سو آدمی زرق برق کی پوشاکیں پہناس کے ارد گرد کھڑے ہوتے جب کہ اراکین سلطنت اور شہزادے تخت کے دائیں بائیں صف بستہ ہو جاتے⁸²۔

دربار خاص شہزادوں، جلیل القدر عہدیداروں، عالموں اور قاضیوں کے لیے مخصوص تھا ان میں فوجی سپرہ دار نہ ہوتا تھا ولی عہد خلیفہ سے دوسری نشست پر بیٹھتا اور درباری تخت کے دونوں اطراف بہ لحاظ حفظ مراتب دو قطاروں میں بیٹھ جاتے۔ ان محافل میں خلیفہ حاضرین سے بلا تکلف گفتگو کرتا۔ جبکہ چارچھ عباسی دربار کا نقشہ اس سے ذرا مختلف انداز میں پیش کرتا ہے۔

عباسی خلفاء کے درباریوں کی تین قسمیں تھیں پہلے طبقے میں شہزادے اور اعلیٰ حکومتی عہدیداران شامل تھے اس قسم کے لوگوں کی نشستیں خلیفہ سے دس میٹر کے فاصلے پر ہوتیں، فن موسیقی کے ماہرین بھی اس طبقہ میں شامل تھے۔ دوسرے طبقہ کے لوگ پہلے طبقہ کے لوگوں سے دس میٹر کے فاصلے پر بیٹھتے تھے اس طبقہ میں خاص ارکان دربار، شاہی ندیم (شاہی مصاحبین) اور علماء و معززین شہر شامل تھے۔ اس

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

زمانے میں مفتی بھی خلفاء کے ندیوں اور خاص محرم رازارکان کے ہم پلہ شمار ہوتے تھے۔ تیسرے طبقے کے لوگوں کی نشستیں دوسرے طبقے کی نشستوں سے دس میٹر کے فاصلے پر ہوتیں۔ اس طبقے کے لوگوں کا انتخاب درج ذیل شرائط پر ہوتا تھا۔

_____ یہ لوگ کم ذات نہ ہوں۔

_____ ان لوگوں میں کسی قسم کا جسمانی نقص نہ ہو۔

_____ یہ لوگ زیادہ طویل القامت اور حد درجہ چھوٹے قد کے نہ ہوں۔

_____ لوگ ان کے حسب و نسب سے واقف ہوں۔

_____ اس طبقہ میں جو لاہوں، حجاموں اور دوسرے پیشہ ور اور معاشرے کے نچلے طبقے کے افراد اور ان کی اولاد شامل نہ ہو۔

مندرجہ بالا لوگ اگرچہ عالم الغیب بھی ہوں تو بھی انہیں اس طبقہ میں شامل نہ کیا جائے گا البتہ سازندے (ساز بجانے والے) اس طبقہ میں شامل ہوں گے⁸³۔ دربار شاہی کی خاص تقریبات میں جیسے نئے خلیفہ کی مسند نشینی، شادی بیاہ، سفر حج یا بیرونی سفیر کی بازیابی کے موقع پر جہاں ہمیں دولت اور جاہ و جلال کا سب سے زیادہ اظہار نظر آتا ہے وہاں اس کے ساتھ ساتھ ہمیں مذکورہ تینوں طبقات کے لوگ بھی مدعو نظر آتے ہیں جیسے حسن بن سہیل کی بیٹی بوران سے شادی کی موقع پر مامون الرشید نے اتنا بے دریغ روپیہ پیسہ خرچ کیا کہ عربی کتابوں میں عجوبہ روزگار کے طور پر اس کے قصے آج بھی زبان زد عام ہیں اس موقع پر شاہی خاندان کے افراد اور معزز مہمانوں میں ہر ایک پر ٹشک کی ایک گیند پھینکی گئی جس کے ساتھ ایک پرچی بھی تھی جس پر کوئی پیش قیمت تحفہ جیسے زمین کا قطعہ یا کسی غلام کا نام لکھا ہوا تھا پیش کیا گیا⁸⁴۔

عباسی خلفاء کے محلات بڑے کشادہ ہوتے ان میں گنبد، سائبان، باغات اور وسیع چھتیں ہوتیں جن پر پھولوں کی بیللیں چڑھی ہوتیں، ان سائبانوں میں رہنے والے غلاموں کی تعداد کے مطابق انہیں ازبغینی (چالیس) اور تینی (ساتھ) کہا جاتا تھا۔

عجمیوں کی تقلید ہی میں عباسی خلفاء نے سورج کی تپش کو کم کرنے کے لیے محلوں کی چھتوں کو کچا بنایا تھا اور ان چھتوں پر بھسہ ملی مٹی سے پلستر کیا جاتا۔ دیواروں کی پشت، بانسوں کی کھپچھیوں سے منڈھ دی جاتیں، اس طرح اس کے اردو دیوار کے درمیان کی جگہ کو برف کی ریلوں سے بھر دیا جاتا⁸⁵۔ ابو جعفر منصور کے لیے ایوب خوری نے ایک مونا آب گیر کپڑا جو خیش (کتان کا کھردرا کپڑا) کے نام سے موسوم تھا ایجاد کیا، اس کو پانی سے تر کر کے آرام والے کمرے کی دیواروں پر منڈھ دیا جاتا، اس سے کمرے میں ٹھنڈک پیدا ہو جاتی۔ ابو جعفر منصور ایوب خوری کی اس ایجاد سے بڑا خوش ہوا اور اس نے ایوب خوری سے کہا کہ اس سے بھی دبیر کپڑا تیار کیا جائے جو زیادہ سے زیادہ دیر تک پانی سے تر رہ سکے اور زیادہ ٹھنڈک پیدا کرے۔ چنانچہ ایوب خوری نے ابو جعفر کے لیے اس کی حسب منشاء ایسا ہی کپڑا تیار کیا۔

اس طرح خلیفہ شدید گرمیوں میں ایسے کپڑوں سے بڑا لطف اندوز ہوتا⁸⁶۔ اس سے بھی زیادہ پر لطف طریقہ یہ تھا کہ بڑے بڑے ہوا دار کمرے دہشتی (دبیر ریشمی کپڑا) سے منڈھ دیئے جاتے اور ان کے درمیان میں ایک چھوٹا سا حجرہ بنا دیا جاتا جس کے چاروں طرف بانس کے کھپاچے اور بید کی ٹٹیاں ہوتیں اور اس دہشتی کو گلاب، کافور اور صندل کے عرق سے تر کر کے اس پر منڈھ دیا جاتا اور دروازوں پر ہوا اور

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

روشن دانوں کے تمام راستوں پر برف کی اینٹیں رکھ دی جاتیں اور خدام انہیں بڑے بڑے پنکھوں سے ہوا دیتے رہتے، اس سے کمروں میں اتنی ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی کہ شدید گرمی میں بھی کپڑا اوڑھنے کی ضرورت پیش آتی۔ سردیوں میں کمروں کو گرم کرنے کی صورت یہ تھی کہ ان محلوں میں چھوٹے چھوٹے لکڑی کے کمرے ہوتے اور ان کے گردلو ہے اور لکڑی کے جنگلے بنے ہوتے اور ان کے درمیان میں آتش دانوں اور انگلیٹھیوں میں برابر آگ سلگتی رہتی اور ان کے خدام دھوکنی سے انہیں برابر دہکاتے رہتے، رہائش کے کمرے کے اندر چاندی کی انگلیٹھیوں میں عود (ایسی لکڑی جس کے جلنے سے عمدہ قسم کی خوشبو نکلتی ہو) کو جلایا جاتا تھا⁸⁷۔

شاہی لباس:-

ایرانی ثقافت کے اثرات خلافت عباسیہ کے ہر حصے میں نمایاں نظر آتے ہیں اس طرح لباس کے معاملے میں بھی عباسیوں نے ایرانیوں کی تقلید کی اور ایرانی اقتدار کا اثر قصر خلافت، ارکان سلطنت اور ان کے فیشنوں پر بھی پڑا۔ عباسیوں کے برسر اقتدار آنے سے ایرانی لباس کو سرکاری لباس کی حیثیت حاصل ہو گئی اور ابو جعفر منصور نے سب سے پہلے محرومی کی سیاہ ٹوپی کو سرکاری وردی کا حصہ قرار دیا۔ اس دور میں زرافت کے لباس کو شاہی لباس قرار دے کر خلعت کی صورت میں دیا جانے لگا۔ اسلاف کی طرح ہادی اور ہارون الرشید کے دور میں بھی ایرانی لباس و فیشن کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ انہی کے دور میں امام ابو یوسف نے مفتی، قاضی اور علماء کے لیے امتیازی لباس اور عمامے کو ضروری قرار دلایا حالانکہ اس سے قبل ان مذہبی رہنماؤں اور رعایا کے لباس میں کوئی فرق نہ تھا⁸⁸۔ ٹوپی کا استعمال اگرچہ عہد ہارون الرشید سے پہلے بھی ہوتا تھا تاہم لوگ صرف اسے گھروں میں ہی پہنتے تھے اب نہ صرف اسے گھروں کے باہر پہنا جانے لگا بلکہ لوگ اب ٹوپی کے نیچے ریشمی رومال بھی سر پر رکھنے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس میں مزید یہ تبدیلی آئی کہ اب لوگ ٹوپی کے ساتھ ساتھ سر پر بنفشی رنگ کا رومال بھی رکھنے لگے۔

لباس کے معاملے میں ایرانی اثر و نفوذ عہد مامون میں اپنے عروج پر تھا کیونکہ اس دور کے اکثر وزراء ایرانی الاصل تھے اسی وجہ سے بغداد میں ایرانی لباسوں اور فیشنوں سے دلچسپی بڑھنے لگی⁸⁹۔ عہد عباسی میں امراء، وزراء، اراکین سلطنت اور اونچے طبقے کے لوگوں کا لباس لمبی چوڑی شلوار، قمیص، صدری یا جیکٹ، گاؤن، قباء، ٹوپی، عبا یا جبہ تھا یہ لوگ پاؤں میں موزے بھی پہنتے تھے جو عام طور پر ریشم، اون یا چمڑے کے ہوتے تھے اور انہیں ”موزاج“ کہا جاتا تھا⁹⁰۔ اس طبقے کے لوگ عام طور پر دو قسم کے جوتے پہنتے تھے یعنی جوتے کے اندر چمڑے کے موزے ہوتے تھے اس لیے جب لوگ مساجد یا کسی مقدس جگہ پر جاتے تو جوتے اتار دیتے لیکن موزے پہنے رہتے⁹¹۔

دور عباسی میں فوج کے جرنیل ایک چھوٹی سی ایرانی عبا پہنتے تھے اس عہد میں فوجیوں کے لیے بند بوٹ پہننا لازمی تھا جبکہ ان کے لیے کھلی چپلیں پہننا ممنوع تھیں۔ اس دور میں کاتب یا سیکرٹری صدراں (جیکٹ) پہنتے تھے۔

عہد ہارون میں ان کی ملکہ زبیدہ نے لباس کے معاملے میں بڑی جدت پیدا کی اس نے ایسے نئے ڈیزائن ایجاد کیے جنہیں اس دور کے اعلیٰ طبقے کی خواتین میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ جواہرات سے مرصع ٹپکے اور جوتے انہی کی اختراع ہے ملکہ زبیدہ لباس اور زیب و

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

زینت کا سامان خریدنے میں بڑے سراف سے کام لیتی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ملکہ زبیدہ نے اعلیٰ نقش و نگار کا ایک کپڑا پچاس ہزار دینار سے بھی زیادہ میں خریدا⁹²۔ اس عہد میں شاہی اور اعلیٰ درجہ کی خواتین سر پر ایک رومال باندھتیں، جو جوہرات سے مرصع ہوتا اور اس کے ساتھ ساتھ سونے کی ایک زنجیر بھی باندھی جاتی جس میں قیمتی موتی لگے ہوتے، اس رومال کی ایجاد ہارون الرشید کی بہن ”علیہ“ کی ہے⁹³۔ اعلیٰ طبقے کی خواتین عام طور پر سروں پر ہی زیورات پہنتی تھیں سر کے گرد ایسی پٹی لپیٹی ہوتی جس میں موتی اور زمرہ جڑے ہوتے، اس دور کی خواتین ایرانی اور عرب بدعورتوں کے تمام فیشنوں سے واقف تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ مصنوعی زیب و زینت کا طریقہ انہوں نے ایرانی خواتین سے مستعار لیا تھا⁹⁴۔ ایرانی عورتوں کی تقلید میں شاہی خواتین پاؤں میں پازیب اور ہاتھوں میں کڑے پہنتیں⁹⁵۔ اس عہد کی عام عورتیں لمبی چوڑی چادر اور قمیص زیب تن کرتیں جو گردن کے پاس کھلی ہوتی تھی۔ سردیوں میں ایک چھوٹی چادر اور شال اوڑھنا ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ عورتیں گھر سے نکلتے وقت لمبی سی چادر سے اپنے جسم کو ڈھانپ لیتیں تاکہ ان کا لباس گردوغیرہ سے محفوظ رہے تاہم ایک رومال سر پر لپیٹ کر گردن کے نیچے باندھ لیا جاتا⁹⁶۔

شاہی طعام:-

عباسی خلفاء کھانے پینے کی طرف خاص شغف رکھتے تھے۔ منصور کھانے پینے کا اس قدر شوقین تھا کہ حکماء کی نصیحتوں کی بھی پرواہ نہ کرتا۔ آخر کار اس کی یہی عادت اس کی بیماری اور موت کا باعث بنی۔ ایک بار ابو جعفر منصور اپنے چچا سے ملنے ان کے محل گیا تو اس نے خلیفہ کے مزاج کو دیکھتے ہوئے بکرے کے گوشت، انڈوں اور پرندوں کے گوشت سے ان کی ضیافت کی۔ اس دعوت میں خلیفہ نے اپنے طبیب خاص کے منع کرنے کے باوجود خوب کھایا⁹⁷۔

اکثر عباسی خلفاء نمیز کا شوق فرماتے تھے لیکن ابو جعفر منصور کو اس سے سخت نفرت تھی اس لیے اس کے دسترخوان پر مہمانوں تک کی اس سے ضیافت نہ ہوتی۔ اس کا اندازہ درج ذیل واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

ایک دفعہ سوس سے بیشتر طبیب ابو جعفر منصور سے ملنے بغداد آیا۔ یہ شخص شراب کا بڑا رسیا تھا۔ دسترخوان پر شراب نہ پا کر اس نے اس کا مطالبہ کر دیا۔ پہلے اسے بتایا گیا کہ خلیفہ اسے پیٹا یا پلانا پسند نہیں کرتے لیکن جب اس نے نمیز کا زیادہ تقاضا کیا تو اسے دریائے دجلہ کا پانی پیش کر دیا گیا⁹⁸۔

ابو جعفر منصور اگرچہ بسیار خور تھا لیکن اس کے باوجود وہ اس پر بے جا تعارف سے احتراز کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے باروچی خانے کا نچارج سے یہ بات طے کی ہوئی تھی کہ جانوروں کے سری پائے تمہارے ہیں لیکن اس کے عوض تمہیں ایندھن اور مصالحوں کا انتظام کرنا پڑے گا⁹⁹۔

ابو جعفر منصور کی طرح ہارون الرشید بھی کھانے پینے کا بڑا شوقین تھا۔ اس کیلئے روزانہ تین قسم کے کھانے تیار ہوتے تھے۔ اس طرح اس کے باروچی خانے کا روزانہ کا خرچ دس ہزار درہم تھا۔ ہارون الرشید کی شاہ خرچیوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہارون الرشید

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

نے زبیدہ بنت منصور کے ساتھ شادی میں ولیمہ پر پچپن ملین درہم خرچ کیے۔ کھانے کے معاملے میں ہارون الرشید کا یہ دستور تھا کہ یہ پہلے گرم کھانے کھاتا اور اس کے بعد ٹھنڈے کھانے پسند کرتا۔ ابراہیم بن مہدی کا بیان ہے کہ

”ایک دفعہ میں نے رقبہ میں ہارون الرشید کی دعوت کی۔ کھانے میں ڈیڑھ سو

مچھلیوں کی زبانوں سے ایک ڈش تیار کی گئی اور اس پر ایک ہزار درہم خرچ
آئے¹⁰⁰۔

خلیفہ نے اس ڈش کو بڑے ذوق و شوق سے کھایا۔ ہارون الرشید ایک خاص قسم کی نیند کا (شراب) کا بڑا شوقین تھا جسے عراق کے فقہاء کرام نے حلال قرار دیا ہوا تھا¹⁰¹۔

ملکہ زبیدہ کھانے کے معاملے میں بڑی با ذوق تھی اس کے دسترخوان پر صرف جواہرات جڑے ہوئے سونے کے برتن ہی استعمال ہوتے تھے اور ایک جوڑے کے برتنوں کا طریقہ بھی اسی کی ایجاد ہے¹⁰²۔

کھانے پینے کے معاملے میں مامون الرشید بھی اپنے اسلاف سے پیچھے نہ رہا۔ اس کا خرچہ چھ ہزار دینار یومیہ تھا اس میں سے بیشتر حصہ اس کے باروچی خانہ پر صرف ہوتا تھا¹⁰³۔ مامون الرشید کسی کھانے سے خوش ہو کر باروچی کو بڑے سے بڑا انعام دینے سے بھی گریز نہ کرتا تھا اس کا اندازہ درج ذیل واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

ایک دفعہ مامون الرشید مع لاء و لشکر مصر کے دورے پر جا رہا تھا کہ راستے میں اس کا گزر ”طاء النمل“ نامی گاؤں سے ہوا۔ اس گاؤں کی ماریہ قبیلہ نامی زمیندار عورت نے مامون الرشید کو کھانے کی دعوت دی۔ اس دعوت میں انواع و اقسام کے کھانے دیکھ کر خلیفہ و رطہ حیرت میں ڈوب گیا۔ ماریہ قبیلہ نے نہ صرف خلیفہ اور اس کے مصاحبین کی من پسند اشیاء سے انہیں لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کیا بلکہ اس لشکر میں شامل دیگر افراد کو بھی وہی چیزیں فراہم کی گئیں جن کی طرف ان کی دلی رغبت تھی۔ رخصت ہوتے وقت ماریہ نے مامون الرشید کو دیناروں سے بھری ہوئی ایسی دس تھیلیاں بھی ہدیہ پیش کیں جو خالصتاً خلیفہ کے لیے اسی سال بنوائی گئیں تھیں۔ خلیفہ یہ دینار دیکھ کر حیران و شمسدر رہ گیا اور اس نے کہا ”خدا کی قسم ہمارے بیت المال میں بھی اس سال کے اتنے دینار نہ ہوں گے“¹⁰⁴۔ مامون الرشید ماریہ قبیلہ کی اس دعوت شیراز اور مرو سے اس قدر متاثر ہوا کہ جاتے وقت اس نے اسے کئی جاگیریں اور اس گاؤں کی زمینوں میں سے دوسو فدان (ایکٹر یا کھیت) زمین کا خرچ معاف کر دیا¹⁰⁵۔ اس سفر میں مامون الرشید کے ساتھ اس کا بھائی متعصم باللہ، اس کا بیٹا عباس بن مامون اس کا بھتیجا واثق باللہ اور متوکل کے علاوہ یحییٰ بن اکثم اور قاضی احمد بن ابی داؤد جیسے لوگ بھی شامل تھے¹⁰⁶۔

خاص خاص مواقع پر خلیفہ اپنے وزراء، امراء و اراکین سلطنت اور مصاحبین خاص کو دعوت پر مدعو کرتا۔ یہ دعوت بعض اوقات خلیفہ اپنے محل میں دیتا لیکن ایسی دعوتوں کا انتظام اکثر وزراء کی سرکاری رہائش گاہوں پر ہوتا تھا ایسی دعوتوں کو ”طبق“ کہا جاتا¹⁰⁷۔

عہد عباسی میں امراء اور وزراء صوفوں پر بیٹھ کر میزوں پر کھانا کھاتے میز عام طور پر لکڑی کے بنائے جاتے اور ان پر سیپ کی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

بچہ کاری ہوتی تاہم خلفاء اپنی حیثیت کے مطابق میزیں استعمال کرتے تھے جیسے خلیفہ واثق باللہ کے استعمال کی میز خالص سونے کی بنی ہوئی تھی¹⁰⁸۔ عام گھروں میں گول میز پر ایک چاندی، پیتل یا تانبے کی بنی ہوئی ٹرے ہوتی تھی جس پر چینی یا چاندی کے برتنوں کو سفید کپڑوں سے ڈھانپ کر رکھا جاتا، امراء و وزراء چینی یا چاندی کے برتن استعمال کرتے اور ہر رکابی کے ساتھ چاندی یا آبنوس کا ایک چمچ رکھا جاتا جب کہ رعایا عام طور پر تانبے کے برتن استعمال کرتے، روٹیاں عام طور پر ایک چھوٹی سی تھالی میں ڈھانپ کر رکھی جاتی تھیں۔ اس دور میں امراء چھری کا نئے کا بھی استعمال کرتی۔ عربی میں کانے کو "چنگال" اور فارسی میں "چنگال" کہا جاتا تھا۔ ملازم میز پر بیٹھے ہوئے افراد کے فرداً فرداً چلچلی میں ہاتھ دھواتے، اس موقع پر ہر شخص کے ہاتھ صاف کرنے کے لیے اس کے پاس الگ الگ تولیہ رکھا جاتا۔ متول لوگ بلورین (بلورکا) کے گلاسوں میں شربت پیتے۔ شربت عام طور پر پانی، چینی اور کسی خوشبودار عرق سے بنائے جاتے تھے۔ شراب ایک عام مشروب تصور کیا جاتا تھا البتہ نبیذ کا لفظ خالصتاً کجھور کی بنی ہوئی شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ وزراء و امراء کی دعوتوں میں قاضی اور مفتی حضرات بھی اس مشروب سے فیضاب ہوتے تھے جب کہ عام رعایا معمولی شراب پر ہی اکتفا کرتی تھی¹⁰⁹۔

امراء کی تقلید میں اہل بغداد بھی کھانوں پر فراخ دلی سے خرچ کرتے اور بغداد کے لوگ بے موسمی چیزیں کھانے کے بڑے شوقین تھے اس لیے یہ لوگ بے موسمی میوہ جات اور سبزیاں حاصل کرنے کے لیے ان اشیاء کے ہم وزن چاندی تک دینے سے بھی دریغ نہ کرتے¹¹⁰۔

شاہی جلوس:-

خلفاء عباسیہ کے شاہی جلوس جاہ و جلال اور شان و شوکت کے لحاظ سے اموی خلفاء پر سبقت لے گئے تھے عام جلوسوں میں بھی خلفاء کے آگے آگے مختلف باڈی گارڈز (محافظ دستے) جھنڈے اٹھائے ہوئے چلتے جب کہ ان کے روہر و جلا دنگلی تلوار اٹھائے ہوئے چلتا، ان کے پیچھے خاندان عباسی کے امراء، گھوڑوں پر سوار ہوتے، ان کے پیچھے خلیفہ سفید براق (گھوڑے) پر سوار ہوتا اور اس کے جلوس میں ممتاز ارکان سلطنت چلتے¹¹¹۔ ان جلوسوں میں عام طور پر خلیفہ کا لباس سیاہ اور قباہ بنفشہ رنگ کی ہوتی۔ جس کی لمبائی گھٹنوں تک ہوتی، کمر پر جواہرات سے مرصع پنکابند ہا ہوتا، سر پر ایک لمبی ٹوپی ہوتی اور اس کے ارد گرد سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا جاتا جس میں بیش قیمت جواہرات لگے ہوتے۔ ہاتھ میں حضور اکرم ﷺ کی چھڑی اور انگوٹھی ہوتی، گلے میں سونے کی ایک زنجیر ہوتی جو جواہرات سے مرصع ہوتی¹¹²۔

شاہی جلوس میں حج کا جلوس قابل ذکر ہوتا حج کے موسم میں بلاد اسلامیہ سے لوگوں کا اثر دہام بغداد میں اکٹھا ہونا شروع ہو جاتا اور لوگ حج سے قبل ہی بغداد میں حج کی تیاریاں کرنا شروع کر دیتے تھے۔ جن میں سواری کے اونٹوں کا انتظام، کھانے پینے کی اشیاء، خشک میوہ جات اور کپڑے وغیرہ قابل ذکر تھے۔ حجاج کی حفاظت کے لیے فوج کا ایک دستہ بھی ہمراہ ہوتا، جلوس کے آگے متفش پردوں سے مزین اونٹوں میں سے ایک اونٹ پر امیر الحج ہوتا تھا¹¹³۔ جب سورج ایک نیزہ بلند ہوتا تو خوب شہنائیاں بجتیں جو اس بات کی دلیل ہوتیں کہ اب خلیفہ حج کی سواری پر سوار ہو گیا ہے¹¹⁴۔ اس کے کچھ دیر بعد خلیفہ ایک سفید ہاتھی پر براجمان برآمد ہوتا۔ اس ہاتھی کا ہودج موتیوں اور چاندی کے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

زیارات سے لدا ہوتا اور ہودج پر سنہری نقش و نگار سے بنے ہوئے ریشمی کپڑے پڑے ہوتے۔ ابو جعفر منصور کے حج کے جلوس میں امراء سلطنت اور خاندان خلافت کے ممتاز افراد کا ایک بڑا گروہ بھی شامل ہوتا ان کے پیچھے موسیٰ بن مہدی کے ساتھ اونٹوں پر حرم کی عورتیں ہوتیں اور ان کی حفاظت کے لیے خاص باڈی گارڈز کا دستہ تعینات ہوتا جو ہاتھوں میں سیاہ جھنڈے لیے ہوئے چلتا¹¹⁵۔ اس سفر کے دوران خلیفہ کے ایک ہاتھ میں عصائے خلافت بھی ہوتا جب کہ دوسرے ہاتھ میں خاتم خلافت یعنی حضور اکرم ﷺ کی انگلی ہوتی تھی اور اس موقع پر خلیفہ اعلیٰ درجے کے نقش و نگار سے مرصع جبہ پہنے ہوتا۔ حج کے علاوہ عام طور پر جب خلیفہ محل سے نکلتا تو اس کے ساتھ فوج کا ایک دستہ زرق برق وردیاں زیب تن کیے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ ہوتا۔ ہادی کے حکم سے محافظوں کا ایک دستہ نگلی تلواروں اور کھچی ہوئی کمانوں کے ساتھ خلیفہ کے آگے آگے چلتا تھا، جبکہ ہارون الرشید اور مامون الرشید اکثر اوقات ایک یا دو خدمتگاروں کے ساتھ شہر میں گشت کرتے، جمعہ اور دیگر تہواروں کے موقع پر خلیفہ کا جلوس نہایت شان و شوکت سے قصر سے نکلتا تھا¹¹⁶۔

خلافت کی علامتیں:-

اموی خلفاء کے پاس حضور اکرم ﷺ کی چادر تھی جو آپ ﷺ نے کعب بن زہیر بن ابی سلمان نامی شاعر سے اس کا مشہور قصیدہ ”بانت سعاد“ سننے پر اسے انعام میں دی تھی۔ اس چادر کے بارے میں مختلف روایات ہیں ایک روایت یہ ہے کہ جب معاویہ بن ابی سفیانؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے یہ چادر کعب بن زہیر سے چالیس ہزار درہم میں خرید لی۔ ان کے بعد یہ اموی اور عباسی خلفاء میں وراثتاً منتقل ہوتی رہی¹¹⁷۔ جب کہ سلفی نے الطوریات میں لکھا ہے کہ

”کعب بن زہیر نے یہ چادر فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا اس کی موت

کے بعد یہ چادر حضرت امیر معاویہؓ نے اس کے بیٹے سے بیس ہزار درہم میں

خرید لی¹¹⁸۔“

تاہم ابن خلدون کے نزدیک عباسیوں کے پاس حضور اکرم ﷺ کی وہ چادر تھی جو آپ ﷺ نے اہل ایلہ کو امان کے ساتھ مرحمت فرمائی تھی اس چادر کو ابو العباس السفاح نے تین سو درہم میں اہل ایلہ سے خرید لیا تھا¹¹⁹۔ یہ چادر خضر موتی ساخت کی تھی جس کا طول چار گز اور عرض دو گز اور ایک بالشت تھا یہی چادر عباسی خلفاء کو وراثت میں ملتی رہی، یہاں تک کہ یہ بوسیدہ ہو گئی تو اسے کپڑے میں لپیٹ کر رکھا جاتا اور خلفاء اسے صرف اہم جلسوں یا مذہبی تہواروں پر ہی اپنے کندھوں پر ڈال لیا کرتے¹²⁰۔ یہ چادر آخری عباسی فرمانروا المتقدر باللہ تک بطور وراثت پہنچی لیکن سقوط بغداد کے وقت یہ خون سے آلودہ ہو گئی اور گمان غالب یہ ہے کہ اس کے بعد یہ ضائع ہو گئی ہوگی¹²¹۔ بعض مؤرخین کے نزدیک سقوط بغداد کے وقت عباسی خاندان کے لوگ یہ چادر مصر جاتے ہوئے اپنے ہمراہ لے گئے جب سلطان سلیم نے مصر فتح کیا تو اس نے عباسیوں سے خلافت کے ساتھ ساتھ یہ چادر بھی لے لی¹²²۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

انگوٹھی:-

عہد رسالت میں قیصر و کسریٰ صرف ایسے ہی خطوط کو شرف قبولیت بخشے تھے جس کے ابتداء یا آخر میں کوئی مہر ہوتی۔ اس چیز کو محسوس کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے ایک مہر بنوائی جس پر ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ کندہ تھے۔ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ یہ انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا ٹکینہ بھی چاندی ہی کا تھا¹²³۔ یہ مہر دائرے کی شکل میں تھی اس میں سب سے اوپر اللہ، اس کے نیچے رسول اور سب سے آخر میں محمد ﷺ لکھا ہوا تھا¹²⁴۔ جب کہ ابن کثیر کے بقول یہ مہر تین سطروں پر مشتمل تھی اور اس کی پہلی سطر میں محمد ﷺ، دوسری سطر میں رسول اللہ اور تیسری سطر میں اللہ لکھا ہوا تھا¹²⁵۔ یہ مہر نبوت حضور اکرم ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ تک پہنچی، حضرت عثمانؓ سے یہ مہر چاہا ریس میں گر گئی۔ تلاش کے باوجود نہ ملنے پر حضرت عثمان غنیؓ نے اس کی مثل دوسری مہر بنوائی¹²⁶۔

حضرت عثمان غنیؓ کے بعد جتنے بھی خلفاء آتے رہے وہ اپنے لیے ایسی ہی مہریں بنواتے رہے اس مہر کو خطوط کے آغاز پر یا اختتام پر گیر و مٹی یا سیاہی کے ذریعے لگواتے اور پھر ان خطوط کو لفافوں میں بند کر کے موم کے اوپر وہ مہر لگا دیتے¹²⁷۔ عہد عباسیہ میں ایک خاص قسم کی سرخ مٹی جسے طین کہا جاتا پانی میں گھول کر اس میں انگوٹھی ڈال کر مہر ثبت کر دی جاتی۔ یہ مٹی خاص طور پر سیراف (ایرانی شہر) سے منگوائی جاتی تھی۔ سلطنت عباسیہ میں مہر ثبت کرنے کا کام عام طور پر خلفاء یا وزراء اپنی نگرانی میں کرواتے تھے¹²⁸۔

بعض اوقات اس انگوٹھی کو وزارت کے کنایے کے ساتھ منسوب کیا جاتا۔ جیسے ہارون الرشید نے یحییٰ بن خالد برمکی سے کہا کہ میں اپنی انگوٹھی کو دائیں ہاتھ سے نکال کر بائیں ہاتھ میں پہننا چاہتا ہوں۔ اس سے مراد یہ تھی کہ میں وزارت کا قلمدان اب فضل بن یحییٰ کی بجائے جعفر بن یحییٰ کو دینا چاہتا ہوں¹²⁹۔

خلفاء کی یہ مہریں بڑی عزت و عظمت کی حامل ہوتیں، یہی وجہ تھی کہ جب وزیر یا عہدیداران اس کو اپنے ہاتھ میں لیتے تو تعظیماً کھڑے ہو جاتے¹³⁰۔ ان مہروں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب سیدنا حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں صلح طے پا گئی تو حضرت امیر معاویہؓ نے ایک سفید کاغذ پر مہر لگا کر سیدنا حسنؓ کے پاس بھیجا کہ اس کاغذ پر تم جو بھی شرائط لکھو گے ہمیں منظور ہوں گی چنانچہ سیدنا حسنؓ نے جو کچھ بھی اس پر لکھ کر بھیجا اسے ہی حتمی شرائط سمجھ کر فریقین نے منظور کر لیا¹³¹۔

خلفاء عام طور پر اپنی انگوٹھیوں میں ایسی عبارت کندہ کرواتے جن میں پند و نصیحت کی باتیں ہوتیں، جیسے حضرت ابو بکرؓ کی انگوٹھی میں نعم القادر اللہ¹³² ”اللہ ہی سب سے بڑھ کر قادر ہے“ کے الفاظ کندہ تھے اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ کی انگوٹھی پر کفی بالموت واعظ یا عمر¹³³ ”مے عمر نصیحت اور واعظ کے لیے موت ہی کافی ہے“ کی عبارت نقش تھی۔ حضرت عثمان غنیؓ کی انگوٹھی پر لصبرن اولئندمن¹³⁴ ”صبر کرو ورنہ پشیمان ہونا پڑے گا“ کے الفاظ کندہ تھے۔ حضرت علیؓ کی انگشتی پر الملک للہ¹³⁵ ”ملک اللہ ہی کا ہے“ کے الفاظ نقش تھے اس معاملے میں خلفائے بنو امیہ اور بنو عباس نے بھی خلفائے راشدین کی سنت

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کی اتباع کی۔ حضرت امیر معاویہؓ کی انگٹھی پر لافسۃ الابل اللہ¹³⁶ ”بجز اللہ کے اور کسی میں طاقت نہیں“ کے الفاظ تحریر تھے۔ جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی انگٹھری میں لکھل عمل ثواب¹³⁷ ”ہر ایک کام کا ایک نہ ایک اجر ہے“ کے الفاظ تحریر تھے بعض مؤرخین کے نزدیک آپ کی انگٹھی پر عمر یومن باللہ مخلصاً¹³⁸ ”عمر اللہ پر مخلصاً ایمان رکھتا ہے“ کا نقش تھا عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح کی انگٹھی پر اللہ ثقة عبداللہ وبہ یومن¹³⁹ ”اللہ ہی پر عبد اللہ کا بھروسہ ہے اور وہ اسی پر ایمان لایا ہے“ کی عبارت کندہ تھی جب کہ متوکل علی اللہ کی انگٹھی پر جعفر علی اللہ یتوکل¹⁴⁰ ”جعفر کا بھروسہ اللہ پر ہے“ کا نقش تھا۔

ابتداء خلافت میں اقتدار اعلیٰ کے علامتی نشانات میں رسول اللہ کی عبا آپ کا عصا اور مہربوی تھی اور خلفاء ان چیزوں کو ہی خاص خاص تقاریب میں زیب تن کرتے تھے¹⁴¹۔ اس کے بعد کچھ اور چیزیں بھی اس میں داخل ہو گئیں جو خلافت کی علامت اور امتیازی نشان تصور ہونے لگیں ان تمکات کو عباسی خلفاء چاندی کے صندوق میں محفوظ رکھتے تھے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

_____ چادر مہوی ﷺ	_____ حضور اکرم ﷺ کا دندان مبارک
_____ آپ کے چند موئے مبارک	_____ آپ کی پاپوش مبارک
_____ علم مہوی ﷺ کا باقی کچھ حصہ	_____ حضرت ابراہیم کا استعمال شدہ وہ برتن جس میں آپ
_____ امام ابوحنیفہؒ کا جبہ	_____ آپ زم زم پیتے تھے۔
_____ حضرت یحییٰؑ کا ذراع وغیرہ	

ہر سال 15 رمضان کو ان تمکات کی زیارت ہوتی تھی۔ خلیفہ اپنے مصاحبین کے ہمراہ ان تمکات کی زیارت کرنا اور ان سے فیوض و برکات حاصل کرنا۔ عصا خلافت کی تیسری اہم چیز تھی جب کوئی نیا خلیفہ مسند نشین ہوتا تو چادر، انگٹھی اور عصا اس کے سامنے پیش کیے جاتے¹⁴²۔

عہد عباسی میں نشانات خلافت بڑی اہمیت کے حامل تھے جو درج ذیل ہیں۔

خطبہ، سکہ اور طراز:-

اماموں کے خطبوں میں خلیفہ کے لیے دعائیہ کلمات شامل کیے گئے۔ اس کام کا آغاز سب سے پہلے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے کیا¹⁴³۔ پھر ان کے بعد یہ سلسلہ جاری و ساری رہا اور منبر پر خلیفہ کے لیے دعا مانگنا مذکورہ خلیفہ کی حکومت کی علامت سمجھا جاتا تھا، جبکہ اس کے برعکس عہد فاروقی میں گورنر مصر حضرت عمرو بن العاصؓ نے مسجد میں منبر بنوایا۔ خلیفہ وقت کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپؓ نے گورنر مصر کی سخت الفاظ میں سرزنش کی اور فرمایا:

”مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے منبر بنا لیا ہے جس کے ذریعے تم مسلمانوں پر سوار ہو جاتے ہو کیا تم

سے اس بات پر قناعت نہ ہو کہ تم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے اور مسلمان تمہارے قدموں میں

بیٹھتے۔ میں نے تمہیں اللہ کا واسطہ دیا لیکن پھر بھی تم نے اسے نپوڑا،¹⁴⁴۔

مندرجہ بالا واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خطبوں میں خلیفہ کا اپنے لیے دعائیں کروانا تو درکنار کبار صحابہ کے نزدیک مسجدوں میں منبر بنوانا بھی کس قدر ناپسندیدہ تھا اسی لیے خلیفہ ثانی نے حضرت عمرؓ بن العاص کی سخت الفاظ میں تنبیہ کی۔

حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ پر قاتلانہ حملے کے بعد خلفاء صرف مقصوروں تک ہی محدود ہو گئے یا پھر مسجد جانے سے احتراز کرنے لگے پھر ان خلفاء نے نمازیں پڑھانے اور خطبے دینے کے لیے اپنے جانشین مقرر کر دیئے جو منبر پر خلفاء کیلئے دعائے خیر کرے لیکن جب خلفاء پر دو رانخطاط آیا تو ان کے اختیاراً سلب اور صوبے خود مختار ہونے لگے۔ تب یہ غاصب سلاطین خطبوں میں خلفاء کے ذکر خیر کے ساتھ خود بھی شریک ہونے لگے، تاہم ان غاصب حکومتوں کے ختم ہوتے ہی خطبوں میں ان کا نام بھی نکال دیا گیا اور اب ان دعاؤں کو صرف خلیفہ یا سلطان کے لیے ہی مخصوص کر دیا گیا¹⁴⁵۔ تاہم خلافت کے زوال کے بعد دعائے خیر کا یہ سلسلہ تو مفقود ہو گیا البتہ خلفائے راشدین کے حق میں دعاؤں کا سلسلہ آج بھی جاری ہے¹⁴⁶۔

سکہ:-

عجمی عہد میں سکوں پر سلاطین وقت، قلعوں اور جانوروں کی تصاویر ہوتی تھیں پھر طلوع اسلام کے بعد دین کی سادگی اور عربوں کی غیر متمدن زندگی کی وجہ سے سکوں سے بے اعتنائی برتی گئی تاہم اب مسلمان سونے چاندی کے وزن کے اعتبار سے اپنے معاملات طے کرنے لگے۔ جرجی زیدان کے بقول خالد بن ولید نے 15ھ/636ء میں طبریہ کے مقام پر سکے مضروب کروائے یہ سکے رومی دینار کے ہم شکل تھے البتہ اس کے ایک طرف صلیب، تاج اور چوگان کا نقش تھا جب کہ دوسری طرف یونانی حروف میں خالد کا نام (XAAEA) منقوش تھا¹⁴⁷۔

18ھ/639ء میں حضرت عمر فاروقؓ نے اسلامی سکے جاری کئے جو نو شیروانی سکوں کے مشابہ تھے البتہ ان سکوں پر الحمد للہ، محمد رسول اللہ اور لا الہ الا اللہ کے نقش تھے¹⁴⁸۔

الماوردی کے نزدیک عہد فاروقی میں تین قسم کے درہم رائج تھے یعنی بغلی درہم آٹھ دانگ (چھرتی وزن کا ایک دانگ ہوتا تھا) کا، طبری چار دانگ کا اور مغربی درہم تین دانگ کا ہوتا۔ خلیفہ ثانیؓ نے حکم دیا کہ بغلی اور طبری درہم چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لیے دونوں درہم کو ملا کر ان کا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے۔ اس فارمولے کی رو سے اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا¹⁴⁹۔ اسلامی درہم عجمی درہم کے مقابلے میں خالص چاندی کا ہوتا تھا اور اس میں کھوٹ نام کی کوئی چیز نہ ہوتی۔

حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں بھی سکے مضروب ہوئے اور یہ حضرت امیر معاویہؓ کے نام سے ہی مشہور تھے۔ اس کی شکل عجمی دینار سے مشابہ تھی اس میں صرف اتنا فرق تھا کہ عربی دینار پر حضرت امیر معاویہؓ کا نام کندہ تھا جب کہ عجمی دینار پر یہ نام نہ تھا¹⁵⁰۔

یحییٰ بن نعمان غفاری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے معصب بن زبیرؓ نے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ کے حکم

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

سے اکاسرہ (نوشیروان بادشاہ کا لقب) کے ٹیکسال پر درہم ضرب کروائے۔ ان سکوں کے ایک طرف ”بمکتہ اللہ“ اور دوسرے طرف ”اسمہ اللہ“ کے الفاظ تحریر کروائے¹⁵¹۔ ایک سال کے بعد حجاج بن یوسف نے اس کو بدل کر اس کی ایک طرف بسم اللہ اور دوسری طرف حجاج لکھوایا¹⁵²۔

74ھ/693ء میں عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے درہم ضرب کروائے تاکہ کھرے کھوٹے سکوں میں فرق روا رکھا جاسکے۔ پھر ممالک محروسہ (بادشاہ کے زیر نگرانی علاقے) میں خلیفہ کے حکم سے سکوں کی گردش شروع ہوئی۔ ان سکوں پر ایک طرف اللہ احد اور دوسری طرف اللہ الصمد کندہ تھا¹⁵³۔

یزید بن عبدالملک کے دور 104ھ/722ء میں عراقی گورنر عمر بن ہبیرہ نے پہلے سے زیادہ خوبصورت اور کھرے سکے ضرب کروائے¹⁵⁴۔ اس کے بعد جب خالد بن عبداللہ قسری والی عراق بنا تو اس نے سکوں کو اور زیادہ نفاست سے بنوایا۔ عراقی گورنر یوسف بن عمر کے دور میں پہلے دونوں ادوار کی نسبت سکے زیادہ خالص چاندی کے ضرب کروائے گئے۔ عہد اموی میں یہ سکے ہبیرہ، خالد یہ اور یوسفیہ کے ناموں سے مشہور تھے۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ عمر بن ہبیرہ کے سکے تھے¹⁵⁵۔

اموی سکوں کا نقش ایک طرف درمیان میں لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له اور اس کے گرد بسم اللہ ضرب ہونا الدرہم بیلد کذا سنۃ کذا کا ہونا تھا اور دوسری طرف وسط میں اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفو احد اور اس کے گرد محمد رسول اللہ ارسلہ بالہدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون منقوش ہوتا تھا۔ یہ عبارت درہم و دینار دونوں پر یکساں کندہ ہوتی¹⁵⁶۔

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور ان سکوں (ہبیرہ، خالد یہ اور یوسفیہ) میں ہی خراج وصول کرتا تھا اس کے نزدیک ان کے علاوہ خراج کسی اور کرنسی میں قابل قبول نہ تھا۔ اس دور میں سکے بنانے کے ٹیکسال ملک کے بڑے بڑے شہروں میں موجود تھے جیسے بغداد، قاہرہ، دمشق، بصرہ اور قرطبہ وغیرہ۔ انہیں دار الضرب کہا جاتا تھا¹⁵⁷۔

طراز یعنی معرکہ بھی علامات خلافت میں داخل تھا شاہی کرفر اور حکومت کی رسموں میں سے یہ ایک اہم رسم تھی اسلام سے قبل سلاطین عجم اپنے لباسوں پر خود اپنی یا اپنے سے پہلے نامور بادشاہوں کی تصاویر، تلوار کے نقش، ستاروں، مختلف ناموں یا مخصوص علامات کو حریرو دیباچ سے کندہ کرواتے۔ یہ نام، تصاویر اور علامتیں سونے کے تاروں یا رنگین دھاگوں سے جو کپڑوں کے رنگ کے برعکس ہوتے تانے بانے ہی میں منقوش کردی جاتیں جو واضح طور پر دکھائی دیتیں۔ انہی سے ہی لوگوں کے عہدوں اور مراتب کا فرق معلوم ہوتا تھا۔ مسلمان حکمرانوں نے عظمت و اقتدار میں قیصر و کسریٰ کی تقلید تو کی لیکن شریعت اسلامیہ میں تصاویر کی حرمت کے پیش نظر ان کی بجائے ایسے ناموں اور مقدس کلمات کا منقوش کرنا مناسب سمجھا جس سے نیک فال مراد لی جاتی ہو اور وہ احکام شاہی کے قائم مقام بھی ہو¹⁵⁸۔

خلفائے راشدین اپنی بدویانہ سادگی کے دلدادہ رہے اور انہوں نے کبھی بھی اس قسم کی شان و شوکت دکھانے کی کوشش نہ کی تاہم

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اموی حکمران چونکہ نظام حکمرانی میں رومیوں سے بڑے متاثر تھے اس لیے انہوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی تقلید کی۔

مصر اور شام کے لوگ اسلامی قلمرو میں شامل ہونے کے باوجود کپڑوں، بارہداری و سواری کے جانوروں اور قرطاسوں (قرطاس مصر میں بننے والی ایسی چادر کو کہا جاتا جس میں ظروف اور کپڑے باندھ کر عرب ممالک میں بکھوائے جاتے تھے) پر رومی طراز ہی بنواتے رہے۔ ان شہروں میں چونکہ عیسائیوں کی اکثریت تھی اس لیے ان کے قرطاسوں پر بسم الاب والابن والروح القدس کی عبارت کا طراز کندہ ہوتا تھا¹⁵⁹۔ 692/73ھ تک رومی طراز کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ عبدالملک بن مروان پہلا اموی خلیفہ تھا جس نے اسے رومی سے عربی رسم الخط میں تبدیل کیا۔ اس نے حاکم مصر عبدالعزیز بن مروان کو لکھا کہ کپڑوں اور قرطاسوں پر رومی طراز کو تو حید کے کلمہ لا الہ الا اللہ سے بدل دیا جائے، اس کے ساتھ ہی خلیفہ وقت نے رومی طراز سے آراستہ قرطاسوں کو مملکت اسلامیہ میں تلف کرنے اور حکم عدولی کی صورت میں بھاری جرمانے عائد کرنے اور سخت سزاؤں کے احکامات جاری کیے¹⁶⁰، اس نے فوجی وردیوں اور عہدیداران سلطنت کے لباسوں پر ایسے طراز بنانے کا حکم دیا جس میں خلیفہ کا نام، اس کا لقب یا اس کے مثل کوئی عبارت نقش ہوتی جو اس بات پر دلالت کرتی کہ اس علاقے میں فلاں شخص کی حکومت ہے۔ اس طرح جب کوئی والی خلیفہ کی اطاعت سے نکلنے کا قصد کرتا تو خطبوں میں خلیفہ کے نام کی بندش کے ساتھ ساتھ طراز پر بھی اس کے نام کو خارج کر دیتا جیسا کہ مامون الرشید نے اپنی ولایت خراسان کے زمانہ میں کیا۔ مامون الرشید کو جب یہ خبر ملی کہ خلیفہ امین الرشید نے ولی عہدی سے مامون الرشید کو خارج کر دیا ہے تو اس نے انتقاماً امین الرشید کے طراز کی بجائے خراسان میں اپنے نام کا طراز رائج کر دیا¹⁶¹۔

طراز کے لیے شاہی محلوں میں کارخانے قائم کر دیئے گئے جن کو دو در طراز (شاہی کپڑے بننے کے کارخانے) کہا جاتا تھا اور اس کا افسر اعلیٰ صاحب طراز کہلاتا تھا۔ اس کے ذمے رنگوں، اوزاروں اور کام کرنے والوں کی دیکھ بھال، انہیں مزدوریاں دینا، اوزاروں کی سہولت بہم پہنچانا اور ان کے کام میں ہر ممکن تعاون کرنا شامل تھا۔ یہ عہدہ حکومت کے خاص خاص لوگوں اور قابل بھروسہ آزاد کردہ غلاموں کو دیا جاتا تھا¹⁶²۔

عباسی خلفاء کے مشاغل:-

دولت کی کثرت اور ملک کی خوشحالی کی وجہ سے عہد عباسی میں عوام عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ خلفاء، امراء اور ارکان سلطنت کے محلات رونق اور شان و شوکت میں ضرب المثل تھے غناء و طرب کی محافل کے لیے محلوں کی عمارات عالیشان اور کشادہ رکھی جاتیں تھیں۔ اس دور میں لوگ اپنے آرام و سکون پر کھلے دل سے خرچ کرتے اور زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ خلفاء، وزراء، امراء اور ممتاز ارکان سلطنت کے محلوں میں مغنیوں اور موسیقی کے ماہرین کا ہر وقت جھمگھماگا رہتا، اس موقع پر خلفاء کی محفلیں شان و شوکت اور حسن و جمال کا بے مثل نمونہ پیش کرتیں۔ عباسی چونکہ ایرانیوں سے بڑے متاثر تھے اس لیے انہوں نے اپنی محفلوں کا نظام بھی ایرانیوں سے ہی اخذ کیا۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ابو العباس السفاح کا معمول تھا کہ وہ روزانہ کچھ دیر ندیموں اور مغنیوں کی محافل میں گزارتا، ان کی آمد سے السفاح کو بڑی مسرت ہوتی۔ السفاح نے اپنے آخری دور میں ایک خاص وقت مقرر کیا ہوا تھا جب وہ انہیں شرف بازیابی کا موقع دیتا۔ جب یہ لوگ رخصت ہوتے تو انہیں انعام و اکرام سے نوازتا جس سے یہ لوگ خوش ہو جاتے تھے ان کے بارے میں خلیفہ کا کہنا تھا کہ یہ لوگ انعام کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہ لوگوں میں خوشیاں بانٹتے ہیں¹⁶³۔

ابو العباس السفاح کے برعکس ابو جعفر منصور مجلس عیش و نشاط میں اپنے اور ان کے درمیان پردہ حائل رکھتا تھا اور اس کے مصاحبین کی نشستیں اس سے تقریباً بیس میٹر کے فاصلے پر ہوتی تھیں¹⁶⁴۔

مہدی بن ابو جعفر منصور موسیقی کی محفلوں کا بڑا شوقین تھا۔ خلافت کے پہلے سال تک مہدی منصور کی طرح مغنیوں سے دور بیٹھتا اس کے اور ان کے درمیان پردہ حائل ہوتا تھا لیکن ایک سال کے بعد خلیفہ درمیان میں حائل پردہ سے بے نیاز ہو گیا اور پھر یہ اپنے ندیموں کے ساتھ نشست و برخاست کرنے لگا۔ جب لوگوں نے اس سے کہا کہ امیر المومنین آپ کا پس پردہ بیٹھنا ہی زیادہ مناسب ہے تو اس پر مہدی بن منصور نے کہا کہ ”مشاہدہ دیدار میں بڑا لطف ہے“¹⁶⁵۔ مہدی کے مصاحبین ان مجالس میں نبیذ کا شوق بھی فرماتے جب کہ مہدی ان چیزوں سے اجتناب کرتا تھا¹⁶⁶۔

ہادی بن مہدی بن ابو جعفر منصور گانے سننے، شراب خوری، کھیل کود اور عمدہ قسم کے کھوڑوں پر سواری کا شوقین تھا¹⁶⁷۔ ابن جامع، امراہیم موصلی، زبیر بن رحمان اور غنوی اس کے مقرب مغنیوں میں شمار ہوتے تھے وہ ان محافل موسیقی میں اپنے عزت و وقار کا پورا پورا خیال رکھتا تھا اور کوئی ایسی حرکت نہ کرتا تھا جس سے اس کی شان و شوکت اور جاہ و جلال میں فرق آئے۔ اگر کسی مغنی کا گانا اسے پسند آ جاتا تو یہ اسے بڑے سے بڑا انعام دینے سے بھی گریز نہ کرتا اور بعض اوقات اس نے مغنیوں کو دس لاکھ درہم کے انعام بھی دیئے¹⁶⁸۔

خلفائے بنو عباس^۳ میں ہارون الرشید پہلا خلیفہ تھا جس نے ان مغنیوں کے مختلف مراتب و طبقات مقرر کیے اور خلیفہ انہیں بڑے بڑے صلوات اور انعامات سے نوازتا۔ امراہیم موصلی، اسماعیل ابو القاسم ابن جامع اور زبیر بن منصور اس کے مقربین اور طبقات اولیٰ میں شمار ہوتے تھے۔ ہادی کی طرح یہ بھی مغنیوں اور فن موسیقی کے ماہرین کی بڑی پذیرائی کرتا¹⁶⁹۔ ہارون الرشید کو اگر کسی مغنی کا گانا پسند آ جاتا تو اس کے مراتب میں اضافہ کر دیتا اور اسے انعام سے بھی نوازتا، جیسے اسحاق برصوم کے فن سے خوش ہو کر ہارون الرشید نے اسے وہ قالین دے دیا جو اس وقت دربار میں بچھا تھا اس کی مالیت اس دور میں دو ہزار درہم سے زیادہ تھی، اسی طرح برصوم اور زامر کو اس کے فن سے خوش ہو کر خلیفہ نے اسے طبقہ ثانی سے طبقہ اولیٰ میں شامل کر دیا¹⁷⁰۔ عباسی خلفاء میں ہارون الرشید کے دربار میں علماء، شعراء، فقہاء و قراء، انشا پردازوں، ندیموں اور مغنیوں کا ہر وقت جھگمگھا رہتا۔ خلیفہ کی ان مجالس میں جہاں ان فنکاروں کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا موقع ملتا وہاں اس کے ساتھ ساتھ ان کے مراتب بھی بلند ہوتے رہتے¹⁷¹۔

عباسی خلفاء کے قصروں میں ان مجالس طرب و غناء کا انعقاد بڑے اہتمام سے ہوتا تھا اور قصر کے ایوان صدر میں کسی ایک مقام کو

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

بزم طرب کے لیے مخصوص کر دیا جاتا، اس کے گرد پیش مخصوص باڈی گارڈنگ کپڑے پہنے کھڑے رہتے اور اس کے دائیں بائیں سلطنت کے ممتاز افراد اور اعیان مملکت قطار در قطار کھڑے ہوتے¹⁷²۔ ان مجالس طرب و غناء کا سلسلہ صرف بادشاہ کے محلوں تک ہی محدود نہ ہوتا بلکہ ایسی مجالس امراء، وزراء و ارکان سلطنت کے محلوں میں بھی منعقد ہوتی تھیں۔ جعفر بن یحییٰ برمکی کے محل میں ان مجالس کا انعقاد بطور خاص ہوتا، ان مجلسوں میں نندیوں اور مغنیوں کو مدعو کیا جاتا جن سے جعفر بن یحییٰ مانوس ہوتا۔ یہ لوگ سرخ، سبز اور زرد لباس میں ملبوس اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے اس کے بعد شراب کے ساغر پہ ساغر چلتے اور ساز چھڑ جاتے¹⁷³۔ بعض اوقات ان غناء و طرب کی مجالس کا انعقاد مشترکہ طور پر بھی ہوتا، ان میں ایک طرف خلیفہ اور دوسری طرف ان وزراء کے موسیقار اور مغنی ہوتے، پھر ان میں مقابلہ ہوتا تھا، ان مجالس میں اکثر خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے ابن جامع اور جعفر بن یحییٰ کی طرف سے امراہیم کے درمیان مقابلہ ہوتا تھا ایک بار ایسا ہی مقابلہ ابن جامع اور امراہیم کے درمیان ہوا، اس میں امراہیم کوئی پُرکشش دھن پیش کرنے سے قاصر رہا، اس سے جعفر بن یحییٰ کو خلیفہ کے سامنے بڑی ہزیمت اٹھانا پڑی¹⁷⁴۔

عباسی خلفاء میں امین الرشید نندیوں اور مغنیوں کو عطیات دینے میں سب سے آگے تھا اسحاق بن امراہیم موصلی کا بیان ہے کہ اگر امین الرشید اور اس کے نندیوں میں کوئی پردہ حائل ہوتا تو فوراً سے ہٹا دیا جاتا یہاں تک کہ وہ چہرے سے نقاب بھی ہٹا دیتا اور وہ ان نندیوں کے درمیان بیٹھنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتا۔ امین الرشید ایسی مجالس کا اس قدر شوقین تھا کہ قتل سے قبل جب اسے یہ بتایا گیا کہ وہ اس وقت دشمنوں کے زعمے میں ہے تو وہ اس وقت بھی سلیمان بن ابو جعفر منصور کے ساتھ بیٹھا شراب سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور ضعف نامی خاتون اُسے اپنے گانوں سے مظلوظ کر رہی تھی¹⁷⁵۔

اپنے اسلاف کی طرح مامون الرشید بھی موسیقی سے خاص شغف رکھتا تھا امین الرشید کے قتل کے بعد مامون الرشید جب بغداد آیا تو ابتدائی سات سالوں تک یہ مغنیوں اور نندیوں سے دور رہا۔ پھر اس کے بعد ہارون الرشید کی طرح اس نے پردے کے پیچھے سے گانا سننا شروع کیا لیکن تھوڑے عرصے کے بعد ہی اسے یہ پردہ اپنے اور ان کے درمیان رکاوٹ محسوس ہونے لگا لہذا اب یہ ان کے درمیان ہی بیٹھ کر گانا سننے لگا۔ دربار مامون میں اس فن کے لوگوں کی بڑی پذیرائی ہوتی، یہی وجہ تھی کہ اس عہد میں اسحاق بن امراہیم موصلی کو اہم مقام حاصل تھا¹⁷⁶۔ مامون الرشید اس کے فن موسیقی سے بڑا متاثر تھا اس کے بارے میں مامون کا قول ہے۔

”اسحاق کی شہرت عوام میں اگر بحیثیت موسیقار نہ ہو گئی ہوتی تو میں اسے منصب قضاء پر

مامور کرتا کیونکہ یہ موجودہ زمانے کے تمام قاضیوں سے زیادہ دیندار اور امین ہے اور اچھے

کردار و اوصاف کا مالک ہے“¹⁷⁷۔

خلیفہ معتصم باللہ بھی اسحاق بن امراہیم کے فن سے بڑا متاثر تھا اس لیے معتصم جب خلیفہ بنا تو اس نے اس کا سالانہ وظیفہ مقرر

کر دیا تھا¹⁷⁸۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

عباسی خلفاء واثق باللہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ خود بھی فن موسیقی کا بڑا ماہر تھا اور اس نے بہت سی راکنیاں اور نئی دھنیں بنائیں اس کی بنائی ہوئی راگنیوں اور دھنوں کی تعداد سو سے زیاہ بیان کی جاتی ہے¹⁷⁹۔ واثق عود (ایک خاص قسم کا ساز) بجانے میں اپنا ثانی نہ رکھتا۔

اسے شعر و شاعری اور فن موسیقی پر قدرت حاصل تھی اور نائی ریختی واقعات اسے ازبہ تھے۔ واثق اس فن میں یدِ طولیٰ رکھنے کے باوجود اسحاق بن ابراہیم موصلی کی بھی بڑی قدر کرتا اسی لیے واثق جب بھی شہر سے باہر جانا اسحاق بن ابراہیم اکثر اس کا شریک سفر ہوتا¹⁸⁰۔

عباسی خلفاء شکار کے بڑے شوقین تھے اس لیے وہ بڑے ہتھام سے اس مہم پر نکلتے تھے۔ مہدی بن منصور جب شکار کے لیے نکلتا تو اس کے ساتھ فوج ظفر موج ہوتی اور اس مقصد کے لیے باقاعدہ سفر کیے جاتے۔ سوار اس کے ساتھ نگلی تلواریں لیے چلتے جب کہ غلام اور فوج اس کے پیچھے پیچھے چلتے۔ مہدی شکار کے لیے اکثر دریائے دجلہ کے کنارے کنارے چلتا کیونکہ یہاں پر پرندے اور ہرن بکثرت ملتے تھے¹⁸¹۔

عباسیوں کے دور اول میں گھڑ دوڑ خلفاء، امراء اور راکمین سلطنت کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس دور کے فقہا کرام نے اسے جسمانی ورزش کا ذریعہ اور شرعی نقطہ نظر سے جائز قرار دیا۔ خلفاء اور وزراء گھوڑوں کی تربیت میں غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے۔ بعض اوقات جیتنے والے گھوڑے کا مالک شکست خوردہ گھوڑے پر قبضہ کر لیتا تھا۔ ہاروان الرشید کے شوق کا یہ عالم تھا کہ رقبہ کی گھڑ دوڑ میں اکثر اس کے گھوڑے دوڑتے اور وہ اپنے گھوڑوں کے جیتنے پر بڑا خوش ہوتا، لوگوں میں جوش و خروش پیدا کرنے کے لیے بعض اوقات گھڑ دوڑ پر شرطیں بھی لگائی جاتی تھیں¹⁸²۔

عباسی عہد کے کھیلوں میں شطرنج بھی ایک اہم کھیل تصور ہوتا تھا اس کا آغاز ہارون الرشید نے کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ کھیل دارالخلافہ میں بڑا مقبول ہو گیا، اس طرح یہ کھیل خلفاء و امراء سے نکل کر رعایا کا بھی محبوب مشغلہ بن گیا۔ دراصل اس کھیل کو ہندوستان کے قومی کھیل کی حیثیت حاصل تھی۔ بعد ازاں یہ بغداد کے اہم کھیلوں میں شمار ہونے لگا¹⁸³۔

بغداد آمد کے بعد مامون الرشید شطرنج میں گہری دلچسپی لینے لگا۔ اس نے یہاں آنے کے بعد شطرنج کے بڑے بڑے کھلاڑیوں کو مدعو کیا۔ کھیل کے دوران دوسرے کھلاڑی خلیفہ کے مرتبے کی پیش نظر بہت ڈر کر کھیل رہے تھے اس پر مامون نے جھکا کر کہا

”شطرنج کھیلنے میں کسی کے رعب و دبدبہ کا لحاظ نہ ہونا چاہیے یہاں پر بھی تم لوگ اس طرح

آزادی سے بولو جس طرح تم اپنے گھروں میں بولتے ہو“¹⁸⁴۔

مختصم باللہ کو چوگان (پولو) کا بہت شوق تھا ایک دفعہ اس نے اپنے ترک سپہ سالار افشین کو مقابلے کی دعوت دی، جسے افشین نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے کھیل میں بھی امیر المؤمنین کا مخالف ہونا منظور نہیں ہے¹⁸⁵۔

عباسیوں نے ایرانیوں کی تقلید میں بازو و شکرے کے ذریعے شکار کو اپنا معمول بنایا۔ اس طرح خلفاء ہرن، چیتل، خرگوش، مرغابی اور جنگلی بٹخ وغیرہ کا شکار بازو و شکرے سے کرنے لگے۔ کتوں سے درندوں کا شکار کرنے میں بھی ان پرندوں سے مدد لی جانے لگی۔ مسلمان

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

شکاری اس سلسلے میں ایک خاص یہ احتیاط کرتے تھے کہ جب یہ کتے کسی زخمی شکار کو لاتے تو شکاری فوراً اسے ذبح کر لیتے مبادا وہ زخمی جانور مردہ جائے کیونکہ اسلام میں مردہ جانور کا گوشت حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

_____ انما حرم علیکم المیتہ ¹⁸⁶۔

”بے شک اس (اللہ) نے تم پر مردار (مردہ جانور) کو حرام کیا ہے“

_____ حرمت علیکم المیتہ ¹⁸⁷۔

”تم پر مرے ہوئے جانور حرام ہیں“

_____ قل لا اجد فیما اوحی الی محرماً علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتہ ¹⁸⁸۔

”کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں ان میں سے کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے

حرام نہیں پاتا بجز اس کے کہ وہ مرے ہوئے جانور ہوں“

چیتے کے ذریعے شکار کرنا معتصم باللہ کا محبوب مشغلہ تھا تاہم معتصم باللہ کے شکار کا یہ طریقہ تھا کہ اس کے شکاری ساتھی شکار کے گرد تین اطراف میں کھڑے ہو جاتے جبکہ شکار کے چوتھی طرف دریائے دجلہ ہوتا تھا۔ اب شکار نہ تو ان کے درمیان سے گزر سکتا تھا اور نہ ہی دجلہ میں کودنا اس کے لیے ممکن تھا اس طرح با آسانی خلیفہ اس جانور کو شکار کر لیتا ¹⁸⁹۔

عباسی خلیفہ مستعجد باللہ کو شیر پالنے کا بڑا شوق تھا اس لیے اس کے دربار میں شیروں کی کثرت تھی اس سے ملاقاتیوں اور رعایا پر بادشاہ کی ہیبت طاری رہتی ¹⁹⁰۔ عباسی خلفاء چونکہ شکار کے شوقین تھے اس لیے اپنے شکاری کتوں کی تربیت کے لیے خاص اہتمام کیا جاتا تھا ایک شخص کو تربیت کے لیے صرف ایک ہی کتا دیا جاتا تا کہ وہ پوری توجہ کے ساتھ اس کی تربیت کر سکے ¹⁹¹۔

عباسیوں کے دور اول میں نزد (چوسر کی گوٹ، شطرنج کا مہرہ) بڑا مقبول کھیل تھا اس کھیل میں کپڑے کے ایک ٹکڑے پر تیس پتھر کے ٹکڑے اور دو رنگ رکھے جاتے، اس کپڑے کے ٹکڑے پر بارہا چوبیس گھر بنے ہوتے اس کھیل کے ماہرین نے نزد کھیلنے کے کپڑے کو زمین سے، اس کے گھروں کے رنگ کے اختلاف کو دون کی سفیدی اور رات کی سیاہی سے تشبیہ دی تھی اور رنگ بھینکنے کے بعد جو نتیجہ برآمد ہوتا اسے قضائے مقدر سے تعبیر کیا جاتا ¹⁹²۔

عہد عباسی میں کرکٹ، ٹینس چوگان (پولو) تیر اندازی اور نیز بازی ریا عا کے بھی محبوب مشاغل میں شامل تھے ¹⁹³۔ تیر اندازی مردوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ عورتیں بھی اس فن میں مشاق تھیں۔ اس طرح قص بھی صرف پیشہ ور خواتین تک محدود نہ تھا بلکہ اونچے طبقے کی جوان لڑکیاں بھی قص کا شوق رکھتی تھیں ¹⁹⁴۔

ایرانی تہذیب و ثقافت کی جھلک عباسیوں کے تمام شعبہ ہائے زندگی میں نمایاں نظر آتی ہے اور اس عجیب و غریب و ثقافت کے اثرات ہادی، ہارون الرشید اور مامون الرشید کے دور میں اپنے بام عروج پر تھے یہی وجہ تھی عباسیوں نے ایرانیوں کی تقلید میں قدیم جشنوں

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کے موقع پر عظیم الشان اجتماع منعقد کرنا شروع کر دیئے۔ خصوصاً نوروز، مہر جان اور رام کے جشن سرکاری تہوار کے طور پر منائے جانے لگے۔ بغداد، بیت المقدس اور دمشق جیسے بڑے بڑے اسلامی شہروں میں عید جیسے تہواروں پر اسلام کے مظاہر پوری طرح اجاگر ہوتے تھے۔ عید کی شب بغداد روشنیوں سے جگمگا اٹھتا اور فضا تکبیر و تحلیل کے نعروں سے گونجنے لگتی، اس موقع پر زرق برق کشتیوں پر قدیلیں روشن ہوتیں۔ قصر شاہی تو گویا روشنیوں کا شہر دکھائی دیتا۔ اس موقع پر عام لوگ سیاہ عبا، زیب تن کرتے، سرکنڈے اور کاغذ کی لمبی لمبی سیاہ ٹوپیاں اور صدیاں پہنتے تھے¹⁹⁵۔

لوگوں کی ٹوپوں پر درج ذیل الفاظ لکھے ہوتے۔

فسبکفیکم اللہ وهو السميع العليم۔¹⁹⁶

"اللہ تمہارے لیے ان کے مقابلے میں کافی ہوگا اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے"

نوروز ایرانیوں کا قدیم تہوار ہے جو سال کے پہلے دن منایا جاتا تھا۔ اس دن سے موسم ربیع شروع ہوتا اور اسی دن سے ہی فوج موسم گرما کا لباس پہننا شروع کرتی۔ ان کے نزدیک اس دن سورج برج حمل میں داخل ہوتا تھا۔ ایرانی مؤرخین کے نزدیک اس دن حضرت سلیمان کی انگوٹھی گم ہو گئی تھی اور انگوٹھی کے گم ہوتے ہی حضرت سلیمان کی سلطنت بھی ان سے چھن گئی۔

چالیس روز کے بعد انگوٹھی کے ملتے ہی سلطنت بھی دوبارہ حضرت سلیمان کو مل گئی اس موقع پر امراء اور اراکین سلطنت نے انہیں مبارک باد دیتے ہوئے کہا نوروز آمد یعنی نیا دن آگیا۔ اسی دن سے اس کا نام نوروز پڑ گیا۔ اس موقع پر ابابیل نے حضرت سلیمان کے سامنے پانی چھڑکا اور انہیں بڑی کی مانگ ہدیہ کے طور پر پیش کی، اسی مناسبت سے اس روز پانی چھڑکنے اور دوسروں کو تحفے دینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایرانی بادشاہ جمشید نے نوروز کے پانچویں دن لوگوں میں تھرک کے طور پر شکر دینے کا آغاز کیا اس وقت سے آج تک اس دن لوگ شکر تھرک کے طور پر ایک دوسرے کو دیتے ہیں۔ خراسان کے بادشاہ اس دن اپنے امراء کو موسم گرما کی خلعت سے نوازتے ہیں اس موقع پر ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے پھینکتا نہ صرف متبرک خیال کیا جاتا بلکہ اسے دافع امراض بھی خیال کیا جاتا ہے¹⁹⁷۔ ایرانیوں کا یہ تہوار چھ دنوں پر محیط ہوتا تھا۔

_____ پہلے دن کسری ایران رعایا کو انعام و اکرام سے نوازتے۔

_____ دوسرے دن معزز ترین زمینداروں کو دربار شاہی میں شرف بازیابی کا موقع دیا جاتا۔

_____ تیسرے دن مجوسیوں کے نامور مذہبی رہنماؤں کو بادشاہ سے ملاقات کے لیے مدعو کیا جاتا۔

_____ چوتھے دن بادشاہ اپنے گھر والوں، رشتہ داروں اور مقربین خاص کو شرف حضوری بخشا۔

_____ پانچواں دن بادشاہ اپنے اہل و عیال، مخصوص غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ گزرتا اور انہیں ان کے مقام و مرتبے

_____ کے مطابق انعام و اکرام سے نوازا جاتا۔

_____ چھٹا دن بادشاہ اپنے لیے مخصوص کرتا، اس دن بادشاہ کو صرف وہ لوگ ملتے جن سے وہ غیر معمولی مانوس ہوتا۔ اس روز اس کے سامنے امراء کی طرف سے پیش کئے گئے تحفے نذر کیے جاتے۔ ان تحائف میں سے بعض تحائف بادشاہ اپنے مقررین میں تقسیم کر دیتا اور باقی بیت المال میں جمع کر دیے جاتے۔ بلا فارس کی تسخیر کے ساتھ ہی نوروز کے جشن کو بند کر دیا گیا تھا لیکن عباسی خلفاء نے ایرانیوں کو خوش کرنے کے لیے دوبارہ اس کا اجرا شروع کر دیا۔

نوروز کا تہوار زمینداروں پر ایک مصیبت بن کر نازل ہوا کیونکہ نوروز سے نیا مالی سال شروع ہوتا تھا اور ابھی فصل کی کٹائی شروع بھی نہ ہوتی کہ زمینداروں سے مالگوانی وصول کر لی جاتی، جس سے زمینداروں میں بڑی بے چینی پھیلنی شروع ہو گئی¹⁹⁸۔ ہم اس تاریخ پر مالگوانی ادا کرنا ضروری تھا۔

سال کے آخر میں مہر جان کا تہوار بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا، عید مہر جان سردیوں کے شروع میں منعقد ہوتی حضرت سلمان فارسیؓ اس دن کی وضاحت اس انداز سے کرتے ہیں کہ ایرانیوں کا اعتقاد تھا کہ۔

”خدا نے یاقوت کا سراغ اپنے بندوں کو نوروز کے دن دیا اور زبرد (ایک قسم کا زمرہ) کا پتہ

مہر جان کے دن دیا تھا جس طرح ان دونوں پتھروں کو باقی پتھروں پر فوقیت حاصل ہے اسی طرح ان دونوں دنوں کو سال کے باقی دنوں پر فوقیت حاصل ہے¹⁹⁹۔

ایرانیوں کا عقیدہ تھا کہ مہر جان کائنات کے خاتمے کی دلیل اور نوروز دنیا کی ابتداء کی نشانی ہے اس جشن کے موقع پر ایران کے شہنشاہ جواہرات سے مرصع تاج پہنتے جس کے اوپر سورج کی تصویر بنی ہوتی۔ اس موقع پر دربار عام منعقد ہوتا جس میں ملک کے نامور لوگوں کو بادشاہ کی خلعت ہائے سے نوازا جاتا۔ چاند کے بقول اس موقع پر دربار عام میں رعایا کے تمام افراد چھوٹے بڑے عالم و جاہل اور شریف و رذیل سب کو شرف بازیابی کا موقع دیا جاتا²⁰⁰۔

مہر جان کے پانچویں روز کو ایرانیوں میں بڑا مقدس خیال کیا جاتا تھا اسے وہ رام روز کا نام دیتے تھے بقول ذرشت مہر جان اور رام روز دونوں کی تعظیم کی جائے اور دونوں دن عید منائی جائے²⁰¹۔ اگرچہ یہ مجوسیوں کا تہوار تھا لیکن عباسی خلفاء اس کا اعتقاد بھی بڑے اہتمام سے کرتے تھے۔

خلفائے بنو امیہ عربوں پر اعتماد کرتے تھے جن کی بلا دشام میں اکثریت تھی اس لیے انہوں نے شامیوں پر اعتماد کرتے ہوئے دمشق کو اپنا دار الخلافہ بنایا جب کہ عباسی چونکہ ایرانیوں کے کندھوں پر سوار ہو کر ایوان اقتدار میں داخل ہوئے تھے اس لیے انہوں نے ایرانیوں کا قرب حاصل کرنے کے لیے بغداد کو اپنا مرکز بنایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایرانی قیادت و سیادت میں پیش پیش نظر آنے لگے۔ عباسی خلفاء بیویوں کے انتخاب تک میں عربی نسل کا لحاظ نہ رکھتے جس کی وجہ سے عہد عباسی کے آغاز پر ہی عربوں کا بنیادی نظام معاشرت یکسر تبدیل ہو گیا تھا اسی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

وجہ سے ابو جعفر منصور، ہارون الرشید اور مامون الرشید سمیت اکثر عباسی خلفاء نے لونڈیوں کے بطن سے جنم لیا۔ اسی چیز کو دیکھتے ہوئے عباسی خلفاء نہ صرف غلاموں کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھتے بلکہ اپنے حرم میں غیر عرب لونڈیوں کو آزاد عرب عورتوں پر ترجیح دیتے۔ عباسیوں میں ابوالعباس السفاح اور امین الرشید کو بھی یہ فضیلت حاصل تھی کہ ان کی مائیں آزاد اور عرب عورتیں تھیں جب کہ اس کے برعکس اموی خلفاء میں سے صرف یزید ثالث کی ماں ہی عرب نہ تھی۔ عباسیوں کے عجیبوں کی طرف جھکاؤ کو دیکھتے ہوئے عربوں نے ان سے کنارہ کشی اختیار کی، جس کے نتیجے میں ان کی جگہ غیر عرب اور ام ولد (کنیزوں کی اولاد) حکومتوں میں نمایاں مقام حاصل کرنے لگے۔²⁰² اس سے عربوں اور ایرانیوں کے درمیان اختلافات کی ایک وسیع خلیج حائل ہو گئی جس سے عربوں کے دلوں میں ایرانیوں کے خلاف بغض و حسد کے جذبات پرورش پانے لگے اس کا واضح ثبوت ہمیں امین و مامون کے درمیان ہونے والی کشیدگی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اس کشمکش میں ایرانیوں نے مامون الرشید اور عربوں نے امین الرشید کی مکمل حمایت کی اور جنگ کے بعد ایرانیوں نے امین کی شکست کو عربوں کی شکست پر محمول کیا جبکہ معتصم باللہ ان سے بھی چارہا تھا آگے نکل گیا اور اس نے خلافت سنبھالتے ہی عربوں اور ایرانیوں کے مقابلے میں ترکوں کو اہم فوجی اور رسول عہدوں پر تعینات کرنا شروع کر دیا۔²⁰³ مختلف صوبوں پر ترکوں کو گورنر بنانے کے ساتھ ساتھ دیوان عطا میں ان کے ناموں کا اندراج شروع کر دیا جب کہ عربوں کے نام اس سے خارج کر دیئے۔ جس سے ایرانی و عربی خلیفہ اور ترکوں سے برا بیچنے ہوئے لگے۔²⁰⁴ اس رد عمل سے جہاں ایک طرف عربوں اور ترکوں میں تصادم کا آغاز ہو گیا، وہاں دوسری طرف معتصم باللہ کے دور میں علوی عباسی چٹقلش سرد پڑ گئی کیونکہ اب ترکوں نے فریقین سے اقتدار چھین لیا تھا یہی وجہ تھی کہ عباسیوں کے دورِ اول کے آخر میں بابک خرمی، مازیا اور افشین نے جو بغاوتیں پیا کی تھیں وہ دراصل عربوں، ترکوں اور مغاربہ کے خلاف ایرانیوں کے غم و غصہ کا اظہار تھیں البتہ اس عہد میں ذمیوں کو مسلمانوں کی طرح مذہبی آزادی حاصل تھی جس کا اندازہ بغداد میں موجود دیر بغدادی، دیر عذاری اور دیر الروم جیسے گرجوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ عباسی خلفاء نہ صرف ان ذمیوں کے مذہبی معاملات میں مداخلت سے گریز کرتے بلکہ ان سے غیر معمولی یگانگت اور رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے مذہبی تہواروں میں بھی شرکت کرتے۔

حکومت کی تبدیلی اور عباسی خلافت کے قیام سے جو مذہبی فرق پڑا وہ دراصل نمائشی تھا۔ بغداد کا خلیفہ اپنے اموی پیش رو کے برعکس دین داری کا لبادہ ضرور اوڑھے رہتا اور بظاہر بڑی مذہبیت بھی جتانے لیا لیکن درحقیقت یہ اموی خلفاء سے کچھ کم دنیا دار ثابت نہ ہوئے۔ خلافت کی اس تبدیلی میں کوئی بنیادی فرق تھا تو صرف یہی کہ وہ عربی سلطنت تھی جبکہ اس کے برعکس عباسی خلافت بین الاقوامی حیثیت رکھتی تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ عباسی حکومت نو مسلموں کی حکومت تھی بالفاظ دیگر عباسی خلافت پر ایرانیوں اور پھر ترکوں کے اثرات نمایاں تھے۔

﴿حواشی﴾

- 1- حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام ۱ لیبیسی، مترجم علیم اللہ صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1959ء، جلد 2، ص 668۔
- 2- طلحہ حسین، ڈاکٹر علی ونہو، مترجم عبدالحمید نعمانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1989ء، ص 103۔
- 3- حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام ۱ لیبیسی، جلد 2، ص 669۔
- 4- _____ ایضاً _____، ص 662۔
5. Hitti, Philip K, History of the Arabs, Macmillan and Company Limited, England, 1961, P-220,
- 6- ابن طقطقی، محمد بن طباطبائی، الفخری فی الادب السلطانی والدول الاسلامیہ، مترجم محمود علی خاں، ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی، 1969ء، ص 198۔
- 7- القرآن، 1:17۔
8. Hitti, History of the Arabs, P.221.
- 9- ابن طقطقی، الفخری فی الادب السلطانیہ، ص 198۔
- 10- بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر الشیر، فتوح البلدان، بمطبعة الموسوعات بشارع باب الخلق، القاہرہ، مصر، 1901ء، ص 150۔
11. Hitti, History of the Arabs, p. 220.
12. Ibid, P.269.
- 13- عباد اللہ اختر، بغداد، ادارہ تخلیقات، لاہور، 2006ء، ص 22۔
- 14- طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، بمطبعة الاستقامة، القاہرہ، مصر، 1939ء، جلد 6، ص 87۔
- 15- عباد اللہ اختر، بغداد، ص 22۔
- 16- ابن کثیر، ابوالفداء اعماد الدین دمشقی، البدایہ والنہایہ، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1978ء، جلد 5، حصہ 10، ص 96۔
- 17- عباد اللہ اختر، بغداد، ص 28۔
18. Karen Armstrong, Islam: A Short Hisotry, Nigarshat Publishers, Lahore, 2005, p-83.
19. Ibid.

20. Le Stronge, Guy, Baghdad, During The Abbasid Caliphate,
 Oxford, 1924, P-9,10.

عباد اللہ اختر، بغداد، ص 25۔

21. _____ ایضاً _____، ص 27۔
 22. ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 110۔
 23. حسن ابومہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 677۔
 24. ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 245۔
 25. ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 101۔
 26. Bernard Lewis, The Arabs in History, Hutchinson and Company, (Publisher)
 Ltd., London, 1970, P-83.

27. عباد اللہ اختر، بغداد، ص 27۔

28. ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 101۔
 29. الخطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد و مدینۃ السلام، طبعہ القاہرہ، 1931ء، جلد 1، ص 77-78۔
 30. طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، ذکر الخیر بناء مدینۃ بغداد، بمطبعة الاستقامة، القاہرہ، مصر،
 1939ء، جلد 4، ص 457۔

ابن الاثیر، ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد ابی عبد الکرم بن عبد الوہاب الشیبانی، اکامل فی التاریخ، دارالکتب العلمیۃ،
 بیروت، لبنان، 2003ء، جلد 5، ص 165۔

ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 245۔

31. حسن ابومہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 681۔
 32. طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 237۔
 33. حسن ابومہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 683۔
 34. ابن الاثیر، اکامل فی التاریخ، دارالکتب العربی، جلد 5، ص 145۔
 35. الخطیب بغدادی، تاریخ بغداد، جلد 1، ص 74-75۔
 36. عباد اللہ اختر، بغداد، ص 41۔

- 37۔ الخطیب بغدادی، تاریخ بغداد، جلد 1، ص 76۔
- 38۔ ایضاً _____
- 39۔ عباد اللہ اختر، بغداد، ص 47۔
- 40۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح، کتاب البلدان، مطبوعہ ڈی غویہ، لیڈن، 1892ء، ص 240۔
- 41۔ الخطیب بغدادی، تاریخ بغداد، جلد 1، ص 76۔
- 42۔ حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 684۔
43. Ameer Ali, Syed, A Short History of the Saracens, Islamic Book Service, Urdu Bazar, Lahore. 1926,p- 448,
44. Ibid.
- 45۔ عباد اللہ اختر، بغداد، ص 28-29۔
- 46۔ یعقوبی، کتاب البلدان، ص 242 تا 252۔
- 47۔ حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 587۔
- 48۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 144۔
- 49۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 113۔
- 50۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 297۔
- 51۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 113۔
- 52۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 184۔
- 53۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 292۔
- 54۔ ابن خلدون، ابوزید عبدالرحمن بن محمد بن محمد، کتاب العبر و دیوان المبتداء والخبر، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، 2003ء، جلد 1 ص 1135-1136۔
- عباد اللہ اختر، بغداد، ص 203۔
- 55۔ ایضاً _____، ص 71۔
- 56۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1 ص 1135-1136۔
- 57۔ عباد اللہ اختر، بغداد، ص 71۔

- 58۔ حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی، جلد 2، ص 691۔
- 59۔ عباد اللہ اختر، بغداد، ص 71۔
- 60۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 213۔
- 61۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 245۔
- 62۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح، تاریخ یعقوبی، مترجم۔ اختر فخرپوری، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، 1989ء، جلد 2، ص 615۔
- 63۔ عباد اللہ اختر، بغداد، ص 73۔
64. Ameer Ali, A Short History of the Saracens, p- 447.
- 65۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 190۔
- 66۔ عباد اللہ اختر، بغداد، ص 147۔
- 67۔ _____ ایضاً _____، ص 152۔
- 68۔ _____ ایضاً _____، ص 161۔
- 69۔ _____ ایضاً _____
- 70۔ حمیسی، محی الدین ابو محمد عبد الواحد بن علی، حضارة الاسلام فی دار الاسلام، طبعة القاهرة، سن ندارد، ص 100۔
- 71۔ ندوی، معین الدین احمد، تاریخ اسلام، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، 1986ء، جلد 4، ص 333۔
- 72۔ _____ ایضاً _____، ص 311۔
- 73۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 319۔
74. Hitti, History of the Arabs, p.303.
75. Ameer Ali, A Short History of the Saracens, p-448.
- 76۔ ندوی، تاریخ اسلام، جلد 4، ص 333۔
- 77۔ یاقوت، شہاب الدین ابو عبد اللہ الحموی الرومی، معجم البلدان، طبعة القاهرة، 1907ء، جلد 7، ص 107۔
- 78۔ حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی، جلد 2، ص 748۔
- 79۔ عباد اللہ اختر، بغداد، ص 161۔
- 80-A۔ _____ ایضاً _____، ص 250۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- 80-B. Wellhausen J. The Arab Kingdom and its fall, Translated by- Margaret Graham Weir, Khayats 92-94 Rue Bliss, Beirut, Lebanon, 1927, P-559.
- 81- Hitti, History of the Arabs, p-294.
82. Ameer Ali, A Short History of the Saracens, p-451.
- 83- الجاحظ، عثمان بن بحر، کتاب التاج فی اخلاق الملوک، مدونہ احمدی کی پاشا، طبعة القاہرہ، 1944ء، ص 25-26۔
- 84- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 179۔
- 85- ندوی، تاریخ اسلام، جلد 4، ص 323۔
- 86- حسن امیر علی، تاریخ الاسلام، جلد 2، ص 748-749۔
- 87- ندوی، تاریخ الاسلام، جلد 4، ص 333۔
- 88- حسن امیر علی، تاریخ الاسلام، جلد 2، ص 758۔
- 89- ابن طقطقی، الفخری فی الادب السلطانی، ص 207۔
- 90- Ameer Ali, A Short History of the Saracens, p-254.
- 91- امیر علی، سید، مختصر تاریخ العرب والتمدن الاسلامی، طبعة القاہرہ، 1938ء، ص 388-389۔
- 92- تہمی، حضارة الاسلام فی دار السلام، ص 59۔
93. Hitti, History of the Arabs, p-302.
94. Ameer Ali, A Short History of the Saracens, p-455.
- 95- حسن امیر علی، تاریخ الاسلام، جلد 2، ص 759۔
- 96- _____ ایضاً _____
- 97- _____ ایضاً _____ ص 750۔
- 98- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 329۔
- 99- المسعودی، ابوالحسن علی بن الحسین بن علی، مروج الذهب و معاون الجوہر، دار احیاء التراث العربی، للطباعة والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، سن 1400ھ، جلد 3، ص 222۔
100. Hitti, Philip K. The Arabs, Macmillan and Company Ltd., London, 1953, P-87.

- 101۔ عمر ابوالنصر، لہارون، مترجم محمد احمد پانی پتی، مکتبہ جدید، انارکلی، لاہور، 1955ء، ص 191۔
- 102۔ Hitti, History of the Arabs P-302.
- 103۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 203۔
- 104۔ حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی جلد 2، ص 755۔
- 105۔ المقریزی، تقی الدین احمد علی، الموعظ والاعتبار فی ذکر الخطط والاثار، طبعة القاہرہ، مصر، 1280ھ، جلد 1، ص 81۔
- 106۔ حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی، جلد 2، ص 755۔
- 107۔ Ameer Ali , A Short History of the Saracens, P-452
- 108۔ Ibid -P.458
- 109۔ Ibid
- 110۔ تہمی، حضارة الاسلام فی دار السلام، ص 89۔
- 111۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، نئی بک پوائنٹ، اردو بازار، کراچی، 2004ء، ص 135۔
- 112۔ Ameer Ali , A Short History of the Saracens P-451
- 113۔ الماورودی، ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری، الاحکام السلطانیہ، طبعة القاہرہ، 1298ء، ص 103 تا 105۔
- 114۔ تہمی، حضارة الاسلام فی دار السلام، ص 54-55۔
- 115۔ حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی، جلد 2، ص 778۔
- 116۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P-450
- 117۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص 137۔
- 118۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، سن ندرود، ص 19۔
- 119۔ ایضاً _____
- 120۔ صدیقی، امیر حسین، خلافت و سلطنت، مترجم۔ سبطین احمد جمیعہ الفلاح، کراچی، 1962ء، ص 36۔
- 121۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 19۔
- 122۔ جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص 137۔
- 123۔ بلاذری، فتوح البلدان، ص 467۔
- 124۔ حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور، 1950ء، ص 188۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- 125 - بلازری، فتوح البدان، ص 467۔
- 126 - ابن خلدون، ابوزید عبدالرحمن بن محمد بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، المکتبۃ التجاریۃ، المکتبۃ المکرمہ، 1997ء، جلد 1، ص 286۔
- 127 - _____ ایضاً _____ ص 280
- 128 - _____ ایضاً _____
- 129 - جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص 138۔
- 130 - صدیقی، خلافت و سلطنت، ص 36-37۔
- 131 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 4، ص 124۔
- 132 - جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص 139۔
- 133 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 136۔
- 134 - المسعودی، ابوالحسن علی بن الحسن بن علی، تنبیہ الاشراف، مترجم۔ عبداللہ العماوی، ادارہ الطبع العثمانیہ، سرکاری، حیدرآباد دکن، انڈیا، 1926ء، ص 145۔
- 135 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 180۔
- 136 - المسعودی، تنبیہ الاشراف، ص 161۔
- 137 - _____ ایضاً _____ ص 192۔
- 138 - _____ ایضاً _____
- 139 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 258۔
- 140 - جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص 140۔
- 141 - صدیقی، خلافت و سلطنت، ص 36-37۔
- 142 - جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص 140۔
- 143 - _____ ایضاً _____ ص 141۔
- 144 - ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، ص 286۔
- 145 - _____ ایضاً _____
- 146 - جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص 140۔
- 147 - _____ ایضاً _____ ص 143۔

148 - شبلی نعمانی، الفاروق، مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار، لاہور، 2005ء، ص 261۔

149 - الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص 251۔

150 - جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص 143۔

151 - ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، ص 277۔

152 - الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص 143۔

153 - ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، ص 277۔

154 - جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص 145۔

155 - ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، ص 277۔

156 - جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص 145۔

157 - _____ ایضاً _____ ص 146۔

158 - ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، ص 282-283۔

159 - جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلام، ص 148۔

160 - _____ ایضاً _____ ص 149۔

161 - _____ ایضاً _____ ص 150۔

162 - ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، جلد 1، ص 283۔

163 - حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام 1 لسانی جلد 2، ص 718۔

164 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 269۔

165 - _____ ایضاً _____ ص 277۔

166 - ابن طقطقی، الفخری فی الادارب السلطانیہ، ص 276۔

167 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 279۔

168 - حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام 1 لسانی، جلد 2، ص 718-719۔

طبری تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 439۔

169 - المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجوهر، جلد 3، ص 260-262۔

170 - حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام 1 لسانی، جلد 2، ص 720۔

- 171- ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 177-178۔
- 172- امیر علی، مختصر تاریخ العرب والتمدن الاسلامی، ص 387۔
- 173- ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 187۔
- 174- الاصفحانی، ابوالفرج، کتاب الاغانی، طبعة القاہرہ، مصر، 1285ھ، جلد 1، ص 206 تا 208۔
- 175- حسن امراہیم حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی، جلد 2، ص 726 تا 729۔
- 176- الجاحظ، کتاب التاج فی اخلاق الملوک، ص 44 تا 54۔
- 177- حسن امراہیم حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی، جلد 2، ص 713۔
- 178- الاصفحانی، کتاب الاغانی، جلد 5، ص 200 تا 204۔
- 179- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 343۔
- 180- الاصفحانی، کتاب الاغانی، جلد 5، ص 356 تا 358۔
- 181- حسن امراہیم حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی، جلد 2، ص 784۔
- 182- Hitti, History of the Arabs, P-340
- 183- Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 458
- 184- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 324۔
- 185- Hitti, History of the Arabs, P-339
- 186- القرآن، 2: 173۔
- 187- القرآن، 5: 3۔
- 188- القرآن، 6: 146۔
- 189- ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 73۔
- 190- ابن عبد رب، شہاب الدین احمد، العقد الفرید، طبعة القاہرہ، مصر، 1928ء، جلد 1، ص 198۔
- 191- حسن امراہیم حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی، جلد 2، ص 783۔
- 192- ایضاً _____
- 193- Hitti, History of the Arabs, P-339
- 194- Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 459

- 195۔ تہمی، حضارة الاسلام فی دار السلام، ص 22۔
- 196۔ القرآن، 2: 137۔
- 197۔ البیرونی، البوریجان محمد بن احمد، الاثار الباقیة عن القرون الخالیة، مطبوعة اڈورڈ سخاؤ، لہرگ، 1879ء، ص 218-219۔
- 198۔ حسن امین حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی، جلد 2، ص 770۔
- 199۔ البیرونی، الاثار الباقیة عن القرون الخالیة، ص 222۔
- 200۔ الجاحظ، کتاب التاج فی اخلاق الملوک، ص 159۔
- 201۔ البیرونی، الاثار الباقیة عن القرون الخالیة، ص 222۔
- 202۔ Hitti, History of the Arabs, P-332
- 203۔ Karen Armstrong, Islam: A Short History ,P-90
- 204۔ حسن امین حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی، جلد 2، ص 707۔
-

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

باب چہارم

عہد بنو عباس میں مذہبی مناقشات پر مبنی گروہ اور

خلفاء کا رد عمل

فصل اول:- شیعہ
فصل دوم:- خوارج
فصل سوم:- معتزلہ
فصل چہارم:- اہل سنت

فصل اول:- شیعہ

- ۱- شیعہ کے معنی و مفہیم اور اس کا تاریخی پس منظر۔
- ۲- عہد خلفائے راشدین میں شیعہ فرقے کا ظہور و ارتقاء۔
- ۳- واقعہ کربلا اور اہل تشیع کی شیرازہ بندی۔
- ۴- شیعہ مسلک کے عقائد و نظریات (توحید۔ عدل۔ نبوت۔ معاد اور امامت)
- ۵- شیعہ عقائد میں ایرانی نظریات کا اثر و نفوذ۔
- ۶- امویوں کے زوال اور عباسی تحریک کی کامیابی میں اس فرقے کا کردار۔
- ۷- اہل تشیع کے مشہور فرقے کیسانہ، زیدیہ اور اسماعیلیہ کے عقائد و نظریات۔
- ۸- اس فرقے کے اسلامی عقائد و سیاست پر رونما ہونے والے اثرات کا جائزہ۔
- ۹- شیعہ فرقہ کے قیام میں سیاسی عوامل کا عمل دخل۔
- ۱۰- عقیدہ وصایہ اور عقیدہ نظریہ حق الہی کا تاریخی پس منظر۔

فصل دوم:- خوارج

- ۱- واقعہ تحکیم اور فرقہ خوارج کا ظہور۔
- ۲- خوارج کا اپنے عقائد و نظریات کی ترویج و اشاعت میں متشددانہ اور غیر مصالحانہ رویہ۔
- ۳- خوارج کے مختلف فرقے اور ان کے عقائد و نظریات۔
- ۴- عبدالملک بن مروان کے دور میں خوارج کا اپنے سیاسی نظریات کو اسلامی تعلیمات سے منطبق کرنے کی سعی کرنا۔
- ۵- اموی اور عباسی دور میں خوارج کی سرگرمیاں اور شورشیں۔
- ۶- خوارج کا دور انحطاط اور زوال۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

۷۔ خوارج کے اسلامی عقائد و سیاست پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ۔

۸۔ عقائد کی ترویج و اشاعت میں تلوار اور دلائل و براہین کی ملی جلی حکمت عملی۔

فصل سوم: معتزلہ

۱۔ عہد عباسیہ میں معتزلی مکتب فکر کا آغاز و ارتقاء۔

۲۔ معتزلہ کے اصول خمسہ (توحید۔ عدل۔ وعدہ و وعید۔ منزلة بین المنزلتین۔ امر بالمعروف و

نہی عن المنکر۔)

۳۔ معتزلی مکتب فکر کی مختلف ذیلی شاخیں اور ان کے نظریات۔

۴۔ مامون الرشید، معتصم باللہ اور واثق باللہ جیسے عباسی خلفاء کی طرف سے معتزلی اکابرین کی پذیرائی اور

ان کا زمانہ عروج۔

۵۔ عہد عباسی میں احمد بن نصر اور عبدالرحمن بن اسحاق جیسے علمائے حق کا بیہانہ قتل۔

۶۔ امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح جیسے عظیم المرتبت لوگوں کو عباسی خلفاء کی طرف سے بتلائے محن کرنا۔

۷۔ عہد متوکل اور معتزلہ کا زمانہ انحطاط (اس عہد میں اکابرین معتزلہ کو عبرت انگیز سزاؤں سے دوچار کرنا)

۸۔ فرقہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کا ظہور اور ان فرقوں کی طرف سے معتزلہ کے باطل عقائد کا رد۔

فصل چہارم: اہل سنت

۱۔ اہل سنت کے عقائد و نظریات۔

۲۔ اہل سنت کی نظر میں اہلبیت کا مقام و مرتبہ۔

۳۔ ان اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرامؓ کی فضیلت۔

آخری خلیفہ راشد سیدنا حضرت علیؓ کے زمانے میں سیاسی اختلافات کی بناء پر جو خانہ جنگی ہوئی وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس سے کئی مذہبی گروہ وجود پذیر ہوئے، جن کے باہمی اختلافات کو صرف فروعی اختلافات قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ عقائد میں بھی فکری تصادم کا شکار تھے امت مسلمہ کا سواد اعظم اہل السنة والجماعة کے نام سے موسوم ہوا۔ خوارج، شیعہ اور معتزلہ کے فرقے بعد میں پیدا ہوئے اور انہیں فرقوں سے امتیاز کے لیے امت مسلمہ کا کثرتی فرقے نے اہل السنة والجماعة کی شناخت سے اپنے آپ کو دوسرے فرقوں سے ممتاز کیا، خلفاء بنو عباس کا تعلق بھی اسی اہل سنت سے ہے تاہم بعض خلفاء معتزلہ کے عقائد سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، جس سے اہل سنت کے محدثین اور فقہاء کو آزمائشوں اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ خلفاء بنو عباس کے مذہبی رجحانات کو مکمل ذہن نشین کرانے کے لیے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ شیعہ، خوارج اور معتزلہ کے ذیلی فرقہ بندی اور گروہ درگروہ تقسیم کو قدرے تفصیل سے زیر بحث لایا جائے، اگرچہ دور حاضر میں ایسے بہت سے ذیلی گروہ محض قصہ پارینہ بن چکے ہیں، لیکن تاریخ کے طالب علم کو ان سے باخبر ہونا چاہیے اور دور حاضر کی فرقہ بندی میں ان باقی ماندہ اثرات کا جائزہ لینا چاہیے مثلاً امام باوندہ ہی پیشو کے غائب ہونے کا نظریہ بہت سے فرقوں میں پایا جاتا تھا اور آج بھی امامیہ حضرات کا اثناء عشری فرقہ اسی تصور کا حامل ہے۔

شیعہ

شیعہ¹ اسم بمعنی دوست، پیروکار، جماعت، گروہ، رشتہ اور کسی کے پیچھے چلنے والے کے ہیں²۔ یہ لفظ اُن کے لیے مستعمل ہے جو حضرت علیؑ اور ان کی اولاد سے محبت کے مدعی ہیں۔³ شیعہ کا لفظ عموماً واحد و جمع اور مذکر و مؤنث دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، علامہ ابن خلدون اس بارے میں رقمطراز ہیں۔

اعلم ان الشيعة لغة هم الاصحاب والأتباع ويطلق في عرف الفقهاء والمتكلمين من الخلف والسلف على اتباع علي وبنيه رضي الله عنهم⁴۔

”لغت میں شیعہ کے معنی ساتھی اور پیروکار کے ہیں سلف سے اب تک فقہاء و متکلمین کے روزمرہ میں حضرت علیؑ و اولاد علیؑ کے پیروکاروں کو شیعہ کہا جاتا ہے“

قرآن کریم میں بھی شیعہ کا لفظ مختلف مقامات پر آیا ہے جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وان من شيعته لابراهيم⁵۔ ”اور انہی (نوح) کے پیروکاروں میں ابراہیم تھے“۔

اس آیت میں شیعہ سے مراد پیروکار ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔

”هذا من شيعته“⁶ ”یہ موسیٰ کی قوم سے تھا“۔

سورۃ المريم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ثم لننزعن من كل شيعة ايهم اشد على الرحمن عتيا⁷۔

”پھر ہر گروہ سے ہم ایسے لوگوں کو کھینچ لیں گے جو خدا سے سخت سرکشی کرتے تھے“

مذکورہ آیت میں شیعہ سے مراد گروہ یا جماعت لیا گیا ہے۔

سورۃ الحجر میں ہے۔

ولقد ارسلنا من قبلك في شيع الاولين⁸۔ ”اور ہم نے تم سے پہلی امتوں میں بھی پیغمبر بھیجے تھے“

اس آیت میں شیعہ امت کو کہا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

او يلبسكم شيعاً و يذيق بعضكم بأس بعض⁹۔

”یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزا چکھا دے“۔

یہاں شیعہ سے مراد فرقہ ہے۔

النونہی کا قول ہے۔

”وصال رسول کے بعد امت تین گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔“

الف۔ انصار اہل مدینہ کی خواہش تھی کہ انہوں نے چونکہ ہجرت مدینہ کے بعد رسول خدا کی بڑی مدد کی ہے اس لیے اب خلافت انہیں ملنی چاہیے اور یہ لوگ حضرت سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔

ب۔ مہاجرین۔ دوسرا گروہ مہاجرین کا تھا ان کا موقف تھا کہ رسول اللہ چونکہ قبیلہ قریش سے ہیں اس لیے خلیفہ مہاجرین میں سے ہونا چاہیے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں سبقت کی۔

ج۔ ہیعان علیؓ۔ تیسرا گروہ حامیان علیؓ کا تھا ان کے خیال میں اہل بیت آپؐ کی جانشینی کے زیادہ حقدار تھے اہلبیت میں اگرچہ اس وقت حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں موجود تھے تاہم یہ لوگ حضرت علیؓ کو آپؐ کا تربیت یافتہ، داماد اور چچا زاد بھائی ہونے کے معاملے خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے¹⁰ اور ویسے بھی حضرت عباسؓ نے استحقاق خلافت میں حضرت علیؓ سے مقابلہ نہ کیا، یہاں تک کہ وفات رسولؐ کے بعد بمطابق روایات انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا ”ہاتھ بڑھاؤ میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ کیونکہ میری بیعت کے بعد کوئی بھی تمہاری مخالفت نہ کرے گا“¹¹ لیکن حضرت علیؓ اس پر آمادہ نہ ہوئے۔ کیونکہ اسلام میں خلافت جیسے عہدے کی خواہش رکھنے کی ممانعت ہے حضرت علیؓ نے اس معاملے میں جمہور صحابہ کرام کا ساتھ دیا اور بعض مہینہ تحفظات کے باوجود آپؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت برضا و رغبت کی۔

اہل تشیع کا عقیدہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بعد خلافت و امامت ان کے بیٹوں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ اور ان کے بعد ائمہ معصومین کا حق تھا جو ان سے چھین لی گئی، ان کے خیال میں اسی خلافت کے بارے میں حضور اکرمؐ نے غدیر خم کے مقام پر حضرت علیؓ کے لیے وصیت فرمادی تھی۔¹²

اس سلسلے میں مہاجرین کا موقف انصار سے زیادہ قوی تھا کیونکہ ایک تو وہ ”السابقون الاولون“ میں شامل تھے اور دوسرے یہ کہ انہوں نے اسلام کی خاطر بڑی اذیتیں برداشت کیں، تیسرے یہ کہ وہ قریش ہونے کی وجہ سے آپؐ کی قوم و قبیلے کے افراد تھے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ عالم عرب صرف قریش کی امارت کو ہی قبول کریں گے۔ خانہ کعبہ کا متولی ہونے کی حیثیت سے قریش کو دیگر قبائل کی نظر میں ایک امتیازی مقام و مرتبہ حاصل تھا۔ قریش کی یہ امتیازی شان عربوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنے کی نہ صرف بظاہر بہت بڑی ضمانت تھی بلکہ قرآن کریم سے بھی بالواسطہ اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ سورۃ الحج میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی مدح فرمائی اور اس ضمن میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

”الذین ان مكنہم فی الارض اقاموا الصلوة واتوا الزکوة وامروا بالمعروف

ط 13-B
 ونہوا عن المنکر“ ولله عاقبة الامور -

”یہی وہ (مہاجرین) لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں حکومت عطا فرمائیں تو وہ نماز قائم کریں گے،

زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا (لوگوں کو) حکم دیں گے اور برے کاموں سے (لوگوں کو) منع کریں گے

اور اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جاتے ہیں۔

اس طرح کا کوئی مضمون جس میں حکومت عطا کرنے کی بات کی گئی ہو قرآن کریم میں انصار کے متعلق نہیں ہے۔

اس موقع پر انصار نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم (مہاجرین) میں سے جسے مہاجرین نے تسلیم نہ کیا اور کہا کہ:-

”فمنحنا الامراء وانتم الوزراء“

”امیر ہم سے ہوگا اور وزیر تم میں سے لیے جائیں گے“¹⁴

اس طرح بالآخر حضرت ابو بکرؓ کی بیعت خلافت عمل میں آئی۔ اس سلسلے میں عیسان علیٰ اپنا موقف کچھ اس انداز سے پیش کرتے ہیں۔

وصال رسولؐ کے بعد حضرت علیؓ سمیت تمام اہلبیت آپؐ کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے جبکہ اس دوران مہاجرین و انصار نیا خلیفہ منتخب کر کے اس کی بیعت بھی کر چکے تھے اس دوران کسی نے بھی خاندان رسالت سے مشورہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی حالانکہ اس وقت آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ، چچا زاد بھائی اور داماد حضرت علیؓ بھی موجود تھے۔

اس دوران خاندان رسالت کے استفسار پر لوگوں نے بتایا کہ مہاجرین نے اپنے آپ کو حضور اکرمؐ کا قوم و قبیلہ قرار دے کر انصار سے بازی جیت لی ہے اس پر شیعہ حضرات کے بقول حضرت علیؓ نے فرمایا ”اگر شجرہ رسولؐ سے ہونے کی وجہ سے ان کا حق تسلیم کیا گیا ہے تو جو اس شجرہ رسولؐ کے پھل ہیں وہ کیونکر نظر انداز کیے جاسکتے ہیں؟ اور پھل کسی بھی درخت کا بہترین حصہ ہوتا ہے۔ حیرت ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ جو ساتویں پشت پر اور عمر فاروقؓ جو نویں پشت پر رسول خداؐ سے جا کر ملتے ہیں وہ تو پیغمبر کا قوم و قبیلہ بن جائیں اور جو ان کے ابن عم اور داماد ہیں انہیں نظر انداز کر دیا جائے“¹⁵

شیعہ علماء کے نزدیک حضور اکرمؐ اپنی زندگی میں کئی بار حضرت علیؓ کو اپنا جانشین بنانے کا عندیہ دے چکے تھے چنانچہ جب ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

وانذر عشیرتک الاقربین۔¹⁶ ”اپنے قریبی خاندان والوں کو (عذاب سے) ڈراؤ“

تو اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے اپنے خاندان والوں کو دعوت پر مدعو کیا اور بقول شیعہ حضرات اس موقع پر آپؐ نے فرمایا:

هذا علی فی الدنيا والاخرة اخی و وصی و زیری و خلیفتی۔¹⁷

”یہ علی دنیا اور آخرت میں میرا بھائی ہے میرا وصی ہے میرا وزیر ہے اور میرا خلیفہ ہے۔“

غزوہ تبوک کے موقع پر حضور اکرمؐ حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنا کر چھوڑ گئے اور فرمایا:

”(اے علی) کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ

سے تھی فرق صرف یہ ہے کہ میری بعد کوئی نبی نہ ہوگا“

حضور اکرمؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو امیر الحج مقرر کر کے بھیجا، پھر سورۃ البرات کے نزول کے بعد آپؐ نے اس سورت کی ابتدائی آیات شریکین کو سنانے کے لیے حضرت علیؓ کو پیچھے روانہ کیا اور ابو بکر صدیقؓ کو بقول شیعہ علماء مارت حج سے معزول کر دیا۔ جب ابو بکر صدیقؓ نے مدینہ آ کر آپؐ سے اپنی معزولی کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا ”مجھے حکم خدا ہوا کہ میں خود تبلیغ کروں یا وہ آدمی کرے جو مجھ سے ہو“ اہل تشیع کی روایات کے مطابق وصال سے قبل حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ کیا تم میرے وعدوں کو پورا کرو گے؟ کیا تم میرے قرضوں کو ادا کرو گے؟ کیا تم میری میراث لو گے؟

حضرت علیؓ نے فرمایا، جی ہاں۔ اس کے بعد آپؐ نے اپنی انگوٹھی، اپنا خود قلم، ذوالفقار (تکوار)، عمامہ، سحاب، رداء، چھتری اور ابرقہ (جو اس وقت جبرائیل حضرت علیؓ کے لیے آسمان سے لائے تھے) حضرت علیؓ کو دے دیں۔ نیز وہ قمیص بھی آپؐ کو دے دی جو پہن کر آپؐ معراج پر گئے تھے۔¹⁹

مذکورہ طرز کے لاتعداد واقعات کتب شیعہ میں مذکور ہیں جن سے بقول شیعہ آپؐ کا استحقاق خلافت ثابت ہوتا ہے۔ مشہور مؤرخ سید امیر علیؓ کے بقول ”اگر وصال رسولؐ کے بعد حضرت علیؓ کو آپؐ کا جانشین تسلیم کر لیا جاتا تو وہ تباہ کن حالات کبھی پیدا نہ ہوتے جن سے آگے چل کر امت محمدیہ کو دو چار ہونا پڑا“۔²⁰

مختصر یہ کہ بقول شیعہ حضرات حضرت علیؓ اپنے آپ کو ان تینوں خلفاء سے زیادہ خلافت کا حقدار سمجھتے تھے²¹۔ ان کے بقول بعض صحابہ کرامؓ کا بھی یہ خیال تھا کہ خلافت کے معاملے میں حضرت علیؓ خلفاء ثلاثہ سے زیادہ مستحق ہیں ان میں حضرت عمارؓ بن یاسرؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ، حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت حذیفہؓ بن یمان جیسے لوگ شامل ہیں۔

دراصل ہیعیان علیؓ خلافت کو بھی ایک معنوی میراث سمجھتے تھے^{22-A}۔ ان کے خیال میں اگر رسول اللہ کے مال میں وراثت جاری ہوتی تو وہ یقیناً آپؐ کے قرابت داروں کو ملتی اسی اصول کے تحت خلافت بھی خاندان رسول کا حق تھا اس لیے آپؐ کے بعد خلافت حضرت علیؓ کو ملنی چاہیے تھی۔

مندرجہ بالا سطور میں ہم نے اہل تشیع کا موقف بیان کیا ہے اہلسنت کے اس موضوع پر اپنے دلائل ہیں۔ ان کی تفصیل میں جانے سے اگرچہ ہم اصل موضوع سے دور چلے جائیں گے مگر ہم خلافت و مارت کے متعلق شیعہ اور اہل سنت کے اختلافی موقف میں تقابل کیلئے ہم یہاں اہل سنت کی بھی صرف ایک دلیل پیش کرتے ہیں۔ قرآن کریم کی سورۃ النور میں ہے:-

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

"وَعَدَالِلَهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لِيَسْتَخْلَفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلِيُمَكِّنَ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلِيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ

بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ط يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ط وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأَ

22-B

وَلِيَكُ هُمْ الْفَاسِقُونَ ه"

"اور اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں وعدہ کر لیا

ہے کہ وہ ضرور بالضرور انہیں زمین میں (حضور اکرم ﷺ) کا خلیفہ بنائے گا اور وہ ضرور بالضرور اس

دین کو مستحکم کرے گا جو اس نے ان کیلئے پسند کر لیا ہے اور وہ ضرور بالضرور انہیں ان کے خوف

(کی حالت) کے بعد امن (والی حالت) سے بدل دے گا یہ لوگ میری عبادت کریں گے اور میرے

ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھرائیں گے تو جو شخص اس کے بعد (بھی) کفر (یا ناشکری) کرے گا تو ایسے ہی

لوگ فاسق ہیں۔"

اس آیت کو آیت استخلاف کہا جاتا ہے۔ آیت میں "منکم" کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ یہاں حضور اکرم ﷺ کے اصحاب مراد ہیں

بعد کے کسی زمانے کے لوگ اس آیت کا مصداق نہیں ہیں ورنہ کلمہ "منکم" کا لایا جانا (معاذ اللہ) عبث ہوگا جبکہ اللہ کا کلام ہر عیب سے

پاک ہے۔ یہاں اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کو (معاذ اللہ) عاجز اور بے بس

قرار دیا جائے تو یہ سبھی کے نزدیک کلمہ کفر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے پر قادر ہے تو کیا اس نے وعدہ پورا فرمایا، یا (معاذ اللہ) عہد

شکنی سے کام لیا؟ اگر اللہ تعالیٰ کو (معاذ اللہ) عہد شکن قرار دیا جائے تو یہ بھی سبھی کے نزدیک کلمہ کفر ہے پس۔ ھینا اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا

فرمایا ہے۔ اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ خلافت ارضی کا یہ وعدہ صرف حضرت علیؑ کے حق میں تھا تو خارجی اور زمینی حقائق اس کی بھرپور نفی کر

رہے ہیں عملاً پہلے خلیفہ تو حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوئے (اس طرح یہ مفروضہ ہی غلط ہے لہذا اس کے حق میں لائے جانے والے تمام دلائل

اہل سنت کی نظر میں قطعاً کالعدم ہیں) اللہ تعالیٰ چونکہ قادر مطلق ہے اور وہ اپنے وعدے کے خلاف بھی نہیں کرتا، اس لئے یہاں اس نے کسی کی

خلافت کا صرف استحقاق ہی نہیں بتلایا ہے بلکہ پختہ وعدہ بھی فرمایا ہے کہ وہ خود حقدار کو اس کا حق پہنچا کر رہے گا۔ جس نعمت سے سبھی کو فائدہ پہنچے

تو اس کی نسبت لسانی محاورات میں پوری قوم کی طرف کر دی جاتی ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں بنی اسرائیل پر اپنے انعامات شمار کرتے ہوئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

22-C

"وَجَعَلَكُمْ مَلُوكًا وَأَنَا كَم مَالٍ يَأْتِي أَحَدًا آمِنَ الْعَالَمِينَ"

"اور اس نے تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا تھا جو اس نے جہانوں میں سے کسی اور کو نہیں دیا۔"

دیکھئے یہاں سبھی بنی اسرائیل کو بادشاہ بنانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سب اسرائیلی فرد افراد بادشاہ بن گئے تھے۔ اس طرح آیت استخلاف کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ خلفائے راشدین رسول خدا کے سچے جانشین ہوئے اور امت مسلمہ کیلئے ان کی خلافت دینی و دنیوی رہنمائی کا ذریعہ بنی۔ آیت استخلاف میں "فی الارض" کے کلمات بتا رہے ہیں کہ یہ خلافت صرف روحانی اور معنوی ہی نہیں بلکہ یہ ارضی خلافت بھی ہے۔

آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ خلفائے راشدین وسیع و عریض حکومت کے مالک ہونے کے باوجود دنیا دار اور حکمرانوں کی طرح متکبر اور ظالم و جاہل نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کی عبادت ان کا معمول رہے گی نیز وہ شرک کے قریب بھی نہ پھٹکیں گے۔

خلفائے راشدین کے ذریعے امت مسلمہ کو بے شمار فوائد حاصل ہوئے، کفر مغلوب ہوا اور دین اسلام حسب وعدہ مضبوط و مستحکم ہوا۔ دشمن یعنی کفار مرعوب و مغلوب ہوئے اور ان کا خوف مسلمانوں کو نہ رہا، آج دنیا میں جہاں جہاں بھی مسلمان آباد ہیں اس میں خلفائے راشدین کی وسیع و عریض ارضی فتوحات اور دین اسلام کی ان کے ذریعے نشر و اشاعت کو بڑا دخل ہے۔ آیت کے آخر میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ اس کے بعد بھی کفر پر قائم رہیں یا مسلمان ہونے کے باوجود ناشکری سے کام لیتے ہوئے خلافت کے متعلق اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی معرفت سے قاصر رہیں تو وہ فاسق ہیں۔

آیت کے آخری حصے سے (معاذ اللہ) خلفائے راشدین مراد نہیں ہیں ورنہ ان سے خلافت ارضی کا پختہ وعدہ ہی کیوں کیا جاتا؟ اہل سنت اور بھی لاتعداد دلائل پیش کرتے ہیں ان کے بقول آیت استخلاف کو ہی لیا جائے تو اہل تشیع کے اپنے موقف پر تمام دلائل از خود کالعدم ہو جاتے ہیں۔ بقول اہل سنت شیعہ حضرات جن روایات کا سہارا لیتے ہیں ان میں سے بہت سی روایات تو موضوع ہیں اور جن قرآنی آیات اور صحیح احادیث پر وہ اپنے استدلال کی بنیاد رکھتے ہیں ان کی تعبیر و تشریح میں وہ بقول اہل سنت فکری لغزش کا شکار ہیں۔

تاہم یہ حقیقت شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ حضور اکرم پیغمبر آخر الزماں تھے اس لیے آپ کا جانشین پیغمبر تو نہیں ہو سکتا تھا لہذا آپ کے پیروکاروں کو اپنی بصیرت پر ہی بھروسہ کرنا تھا۔ اس لیے اب ضرورت اس امر کی تھی کہ آپ کے خلیفہ مختلف حالات میں امت کے اولین طبقے کے جوہر کو محفوظ رکھیں²³، اس لیے ان خلفائے راشدین کو ان مشکل مسائل کی آزمائش سے گزرنا پڑا۔ یہ سب لوگ حضور اکرم کے قریبی رفیق اور آپ کی زندگی میں مکہ و مدینہ میں نمایاں کردار ادا کر چکے تھے اسی لئے انہیں راشدین یعنی ہدایت یافتہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

عربوں میں قبیلے کی سرداری موروثی نہیں بلکہ انتخابی ہوتی تھی اس لیے عام حق رائے دہی کو بروئے کار لایا جاتا تھا اور سردار قبیلہ کے انتخاب میں ہر فرد کی رائے کو پیش نظر رکھا جاتا تھا۔ یہ انتخاب متوفی سردار کے خاندان کے زندہ ارکان کی بزرگی کی بناء پر ہوتا تھا یہی پرانی قبائلی رسم حضور اکرم کی جانشینی میں عمل میں لائی گئی۔ انہی اصولوں کے پیش نظر حضرت ابو بکر صدیق اپنی بزرگی اور اثر کے سبب حضور اکرم کے جانشین منتخب کر لیے گئے کیونکہ آپ کی دانائی اور اعتدال پسندی مسلم تھی آپ کے انتخاب کو حضرت علی اور آپ کے خاندان کے لوگوں نے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

تسلیم کر لیا تھا۔²⁴ حضرت ابو بکرؓ صرف دو سال اور چھ ماہ حکومت کرنے کے بعد جمادی الثانی 13ھ / اگست 634ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔

حضرت ابو بکرؓ نے اپنی وفات سے قبل حضرت عمر فاروقؓ کو اپنا جانشین نامزد کیا، لوگوں نے خلیفہ اول کی وصیت کے مطابق حضرت عمر فاروقؓ کی بیعت کر لی۔ آپ کے دور میں اسلام کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ آپ اخلاقیات کے سخت پابند تھے آپ عدل و انصاف کے حامی، توانا اور بلند سیرت و کردار کے مالک تھے۔ عہد فاروقی میں حیرت انگیز طور پر اسلامی سلطنت عراق، شام اور مصر تک پھیل گئی۔ اس طرح غزوہ بدر کے بیس برس بعد ہی عرب ایک وسیع سلطنت کے مالک بن گئے۔ دراصل مسلمانوں کی کامیابی وعدہ خداوندی کی تصدیق تھی یعنی صراط مستقیم پر چلنے والا معاشرہ ہی ہمیشہ خوشحال اور دنیا میں عزت و توقیر حاصل کرتا ہے۔²⁵

چنانچہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کو 23ھ / 643ء کے اواخر میں ایک سازش کے تحت قتل کر دیا گیا اس سے عالم اسلام کو ایسا ناقابل تلافی نقصان پہنچا جس کی تلافی بعد میں ممکن نہ ہوئی اور نہ ہی آپؓ کے بعد مسلمانوں کو آپ کا صحیح نعم البدل میسر آ سکا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے وفات سے قبل کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ کیا بلکہ چھ معزز ترین اشخاص کی ایک کمیٹی بنا دی تاکہ وہ آئندہ کے لیے کسی کو اپنا خلیفہ منتخب کر لیں لیکن ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کر دی کہ تین دن کے اندر یہ کسی خلیفہ کو منتخب کر لیں، اگر اس کمیٹی کی اکثریت کسی ایک نام پر متفق ہو جائے تو اختلاف پر ڈٹے رہنے والے کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، اگر تین آدمی کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لیں اور دوسرے تین کسی دوسرے کو خلیفہ بنا لیں تو جس طرف حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف ہوں گے اُن کی رائے کو فوقیت دی جائے۔²⁶ اگر حضرت عمر فاروقؓ بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرح کسی کو اپنا جانشین نامزد کر دیتے تو ایک خیال یہ بھی ہے کہ امت مسلمہ کے لیے زیادہ موزوں ہوتا، مستقبل کے حالات درست ہو جاتے نیز عالم اسلام ایک بہت بڑی خوزیزی سے بچ جاتا، تاہم آپؓ نے سنت رسولؐ پر عمل کرتے ہوئے اس مسئلے کو امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا تاکہ وہ جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کر لیں۔ چنانچہ حضرت عثمان غنیؓ کا انتخاب سے مخالفین کے خیال میں امویوں کو کھل کھیلنے کا موقع مل گیا کیونکہ اس سے پہلے امویوں کو وہ عزت و تکریم حاصل نہ تھی جو اب حاصل ہو گئی یہی وجہ تھی کہ عہد صدیقیؓ میں ابوسفیانؓ کو اپنے نظر انداز کئے جانے کا بڑا احساس ہوا، انہوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ ہم معززین قریش اور سردار ہیں۔ لیکن ہمیں کسی بھی انتظامی عہدے پر تعینات نہیں کیا جاتا، اس کے جواب میں خلیفہ اولؓ نے فرمایا ”تم بھی اپنے دیگر مسلمان بھائیوں کی طرح جہاد میں کارنامے دکھاؤ“²⁷ اس کے بعد ہی حضرت ابوسفیانؓ اور یزید بن ابوسفیانؓ اسلامی معرکوں میں شرکت کرنے لگے۔

حضرت عثمان غنیؓ بذات خود بڑے شریف النفس اور فرشتہ سیرت انسان تھے لیکن نہایت نرم خو ہونے کی وجہ سے سازشی عناصر کی سازشوں کو برداشت کرتے رہے یہی لوگ بعد میں خلیفہ کی شہادت کا باعث بنے۔²⁸ شہادت عثمانؓ سے قبل حضرت علیؓ نے بلوایوں کو سمجھانے بھگانے کی بڑی کوشش کی حتیٰ کہ آپؓ کی حفاظت کے لیے اپنے بیٹوں (حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ) کو متعین کیا لیکن یہ ساری تدابیر ناکام رہیں اور خلیفہ وقت کو بلوایوں نے بے دردی سے شہید کر دیا اس وقت ان کی حکومت کو تقریباً بارہ برس گزر چکے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

تھے۔²⁹ شہادت عثمان کے بعد اہل مدینہ کی خواہش اور اصرار پر حضرت علیؑ خلیفہ بن گئے اور آپؑ کی بیعت مسجد نبوی میں ہوئی، آپؑ خلفاء ثلاثہ کے عہد میں مجلس شوریٰ کے ممتاز رکن اور اہم عہدوں پر فائز رہے، تینوں خلفاء آپؑ پر بڑا اعتماد کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمر فاروقؓ بیت المقدس گئے تو آپؑ نے انہیں اپنا جانشین بنایا۔³⁰ نیز حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں حضرت علیؑ کے مشوروں سے درج ذیل امور سرانجام پائے۔

- ۱۔ عراق و خراسان کی پیکش کے بعد نئے سرے سے نظام مالگاری کو نافذ کیا گیا۔
- ۲۔ کسانوں پر ٹیکس کا بوجھ کم کرنے کے لیے قوانین وضع کیے گئے۔
- ۳۔ زمینوں کو مقامی لوگوں کے ہی قبضہ میں رہنے دیا گیا تاکہ زمینوں کی آباد کاری اور کاشتکاروں کی معاشی حالت مستحکم رہے۔
- ۴۔ فتح عراق کے بعد اسلامی افواج کی خواہش تھی کہ ایرانی شاہی جاگیروں، آتش کدوں اور ان کے پجاریوں کی جائیدادوں کو مال غنیمت کے طور پر ان (افواج) میں تقسیم کر دیا جائے لیکن خلیفہ ثانی نے حضرت علیؑ کے مشورے کے مطابق ان املاک کو ریاستی اراضی میں بدل دیا، البتہ ان سے حاصل شدہ آمدنی کو آباد کاروں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔³¹

حضرت علیؑ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد ان عاملوں اور گورنروں کو معزول کر دیا جن کے متعلق عہد عثمانی میں شکایات موصول ہو چکی تھیں اس موقع پر اکثر گورنروں نے آپؑ کے حکم کی تعمیل کی لیکن حضرت امیر معاویہؓ قصاص عثمانؓ کے مطالبے کے لیے آپؑ کی مخالفت پر اتر آئے اس دوران حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی قصاص عثمانؓ کے لیے حضرت عائشہؓ کے گرد جمع ہو گئے جس کے نتیجے میں جنگ جمل کا حادثہ رونما ہوا۔³² جنگ جمل کے بعد حضرت علیؑ شام کی طرف متوجہ ہوئے تاکہ امت مسلمہ ایک مرکز پر جمع ہو سکے اور خلافت راشدہ کے تقاضے پورے ہو سکیں، صفین کے مقام پر حضرت علیؑ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان فریقین میں موجود شریک لوگوں کے اشتعال پیدا کرنے سے خونریز جنگ ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ شامیوں نے اپنی شکست کو دیکھتے ہوئے حضرت عمرؓ بن العاص کے مشورے سے قرآن کو نیزوں پر بلند کیا، اس کے بعد فریقین میں جنگ بندی ہو گئی اور اس مسئلے کے حل کے لیے حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ اور حضرت عمرؓ بن العاص پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی گئی۔ دراصل یہ جنگ بندی اور ثالثی کا فیصلہ بعد میں حضرت علیؑ کے لیے مشکلات کا باعث بنا۔ شامیوں نے حضرت علیؑ کی خلافت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت امیر معاویہؓ کو اپنا مستقل امیر تسلیم کر لیا نیز حضرت حسنؓ سے صلح سے قبل حضرت امیر معاویہؓ نے کبھی بھی خلافت کا دعویٰ نہ کیا تھا۔³³ حضرت علیؑ اور حضرت امیر معاویہؓ کے مابین نزاع کو ختم کرنے کے لیے حکمیں کے تقرر کے بعد حضرت علیؑ کی فوج کا ایک حصہ آپؑ سے الگ ہو گیا حالانکہ یہی لوگ اس سے پہلے ثالثی قبول کرنے کے حق میں تھے اور اب یہ لوگ نہ صرف آپؑ کے خلاف ہو گئے بلکہ انہوں نے کھلم کھلا آپؑ کے خلاف بغاوت کر دی، اس بغاوت میں شامل ہونے والے لوگ خارجی کہلائے، انہی میں سے ایک شخص عبدالرحمن بن ملجم نے ہی آپؑ کو 21 رمضان 40ھ / 29 جنوری 661ء کو کوفہ کی جامع مسجد میں دوران نماز شہید کر دیا۔³⁴

حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد عراقیوں کے مشورے سے سیدنا حسنؓ کو خلیفہ بنا دیا گیا، ابھی آپؓ نے ملکی انتظام و انصرام

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

سنجہا لایا بھی نہ تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ نے عراق پر چڑھائی کر دی، اس دوران آپ کے سپہ سالار کی شکست اور موت کی جھوٹی خبر نے مدائن میں موجود آپ کی ہی فوج نے بغاوت کر دی اور آپؓ کو زخمی کر کے خیمے کو لوٹ لیا³⁵۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے آپؓ کو فہم آئے۔ وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے آپؓ نے جلد ہی یہ فیصلہ کر لیا کہ آپؓ حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہو جائیں گے اس کے بعد آپؓ امیر معاویہؓ سے معاہدہ کر کے اپنے اہل خانہ کے ہمراہ مدینہ آ گئے یہاں آئے ہوئے ابھی تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ مدینہ طور پر آپ کو آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث بن قیس نے کھانے میں زہر دے دیا³⁶۔ چنانچہ سیدنا حسنؓ کی شہادت کے بعد حضرت امیر معاویہؓ بلا شرکت غیرے مسلمانوں کے حقیقی حکمران بن گئے۔ سیدنا حسنؓ کی رحلت کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے گورنر بصرہ مغیرہؓ بن شعبہ کی ایما پر اپنے بیٹے یزید بن معاویہ کو اپنا جانشین بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں عراق و خراسان میں زیاد بن ابی سفیانؓ نے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ عراق و خراسان میں بیعت یزید کے بعد شام میں یزید کی ولی عہدی کوئی بڑا مسئلہ نہ تھا۔ کیونکہ یہاں کے لوگ تو پہلے ہی حضرت امیر معاویہؓ کے بڑے و فرماں بردار تھے شام میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے حجاز کا رخ کیا کیونکہ یہاں پر سیدنا حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر جہمیؓ بزرگ ہستیاں موجود تھیں ان لوگوں نے حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے بیعت یزید کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کی دیکھا دیکھی اہل حجاز نے بھی یزید کی بیعت سے پہلو تہی اختیار کی۔ اہل حجاز کے رویہ سے مایوس ہو کر حضرت امیر معاویہؓ نے شام کا رخ کیا، جہاں انہوں نے 61ھ/680ء میں وفات پائی۔³⁷

حضرت امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید وصیت کے مطابق خلیفہ بن گیا، یزید کے خلیفہ بننے کے بعد کوفیوں نے سیدنا حسینؓ کو فہم آنے اور یزید سے نجات دلانے کے لیے خطوط کا لامتناہی سلسلہ شروع کیا ان خطوط کو دیکھتے ہوئے سیدنا حسینؓ نے فہم جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس دوران بہت سے لوگوں نے کوفیوں کی بے وفائی کو دیکھتے ہوئے آپ کو اس سفر سے روکنے کی بار بار کوشش کی لیکن آپؓ اپنے فیصلے کو بدلنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ آپؓ کے قافلے میں مردوں کے علاوہ عورتوں اور بچوں کی اچھی خاصی تعداد بھی موجود تھی۔ آپ صحرائے عرب کو عبور کر کے دریائے فرات کے کنارے مقام کربلا میں خیمہ زن ہوئے اس دوران اموی گورنر عبید اللہ بن زیا کو فہم والوں کو ڈرا دھمکا کر سیدنا حسینؓ سے اپنی حمایت واپس لینے پر آمادہ کر چکا تھا³⁸۔ یہاں پہنچنے پر ابن زیاد کی فوج نے حسینی لشکر پر دریائے فرات کا پانی بند کر دیا اور آپ کے قافلے کو گھیرے میں لے لیا، اس دوران کوفیوں کی بے وفائی کھل کر سامنے آ چکی تھی ان حالات کو دیکھتے ہوئے سیدنا حسینؓ نے یزیدی لشکر کو تین تجاویز پیش کیں۔

1۔ مجھے مدینہ واپس جانے دیا جائے۔

2۔ مجھے کسی سرحدی مقام پر جانے کی اجازت دی جائے۔

3۔ مجھے یزید کے پاس بحفاظت پہنچا دیا جائے تاکہ میں اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دوں^{38-A}۔

تاہم ابن زیاد نے سانحہ کربلا کے ایک اہم کردار شمر ذی الجشن کے مشورے سے کسی بھی شرط کو ماننے سے انکار کر دیا اس کے بعد

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

آپ کے گرد گھیراٹک کر کے آپ پر حملہ کر دیا گیا اور دشمن کے تیر اندازوں نے ایک ایک کر کے مدافعين کو ختم کرنا شروع کر دیا اور اب مقابلے میں صرف نواسہ رسول ﷺ ہی رہ گئے۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے تلواروں کے ساتھ آپ پر حملہ کر کے آپ کو زخمی کر دیا زخموں سے چور آپ زمین پر گر پڑے اس دوران شان بن انس نخعی نے آگے بڑھ کر آپ کا سر مبارک جسم سے الگ کر دیا۔³⁹ اس کے بعد آپ کا جسم مبارک گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ا گیا۔ اس خونی معرکے میں صرف ایک بچہ علی زین العابدین بیمار ہونے کی وجہ سے بچ سکا اس کے بعد شامیوں نے حبان اہلبیت کو چن چن کر قتل کیا۔⁴⁰ سانحہ کربلا کے بعد خاندان سادات کی خواتین کو شہدائے کربلا کے سروں سمیت دمشق بھیج دیا گیا۔ یزید نے بغاوت کے ڈر سے اس قافلے کو دمشق پہنچتے ہی مدینہ روانہ کرنے کا انتظام کیا تا کہ اسے مزید کسی خطرے سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اس واقعہ کے بعد حجاز کی سیاسی فضا یزید کے خلاف ہو گئی اور اہل مدینہ نے اشتعال میں آ کر اموی گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ سے نکال دیا اور یزید کی برطرفی کا مطالبہ کرتے ہوئے اس کے خلاف بغاوت کر دی، اس مطالبے میں جب شدت آ گئی تو یزید نے اہل مدینہ کی سرکوبی کے لیے مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں ایک لشکر روانہ کیا۔ حرہ کے مقام پر فریقین میں گھسان کی لڑائی ہوئی اس لڑائی میں اہل مدینہ کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ فتح کے بعد شامیوں نے مدینہ النبی ﷺ میں لوٹ مار کی اہل مدینہ کی بربادی کے بعد شامی فوجوں نے مکہ کا رخ کیا شامی فوج کی سنگباری سے بیت اللہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا۔ مکہ کے محاصرے کے دوران ہی یزید کا 64ھ/683ء میں انتقال ہو گیا جس کی وجہ سے شامیوں کو اپنا مشن ادھورا چھوڑ کر دمشق جانا پڑا۔⁴¹

امویوں نے صرف اسی پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ شیعوں کی بیخ کنی کے لیے جاسوسی کا ایسا نظام قائم کیا جس سے انہیں پکڑنے میں آسانی رہے حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے تمام گورنروں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ شیعان علیؓ اور اہلبیت میں سے کسی کی شہادت قبول نہ کی جائے نیز جن لوگوں کے بارے میں تمہیں شک ہو کہ یہ سیاسی طور پر حضرت علیؓ اور اہل بیت کے حامی اور ان سے محبت کرتے ہیں ان کا نام دیوان⁴² سے کاٹ دیا جائے اور ان کا وظیفہ بند کر دیا جائے۔⁴³

زیاد بن سمیہ جو کسی زمانے میں حضرت علیؓ کا ہمنوا تھا دنیاوی جاہ و حشمت کے لالچ میں انہیں چھوڑ کر حضرت امیر معاویہؓ کا دم بھرنے لگا یہ شخص تو بے وفا تھا ہی لیکن اس کے بیٹے عبید اللہ بن زیاد نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی کیونکہ یہی شخص سانحہ کربلا کا اصل ذمہ دار تھا۔⁴⁴

اہل تشیع کے عقائد:-

اہل تشیع کے نزدیک اسلام چند عقائد و اعمال کا مجموعہ ہے جس کے اساسی عقائد کو اصول اور بنیادی اعمال کو ارکان اسلام کہا جاتا ہے یہ لوگ اصول کو تقلید امان لینا کافی نہیں سمجھتے بلکہ عقل کی رہنمائی سے ان کی صحت کا علم و یقین حاصل کرنا ضروری سمجھتے ہیں ان کے عقائد درج ذیل ہیں۔

1- توحید۔

2- عدل۔

3- نبوت۔

4- معاد۔

5- امامت۔

1- توحید:-

یعنی اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے وہ اپنی ذات میں یگانہ ہے اس کی ذات و صفات میں دوئی کا کوئی دخل نہیں اس کی صفات بھی ذات ہی ہیں کیونکہ وہ یکتا ہے۔ خدا کی صفات دو قسم کی ہیں ایک ایجابی یعنی جن کا اثبات کیا جاتا ہے اور دوسری سلبی یعنی جن کی نفی کی جاتی ہے۔

ایجابی صفات یہ ہیں کہ مثلاً خدا علیم ہے قدیر ہے اور سمیع و بصیر ہے وغیرہ اور سلبی صفات یہ ہیں کہ مثلاً خدا کسی چیز سے مرکب نہیں اسے دیکھا نہیں جاسکتا اس کا کوئی زمان و مکان نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں۔⁴⁵

یہ بات مسلمہ عقلی اصولوں پر مبنی ہے کہ ہر چیز کو اس نے مناسب جگہ دی ہے اور ہر فعل کا وقت متعین ہے۔ کائنات کا راز تخلیق کا مبداء، ہر مخلوق کی ابتداء و انتہا، یہ تمام چیزیں اس طرح مقرر کر دی گئی ہیں کہ کوئی فرد کائنات کے نظام کو اتفاقات و حادثات کا نتیجہ قرار نہیں دے سکتا، لہذا یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ واجب الوجود کو مخلوق کا علم ہے اور خدا کی جو صفات تخلیق میں نمایاں ہوئیں وہ ذات باری تعالیٰ کی طرح دائمی ہیں۔⁴⁶

شیعہ حضرات اللہ کے لیے ترکیب و تجسیم اور حلول و اتحاد کو جائز نہیں سمجھتے، نہ اس کے لیے مکان و سمت تجویز کرتے ہیں⁴⁷ اور نہ ہی اسے قابل رویت سمجھتے ہیں نہ دنیا میں اور نہ ہی آخرت میں، کیونکہ اسکی ذات کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دکھائی نہ دے اور ناقابل رویت ذات محل و مقام اور جہت و سمت سے بالاتر ہوتی ہے ایسا نہیں کہ اسے دنیا میں ناقابل رویت تصور کیا جائے اور آخرت میں قابل دیدار قرار دے دیا جائے ان کی دلیل یہ ہے کہ دیکھنے میں وہی چیز نظر آتی ہے جو کسی سمت میں واقع ہو اور رنگ و شکل اور جسم رکھتی ہو⁴⁸ اور خداوند عالم کی ذات، مکان، جہت، اعضا و جوارح اور تمام لوازم جسم سے پاک ہے⁴⁹ بالفاظ دیگر شیعہ حضرات دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے قائل نہیں کیونکہ ان کے نزدیک قابل دیدار ہمیشہ وہ چیز ہوتی ہے جو کسی خاص جگہ اپنا وجود رکھتی ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے بے نیاز ہے۔

بقول شیعہ حضرت علیؑ سے جب توحید کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا۔

التوحید ان لا تنوہمہ⁵⁰ ”توحید یہ ہے کہ تو اسے اپنے وہم و تصور کا پابند نہ بنائے“

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جسم و صورت اور مکان و زمان کے حدود سے بالاتر سمجھتے ہوئے اپنے اوہام و ظنون کا پابند نہ بنایا جائے کیونکہ جسے اوہام و ظنون کا پابند بنایا جائے گا وہ خدا نہیں ہوگا بلکہ وہ انسانی ذہن کی پیداوار ہوگا اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قوتیں ہمیشہ دیکھی بھالی ہوئی چیزوں تک ہی محدود رہتی ہیں لہذا انسان جتنا خود ساختہ مثالوں اور قوت واہمہ کی خیال آرائیوں سے اسے سمجھنے کی کوشش کرے گا اتنا ہی حقیقت سے دور ہوتا چلا جائے گا۔

چنانچہ بقول شیعہ امام باقر کا ارشاد ہے۔

”جب بھی تم اسے اپنے تصور و وہم کا پابند بناؤ گے وہ خدا نہیں رہے گا بلکہ تمہاری طرح کی مخلوق اور تمہاری ہی طرف پلٹنے والی کوئی چیز ہو جائے گا۔“⁵¹

2 عدل:-

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس سے کسی قبیح فعل، عبث یا شر کا ارتکاب ہوتا ہے بلکہ اس کا ہر فعل، حکمت و مصلحت پر مبنی صحیح و درست مقصد کا حامل ہوتا ہے قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ کے عدل کا ذکر مثبت انداز میں ہوا ہے جیسے۔

وتمت کلمت ربک صدقا وعدلاً⁵²۔

”تمہارے پروردگار کی بات سچائی اور عدل کے لحاظ سے کامل ہے“

اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے عدل کا ذکر سلبی انداز میں یوں ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

ان الله لا يظلم مثقال ذره۔⁵³ ”اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا“

اہل تشیع میں عدل الہی کے عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ خدا عادل ہے اس نے دنیا کی تمام ایسی چیزوں کو جو وجود رکھتی ہیں درجہ کمال حاصل کرنے میں ایسے طریقہ کار پر لگا دیا ہے کہ ہر چیز ٹھیک ٹھیک اپنی جگہ پر قائم رہے، نظم کائنات کی روشنی میں ہر چیز اپنی جگہ عیب سے پاک ہے خدا نے ہی دنیا پیدا کی ہے اور یہ درجہ کمال تک بڑھتی چلی جا رہی ہے اس میں آج تک انحراف نہیں ہوا، نہ آخرت کی زندگی میں کسی سے نا انصافی ہوگی اور نہ ہی کسی پر ظلم ہوگا غرض اسی اصول عدل کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر شخص کے اعمال کا جائزہ لے گا جن لوگوں نے عین مذہب کے مطابق زندگی بسر کی ہوگی آئندہ زندگی میں وہ اسے جزائے خیر دے گا اسے روحانی فوائد اور روحانی خوشیاں حاصل ہوں گی اور یہ لوگ دائمی شادمانی میں رہیں گے لیکن جن لوگوں نے ابواء و اغراض کی پیروی کی ہوگی وہ دائمی سزا پائیں گے روحانی اور ذہنی تکلیف اٹھائیں گے اور اپنے اعمال کا تلخ ذائقہ چکھیں گے۔⁵⁴ اس عقیدے سے جہاں اشیاء کے حسن و قبح جیسے امور وابستہ ہیں وہاں اس امر کی نشاندہی بھی کی گئی ہے کہ ان کو پرکھنے کا واحد معیار عقل ہے کیونکہ انسان سے اگر اچھے افعال سرزد ہوتے ہیں تو عقل انہیں اچھا کہتی ہے اور اگر وہ برے افعال کو سرانجام دیتا ہے تو عقل انہیں برا سمجھتی ہے اور بعض افعال ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں عقل اچھا یا برا سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے تاہم پھر بھی واقعے کے لحاظ سے اس میں اچھائی یا برائی ضرور ہوتی ہے اور شرعی احکام میں اسی اچھائی یا برائی کا لحاظ ہوتا ہے اس طرح جس چیز میں اچھائی ہوتی ہے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

شریعت اس کے کرنے کا حکم دیتی ہے اور جس چیز میں برائی ہوتی ہے شریعت اس سے اجتناب کرنے پر زور دیتی ہے شریعت میں ایسا نہیں ہے کہ مصلحت و حکمت کے بغیر جس چیز کا چاہا حکم دے دیا اور جس چیز سے چاہا منع کر دیا۔⁵⁵

3۔ نبوت :-

اہل تشیع کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے مخلوق میں ایسے لوگوں کو منتخب کیا ہے جو اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچاتے ہیں اور یہی لوگ انبیاء کہلاتے ہیں ان لوگوں کو حکمت و دیکر دنیا میں مبعوث کیا گیا ہے تاکہ یہ لوگوں کو آداب زندگی سکھائیں نیز اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے ذریعے ہر وقت ان کی مدد کرتا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء و رسل کو دلائل و معجزات کے ساتھ دنیا میں مبعوث کیا تاکہ لوگ ان معجزات کو دیکھ کر ان رسولوں کی بعثت پر یقین کر لیں کیونکہ ان کے پاس اللہ کا دیا ہوا علم ہوتا ہے جو ان کے صدق مقال اور عدالت کو ثابت کرتا ہے حضرت علیؑ اپنے خطبے میں فرماتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں انبیاء و رسل کو بشیر و نذیر اس لیے بنا کر بھیجا تاکہ جو لوگ ہلاک ہوں وہ دلیل کے ساتھ ہلاک ہوں اور جو زندہ رہیں وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہیں اور ان کا کام لوگوں کو خدا کی ربوبیت یا اس کی وحدانیت والوہیت سے آگاہ کرنا ہے“ اسی خطبہ میں آگے چل کر حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو اس لیے مبعوث کیا تاکہ اللہ تعالیٰ پر لوگوں کی یہ حجت نہ رہے اور لوگ یہ نہ کہیں کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا بلکہ لوگوں پر ہی اللہ کی حجت ثابت رہے۔ پھر آپ نے فرمایا:

”کیا تم نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا جو اس نے جہنم کے دار و غد کی اہل جہنم سے گفتگو کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ وہ اہل جہنم سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟“ تو اہل جہنم جواب دیں گے کہ ”ہاں ڈرانے والا ضرور آیا تھا مگر ہم لوگوں نے اس کی تکذیب کی، اور کہا کہ کوئی حکم و احکام وغیرہ اللہ نے تم پر نازل نہیں کیا بلکہ تم خود ہی سب سے بڑی گمراہی میں مبتلا ہو“⁵⁶ اور اللہ نے حضور ﷺ کو گواہی دینے والے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے کی حیثیت سے مبعوث کیا۔“⁵⁷

امام جعفر صادق کا قول ہے کہ

”انبیاء کی بعثت کا مقصد لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینا اور کفر سے باز رکھنا ہے“⁵⁸

ایک اور موقع پر حضرت علیؑ نے بعثت نبوی کی وضاحت کچھ اس انداز میں کی ہے۔

”اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس کے بندوں کو محکم و واضح قرآن کے ذریعے سے بتوں کی پرستش سے خدا کی طرف اور شیطان کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی طرف نکال لائیں نیز اس کے بندے اپنے پروردگار سے جا مل و بے خبر رہنے کے بعد اسے جان لیں، ہٹ دھرمی اور انکار کی بجائے اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین اور اقرار کر لیں“⁵⁹

شیعہ عقیدہ کی رو سے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور تمام دوسرے انبیاء معصوم تھے حضور اکرمؐ بھی معصوم تھے اگرچہ ان کے بآء معصوم نہ تھے تاہم وہ خدا کے عبادت گزار اپنا کہا ز اور شریف النفس انسان تھے پیغمبر آخر الزماں نے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ کیا وہ

حکم خداوندی کے عین مطابق تھا اور یہ سب ان پر الہام ہوتا تھا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

و ما ينطق عن الهوى ا ه ان هو الا وحى يوحى⁶⁰

”وہ (رسول) اپنی خواہش سے نہیں بولتا صرف وہی بولتا ہے جو اس کی طرف وحی کی جاتی ہے۔“

شیعہ عقیدے کی رو سے عذاب خدا سے بچنے کے لیے لوگوں کو انبیاء اور ائمہ کی احتیاج ہے بقول شیعہ حضرت علیؑ کا ارشاد ہے کہ
 ”جب تک کوئی نبی یا امام زمین پر موجود ہوتا ہے اللہ زمین سے عذاب کو اٹھائے رکھتا ہے“⁶¹

ارشاد باری تعالیٰ ہے

و ما كان الله ليعذبهم وانت فيهم⁶²

”اور اللہ ایسا نہ تھا کہ جب تک تو ان میں موجود تھا تو وہ انہیں عذاب دیتا۔“

تمام انبیاء کے ساتھ اللہ کا یہ دستور رہا ہے کہ جس بستی میں وہ موجود ہوں اس پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں فرماتا جب تک کہ وہ اپنے انبیاء کو وہاں سے نکال نہ لے جیسا کہ حضرت ہوڈ، حضرت صالحؑ اور حضرت لوطؑ کے معاملے میں مشاہدہ ہوا کیونکہ جب تک یہ انبیاء اپنی بستیوں میں رہے عذاب نہیں آیا، جب یہ حضرات وہاں سے نکال لیے گئے تو اس وقت ان پر عذاب نازل ہوا۔⁶³

4۔ معاویہ۔

جس کے معنی لوٹ کر جانے کی جگہ واپس جانے کا مقام، آخرت، قیامت اور حشر کے ہیں شیعہ حضرات حشر و نشر، میزان، اعراف⁶⁴، دوزخ، بہشت اور اس سلسلے کی جو چیزیں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں ان پر ایمان لانا ضروری سمجھتے ہیں⁶⁵ حضرت علیؑ نے دنیا و آخرت کی تعریف کچھ اس انداز سے کی ہے۔

”دنیا کو اس لیے دنیا کہا جاتا ہے کیونکہ یہ سب چیزوں سے زیادہ پست ہے اور آخرت کو آخرت اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں جزا و سزا ملتی ہے“⁶⁶

اہل تشیع یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد نشاۃ ثانیہ کا ایک دن مقرر ہے جس میں اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو اس کی روح اور جسم کے ساتھ مرنے کے بعد عالم حقیقی میں دوبارہ زندہ کرے گا۔ وہاں ہر شخص کے اعمال تو لے جائیں گے اور پھر ہر ایک کو اس کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی⁶⁷ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں جو فصل کاشت کرتا ہے۔ عالم عقبیٰ میں وہی فصل اسے کاٹا پڑتی ہے امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا قول ہے۔

”دنیا تمہارے قیام کے لیے نہیں بنائی گئی بلکہ یہ تو گزرگاہ ہے تاکہ تم مستقل قیام کے لیے زاہد راہ اکٹھا کر سکو اور اس دنیا سے چل نکلنے کے لیے آمادہ رہو اور کوچ کرنے کے لیے اپنی ساریوں کو قریب کر لو تاکہ وقت آنے پر آسانی اس پر سوار ہو سکو“⁶⁸

اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص آسمانی احکام کی پیروی کرتا ہے اس کے لیے آنے والی دنیا میں بہشت کے دروازے کھلے ہوں گے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اور اگر وہ ان فرائض سے بے پروا ہی مرتے گا اور نہ ہی احکام سے سرتابی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دوزخ میں دائمی عذاب سے دوچار کرے گا لیکن ان حالات میں انسان کے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہوگی اور وہ یہ کہ اس موقع پر حضور اکرم ﷺ، ائمہ اسلام اور صلحائے امت کی سفارش سے اس کی بخشش ہو سکے گی۔⁶⁹ امیر المؤمنین حضرت علیؑ کا فرمان ہے۔

”جو فرماں بردار ہوں گے اللہ انہیں جزا دے گا اور وہ اس کی جوار رحمت میں رہیں گے اور وہ انہیں ہمیشہ کے لیے اپنے گھر میں ٹھہرائے گا جہاں انہیں دوبارہ کہیں اور نہ جانا پڑے گا اس دوران نہ ہی انہیں ہر لمحے خوف ستائے گا نہ ان پر پیاریاں آئیں گی نہ انہیں خطرات درپیش ہوں گے ان کے برعکس وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کی ہوگی انہیں آگ میں جھونک دیا جائے گا اور وہ اسی آگ میں ہوں گے جس کی تپش بڑی سخت ہوگی اس میں تیز شرارے، بھڑکنے کی آوازیں، اٹھتی ہوئی لپٹیں اور ہولناک چیخیں ہوں گی اس میں داخل ہونے والے نہ نکل سکیں گے اور نہ ہی ان کے قیدیوں کو فد یہ دے کر چھڑایا جاسکے گا نہ ان کی بیڑیاں ٹوٹ سکیں گی، اس میں گرنے والوں کی نہ کوئی مقررہ مدت ہوگی کہ وہ مٹ مٹا جائیں یا مدت پوری ہونے پر انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔“⁷⁰

شیعان علیؑ کے امامت سے متعلق تصور و نظریات :-

شیعان علیؑ کے نزدیک امام کا تقرر خدا کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہوتا ہے اس میں جمہور کی رائے کا دخل نہیں ہے، ان کے ہاں امامت جیسے اہم مسئلے کو عوام کی صوابدید پر چھوڑ دینا افتراق و انتشار کو دعوت دینے کے مترادف ہے⁷¹ اہل تشیع نبیؐ کے لیے یہ جائز نہیں سمجھتے کہ وہ امام مقرر کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائے، اس لیے نبیؐ کا یہ فریضہ ہے کہ وہ امامت کے لیے ایک امام مقرر کر جائے⁷² اس اصول کے تحت حضور اکرمؐ نے وصال سے قبل امامت کے لیے حضرت علیؑ کے حق میں وصیت فرمائی، اسی لیے حضرت علیؑ کو وحی رسول اللہ ﷺ کہا جاتا ہے اس طرح ہر امام اپنے بعد آنے والے امام کے لیے وصیت کر جاتا ہے یہ وصیت چونکہ خدا کی طرف سے ہوتی ہے اس لیے امام منصوب یا مامور من اللہ یعنی خدا کی طرف سے مقرر ہوتا ہے جو ہر غلطی و خطا سے مبرا ہوتا ہے اس لیے اسے امام معصوم کہا جاتا ہے⁷³ لہذا امام منصوب کے علاوہ کسی اور کا جانشین بن بیٹھنا غصب امامت ہے اور یہ امامت صرف حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کا ہی حق ہے⁷⁴ شیعہ نقطہ نظر سے امام میں علم و فضیلت اور زہد و تقویٰ کے علاوہ عصمت کا ہونا بھی ضروری ہے تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امام اپنے غلط طرز عمل سے امور شریعت پر اثر انداز ہو کر مفاد عامہ کو مجروح کر دے یا امام اپنے آپ کو مطلق العنان سمجھ کر حکمران بن بیٹھے کیونکہ ان کے نزدیک یہ تصور اسلامی نظریہ حکومت کے خلاف ہے اور ویسے بھی اسلام تو ایسے نظم مملکت کا داعی ہے جس میں فرمانروائی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اس لیے ہر شخص ان احکام کی پابندی کے علاوہ اپنی فطری آزادی پر قائم رہتا ہے جبکہ امام تو انین الہیہ کا نگران و ترجمان ہوتا ہے اس لیے اس کی اطاعت تو صرف نمائندہ الہی ہونے کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ لہذا ائمہ اہلبیت کا مطمح نظر یہ ہے کہ انسانی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کا پابند بنایا جائے اور لوگوں کے تصور حکومت کو ختم کیا جائے، شیعہ مسلک میں امام کا ہر دور میں ہونا ضروری ہے تا کہ شریعت کی حفاظت اور امت کی رہنمائی کا سلسلہ چلتا رہے۔ شیعان علیؑ میں امام کی اطاعت اور اس کے وجود کا اعتراف کرنا جزو ایمان

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ہے اس لیے امام کی ہستی سب سے بڑا معلم ہونے کے ماطے تمام لوگوں سے بلند ترین ہوتی ہے اسی وجہ سے یہ انبیاء کی طرح معصوم عن الخطا ہوتے ہیں⁷⁵ اس لیے کوئی بھی غلطی ان کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی اس سلسلے میں ابن ابی الحدید کا قول ہے ”حضرت علیؓ جس طرح دنیا میں ساری مخلوق سے افضل ہیں اسی طرح آخرت میں بھی ان کا مرتبہ ساری مخلوقات سے افضل اور جنت میں سب سے بلند ہوگا لہذا جو شخص ان سے دشمنی اور بغض رکھے گایا ان سے جنگ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہوگا اور کفار و منافقین کے ساتھ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔“⁷⁶ اہل تشیع کے بقول حضور اکرمؐ نے حضرت علیؓ کے بارے میں فرمایا۔

”مجھے پیغمبری کے لیے اور تمہیں امامت کے لیے پیدا کیا گیا ہے جو تمہاری امامت کا انکار کرے گا وہ ایسا ہے گویا اس نے میری پیغمبری سے انکار کیا ہے“⁷⁷ منصب امامت کی فضیلت بیان کرتے ہوئے علامہ سید رضی کہتا ہے۔

”خداوند عالم نے اپنے عدل و رحمت سے جس طرح دین کی طرف رہنمائی و رہبری کرنے کا سلسلہ جاری کیا اسی طرح سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کے بعد دین کو تبدیل و تحریف سے محفوظ رکھنے کے لیے امامت کا نفاذ کیا تا کہ ہر امام اپنے اپنے دور میں تعلیمات الہی کو خواہش پرستی کی زد سے بچا کر اسلام کے صحیح احکام کی طرف لوگوں کو رہنمائی کرتا رہے نیز جس طرح شریعت کے مبلغ کی معرفت واجب ہے اسی طرح شریعت کے محافظ کی معرفت بھی ضروری ہے۔ اس لیے جاہل کو بھی اس میں معذور قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ امامت پر (بقول سید امام رضی) صدہا ایسے دلائل و شواہد موجود ہیں جن سے کسی کے لیے بھی انکار کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے ”جو شخص اپنے دور کے امام کو نہ پہچانے اور دنیا سے اٹھ جائے اس کی موت کفر و ضلالت کی موت ہے“⁷⁸

اس سلسلے میں ابن ابی الحدید کا قول نقل کیا جاتا ہے

”جو شخص حضرت علیؓ کی امامت سے جاہل اور اس محبت و مروت کا منکر ہوگا وہ ہمارے اصحاب کے نزدیک ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے نہ اسے اسکی نماز فائدہ دے سکتی ہے نہ ہی روزہ اس کے لیے باعث نجات ہوگا کیونکہ معرفت امامت ان بنیادی اصولوں میں شمار ہوتی ہے جو دین کے مسلمہ ارکان ہیں لیکن ہم آپ کی امامت کے منکر کو کفر نہیں کہتے بلکہ اسے فاسق یا خارجی اور بے دین وغیرہ کے ناموں سے یاد کرتے ہیں“⁷⁹ یہاں امامت کے اصطلاحی تصور پر لمبی چوڑی بحث کی گنجائش نہیں ہے، لیکن تعجب خیز امر یہ ہے کہ تو حید و رسالت اور آخرت کے عقائد کے منکر کو تو بالاتفاق کافر سمجھا جائے لیکن منکرین امامت کو کافر قرار دینے میں اس قدر احتیاط برتی جائے کہ انہیں کافر کی بجائے صرف فاسق یا خارجی وغیرہ قرار دیا جائے، عقائد میں یہ دوہرا معیار ناقابل فہم ہے چنانچہ اس فکری انتشار کے معاشرے پر اثرات کی نوعیت عقلی کی بجائے محض جذباتی رہی ہے۔ جو لوگ شیعہ حضرات کے عقیدہ امامت کو نہیں مانتے اور امامت کا جو اصطلاحی مفہوم شیعہ پیش کرتے ہیں اس کا وہ صاف انکار کرتے ہیں تو لازماً یہ سوال پیدا ہوگا کہ مخالفین امامت مسلم ہیں یا غیر مسلم؟

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اگر وہ غیر مسلم ہیں تو اتحاد دین المسلمین کے شیعہ نعروں میں کوئی جاذبیت نہیں رہے گی۔ اگر وہ مسلم ہیں تو کسی عقیدہ کا اقرار یا انکار کرنے والے ہر دو صورتوں میں مسلم ہی قرار پائیں تو ایسے عقیدے کی صحت اور اہمیت ہی ایک سوالیہ نشان بن جاتی ہے اگر یہاں مومن و مسلم کا فرق کیا جائے کہ عقیدہ امامت کو ماننے والا تو مومن ہے اور اس کا انکار کرنے والا مومن نہیں بلکہ صرف مسلم ہے تو کیا ایسا مسلم جنت میں جائے گا؟ جہنم رسید ہوگا؟ یا کچھ مدت کیلئے جہنم میں رہنے کے بعد جنت میں چلا جائے گا؟ اگر پہلی شق اختیار کی جائے تو عقیدہ امامت کی اہمیت و ضرورت ختم ہو جاتی ہے، اگر دوسری شق اختیار کی جائے تو ایسے مسلم کو سیدھا کافر ہی کہہ دیا جاتا جب ایسے مسلم کا اور کافر کا اخروی انجام یکساں ہوگا تو اسے مسلم قرار دینا ہی سرے سے مضحکہ خیز ہے۔ اگر تیسری شق اختیار کی جائے تو تو حید و رسالت جیسے عقائد میں بھی یہی اصول چلنا چاہیے کہ جو ان کا منکر ہو وہ کچھ عرصہ کیلئے جہنم میں رہنے کے بعد جنت کا مستحق ہو جائے، عقیدہ امامت کو استثنائی حیثیت کیوں حاصل ہے؟ سیدنا حسنؑ کی اولاد میں سے حضرت نفس زکیہ نے اثنا عشری گروہ کے ائمہ کو تسلیم نہیں کیا یا خود سیدنا حسینؑ کی اولاد کا بھی ائمہ کے بارے میں باہم اختلاف رہا تو ان کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی؟ یہی وہ پیچیدہ سوالات ہیں جو عقیدہ امامت کے بارے میں شیعہ حضرات کے غلو کو قبول کرتے نظر نہیں آتے۔ اور یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ تصورات بہت بعد کی پیداوار ہیں ورنہ بنو عباس اور بنو علیؑ نے امویوں کے خلاف بھرپور مشترکہ جدوجہد کی تھی اسلئے عباسی حضرات بھی یقیناً امامت وغیرہ کے متعلق شیعہ افکار و نظریات کے حامل ہوتے۔ اسی چیز نے بعد میں بنو عباس اور بنو علیؑ میں رونما ہونے والے سیاسی اختلاف کی وجہ سے مخصوص شیعہ افکار و نظریات کو جنم دیا ورنہ ابتدائی ادوار کے شیعہ حضرات دیگر مسلمانوں سے اعتقادی اعتبار سے چنداں الگ تھلگ نہ تھے۔ دین میں عقائد کے اختلاف کی بنیاد سب سے پہلے خوارج نے ڈالی وہ دیگر مسلمانوں سے اعتقادی اعتبار سے بھی الگ تھلگ ہونے کی وجہ سے خوارج کے نام سے مشہور ہوئے۔

بقول شیعہ شرائط امامت کے بارے میں حضرت علیؑ کا قول ہے

”بلاشبہ امام قبیلہ قریش کی شاخ بنو ہاشم کی کشت زار (کھیت) سے ابھریں گے اس لیے ان کے علاوہ نہ امامت کسی اور کو زیب دیتی ہے اور نہ ہی ان کے علاوہ کوئی دوسرا اس کا اہل ہو سکتا ہے“⁸⁰ انہی ائمہ کے بارے میں آپؐ نے مزید فرمایا۔

”بلاشبہ ائمہ اللہ کے مقرر کردہ حاکم ہیں اور جنت میں وہی جائیں گے جنہیں ان کی معرفت حاصل ہوگی اور دوزخ میں وہی ڈالا جائے گا جو انہیں پہچانتا نہ ہو گا یا جنہیں وہ (ائمہ) نہ پہچانتے ہوں گے“⁸¹

شیخ صدوق امام کے مرتبے اور مقام کے بارے میں رقمطراز ہے۔

”اور یہ (امام) معصوم اور ہر طرح کی برائیوں سے پاک ہیں جن سے کوئی گناہ سرزد ہوتا ہے

نہ وہ کبھی کسی معصیت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق حاصل ہوتی

ہے اللہ تعالیٰ ان کے واسطے سے ہی اپنے بندوں کو رزق دیتا ہے بستیوں کو آباد کرتا ہے آسمان

سے بارش برساتا ہے انہی کے توسط سے زمین سے برکتیں نکلتی ہیں اور گناہ گاروں کو توبہ کی

مہلت ملتی ہے روح القدس ان سے کبھی جدا نہیں ہوتا نہ ہی امام اس سے جدا ہوتا ہے اسی

طرح نہ قرآن امام سے الگ ہوتا ہے اور نہ یہ (امام) قرآن سے الگ ہوتے ہیں“⁸²۔

بقول شیعہ حضرت علیؑ کے وصی ہونے کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ علی ہی سب سے بہتر اور سب سے افضل ہیں وہی میرے ولی عہد، میرے وصی اور وارث ہیں“⁸³

اہل تشیع حضرت علیؑ کو رسول خدا کا بلا فصل خلیفہ سمجھتے ہیں اور جو شیعہ حضرات حضرت علیؑ کے بعد بارہ اماموں پر ایمان رکھتے ہیں انہیں اثنا عشریہ کہا جاتا ہے ابتداء میں شیعہ نظریات کے حامل بے شمار فرقے تھے لیکن اب ان میں سے اکثر فرقے غیر معروف یا غائب ہو چکے ہیں۔

عباسیوں کے امامت سے متعلق تصورات و نظریات:

خلفاء بنو امیہ نے علی بن عبد اللہ بن عباسؓ کو حیمہ⁸⁴ میں ایک جاگیر عطا کی تھی جہاں پر علی بن عبد اللہ رہائش پذیر تھے۔ ایک بار امام ابو ہاشم کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے اس گاؤں میں قیام کیا۔ یہیں پر ان کی وفات کا وقت قریب آ گیا تو انہوں نے اپنے بعد امامت کی وصیت علی بن عبد اللہ بن عباسؓ کے لیے کی۔⁸⁵ (کیونکہ ان کی اولاد زینہ نہ تھی) اور اپنے داعیوں کو ہدایت کی کہ آئندہ تمہارے امام علی بن عبد اللہ بن عباسؓ ہوں گے اس طرح امامت علویوں سے عباسیوں میں منتقل ہو گئی۔⁸⁶ علی بن عبد اللہ بن عباسؓ کی وفات کے بعد امامت ان کے بڑے بیٹے محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ کے ہاتھ میں آ گئی۔ اب محمد بن علی نے سوچا کہ بنو عباس کے نام میں کوئی کشش نہیں ہے اس لیے انہوں نے اپنے مبلغین کو ہدایت کی کہ وہ اپنی دعوت و تبلیغ میں کسی شخص کا نام نہ لیں بلکہ ان کی دعوت صرف اہل بیت کے لیے ہو اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے انہوں نے خراسان کو اپنا مرکز بنایا کیونکہ وہاں پر ایرانیوں کی اکثریت تھی۔ جنہیں ضعیف الاعتقاد ہونے کی وجہ سے با آسانی ورغلا یا جاسکتا تھا۔⁸⁷ دراصل عباسیوں نے حکومت ”اہلبیت“ کے نام سے حاصل کی تھی اور یہی بات اہلبیت کو کھٹک رہی تھی کیونکہ عباسیوں نے سلطنت حاصل کرنے کے لیے ہر جگہ ان کا نام استعمال کیا اور جب یہ سیاہ و سفید کے مالک بن گئے تو انہوں نے اپنے محسنوں کو فراموش کر ڈالا، اس چیز کو دیکھتے ہوئے محمد بن حنفیہ نے عباسیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور دعویٰ کیا کہ امامت کی اصل وراثت صرف اولاد علیؑ ہے نہ کہ اولاد عباسؓ لیکن نفس زکیا نے اپنے حصول مقصد میں کام لے رہے کیونکہ ابو جعفر منصور کا دعویٰ خلافت بظاہر بڑا پرکشش اور جاندار نظر آتا تھا اور ابو جعفر منصور بر ملا کہتا تھا کہ چچا کی موجودگی میں چچا کے بیٹے کو وراثت نہیں مل سکتی۔ لہذا تمہارا دعویٰ امامت غلط ہے۔⁸⁸

ہیعان بنو عباسؓ میں صرف فرقہ راوندیہ کا یہ نظریہ ہے کہ خلافت و امامت کے اصل مستحق آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ ہیں کیونکہ آپؓ ہی رسول خدا کے اصل وارث اور عصبہ ہیں اور یہ لوگ دلیل کے طور پر قرآن کی درج ذیل آیت کو پیش کرتے ہیں۔

والو الارحام بعضهم اولیٰ ببض فی کتاب اللہ⁸⁹

”اور بعض قرابت دار اللہ کی کتاب میں بعض سے نزدیک تر ہیں“

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ان کے خیال میں لوگوں نے حضرت عباسؓ کو خلافت و امامت سے روکا اور ظلماً ان سے یہ منصب لے لیا۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہ چیز دوبارہ حضرت عباسؓ کی اولاد کو لوٹا دی ہے یہ لوگ شیخین اور حضرت عثمانؓ سے بیزار ی کا اظہار کرتے ہیں البتہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ کی خلافت درست تھی کیونکہ وصال رسول ﷺ کے وقت حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ سے کہا تھا

یا ابن اخی ہلم ابایعک فلا تختلف علیک اثنان⁹⁰

”اے برادر زادو! میں تمہاری بیعت کرتا ہوں میری بیعت کے بعد دو آدمی بھی تم سے اختلاف نہ کریں گے۔“

یہی بات ابوالعباس السفاح کے چچا داؤد بن علی بن عباسؓ نے السفاح کی بیعت خلافت کے موقع پر کہی تھی:

”اس منبر پر رسول خدا ﷺ کے بعد کوئی امیر المؤمنین علی بن ابی طالب اور امیر المؤمنین

عبداللہ بن محمد السفاح کے سوا نہیں چڑھا اور جان لو کہ یہ امر ہم میں سے نکلنے والا نہیں ہے حتیٰ

کہ ہم اس (خلافت و امامت) کو عیسیٰ بن مریم کے سپرد کریں گے۔“⁹¹

عباسی دور حکومت میں فاطمیوں اور علویوں نے بارہا خلافت کے لیے خروج کیا لیکن ہر بار ناکام رہے۔⁹² آخر کار 297ھ

909ء میں فاطمی ہونے کا مدعی عبداللہ مہدی شمالی افریقہ میں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔⁹³ اس طرح اپنی حکومت کے

استحکام کے بعد اس نے شام و مصر 358ھ تا 362ھ کو بھی فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔⁹⁴ اس وجہ سے انہیں ”دولت فاطمین

مصر“ کہا جاتا ہے۔⁹⁵ عباسی خلفاء چونکہ ایرانیوں کے کندھوں پر سوار ہو کر ایرانی اقتدار میں داخل ہوئے تھے اس لیے ان کے تصور حکومت پر

ایرانیوں کی نمایاں جھلک نظر آتی ہے۔ دراصل ایرانی ”خدا داد حق فرمانروائی“⁹⁶ کے قائل تھے جس کا مقصد یہ تھا کہ جس شخص کا شاہی

خاندان سے کوئی تعلق نہ ہو وہ حکومت کرنے کا مستحق نہیں ہو سکتا اور اگر وہ حکومت پر قابض بھی ہو گیا تو اس کو غاصب سمجھا جائے گا اسی کے پیش

نظر عباسی خلفاء یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کو فرماں روائی کا حق خدا کی جانب سے عطا ہوا ہے نہ کہ عوام کی طرف سے چنانچہ عباسی خلیفہ

ابوجعفر منصور نے کہا: ”میں دنیا میں خدا کی طرف سے فرماں روا ہوں۔“⁹⁷ عباسیوں کا وضع کردہ یہ نظریہ خلفائے راشدین کے نظریہ کے

برعکس تھا۔⁹⁸

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

خوارج

خوارج کا فرقہ عہد علیؑ میں منظر عام پر آیا یہ آپؐ کے اعوان و انصار میں شامل تھا جبکہ شیعان علیؑ پہلے سے موجود تھے اور انہیں فکری اعتبار سے ان (خوارج) پر زنی تقدم حاصل تھا۔⁹⁹ تاہم شہرستانی دیگر مؤرخین سے اختلاف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خوارج عہد علیؑ کی پیداوار نہیں بلکہ یہ ان کے دور سے پہلے ہی موجود تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو واقع محکم کے موقع پر خوارج حضرت علیؑ کو دھمکی دیتے ہوئے یہ نہ کہتے کہ ”مگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو ہم تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک کریں گے۔ جو ہم نے حضرت عثمانؓ سے کیا تھا“¹⁰⁰ ان کا تعلق قبیلہ بنو تمیم سے تھا۔ دراصل یہ وہ جماعت تھی جنہوں نے سبائیوں سے مل کر حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کیا تھا بعد میں یہ لوگ لشکر علیؑ میں شامل ہو گئے تھے۔ جنگ جمل میں یہ حضرت علیؑ کے ساتھ تھے جنگ صفین میں بھی یہ لوگ حضرت علیؑ کی فوج کا اہم حصہ تھے۔ حضرت علیؑ کے لشکر سے ان کی علیحدگی کا واقعہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص نے شامیوں کا کشت و خون ہوتے دیکھا تو انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ سے کہا کہ کیا ان حالات میں تم محسوس کرتے ہو کہ میدان تمہارے ہاتھ آئے گا؟ اس پر حضرت امیر معاویہؓ خاموش رہے انہوں نے ان کے سکوت کو دیکھ کر حضرت امیر معاویہؓ سے کہا کہ شامیوں سے کہو کہ قرآن کو نیزوں پر بلند کر کے کہیں۔ ہذا کتاب اللہ بیننا و بینکم ”ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی یہ کتاب ہے“ وہ حضرت امیر معاویہؓ سے کہنے لگے ”اگر حضرت علیؑ کے لشکر کے لوگ ہماری بات مان لیتے ہیں تو لڑائی بند ہو کر کشت و خون سے ہم سب کو نجات مل جائے گی اور اگر انہوں نے اس سے انکار کیا تو اس سے بھی ہمیں ہی فائدہ ہوگا کیونکہ اس کے بعد ان میں اختلافات پیدا ہو جائیں گے“¹⁰¹۔ چنانچہ شامیوں کا یہ تیر بڑا کارگر ثابت ہوا اور اس واقعہ کے بعد فوج کے ایک بڑے حصے نے جنگ بندی کا اعلان کر دیا جب کہ فوج کا کچھ حصہ لڑنے مرنے پر آمادہ تھا، ہر چند کہ حضرت علیؑ نے انہیں سمجھانے کی بارہا کوشش کی اور انہیں کہا کہ شامیوں نے شکست کو دیکھ کر یہ چال چلی ہے لہذا جنگ جاری رکھی جائے¹⁰²۔ اس پر مسعر بن فدک تیمی اور زید بن حصین طائی (یہ بعد میں قاریوں کی ایک جماعت کے ساتھ خارجی بن گیا تھا) نے حضرت علیؑ سے کہا:

”اے علیؑ جب تجھے کتاب اللہ کی دعوت دی جا رہی ہے تو تم اسے قبول کرو ورنہ ہم تجھے اور تیرے مخصوص ساتھیوں کو ان لوگوں کے (شامیوں) ہاتھوں میں دے دیں گے یا جو سلوک ہم نے عفان کے بیٹے (حضرت عثمان غنیؓ) کے ساتھ کیا تھا وہی سلوک تیرے ساتھ کریں گے“¹⁰³۔

اب جبکہ حضرت علیؑ بادلِ نخواستہ محکم پر راضی ہو گئے تو آپؐ نے اس مقصد کے لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجنا چاہا اس پر بھی خوارج نے اعتراض کیا اور کہا کہ ”وہ تم میں سے ہے یعنی تمہارا رشتہ دار ہے“ لہذا ان کی بجائے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو عراقی جماعت کا نمائندہ بنا کر بھیجا جائے¹⁰⁴۔ اس پر حضرت علیؑ سوچ و بچار میں پڑ گئے لیکن اس سوچ و بچار کی وجہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ پر بد اعتمادی نہ تھی بلکہ ان کی سادگی اور راست گفتاری تھی جب کہ ان کے مد مقابل (حضرت عمروؓ بن العاص) بہت جہاندیدہ تھے¹⁰⁵۔ چارونا چار حضرت علیؑ اس پر بھی آمادہ ہو گئے اس طرح حضرت علیؑ کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

حضرت عمرو بن العاص حکم مقرر ہوئے¹⁰⁶۔ جب معاہدہ لکھنے کا وقت آیا تو کاتب نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا کہ یہ معاہدہ امیر المؤمنین حضرت علیؑ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان ہے اس پر حضرت امیر معاویہؓ نے اعتراض کیا کہ اگر ہم آپؑ کو امیر المؤمنین مان لیں تو پھر آپؑ کے خلاف لڑائی ہی بے معنی ہے اس موقع پر احنف بن قیس نے حضرت علیؑ سے کہا کہ ”آپؑ اپنے نام کے ساتھ امیر المؤمنین کے لفظ کو مٹانے پر ہرگز آمادہ نہ ہوں اگر آپؑ نے اسے ایک مرتبہ مٹا دیا تو پھر یہ آپؑ کے پاس کبھی واپس نہ آئے گی آپؑ کو ان کی یہ بات ہرگز نہیں مانتی چاہیے“ اس پر حضرت علیؑ نے فرمایا:

”اللہ اکبر، سنت سنت پر ہی استوار ہوتی ہے بخدا اس قضیے کی نظیر صلح حدیبیہ کے روز میرے ہاتھوں عمل میں آئی۔ جب قریش مکہ نے حضور اکرم ﷺ کے نام (محمد رسول اللہ) کے لفظ پر اعتراض کیا اور کہا تھا کہ ہم اگر آپؐ کو رسول اللہ مان لیں تو پھر لڑائی اور معاہدہ کیسا؟ اس پر رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ محمد بن عبد اللہ لکھو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔¹⁰⁷ اس کے بعد حضرت علیؑ کے حکم سے یہ الفاظ لکھے گئے کہ:

”یہ معاہدہ علیؑ بن ابی طالب اور امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ کے درمیان طے پایا اور حکمین کا فیصلہ عراقیوں اور شامیوں پر نافذ العمل ہوگا اور کوئی فیصلہ اللہ اور سنت رسول ﷺ کے خلاف قبول نہ کیا جائے گا اور دونوں حکم یعنی عمرو بن العاص اور ابو موسیٰ اشعرؓ بھی اس پر کاربند رہیں گے اور دونوں عسا کر ہتھیار اتار کر رکھ دیں گے نیز فریقین کے جان و مال بھی ایک دوسرے سے محفوظ رہیں گے۔ فیصلہ سنانے کی تاریخ حکمین باہمی مشورے سے طے کریں گے۔ حکمین حسب ضرورت فریقین سے گواہ بھی طلب کر سکیں گے“¹⁰⁸۔

معاہدہ لکھے جانے کے بعد فریقین کی طرف سے دس دس گواہوں نے دستخط کیے، اس میں خوارج کا سردار اشعث بن قیس کنڈی بھی شامل تھا۔ تعجب کی بات ہے کہ جن لوگوں نے حضرت علیؑ کو تحکیم پر مجبور کیا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے حکم مقرر کرنے پر سخت مخالفت کی، اب وہی لوگ یکا یک ان خیالات سے منحرف ہو گئے اور تحکیم کو ایک جرم قرار دیتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم نے تحکیم قبول کر کے جرم اور کفر کیا اور اب ہم اپنے اس جرم پر نادم ہوتے ہوئے خدا سے توبہ واستغفار کرتے ہیں پھر انہوں نے حضرت علیؑ سے کہا کہ ”تم نے بھی تحکیم قبول کر کے کفر کیا ہے لہذا تم بھی اپنے اس گناہ سے توبہ کرو“۔ غضب یہ ہوا کہ عرب کے کم فہم بد بھی ان کے ہم نوا بن گئے اور انہوں نے بھی لا حکم الا للہ (حکم صرف اللہ کا ہی ہے) کا شعار اپنالیا۔¹⁰⁹ ان باتوں کے منظر عام پر آنے کے بعد حضرت علیؑ نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کو خوارج کو سمجھانے کے لیے بھیجا لیکن اس کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا کیونکہ یہ لوگ ضد کے اتنے پکے تھے کہ قرآنی اور عقلی دلائل سننے کے بعد بھی اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے۔ محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک سازش کے تحت ہو رہا تھا کیونکہ پہلے حضرت علیؑ کو تحکیم پر مجبور کیا گیا پھر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے حکم مقرر کرنے پر مخالفت کی گئی پھر معاہدے میں امیر المؤمنین کی بجائے حضرت علیؑ کا نام (علی بن ابی طالب) لکھنے پر مجبور کیا گیا اور پھر عراقیوں کی طرف سے ایسے شخص (حضرت ابو موسیٰ اشعرؓ) کو حکم مقرر کیا گیا۔ جنہوں نے کوفہ میں لوگوں کو حضرت علیؑ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کی معاونت سے روکا تھا اور انہی چیزوں کو دیکھتے ہوئے حضرت علیؑ نے انہیں کوفہ کی گورنری سے معزول کیا تھا اگر مندرجہ بالا حالات کا باریک بینی سے تجزیہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات اتفاقاً ظہور پذیر نہ ہوئے بلکہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ یہ سب کچھ خارجیوں کے سردار اشعث بن قیس اور یمنیوں کے مکر فریب کا نتیجہ تھا اور اس میں حضرت علیؑ اور حضرت معاویہؓ کے شیطان طینت ساتھیوں کا بھی ہاتھ معلوم ہوتا ہے ¹¹⁰۔

دراصل خارجیوں کا شروع میں مطمئن نظریہ سیاسی تھا اس لیے یہ ابتداء میں دینی مباحث سے دور رہتے تھے لیکن نکلنے اس خیال سے متفق نہیں وہ کہتا ہے کہ عبدالملک بن مروان کی خلافت سے قبل ان کا مطمئن نظریہ واقعی سیاسی مقاصد کا حصول تھا لیکن عبدالملک بن مروان کے بعد خوارج نے اپنی سیاسی تعلیمات کو دینی مباحث سے خلط ملط کر دیا اور اس دینی و سیاسی نظریات کا اختلاط سے انہوں نے نئے عقائد تخلیق کیے ¹¹¹۔

چنانچہ 38ھ/658ء میں حکمین کی طرف سے دو متبادل کے مقام پر فیصلے کا اعلان کیا گیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعرئیؓ نے کہا کہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت امیر معاویہؓ دونوں کو معزول کر کے خلافت کا معاملہ شوری کے سپرد کر دیا جائے تاکہ خلافت کے لیے وہ جسے مناسب سمجھیں منتخب کر لیں، لہذا تم لوگ خلافت کو اپنے ہاتھ میں لیکر جسے چاہو اپنا امیر منتخب کر لو ¹¹²، اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص منبر پر چڑھے اور انہوں نے کہا کہ ”ابو موسیٰ اشعرئیؓ نے اپنے آدمی (حضرت علیؑ) کو برطرف کر دیا ہے میں بھی انہیں برطرف کرتا ہوں جب کہ میں اپنے آدمی (امیر معاویہؓ) کو برقرار رکھتا ہوں۔ اس لیے کہ وہ خون عثمانؓ کے ولی اور دعویدار ہیں۔ لہذا چائینی کا حق سب سے زیادہ انہیں ہی پہنچتا ہے ¹¹³۔ اس فیصلے کے بعد فریقین ایک دوسرے کو مطعون کرنے لگے اس موقع پر شریح بن ہانی نے عمرو بن العاص پر دست درازی کی کوشش بھی کی لیکن لوگوں نے بیچ بچاؤ کر دیا ¹¹⁴۔

تحکیم کے فیصلے سے حضرت امیر معاویہؓ بڑے فائدے میں رہے ایک تو اس سے وقتی طور پر کشت و خون ٹل گیا دوسرے خلافت کے دعویداروں کی معزولی سے بھی حضرت علیؑ کو نقصان ہوا کیونکہ حضرت امیر معاویہؓ کے پاس کوئی خلافت تھی ہی نہیں جس سے وہ معزول کیے جاتے، یوں تحکیم کے فیصلے کو قبول کرنے کا مطلب یہ تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ حضرت علیؑ کے برابر آگئے اور یوں حضرت علیؑ کا منصب خلافت خلل پذیر ہوا۔ تحکیم کے فیصلے سے آپؐ کی حیثیت کمزور پڑ گئی اور آپؐ کی حیثیت صرف مدعی خلافت کی رہ گئی اس طرح حکمین کا فیصلہ آپؐ کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا۔ اس فیصلے کا حضرت علیؑ کو سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ان کے معاونین کی ایک بڑی تعداد آپؐ سے الگ ہو گئی اور اب ان کی حمایت آپؐ کی مخلصیت میں تبدیل ہو گئی ¹¹⁵۔ اور وہ لوگ جو کل تک آپؐ کا بظاہر ساتھ دے رہے تھے، آج وہ آپؐ کے خون کے پیاسے ہو گئے اور ان کی دشمنی ہی آپؐ کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی ¹¹⁶۔

مندرجہ بالا واقعات کی روشنی میں دیکھا جائے تو حضرت علیؑ جنگ صفین میں سیاسی اعتبار سے مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکے۔ جنگ صفین سے واپسی پر خوارج عملی طور پر اپنے بارہ ہزار ساتھیوں کے ہمراہ کوفہ کی مضافاتی بستی حرورہ میں جمع ہونا شروع ہو گئے اس نسبت سے

خوارج کو حورور یہ بھی کہا جاتا ہے ¹¹⁷ -

خوارج چونکہ لا حکم الا للہ کے قائل تھے اس لیے انہیں محکمۃ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ خارجیوں کی اکثریت اپنے لیے یہی نام پسند کرتی ہے۔ ان لوگوں نے چونکہ حضرت علیؑ کے خلاف خروج کیا تھا اس لیے تاریخ میں یہ لوگ خارجیوں یا خوارج کے نام سے مشہور ہوئے ¹¹⁸۔ اگرچہ بعض لوگوں کا موقف یہ ہے کہ خوارج کا لفظ چونکہ خروج فی سبیل اللہ سے ماخوذ ہے اس لیے انہوں نے اپنے لیے یہ نام زیادہ مناسب گردانا اور پھر انہوں نے قرآن کی اس آیت سے استدلال کیا۔

¹¹⁹ ومن یجخرج من بیتہ مهاجراً الی اللہ ورسولہ ثم یدرکہ الموت فقد وقع اجرہ علی اللہ۔
 ”جو شخص خدا اور اس کے رسول ﷺ کی طرف اپنے گھر سے ہجرت کر کے نکلے اور پھر اسے موت آدو بچے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ واجب ہے۔“

ان لوگوں کا خیال تھا کہ انہوں نے دین کی خاطر اپنی جانوں کو فروخت کر دیا ہے۔ اس لیے یہ لوگ شراۃ کے نام سے بھی منسوب تھے اور اس نام کے لیے انہوں نے قرآن کی اس آیت کو بنیاد بنایا۔

¹²⁰ ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رءوف بالعباد۔
 ”اور کوئی شخص ایسا ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور خدا بندوں پر بہت مہربان ہے۔“

حکمیں کے فیصلے کے بعد خوارج عبد اللہ بن وہب کے ہاں جمع ہوئے اور انہوں نے قول قرار کیے کہ وہ محکم کے فیصلے کے خلاف اظہارِ ناپسندیدگی کے طور پر حضرت علیؑ کے خلاف بغاوت کریں گے کیونکہ انہوں نے خدا کے علاوہ لوگوں کو حکم بنا کر کفر کیا ہے اور خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیز گار اور متقی ہیں۔ اس کے بعد عبد اللہ بن وہب نے کہا کہ خدا نے ہم سے پختہ عہد لیا ہے کہ ہم لوگوں کو نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، سچ کہیں اور خدا کی راہ میں جہاد کریں پھر اس نے دلیل کے طور پر قرآن کی یہ آیت تلاوت کی۔

¹²¹ ان الذین یضلون عن سبیل اللہ لہم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب۔
 ”بیشک جو لوگ راہِ خدا سے بھٹک گئے ہیں وہ شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے اس لیے کہ وہ (یوم) حساب کو بھول گئے ہیں۔“

اس کے بعد عبد اللہ بن وہب نے قرآن کی ایک اور آیت پڑھ کر اپنی گفتگو کو پرکشش بنایا!

¹²² ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ہم الکافرون ہ

”جو لوگ اللہ کے کما زل کیے احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہی لوگ کافر ہیں۔“

اس کے بعد عبد اللہ بن وہب، شریح بن ابی اوفیٰ عیسیٰ اور دیگر اکابرین خوارج نے فیصلہ کیا کہ اگر ہم لوگ مدائن میں جمع ہوئے تو

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

دھریے جائیں گے لہذا بہتر ہے کہ نہروان کے پل پر پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے جائیں اور کوفہ و بصرہ کے لوگوں کو بھی کہا جائے کہ وہ ٹولیوں کی بجائے ایک ایک دو تین تین کر کے ہم سے ملتے جائیں تاکہ کسی کو شک و شبہ بھی نہ ہو۔ اس طرح خوارج سے تعلق رکھنے والے لوگ نہروان کے مقام پر جمع ہو گئے¹²³۔ اس دوران حضرت علیؑ شام پر حملہ آور ہونے کے لیے مصروف تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ خوارج نے صحابی رسول حضرت عبداللہ بن خطاب بن الارت اور ان کی عورتوں کو قتل کر دیا ہے¹²⁴ اس اطلاع پر آپؑ نے ایک قاصد کو خوارج کے پاس بھیجا اور کہا کہ اس واقعہ کی باز پرس کر کے قاتل کو ہمارے حوالے کیا جائے یا اس کا خون بہا دیا جائے لیکن خوارج نے خون بہا دیا کرنے یا قاتل کو حوالے کرنے کی بجائے قاصد ہی کو قتل کر ڈالا، قاصد کے قتل کے بعد آپؑ کے ساتھیوں نے شامیوں سے جنگ کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا اور کہا کہ ”کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم شامیوں سے برسر پیکار ہوں اور خوارج ہمارے مال و متاع اور اہل و عیال کو مباح بنالیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم شامیوں سے لڑنے سے قبل اپنے اہل عیال اور اموال کو خوارج سے محفوظ کر لیں“۔ اس کے بعد عسا کر علیؑ کی اکثریت اس رائے پر متفق ہو گئی اور اب حضرت علیؑ نے شام کی مہم کو موخر کر کے خوارج سے نہر آ زما ہونے کا فیصلہ کیا۔ فریقین میں نہروان کے مقام پر گھمسان کارن پڑا، اس معرکہ میں عبداللہ بن وہب، شریح بن ابی اوفیٰ عسی، فروہ بن نوفل اشجعی اور زید بن حصین طائی جیسے نامور سرداروں کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ اس جنگ میں خوارج کے تقریباً تین ہزار نو سو نوے لوگ لقمہ اجل بن گئے زندہ نہ بچنے والوں کی تعداد ایک روایت کے مطابق دس اور دوسری روایت کے مطابق سات تھی۔ ان کے چار سو لوگ شدید زخمی ہوئے جبکہ لشکر علیؑ میں سے صرف سات لوگ مارے گئے۔
یہ 38ھ/658ء کا واقعہ ہے¹²⁵۔

نہروان سے واپسی پر حضرت علیؑ نے اپنے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے جنگ میں فتح پر پہلے اللہ کا شکر ادا کیا پھر پہلے لوگوں کو شامیوں سے جنگ پر آمادہ کرنے لگے اور کہا کہ جتنا ہو سکے گھوڑے اور اسلحہ جمع کر لو تاکہ شامیوں سے صفین کا حساب چکا دیں¹²⁶۔ یہ سن کر آپؑ کے لشکر کے سرداروں نے کہا کہ امیر المومنین ہمارے ترکش کے سارے تیر ختم ہو چکے ہیں تلواریں ٹوٹ چکی ہیں نیزے کند ہو گئے ہیں۔ آپؑ ہم پر مہربانی کریں ہمیں اپنے شہروں کو جانے دیں تاکہ کچھ دیر آرام کر لیں اور اپنے ہتھیار درست کر لیں اس کے بعد جب ہم دشمن پر حملہ آور ہوں گے تو تازہ دم ہونے کی وجہ سے اس کے دانت کھٹے کر دیں گے¹²⁷۔ حقیقت میں وہ حضرت علیؑ کو محض دھوکا ہی دے رہے تھے۔ جنگ نہروان کے بعد حضرت علیؑ نے بقیہ یام مسلسل مصائب اور کرب میں گزارے۔ اب آپؑ کے ساتھی آپ کا ساتھ چھوڑنے لگے، بلائے جاتے تو جواب نہ دیتے، حکم پاتے تو اس کی تعمیل نہ کرتے، فہمائش کی جاتی تو نصیحت گیر نہ ہوتے، انہیں اب زندگی سے محبت اور موت سے نفرت ہونے لگی وہ جنگ سے تنگ اور امن و عافیت کے خواہر ہو گئے، وہ راحت سے محظوظ اور مشقت سے گھبرانے لگے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ شامی فوجیں عراقی علاقے پر قابض ہونے لگیں اور عراق کے پرامن شہریوں کو دن دیہاڑے لوٹا جانے لگا جب کہ حضرت علیؑ کی فوج برملا نافرمانی پر اتر آئی۔ اس دوران آپؑ کے مخلص ساتھیوں کی تعداد اتنی قلیل تھی کہ ان سے کام نہیں چل سکتا تھا¹²⁸۔ اس دوران حضرت علیؑ اپنی فوج کے ہاتھوں تنگ تھے جب کہ نہروان کی شکست نے خوارج کی نیندیں اچاٹ کر دیں اور وہ ہر لمحے اپنی شکست کا بدلہ لینے کی فکر میں

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

رہتے چنانچہ خوارج کے تین آدمیوں نے بیت اللہ میں بیٹھ کر حضرت علیؑ، حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرؓ بن العاص کو شہید کر کے ان سے تحکیم اور نہروان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا اور انہوں نے ان تینوں احباب پر ایک ہی دن ایک ہی وقت حملہ آور ہونے کی منصوبہ بندی کی۔ اس طرح عبدالرحمن بن ملجم نے حضرت علیؑ، برک بن عبد اللہ نے حضرت امیر معاویہؓ اور عمرو بن ابوبکر تمیمی نے حضرت عمرؓ بن العاص کو اپنا اپنا ہدف بنانے کا اقرار کیا۔ چنانچہ ابن ملجم نے جمعہ کے روز فجر کی نماز میں جاتے ہوئے حضرت علیؑ کے سر پر اس قدر زور سے زہر سے بھیجی ہوئی تلوار ماری جو آپؑ کے سر کے بھیجے تک اتر گئی جس سے آپؑ شدید زخمی ہو کر گر پڑے۔ اس طرح آپؑ جمعہ اور ہفتہ زندہ رہنے کے بعد اتوار کے روز اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ حضرت علیؑ کی تدفین کے بعد ابن ملجم کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اسے زندہ جلا دیا گیا¹²⁹۔

طے شدہ منصوبے کے تحت زوال بن عامر نے حضرت امیر معاویہؓ پر بخبر سے حملہ کیا جب وہ نماز فجر پڑھانے میں مصروف تھے لیکن وار مہلک ثابت نہ ہوا، اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی حفاظت کے لیے پہرے دار مقرر کر دیے۔ ان کے حکم سے زوال بن عامر کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے اور اس کی زبان کھینچ دی گئی جس سے وہ مر گیا۔ اسی منصوبے کے تحت عبد اللہ بن مالک صیداوی نے اپنی دانست میں حضرت عمرؓ بن العاص پر حملہ کیا لیکن اس روز حضرت عمرؓ بن العاص نے اپنی جگہ کسی اور شخص کو نماز پڑھانے کے لیے بھیجا تھا۔ جو عبد اللہ بن مالک کے حملے کا شکار ہو گیا اور حضرت عمرؓ بن العاص خوش قسمتی سے بچ نکلے¹³⁰۔

خوارج کے مشترکہ عقائد:-

خوارج کے مختلف فرقوں کے درج ذیل مشترکہ عقائد ہیں:

_____ خوارج کا بنیادی اصول ہے کہ لا حکم الا للہ یعنی اللہ کے سوا کسی کو حکومت کا حق حاصل نہیں یا اس کے علاوہ کوئی حاکم نہیں۔

_____ ان کے نزدیک ہر گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

_____ ان کے نزدیک امام ایسا ہونا چاہیے جو عادل ہو اور ظلم سے اجتناب کرنے والا ہو، ایسے ہی امام کی دشمنوں کے خلاف جنگ جائز و

درست ہوگی۔ اس کے برعکس ان کے نزدیک غیر عادل اور ظالم امام کو معزول یا قتل کرنا واجب ہے تاہم ان کے ہاں اگر معاشرے

کے لوگ امام کے بغیر بھی پر امن زندگی بسر کرتے ہیں تو وہاں امام کی کوئی ضرورت نہیں۔

_____ خوارج کے ہاں امام کے لیے قریشی کی شرط ضروری نہیں، اس لیے ان کے نزدیک غلام آزاد یا بطلی کوئی بھی امام بن سکتا

_____ ہے¹³¹۔

_____ ان کے نزدیک حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؑ پر تمنا کرنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے حدیث ہے کہ ان کے ہاں ایسا کرنا ہر ثواب

پر مقدم ہے بلکہ خوارج میں حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؑ پر تمنا کیے بغیر کسی کا بھی نکاح درست نہیں ہے۔

_____ ان کے نزدیک حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؑ، حکمین (حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرؓ بن العاص) اصحاب جمل اور ہر وہ

معزلہ

معزلہ ایسے مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں جس نے عقل و نقل کے مابین تطابق و توافق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اعتزال کے معنی کسی شخص یا گروہ سے الگ ہو جانے کے ہیں¹³³ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
 وان لم تؤمنوا بی فاعتزلون¹³⁴

”حضرت موسیٰ نے کہا! اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لائے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔“

دراصل مسلمانوں نے فتوحات و جہاد سے بے نیاز ہونے کے بعد تقدیر کے مسئلے پر غور و فکر شروع کیا بہت سے لوگ اس سے پہلے بھی اس پر اظہار خیال کر چکے تھے۔ جن میں یونانی، نصرانی اور مجوسی فلسفیوں نے اپنے اپنے علم کے جوہر دکھائے۔ اب اسلام میں بھی ایسے لوگ ظاہر ہوئے جو درحقیقت انسانی ارادے کی آزادی کے قائل تھے ان آزاد منش لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ انسان خود مختار ہے اور وہ اپنے اعمال کا خود خالق ہے۔ اس کے برعکس اسلام کا منشا یہ ہے کہ تقدیر انسانی کو جھٹلانے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ایسا کرنے والوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے اسلام کے مجوسی کہا ہے¹³⁵۔ ایک اور موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:
 ”القدر یہ تقدیر کے بارے میں اللہ کے دشمن ہیں“¹³⁶۔

”حضرت مافع“ سے روایت ہے کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ ”شام کا فلاں آدمی آپ کو سلام کہتا ہے“
 اس پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ”میں نے سنا ہے کہ وہ تقدیر کو جھٹلاتا ہے اگر یہ بات درست ہے تو میرا سلام اسے نہ پہنچانا“¹³⁷۔
 معزلہ کا نظریہ یہ تھا کہ انسان خود مختار ہے اور اسے اپنے اختیاری اعمال میں پوری پوری قدرت حاصل ہے تاریخ میں ایسے لوگوں کو قدریہ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے¹³⁸۔ حضور اکرم ﷺ نے امت کو ایسے معاملات سے اعراض کا حکم دیا ہے حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اچھی یا بری تقدیر پر ایمان نہ لائے اور وہ یہ جان نہ لے کہ جو کچھ اس کو پیش آیا ہے۔ وہ اس سے ٹل نہیں سکتا تھا اور جو کچھ اس سے ٹل گیا وہ اسے پیش آنے والا نہ تھا۔“¹³⁹

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک جنازے سے فارغ ہو کر جنت البقیع میں حضور اکرم ﷺ کے گرد بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
 ”تم میں سے ہر ایک کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ کر دیا گیا ہے“

لوگوں نے عرض کیا کہ اگر ایسا ہے تو ہم اپنے متعلق لکھے گئے فیصلہ پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:
 ”نہیں! عمل کرو ہر شخص کے لیے وہ عمل آسان ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے کیونکہ جو آدمی نیک بخشوں اور سعادت مند لوگوں میں سے ہے وہ سعادت کے کاموں کی طرف ہی جائے گا اور جو آدمی بد بخشوں میں سے ہوگا وہ بد بخشی والے کاموں کی طرف ہی لوٹے گا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے قرآن کی درج ذیل آیت تلاوت فرمائی:

”تو جس نے (خدا کے راستے میں مال) دیا اور پرہیزگاری اور نیک بات کو سچ جانا اس کو ہم آسان

طریقے کی توفیق دیں گے“

اس فرقے کے آغاز کے بارے میں لوگوں کی مختلف آراء ہیں لوگوں کے ایک گروہ کا خیال ہے کہ اس مسئلے پر سب سے پہلے معبد جہنی اور غیلان دمشقی نے بحث کی۔ یہ معبد جہنی ابن اصف کے ساتھ بغاوت میں بھی شامل تھا۔ ابن اصف کی شکست کے بعد حجاج بن یوسف نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا¹⁴¹۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ معبد جہنی کو حجاج نے سیاسی مسئلے کی بناء پر قتل کروایا تھا جب کہ اکثر مؤرخین کی رائے ہے کہ اس قتل کی وجہ سیاسی نہیں بلکہ اس کا فرقہ زنا و فحشاء سے ہوتا تھا۔¹⁴²

امام اوزاعی کا خیال ہے کہ غیلان دمشقی کا باپ دراصل حضرت عثمان غنیؓ کا آزاد کردہ غلام تھا اور یہ ہمارے پاس ہشام بن عبد الملک کے عہد میں آیا اور اس نے تقدیر کے مسئلے پر بحث شروع کی۔ ہشام بن عبد الملک کو جب اس کے ان نظریات کا علم ہوا تو اس نے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اسے سولی پر لٹکانے کا حکم دیا¹⁴³۔

غالباً اس حکم کی تعمیل ہوئی ہوگی جبکہ صریح الفاظ میں ہمیں اس کی تائید میں کوئی مصدقہ روایت نہیں ملتی تاہم ظاہری قرائن اور کلام کے سیاق و سباق کی روشنی میں ہمارا گمان یہ ہے کہ غیلان دمشقی اس سزا سے نہ بچ پایا ہوگا۔

تاہم ابو زہرہ مصری نے مندرجہ بالا موقف سے اختلاف کرتے ہوئے ابو الحسن الطرائفی کی رائے کو بنیاد بنایا، جس میں انہوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ!

”جب سیدنا حسن بن علیؓ حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے، ان کی بیعت کرنے اور انہیں خلافت تفویض کرنے کا فیصلہ کیا تو اصحاب علیؓ میں سے ایک گروہ نے ان دونوں اصحاب سیدنا حسنؓ اور حضرت امیر معاویہؓ سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور سب سے الگ ہو گئے، اب ان لوگوں کی سرگرمیوں کا محور و مرکز صرف گھریا مسجد ہی رہ گیا اور یہ لوگ کہا کرتے تھے کہ ہمیں تو صرف علم اور عبادت سے سروکار ہے اس لیے انہوں نے اپنا نام معتزلہ (یعنی الگ ہونے والے) رکھا۔¹⁴⁴ علماء کے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ اس فرقے کا ظہور حضرت حسن بصری اور واصل بن عطا کے اختلاف کے وقت ہوا۔ مؤرخین اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایک دفعہ لوگوں نے سوال کیا کہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا مسلمان ہے یا کافر؟ اس موقع پر واصل بن عطانے حضرت حسن بصری سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب علی الاطلاق مسلمان نہیں ہے۔ بلکہ منزلة بین المنزلتین یعنی وہ کفر و ایمان کی درمیانی منزل میں ہے۔¹⁴⁵

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ نہ تو مومن ہے اور نہ ہی کافر۔ یہ کہہ کر واصل بن عطاء حضرت حسن بصری کے حلقہ درس سے اٹھا اور مسجد کے ایک ستون کے پاس الگ ہو کر بیٹھ گیا¹⁴⁶ اور اس کے بعد وہ اپنے اس موقف کو حضرت حسن بصری کے تلامذہ (شاگردوں) کی ایک جماعت کے سامنے ثابت کرنے لگا اس دوران اس کا برادر نسبتی عمرو بن عبید بھی اس سے آکر مل گیا۔ چنانچہ ان کے الگ ہونے کے بعد

حضرت حسن بصری نے فرمایا۔

انہما قد اعتزلا قول الامة. ”یہ دونوں امت کے قول سے الگ ہو گئے“

اس وقت سے واصل بن عطاء اور اس کے ساتھیوں کا نام معتزلہ یعنی الگ ہونے والا پڑ گیا“¹⁴⁷۔ جب کہ اس کے برعکس معتزلہ اپنے آپ کو ”اہل التوحید والعدل“ کے نام سے کہلوانا زیادہ پسند کرتے ہیں¹⁴⁸۔ اس فرقے کے آغاز کے بارے میں سید امیر علی رقمطراز ہیں، ”واصل بن عطاء پہلے پہل امام جعفر صادق کا شاگرد تھا اس نے امام موصوف سے علم معقولات کی تعلیم حاصل کی، بعد میں وہ حضرت حسن بصری کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوا“¹⁴⁹۔ لیکن کسی اور مؤرخ نے سید امیر علی کے اس موقف کی تائید نہیں کی۔

واصل معتزلہ خود اپنے آغاز کو حضرت علیؑ سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کے مطابق عربوں میں حضرت علیؑ ہی وہ واحد شخصیت تھے جنہوں نے سب سے پہلے علم الکلام، توحید اور عدل پر بڑی دقیق قسم کی بحثیں کی ہیں۔ اسی وجہ سے آج بھی لوگ علم الکلام میں حضرت علیؑ کو استاذ الاساتذہ اور ابوالاباء مانتے ہیں۔ اس زمانے کے متکلمین نے واصل بن عطاء سے استفادہ کیا جب کہ واصل بن عطاء ابو ہاشم بن محمد بن حنفیہ کا شاگرد تھا۔ اسی ابو ہاشم نے اپنے باپ محمد بن حنفیہ سے علم حاصل کیا اور محمد بن حنفیہ نے اپنے باپ حضرت علیؑ بن ابی طالب سے استفادہ کیا¹⁵⁰۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو معتزلہ نے حضرت علیؑ کو اپنے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے جب کہ انہوں نے طبقہ ثانیہ میں سیدنا حسینؑ، علی بن حسین اور محمد بن علی کو رکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ محمد بن حنفیہ نے واصل بن عطاء کی تعلیم و تربیت کی تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے ابو ہاشم سے محمد بن حنفیہ کے علم و تبحر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کے علم کا اندازہ ان کے شاگرد واصل بن عطاء کے علم و تبحر سے لگایا جاسکتا ہے یوں واصل بن عطاء کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے بیک وقت ابو ہاشم اور ان کے والد محمد بن حنفیہ سے علم حاصل کیا۔¹⁵¹ یوں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ معتزلہ کی بڑی شخصیتوں نے نہ صرف آلِ علیؑ سے استفادہ کیا بلکہ ان سے وہ متاثر ہوئے بغیر بھی نہ رہ سکے۔

بعض مستشرقین کے نزدیک ان لوگوں کو معتزلہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ بڑے متقی، پارسا اور دینیوں لذتوں سے کنارہ کش رہنے والے تھے۔ اسی لیے ان لوگوں کے زہد و عبادت کو دیکھ کر انہیں یہ نام دیا گیا حالانکہ حقیقت میں ان میں گونیک اور متقی لوگ بھی تھے اور ان میں حدود و بے بدکاریوں کی بھی کمی نہ تھی¹⁵²۔

ڈاکٹر احمد امین مصری علامہ مقریزی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”یہود کا ایک فرقہ فروشیم کہلاتا تھا جس کے معنی معتزلہ کے ہیں۔ یہ فرقہ تقدیر پر گفتگو کرتے

ہوئے کہتا تھا کہ بندوں کے تمام افعال خدا کے پیدا کردہ نہیں ہیں کچھ بعید نہیں کہ جو یہود

سے اسلام لائے تھے انہوں نے اسی مماثلت کی وجہ سے منزلہ پر اس نام کا اطلاق کیا

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

مقریزی کے بقول فرقہ فروشیم کے لوگ اپنے حکماء و سلف کے اقوال کی روشنی میں تو رات کے احکام اخذ کرتے تھے¹⁵⁴۔

مشہور مستشرق D.O' Lary کے بقول اعتزال کا نظریہ سب سے پہلے معبد چہنی کی تعلیمات میں نظر آتا ہے کہا جاتا ہے کہ اس نے یہ نظریات سنو یہ ایرانی سے دمشق میں حاصل کیے جب کہ سنو یہ کے انہی نظریات کی وجہ سے اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے اسے مرواڈالا تھا¹⁵⁵۔ اسی سلسلے میں علماء کے ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ معتزلی نظریات کا بانی یحییٰ دمشقی تھا جو مذہباً عیسائی تھا، قضا و قدر کے مناظروں میں اس کا کوئی ثانی نہ تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کے معتزلی نظریات ہی اسے دمشق سے عراق لائے¹⁵⁶۔

علماء کرام کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معتزلہ کا فرقہ خلفائے راشدین کے آخری ادوار میں ظہور پذیر ہوا، یہ وہ لوگ تھے جو قتل عثمان، قاتلین عثمان، قصاص عثمان کے دعوے اور حضرت علیؓ و امیر معاویہؓ کے استحقاق جیسے سیاسی مسائل سے الگ رہے۔ درحقیقت یہ جماعت یا گروہ (جس پر معتزلہ کے لفظ کا اطلاق ہوتا تھا) ایک سیاسی فکر کی نمائندگی کرتے تھے۔ جسے بعد میں دین کا لبادہ اوڑھا دیا گیا، حالانکہ یہ لوگ کسی بھی متنازع گروہ کے ساتھ وابستگی نہ رکھتے تھے، ان کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ دونوں ہی باطل پر ہیں یا کم از کم یہ بات کھل کر ان پر عیاں نہ ہوئی کہ ان میں سے کون سا فریق حق بجانب ہے جب کہ دین تو ان لوگوں سے قتال کی اجازت دیتا ہے۔ جو بغاوت کے مرتکب ہوں مذکورہ دونوں گروہوں کے اسلام کے بارے میں کسی کو کوئی شک نہ تھا اس لیے جب دونوں گروہ ہی باغی ہوں یا یہ متعین نہ کیا جاسکے کہ ان میں سے کون سا گروہ باغی ہے تو ہمیں فریقین سے کنارہ کشی اختیار کرنے چاہیے¹⁵⁷۔

امویوں کی طرف سے معتزلہ کے ساتھ کبھی بھی تعرض نہ کیا گیا اس لیے معتزلہ نے بھی ان کے خلاف کبھی بغاوت کی اور نہ ہی ان کے خلاف کبھی صف آرا ہوئے، بلکہ اس دور میں ان کی حیثیت صرف ایک فکری گروہ کی سی تھی اس لیے ان کی سرگرمیاں فکر و نظر تک ہی محدود تھیں اسی وجہ سے اس دور میں ان کا کام عقلی استدلال سے استفادہ کرنے اور قیاس صحیح سے کام لے کر امور و مسائل کا موازنہ کرنے تک ہی محدود رہا۔ اسی وجہ سے امویوں نے نہ ان کی راہ میں روڑے اٹکائے اور نہ ہی کھل کر ان کا ساتھ دیا¹⁵⁸، البتہ بعض کتب تاریخ میں یزید ثالث اور آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اعتقاداً معتزلی تھے¹⁵⁹۔ جب کہ فلپ۔ کے۔ ہٹی (Philip K. Hitti) کے بقول ”معاویہ ثانی کا بھی اعتزال کی طرف رجحان تھا“¹⁶⁰۔

عہد عباسی میں سب سے پہلے جب اہل تشیع نے عباسیوں کے خلاف اپنے غم و غصے کا اظہار کیا تو اس وقت معتزلہ نے عیسیٰ بن زید بن علی کی قیادت میں ابو جعفر منصور کے خلاف جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس خونی معرکہ میں نفس زکیہ (محمد بن عبداللہ) اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کے ساتھ ساتھ بہت سے معتزلی بھی لقمہ اجل بن گئے¹⁶¹۔

خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں معتزلہ کے ذریعے مسئلہ خلق قرآن بڑے شد و مد کے ساتھ سامنے آیا لیکن ہارون الرشید نے اس مسئلے میں نہ کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار کیا اور نہ ہی ان کی حوصلہ افزائی کی بلکہ عقائد میں مجادلات پیدا کرنے والوں کو قید میں ڈال دیا¹⁶² یہاں تک کہ جب اسے بشیر مرہبی معتزلی کے عقیدے کا پتہ چلا کہ وہ قرآن کو خدا کی مخلوق کہتا تھا تو اس نے کہا کہ ”بخدا اگر میرا بس چلا تو میں اسے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ضرور قتل کرا دوں گا“ یہی وجہ تھی کہ جب تک ہارون الرشید زندہ رہا، بشیر مرہی گمنامی کی زندگی گزارنے پر مجبور رہا اور اسے کبھی بھی عوام میں نہ دیکھا گیا¹⁶³۔

خلیفہ مامون الرشید کے معتزلی نظریات کو پسند کرنے کی وجہ یہ تھی کہ دیگر فرقوں کی نسبت اس فرقے کو آزادی رائے کا حق حاصل تھا۔ مامون الرشید کے یہ نظریات قبول کرنے کے بعد معتزلیوں کو خلیفہ کا بڑا قرب حاصل ہو گیا۔¹⁶⁴ اس کے بعد قصر خلافت میں مختلف موضوعات پر مناظروں کا اہتمام ہونے لگا اور ان مناظروں میں شرکاء کو آزادانہ بحث کرنے کی مکمل اجازت تھی۔ ان مناظروں اور مجالس کے بارے میں مامون الرشید کا موقف تھا۔

”اس قسم کی مجالس سے مختلف فرقوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع ملے گا جس سے مذہب ترقی کرے گا۔ اس سے دینی معاملات میں لوگوں کے شکوک و شبہات دور ہوں گے، جس کے بعد لوگ آزادی و خوشی کے ساتھ صحیح راستہ منتخب کر لیں گے، اور اسی دوران جو لوگ کج روی کا مظاہرہ کریں گے انہیں صحیح راستہ پر لانے میں بھی مدد ملے گی“¹⁶⁵۔

ان مجالس کے انعقاد کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں میں ایسے منفی اعتقادات جنم لینے لگے جو عام مسلمانوں اور مشہور زمانہ علماء کے اعتقادات کے منافی تھے۔ چنانچہ 212ھ/827ء میں مامون الرشید نے قرآن کے مخلوق ہونے کا باقاعدہ اعلان کیا اور ساتھ ہی اس کی تائید میں قرآن کی یہ آیت پیش کی گئی، کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

”ہم نے اسے عربی (زبان کا) قرآن بنایا“¹⁶⁶ انا جعلنہ قرآناً عربیاً

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مامون الرشید کہتا تھا کہ جاہل لوگوں کا موقف یہ ہے کہ قرآن اللہ کا پیدا کردہ اور بنایا ہوا نہیں ہے۔ حالانکہ اگر آپ لوگ مذکورہ آیت کو دیکھیں تو صاف پتہ چل جائے گا کہ جس چیز کو خدا بنانا یا نازل کرنا ہے وہ مخلوق ہی ہوتی ہے۔¹⁶⁷

218ھ/833ء میں مامون الرشید نے گورنر بغداد اسحاق بن ابراہیم بن مصعب کو ایک خط میں حکم دیا۔

”اور تم خلق قرآن کے مسئلے پر فقہاء، محدثین اور قاضیوں سے اس بات پر عہد لو کہ جو شخص

خلق قرآن کا قائل نہ ہو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے اور نہ ہی انہیں کوئی سرکاری عہدہ پیش کیا جائے

اور اسے عبرتناک سزا دی جائے“¹⁶⁸۔

مامون الرشید معتزلی احمد کا بڑا احترام کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ انہیں اصحابنا (ہمارے رفقاء) کہہ کر پکارتا تھا۔ اس کے بعد اس نے

ایک اور خط میں تشدد کا اظہار کیا، اس نے گورنر بغداد کو لکھا،

”اور جو لوگ تمہارے ہم خیال نہ ہوں ان کو بیڑیاں پہنا کر امیر المومنین کے لشکر کی طرف بھیج دو

تاکہ امیر المومنین انہیں دلائل و براہین سے خلق قرآن کا قائل کر سکیں، اگر پھر بھی وہ توبہ نہ کریں تو

انہیں تہ تیغ کر دیا جائے“¹⁶⁹۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

مامون کے بارے میں مشہور ہے کہ جب معتزلی امام ابو ہشام فوطی دربار خلافت میں حاضر ہوتا تو مامون اس کے احترام میں فوراً کھڑا ہو جاتا، اسی طرح مامون الرشید معروف معتزلی امام ابو ہذیل علاف کی تکریم کرتا تھا، ابو ہذیل ہی وہ امام ہے جس سے مامون الرشید نے معتزلہ کے علوم و افکار حاصل کیے تھے۔ اسی طرح مامون الرشید احمد بن ابی داؤد کا اتنا معتقد تھا کہ اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس کے بارے میں مامون نے اپنی موت کے وقت معتمد کو وصیت کی۔

”اے ابو عبد اللہ، احمد بن ابی داؤد کو سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رکھنا اور ہر مشورہ میں انہیں شریک کرنا

کیونکہ وہ ہر طرح اس کے اہل ہیں۔“¹⁷⁰

عہد مامون میں چار شخصیتیں ایسی ہیں جنہوں نے سخت تکالیف برداشت کیں لیکن نظریہ خلق قرآن کو تسلیم نہ کیا۔ امام احمد بن حنبلؒ، محمد بن نوح، قواریری اور سجادہ۔ ان چاروں شخصیتوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر طوس روانہ کر دیا گیا۔ ان میں سے سجادہ اور قواریری کا ایمان ایک ہی رات میں متزلزل ہو گیا اور انہوں نے نظریہ خلق قرآن کو تسلیم کر کے رہائی حاصل کی جبکہ محمد بن نوح دوران سفر ہی خالق حقیقی سے جا ملے۔ امام احمد بن حنبلؒ ابھی راستے میں ہی تھے کہ مامون الرشید کا انتقال ہو گیا¹⁷¹۔

مامون الرشید کی وفات کے بعد خلق قرآن کے مسئلے میں معتمد باللہ اپنے بھائی (مامون الرشید) کے نقش قدم پر ہی چلا، زیادہ پڑھا لکھا نہ ہونے کی وجہ سے معتمد باللہ کی اپنی کوئی رائے نہ تھی تاہم اپنے بھائی کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس نے اپنے نظریات نہ ماننے والوں کے ساتھ زیادہ تشدد و اندیشہ اختیار کیا۔ اسی طرح اس نے نظریہ خلق قرآن کے مخالف امام احمد بن حنبلؒ اور ان جیسے دوسرے علماء و فقہاء کی توہین کے ساتھ ساتھ انہیں جسمانی تشدد کا بھی نشانہ بنایا۔¹⁷²

معتزلی عقائد کے سلسلے میں واثق بھی اپنے باپ اور چچا کے نقش قدم پر چلا۔ معتزلی امام احمد بن ابی داؤد اور محمد بن عبد الملک الزیات اس کے نظم مملکت پر اس حد تک اثر انداز ہو چکے تھے کہ ان کی مرضی کے بغیر خلیفہ وقت کوئی بھی حکم دینے سے قاصر تھا اور حکومت کے سارے امور انہی کے سپرد تھے۔¹⁷³

خلیفہ واثق باللہ نے معتزلی نظریات قبول نہ کرنے والوں پر اپنے ابا کی نسبت زیادہ تشدد کا راستہ اپنایا۔ اس کا اندازہ احمد بن نصر اور اس کے دوست عبد الرحمن بن اسحاق کے واقعہ قتل سے لگایا جاسکتا ہے۔ انہیں قتل کرنے سے قبل واثق نے برسر عام ان سے خلق قرآن اور رویت باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیے۔ ان کے جواب میں احمد بن نصر نے واشکاف الفاظ میں کہا کہ ”قرآن اللہ کی مخلوق نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے“۔ پھر واثق نے اس سے دوسرا سوال کیا کہ ”قیامت کے روز کیا تم اللہ کو دیکھو گے؟“ اس پر احمد بن نصر نے جواب دیا کہ ”حدیث کی رو سے قیامت کے روز ہم اللہ تعالیٰ کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح چاند کو بغیر کسی تکلیف کے دیکھا جاسکتا ہے“ اور ساتھ ہی ایسا عقیدہ نہ رکھنے والوں کی اس نے مذمت کی۔ اسی قسم کے جوابات عبد الرحمن بن اسحاق نے دیے۔ اس موقع پر معتزلہ کے ائمہ و فقہاء نے بھی اس کے قتل کے منظوری دے دی، اب واثق باللہ نے خود ان دونوں صالح لوگوں کا سر قلم کیا۔ ان کے سر کو بغداد لاکر پہلے چند روز مشرقی سمت اور پھر چند

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

روز مغربی سمت نصب کیے رکھا اور احمد بن نصر کے کان میں ایک پرچی پر یہ عبارت لکھ کر لٹکا دی گئی کہ ”یہ سرکافر و گمراہ احمد بن نصر کا ہے“ 174۔

واثق خلق قرآن سے انکار کرنے والوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا تھا۔ چنانچہ جب مسلمانوں اور بازنطینی قیدیوں کا آپس میں تبادلہ ہو رہا تھا تو اس وقت وثاق نے واضح حکم دیا کہ جو مسلمان قیدی خلق قرآن کے قائل نہ ہوں انہیں تبادلہ میں نہ لیا جائے کیونکہ وثاق کے خیال میں یہ لوگ اسلام کے باغی تھے 175۔ متوکل نے اپنے اسلاف کے برعکس خلیفہ بنتے ہی خلق قرآن پر بحث کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا اور معتزلی نظریات کے مخالفین قیدیوں کو آزادی دلائی 176۔

معتزلہ کے اصول خمسہ:-

درج ذیل اصول خمسہ پر ایمان لائے بغیر کوئی بھی شخص معتزلی کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔

1۔ توحید 2۔ عدل 3۔ وعد و وعید 4۔ منزلت بین المذنبین (کفر و اسلام کے درمیان منزل کا اقرار)

5۔ مر بالمعروف ونہی عن المنکر

(1) توحید:-

ان میں توحید کی بنیاد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

لیس کمثلہ شئی و ہوا السمع البصیر۔ 177 ”اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سنتا اور دیکھتا ہے“

معتزلی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں۔

”وہ جسم رکھتا ہے نہ کالبہ، نہ اس کا جثہ ہے نہ صورت، اس میں خون بھی نہیں اور گوشت بھی

نہیں، نہ جوہر ہے نہ عرض 178، نہ اس کا کوئی رنگ ہے نہ ذائقہ، خوشبو بھی نہیں، اسے چھوا

بھی نہیں جاسکتا نہ اس میں حرارت ہے نہ برودت (سردی)، نہ رطوبت (نمی) نہ یوست

(خشکی) بطول بھی نہیں عرض بھی نہیں، محق (گہرائی) بھی نہیں، اس میں اجتماع ہے نہ افتراق

، نہ متحرک ہے نہ ساکن، وہ جوارح و اعضاء بھی نہیں رکھتا، وہ ذی جہات (اطراف والا) بھی

نہیں، نہ اس کا کوئی دایاں ہے نہ بایاں، اس کے آگے پیچھے اور اوپر نیچے کوئی نہیں، کوئی مکان

اس کا احاطہ نہیں کر سکتا، زمانہ اس پر حاوی نہیں ہو سکتا، جو جدا بھی نہیں اور ملا ہوا بھی نہیں، نہ

کسی اماکن (مکان کی جمع الجمع) میں وہ حلول کرتا ہے۔ اسے کسی ایسے وصف سے متصف

نہیں کیا جاسکتا جو کسی خلق میں پایا جاتا ہو اور وہ حادث وفانی ہو، نہ وہ متناہی ہے کہ اسے ناپا

جاسکے، وہ مختلف جہات (سمتوں) میں سما ہوا بھی نہیں ہے، نہ ہی وہ محدود ہے، نہ وہ کسی کا

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

باپ ہے اور نہ ہی کسی کا بیٹا۔ تقدیر اس کا احاطہ نہیں کر سکتی، پر دے اسے مستور نہیں کر سکتے، وہ حواس کے ادراک سے بالا ہے، اسے لوگوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، وہ مخلوق سے کسی طرح مماثلت نہیں رکھتا، نہ اس پر آفت کا نزول ہوتا ہے نہ مصیبتیں اسے گھیر سکتی ہیں، ہر وہ بات جو تصور میں آ سکتی ہے اور ہر وہ تصور جو وہم میں آ سکتا ہے اس کی مشابہت سے ماوراء ہے۔ وہ ازل سے ابد تک رہے گا، یعنی تمام مخلوقات سے قبل موجود تھا اور ہمیشہ موجود رہے گا، وہ عالم، قادر اور زندہ ہے، اسے آنکھ دیکھ سکتی ہے نہ بینائی اس کا ادراک کر سکتی ہے، سماعت اسے سن نہیں سکتی، صرف وہی معبود ہے کوئی اس کے سوا معبود نہیں، نہ کوئی اس کا شریک اقتدار ہے نہ اس کا کوئی وزیر و مددگار ہے، اس کی مرضی کی تکمیل و تکوین میں کوئی اس کا معاون نہیں، اس نے جو چاہے پیدا کر دیا، اس نے کوئی چیز مثال دیکھ کر پیدا نہیں کی، اس کے لیے کوئی چیز پیدا کرنا آسان و دشوار نہیں، کوئی اسے نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان، سرور و لذات سے بیگانہ ہے، اذیت و الم سے نا آشنا ہے، نہ وہ ذی غایت (کسی چیز کی آخر) ہے کہ اس کی انتہا ہو، اس پر فنا بھی طاری نہیں ہو سکتی، نہ اس میں کسی طرح کی کوئی کوتاہی یا کمی ہے نہ مجبوری اور بے چارگی ہے۔“¹⁷⁹

مندرجہ بالا اوصاف کی بناء پر معتزلہ قیامت کے دن رویت باری تعالیٰ کے منکر ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اگر وہ آنکھوں سے دکھائی دے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جسم (جسم رکھنے والا) ہے، وہ خدا کے اوصاف کو اس کی ذات سے الگ نہیں دیکھتے جب کہ قرآن و احادیث معتزلہ کے ان نظریات کی نفی کرتی ہیں اہل سنت کا اعتقاد ہے کہ قیامت کے دن اہل جنت خدا کا دیدار کریں گے لیکن یہ دیدار اس قوت کی بناء پر نہ ہوگا جو آنکھ کو بخشی گئی ہے بلکہ اس قوت کی بناء پر ہوگا جو خدا کی طرف سے بطور خاص عطا کی گئی ہوگی¹⁸⁰۔ اس اعتقاد کی بناء اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وجوه یومئذ ناظرة الی ربہا ناظرة۔¹⁸¹

”یعنی بہت سے چہرے اس روز با رونق ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے“

حضرت موسیٰ نے رویت باری کا مطالبہ کیا تھا اگر یہ مطالبہ ناممکن یا ناجائز ہوتا تو حضرت موسیٰ کبھی بھی اس کا تقاضا نہ کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ

ہے۔

قال رب ارنی انظر الیک۔¹⁸²

”یعنی (موسیٰ نے) کہا کہ اے میرے پروردگار مجھے اپنا دیدار کرادے کہ میں آپ کو ایک نظر دیکھ سکوں“

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے

فانکم سترون ربکم كما ترون القمر ليلة البدر، لاتضامون فی رؤیتہ۔¹⁸³

”تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم لوگ چودھویں کے چاند کو

دیکھتے ہو اور اس کے دیدار میں کوئی کمی و نقص نہ ہوگا۔“

معتزلہ کے برعکس اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ انسان خود مختار نہیں ہے۔ قیامت کے دن اسے دوبارہ زندگی ملے گی اور اللہ تعالیٰ

نیک لوگوں کو نظر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات سے ایک حیثیت سے الگ اور دوسری حیثیت سے اس کے ساتھ ہیں۔ قرآن

ازلی وابدی ہے۔¹⁸⁴

(2)۔ عدل:-

معتزلہ میں عدل دوسرا اہم اصول ہے ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نہ شرف و فساد کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی وہ انسانی افعال کا خالق ہے لوگ

حکم الہی کو بجالاتے ہیں اور جس سے انہیں منع کیا جاتا ہے وہ اس سے رک جاتے ہیں۔ یعنی جب انسان کوئی نیکی بجالاتا ہے تو وہ خدا کے

نزدیک پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ جبکہ شر اس کے لیے برا ہے کیونکہ خدا کے نزدیک یہ ایک قابل نفرت چیز ہے۔ وہ اپنے بندوں پر صرف اتنا ہی

بوجھ ڈالتا ہے جس کے اٹھانے کی وہ استطاعت رکھتے ہوں کسی کے رزق میں کمی بیشی کا اختیار کسی انسان کو صرف اتنا ہی ہے جتنا مالک نے

اسے دیا ہے وہ کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے جسے جب چاہتا ہے دے دیتا ہے اور جس سے جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے لیکن اس کے باوجود

وہ مخلوق کو اپنی اطاعت پر مجبور نہیں کرتا حالانکہ ایسا کرنا اس کے دائرہ اختیار میں ہے اگر خدا ایسا کرتا تو پھر اس کے بندوں کی آزمائش کے

دروازے بند ہو جاتے جو خدا نہیں چاہتا تھا¹⁸⁵۔

(3)۔ وعدہ و وعید

اس فرقے کا تیسرا اصول قول وعدہ و وعید ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے اچھے یا برے تمام افعال کا خالق ہے اور جو وہ

کرتا ہے آخرت میں اس کے مطابق اسے اسکی جزا و سزا ملے گی پھر اللہ کا اپنے بندوں سے یہ وعدہ ہے کہ اگر تم اس کے حکم کو بجالاؤ گے، اس کی

فرمانبرداری کرو گے تو اس کے بدلے میں تمہیں اس کی جزا ملے گی اس کے برعکس اگر تم اس کی نافرمانی کرو گے تو اس کی سزا سے تمہیں کوئی نہ

بچا پائیگا، یعنی اس کی سزا ضرور ملے گی نیز ان لوگوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کو تو بہ کے بغیر معافی نہ مل پائے گی وہ کہتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ شریک، کفر و معصیت کے تمام افعال سے پاک ہے اگر وہ ظلم کا خالق ہوگا تو وہ ظالم بھی ہوگا بالکل ایسے ہی جس طرح عدل کا خالق عادل

ہوتا ہے¹⁸⁶۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

منزلة بين المنزلتين کا اصول :-

معتزلہ کا یہ چوتھا اصول ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب دو درجوں کے درمیان والے درجے پر ہے یعنی ایسا شخص نہ کافر ہے اور نہ ہی مسلمان بلکہ اس کا مرتکب فاسق ہے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ ہمیشہ ہی دوزخ میں رہے گا¹⁸⁷۔ ان کا نظریہ یہ بھی ہے کہ گناہ کبیرہ کے مرتکب پر مسلمان کا اطلاق اس کی عزت و تکریم کی وجہ سے نہیں بلکہ ذمیوں اور کافروں کے درمیان تمیز کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔¹⁸⁸ یہی وہ بنیادی اختلاف تھا جو اصل بن عطاء نے حضرت حسن بھری سے کیا اور جسکی وجہ سے انھوں نے اسے معتزلی کا خطاب دیا¹⁸⁹۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر :-

اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ ویسے تو تمام مسلمانوں کا ہے تاہم معتزلہ کے نزدیک اس کو ضروری اس لیے قرار دیا گیا کہ ان لوگوں کا تدارک کیا جاسکے جو حق و باطل کو ملا کر مسلمانوں میں فساد برپا کرتے ہیں اس لیے مسلمان پر فرض ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور برائی سے روکیں نیز اس مقصد کے لیے اگر انہیں جہاد بالسیف یا جہاد بالمال کی ضرورت ہو تو اس سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے یا درہے کہ معتزلہ کافر اور فاسق کے ساتھ جہاد میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے¹⁹⁰۔

فرقہ معتزلہ کے مشترکہ عقائد :-

اللہ تعالیٰ کی صفات ابدی ہیں یہ صفات اللہ کی ذات کے ساتھ ہی مخصوص ہیں لیکن معتزلہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو الگ حیثیت سے تسلیم نہیں کرتے۔ معتزلی علماء اللہ کے عالم بالذات، قائم بالذات اور جہی بالذات ہونے سے بھی انکار کرتے ہیں ان کے نزدیک اللہ کی صفات الگ سے کوئی شے نہیں ہیں بلکہ یہ اسکی ذات ہی کا حصہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ اپنے علم کی وجہ سے عالم نہیں وہ اپنی قدرت کی وجہ سے قادر نہیں اور نہ ہی وہ دائمی حیات کی وجہ سے جی ہے بلکہ ان کے مطابق اللہ کی صفات (علم، قدرت و حیات) اسکی طرح ازلی ہیں¹⁹¹۔ انھوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی اسم تھا اور نہ ہی کوئی صفت¹⁹²۔ ساتھ ہی انھوں نے یہ موقف بھی اختیار کیا کہ اللہ کا سمیع و بصیر ہونا اس کے اسماء ہیں صفات نہیں¹⁹³۔

معتزلہ کا ایمان ہے کہ قرآن حادث ہے¹⁹⁴ اور یہ اللہ کی مخلوق ہے ان کے بقول قرآن کریم میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کا بیان و تذکرہ ہے اور پھر یہ قرآن مقام و جگہ میں پایا جاتا ہے¹⁹⁵ اور یہ فنا ہونے والی چیز ہے اور عرض ہے¹⁹⁶ یہ لوگ قرآن کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ

”یعنی ہم نے قرآن کو عربی (زبان) میں بنایا“¹⁹⁷۔

ان کے بقول خدا جس چیز کو بنانا ہے وہ مخلوق ہی ہوتی ہے¹⁹⁸۔ معتزلہ روایت باری تعالیٰ سے انکار کرتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ کسی انسان کے لئے یہ محال ہے کہ وہ دنیا یا آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے یعنی ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا اُسے دیکھ سکتا ہے¹⁹⁹۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ان کے نزدیک انسان اپنے افعال و اعمال کا خود ہی ذمہ دار ہے ان چیزوں کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کا کوئی دخل نہیں ہے اس طرح انسان دنیا میں اگر اچھے عمل کرے گا تو آخرت میں اسے اسکی جزا ملے گی اور اگر برے افعال اس سے سرزد ہوں گے تو وہ سزا کا مستحق ٹھہرے گا ان کے مطابق انسان کے اعمال و افعال میں اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا کا کوئی دخل نہیں²⁰⁰۔

اس بات پر تمام معتزلہ متفق ہیں کہ جس آدمی نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے گناہوں سے توبہ کر لی اور اپنی زندگی خدا کی اطاعت میں گزاری تو اسے آخرت میں جزا و ثواب ملے گا۔ اس کے برعکس وہ شخص جس نے دنیا میں کبار کا ارتکاب کیا اور پھر اللہ سے توبہ بھی نہ کی تو ایسا شخص ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہے گا مگر اس کا عذاب کفار سے کمتر ہوگا²⁰¹۔

وہ امور جن کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے توقف اختیار کیا وہ اللہ کی مشیت سے خارج ہیں لہذا ان امور کے سرانجام دینے کے بارے میں انسان کو احتراز کرنا چاہیے²⁰²۔

تمام معتزلہ اس بات پر متفق ہیں کہ معرفت الہی کے اصولوں کا ادراک اور اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار ہونا شریعت سے پہلے ہی انسانوں پر فرض ہے اسی وجہ سے حسن و قبح کی معرفت عقل کی رو سے واجب و ضروری ہے نہ کہ شریعت کی رو سے۔ لہذا حسن و قبح کا ادراک کرتے ہوئے اس پر عمل پیرا ہونا اور اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے شریعت کا ورود²⁰³ اللہ تعالیٰ کا لطف ہے جسے اس نے بندوں کی جا نب انبیاء کرام کے توسط سے امتحان و اختیار کی غرض سے بھیجا ہے²⁰⁴ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيِيَ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ²⁰⁵

”جو ہلاک ہو اس کو اللہ دلیل سے ہلاک کرے اور جو زندہ رہے اسے وہ دلیل سے زندہ رکھے۔“

ان لوگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ بندوں کی مصلحتوں کو ملحوظ خاطر رکھے یعنی اللہ پر واجب ہے کہ وہ اپنے امور میں انسانوں کی رہنمائی کرے جو اس کے لئے اصلاح و خیر پر مبنی ہوں۔ البتہ ”اصح“ (اس سے مراد اعمال کی درستگی ہے) اور ”لطف“ (لطف سے مراد اعمال کی عمدگی ہے) اور لطف کے وجوب کے بارے میں معتزلہ کے فرقوں میں اختلاف پایا جاتا ہے²⁰⁶۔

جیسا کہ واضح ہے معتزلہ کا متعدد مسائل میں اہل سنت سے اختلاف ہے وہ عقیدہ خلق قرآن کے قائل تھے اور اس میں وہ اس قدر غلو سے کام لیتے تھے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا ہی انکار کر دیا کہ کلام، اللہ کی صفت نہیں بلکہ وہ جس چیز میں چاہے کلام کی صفت پیدا کر دیتا ہے وہ قرآن کو مخلوق قرار دیتے تھے ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ آنکھوں سے اللہ کا دیدار محال ہے لہذا آخرت میں بھی رویت باری تعالیٰ کا عقیدہ غلط ہے ان کا ایک قول یہ تھا کہ بندوں کے حق میں جو چیز بہترین ہو اور ان کے مفاد میں ہو اللہ پر وہ کام واجب ہے بہترین کو عربی میں اصح کہتے ہیں ان کے خیال کے مطابق اللہ پر لطف یعنی لوگوں پر ان کے حال کے مطابق اسباب مہیا کرنا واجب ہے لہذا رسولوں کی بعثت اللہ تعالیٰ پر واجب ہے وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ کسی بھی کام کا اچھا یا برا ہونا شریعت سے نہیں بلکہ عقل سے سمجھا جاتا ہے یعنی اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے شرعی نہیں۔ معتزلہ کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ اللہ کی صفات اس کی ذات پر زائد نہیں بلکہ ذات ہی میں شامل ہیں ورنہ اگر صفات کو اللہ تعالیٰ کی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ذات سے الگ قرار دیا جائے تو چونکہ صفات بھی قدیم ہیں اور اللہ کی ذات بھی قدیم ہے لہذا متعدد خداؤں کا قائل ہونا پڑے گا۔ بالفاظ دیگر اللہ تعالیٰ کی صفات عین الذات ہیں غیر الذات نہیں معتزلہ کے افکار و نظریات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ بندہ اپنے افعال کا ان پر اپنی اس قدرت اور طاقت کی بناء پر خالق ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کو عطا کر رکھی ہے اگر انسانوں کو اس کے اعمال و افعال کا خالق قرار نہ دیا جائے تو چونکہ انسانوں سے برے کام بھی صادر ہوتے ہیں اس لئے اللہ کی طرف شرکی نسبت کرنا پڑے گی جو عیب ہے اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے ان کا یہ کہنا تھا کہ لوگوں سے شر اور برائی کا صدور اللہ کی مشیت سے نہیں ہوتا۔ ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ایمان نیک اعمال کے بغیر نہیں ہو سکتا چونکہ فاسق شخص برے کام کرتا ہے لہذا وہ مومن کہلانے کا حقدار نہیں لیکن چونکہ وہ کلمہ شہادت کا بھی قائل ہے اور کچھ نیک کام بھی کرتا ہے لہذا اسے کافر بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، بلکہ وہ کفر و ایمان کے درمیان معلق ہے ان کے نزدیک کبیرہ گناہ کا مرتکب تو بہ کئے بغیر مر جائے تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا تاہم ایسے شخص کو دنیا میں کفار و مشرکین سے ممتاز کرنے کے لئے مسلم کہا جائے گا اور اسے مسلم کہنا بطور اعزاز اور تکریم کے نہیں بلکہ کافروں سے الگ شناخت کے لئے ہے۔ معتزلہ اس بات کے بھی قائل تھے کہ جہاں عقل و نقل میں تعارض اور ٹکراؤ ہو تو عقل کو نقل پر ترجیح دی جائے گی معتزلہ عذاب قبر کے بھی قائل نہیں ہیں اور وہ شفاعت نبوی کے بھی منکر تھے اس لئے وہ اپنے آپ کو زبانِ قال سے تو نہیں بلکہ زبانِ حال سے عقل کل ظاہر کرتے تھے چونکہ انسان عقل کے اعتبار سے بھی یکساں نہیں ہیں لہذا ان میں بھی کئی ذیلی فرقے بن گئے تھے ان کا یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ وہ فرمانبرداروں کو اچھا صلہ دے اور نافرمانوں کو عذاب دے۔

بنو عباس کے دور میں متعدد وجوہات کی بناء پر الحاد اور ذندقہ کا جو طوفان اٹھا تھا معتزلہ نے اس کے خلاف بڑا کام کیا لیکن بد قسمتی سے معتزلہ اپنے مخصوص افکار و نظریات کی بناء پر جمہور مسلمانوں سے کٹ گئے اور تمام فقہاء اور محدثین کے خلاف انھوں نے محاذ قائم کر لیا۔ معتزلہ کو عباسی خلفاء کے دربار میں اثر و رسوخ حاصل کرنے میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی، عباسی خلفاء علوم و فنون کی سرپرستی کے لئے منطق، فلسفہ، ہیئت، طب اور ریاضی وغیرہ اہم علوم و فنون پر دوسری زبانوں میں لکھی گئی کتب کو عربی زبان میں منتقل کرنے میں اہل علم کی حوصلہ افزائی کرتے تھے بہت سی یونانی اور ہندی کتب کا عربی میں ترجمہ ہوا، مسلمان پہلی مرتبہ یونانی اور ہندی افکار سے پوری طرح آشنا ہوئے، جہاں اس سے تہذیب و تمدن کے آثار میں وسعت پیدا ہوئی اور ان علوم کو بامعروج تک پہنچانے میں مسلمانوں نے جس محنت تن و ذہانت و فطانت اور تحقیق و تدقیق کے کارنامے دکھائے اس پر بجا طور پر حیرت ہوتی ہے یہی وہ علوم ہیں جس سے بعد میں مسلمان غافل ہو گئے جبکہ اہل مغرب نے ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون میں مسلمانوں کی برتری پوری دنیا میں مسلم تھی تاہم اس صورت حال نے مسلم معاشرے میں کچھ مسائل بھی پیدا کئے۔ اسلامی عقائد سے یونانی اور ہندی فلسفے کے تصادم نے خود مسلمان اہل علم میں طرح طرح کے گروہ اور فرقے پیدا کر دیئے چنانچہ معتزلہ بھی اسی دور کی پیداوار ہیں غیروں کی اس تہذیبی یلغار سے پہلے یعنی خلفائے راشدین کے دور سے ہی مسلمان سیاسی کشمکش سے دوچار ہو چکے تھے جبکہ خلیفہ ثالث (حضرت عثمان غنیؓ) کی مظلومانہ شہادت کے بعد بنو ہاشم اور بنو امیہ میں جس سیاسی رسہ کشی کا آغاز ہوا وہ صرف سیاسی اختلافات تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس سے نظری اور فکری انتشار نے بھی جنم لیا۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں قاتلین عثمانؓ سے قصاص لینے کے معاملے میں جو اختلاف رائے پیدا ہوا تھا اس نے مسلم اُمہ کو دو عظیم جماعتوں یعنی شیعان علیؓ اور شیعان معاویہؓ میں منقسم کر دیا۔ یہ کوئی دینی اختلاف نہ تھا تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بعد کے حوادث خصوصاً سانحہ کربلا نے اس اختلاف کو مذہبی رنگ دے دیا۔ سیدنا حسنؓ سے مصالحت کے بعد شیعان معاویہؓ کی سیاسی اصطلاح آہستہ آہستہ ذہنوں سے معدوم ہو گئی لیکن شیعان علیؓ نے بتدریج عام مسلمانوں سے اپنی الگ شناخت سے اپنے آپ کو متمم کرنا شروع کر دیا۔ اس فکری اختلاف سے اگر کوئی شخص یا گروہ دوسروں کی فکری لغزشوں کا تعاقب کرے تو اس میں تخل اور برداشت کے عنصر کو ختم کر دینے سے تشدد جنم لیتا ہے خلفاء راشدین نے فکری انتشار میں امن وامان کو برقرار رکھنے کے لیے جو راہ عمل متعین کی تھی بد قسمتی سے بعد کے لوگوں نے اسے اختیار نہ کیا ہم جانتے ہیں کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان سیاسی تنازعہ کو ختم کرنے کے لئے حکمین کے تقرر پر جو گروہ مسلمانوں سے الگ تھلگ ہوا وہ خوارج کے نام سے موسوم ہوا، اگرچہ خوارج نے اکابر صحابہ کے علاوہ خود حضرت علیؓ کے خلاف بھی تکفیر کی مہم چلائی۔ لیکن خوارج پر حضرت علیؓ نے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔ خوارج نے جب قتل و غارت کا بازار گرم کیا تو حضرت علیؓ نے مجبوراً ان کے خلاف فوج کشی کی اور انہیں جنگ میں عبرتناک شکست سے دوچار کیا لیکن آپؓ نے ان میں سے کسی کو بھی غلام اور لونڈی نہیں بنایا اور نہ ہی ان کے اموال کو مال غنیمت قرار دیا۔

معتزلہ نے عقلی استدلال پر بہت زور دیا لیکن حیرت ہوتی ہے کہ ان کی عقل میں اتنی موٹی بات بھی نہ آئی کہ اپنے خیالات کو جبر و تشدد کے ذریعے پھیلانا کبھی سودمند نہیں ہوا۔ چونکہ معتزلہ بزعیم خویش عقلی استدلال سے کام لیتے تھے اس لیے بنو عباس کے علمی ذوق نے معتزلہ کے انداز فکر سے متاثر ہو کر درایت کو روایت پر مقدم کیا۔ معتزلہ کو ملحدین اور زنادقہ کے خلاف مہم چلانے میں جو کامیابی حاصل ہوئی تھی عباسی خلفاء اس سے اثر قبول کئے بغیر نہ رہ سکے۔ مناظرے اور مباحثے کے فن میں معتزلی مہارت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بنو امیہ کے دور میں جب محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کر کے یہاں مسلمانوں کی حکومت قائم کی تو ہندو فلسفیوں اور مذہبی پیشواؤں کے خلاف علمی مباحثوں میں فقہا و محدثین چنداں کامیاب نہ ہو سکے تو معتزلہ نے ان کی جگہ لی اور مسلمانوں کی علمی و تہذیبی برتری کو مخالفین پر ثابت کیا لیکن معتزلہ خود چونکہ اعتقادی بگاڑ کے ساتھ ساتھ اپنے نظریاتی اعتقاد کا جارحانہ پرچار کرتے چلے گئے تو مسلمانوں میں صحیح عقائد کی نمائندگی کرنے والے علمائے حق نے معتزلہ کا عقلی و فکری محارز پر بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور دلائل عقلیہ کو قرآن کے تابع کرتے ہوئے انھوں نے عظیم الشان علم الکلام کی بنیاد کو استوار کیا اور اہل سنت میں اشاعرہ اور ماتریدیہ نے علم الکلام میں معتزلہ کی جارحانہ یلغار کو روکا اور ان کے پیدا کردہ شبہات کو دور کیا، معتزلہ کے عقلی استدلال میں جو مغالطے اور نقائص پنہاں تھے متکلمین نے انہیں لوگوں پر عیاں کیا مثلاً معتزلہ کا ایک استدلال یہ تھا کہ قرآن کریم میں ہے

”اللہ خالق کل شئی“ یعنی اللہ ہر شے کا خالق ہے

یہ مقدمہ اولیٰ ہوا ان کے مطابق قرآن بھی ایک شے ہے یہ مقدمہ ثانیہ ہوا، پس بقول معتزلہ ثابت ہوا کہ قرآن بھی مخلوق ہے متکلمین نے اس کا

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

یہ جواب دیا اگر تمہارے اس استدلال کو تسلیم کر لیا جائے تو قرآن میں ہے:

کل نفس ذائقہ الموت . ”یعنی ہر نفس موت چکھنے والا ہے“

اس طرح قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر لفظ نفس کا اطلاق کیا ہے چنانچہ قرآن میں دوسری جگہ ہے

و يحذرکم اللہ نفسہ . ”یعنی اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے“

تو دوسرا مقدمہ یوں بنے گا کہ اللہ کا بھی نفس (ذات Person) ہے اس طرح معتزلہ کے طرز استدلال کے مطابق (معاذ اللہ)

اللہ کو بھی موت آئے گی۔ اگر یہ استدلال بالاتفاق غلط ہے اور معتزلہ بھی اس کو تسلیم نہیں کرتے تو معتزلہ کا ساہقہ استدلال بھی اس نوعیت کا ایک

مغالطہ ہے اللہ خالق کل شئی اس کا مطلب اللہ ہر مخلوق چیز کا خالق ہے اور آیت میں لفظ خالق ہی ظاہر کر رہا ہے کہ یہاں شئی کے ساتھ

اس کی صفت ”مخلوق“ مقدر یعنی پوشیدہ ہے جبکہ از خود عقل سلیم بھی اسے قبول کرتی ہے لہذا اللہ ہر چیز کا خالق ہے جو اس نے پیدا کی ہے چونکہ اللہ

کا کلام مخلوق نہیں ہے بلکہ کلام، اللہ کی صفت ہے جو ہمیشہ سے از خود اسے حاصل ہے نہ کہ اس کی پیدا کی ہوئی ہے لہذا معتزلہ کا مذکورہ بالا

استدلال غلط ہے۔

معتزلہ اللہ کے صفت کلام کی نفی کرتے ہیں اہل سنت کا جواب یہ ہے کہ کلام کی ضد بکم (گوٹکا ہونا) ہے جو عیب ہے حالانکہ اللہ

ہر عیب سے پاک ہے اللہ کا کلام جو غیر مخلوق اور قدیم ہے اہل سنت اسے کلام نفسی کہتے ہیں جس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں نہ ہی یہ انسانی کلام

کے مشابہ ہے جس کلام کا تلفظ مخلوق کرتی ہے وہ کلام لفظی ہے جو مخلوق اور حادث ہے معتزلہ کے تمام دلائل اسی کلام لفظی پر چسپاں ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ جب اپنے کلام نفسی کو مخلوق تک پہنچاتا ہے تو وہ اسے الفاظ و کلمات کے قالب میں ڈھال دیتا ہے چنانچہ جس قرآن کی ہم تلاوت

کرتے ہیں وہ کلام لفظی ہے اس کو اللہ کا کلام اس لئے کہا جاتا ہے کہ اسے الفاظ و کلمات میں انسانوں اور جنات کی تلاوت کے لیے اللہ ہی نے

ڈھالا ہے اس لیے متکلمین یہ کہتے ہیں کہ یوں نہ کہا جائے کہ قرآن غیر مخلوق ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ”قرآن اللہ کا

کلام غیر مخلوق ہے“۔

یعنی قرآن کے ساتھ کلام اللہ کا لفظ بھی بولا جائے اور پھر کہا جائے کہ یہ غیر مخلوق ہے تا کہ کلام لفظی اور کلام نفسی میں فرق پیدا ہو

جائے اور معتزلہ کا پیدا کیا ہوا مغالطہ بھی دور ہو جائے۔

معتزلہ کے بقول انسان اپنے اعمال کا خود خالق ہے اشاعرہ اور ماترید یہ یعنی اہل سنت اس کو نہیں مانتے وہ اللہ کو ہی خالق خیر و شر

کہتے ہیں۔ مثلاً ابلیس شریر ہے جہنم جہنمیوں کے لئے شر ہے ابلیس کا مخلوق کے لئے شر (برائی اور نقصان دہ ہونا) ہونا اور جہنم کا جہنمیوں کے

لیے شر ہونا معتزلہ کو بھی تسلیم ہے کوئی صفت اپنے موصوف سے الگ نہیں ہوا کرتی اگر ابلیس شریر کا خالق بالاتفاق اللہ ہے تو اس کی صفت شر

کا خالق بھی وہی ہے لیکن شر کا صدور اور ظہور ابلیس سے ہوتا ہے نہ کہ اللہ سے، یعنی خلق شے اور چیز ہے اور صدور شے اور چیز ہے، اللہ نے مخلوق

کو اچھے یا برے کام کا جو محدود اختیار دے رکھا ہے اور اس اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ جو بھی اچھے یا برے کام کرتا ہے اسے قرآنی و

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

دینی اصطلاح میں خلق فعل نہیں کہا جاتا بلکہ کسب و کتاب کہا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔

207
لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ -

”یعنی ہر شخص کے فائدے میں ہے جو اس نے اچھا کمایا اور اس کے نقصان میں ہے جو اس نے برا کمایا“

اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

208
وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ - ”اور اللہ نے تم کو اور جو عمل تم کرتے ہو اس کو پیدا کیا۔“

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ خالق اعمال ہے اللہ کو خالق خیر و شر اس معنی میں کہا جاتا ہے کہ کسی بھی چیز یا مخلوق یا عمل میں فائدہ یا نقصان اللہ ہی نے رکھا ہے وہی موثر حقیقی اور مسبب الاسباب ہے خیر و شر کا تعلق مخلوق سے ہے نہ کہ خالق سے، اللہ کو نہ کسی نفع کی حاجت ہے نہ کوئی اسے نقصان یا شر لاحق ہو سکتا ہے اللہ کی مشیت اور رضا میں بھی فرق ہے قرآن میں ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا چاہنے کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ (معاذ اللہ) مجبور ہو جاتا ہے کہ اگر وہ کفر و غیرہ کو زبردستی ختم کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا لیکن اللہ کفر اور نافرمانی کے کاموں پر راضی نہیں ہے اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک استاد کو اپنے بعض شاگردوں کے نالائق ہونے کا اور محنت نہ کرنے کا پورا علم ہوتا ہے اسے یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ یہ امتحان میں یقیناً ناکامی سے دوچار ہوں گے لیکن وہ اس کے باوجود ان کو اپنے حلقہ درس سے نہیں نکالتا تا کہ اس سے حجت یعنی الزام پورا ہو جائے اور کل کلاں وہ یہ نہ کہیں کہ ہمیں محنت کرنے اور اپنی قسمت سنوارنے کے مواقع فراہم نہیں کیے گئے تھے صاف ظاہر ہے کہ ایسے طلباء کو بروا داشت کرنا استاد کی مشیت کے عین مطابق ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اپنے ان نالائق شاگردوں کی محنت نہ کرنے کی غلط روش پر خوش اور راضی بھی ہے یہ شبہ کہ گو شر کے پیدا کرنے سے اللہ کو شر نہیں کہا جاسکتا لیکن اس نے خیر کے ساتھ شر کو پیدا ہی کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اشیاء کی بھرپور قدر و قیمت کی صحیح معرفت ان کی اضداد کی وجہ سے ہی ہوا کرتی ہے۔

اگر شر نہ ہو تو خیر کی کوئی قدر و منزلت ہی نہیں رہے گی، جہاں مرض نہ ہو تو صحت کی کوئی قدر و منزلت ہی نہیں، جہالت نہ ہو تو علم کا کوئی وقار و مرتبہ ہی نہیں ہو گا نیز یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کسی چیز سے ہمیشہ ہر شخص کے لئے شر ہی کا صدور ہو مثلاً آگ اگر کسی کے قیمتی مال کو جلا کر خاکستر کر دے تو یہ اس کے لئے تو شر ہے لیکن اسی آگ سے بے شمار مفید کام بھی تو لئے جاتے ہیں خیر کے پیدا کرنے سے اللہ کی رحمت اور شر کے پیدا کرنے سے اس کے غضب کا ظہور ہوتا ہے اللہ جہاں رحیم و کریم اور غفور الرحیم ہے وہاں منتقم اور قہار و جبار بھی ہے۔ نیز شر کے پیدا کرنے سے بندوں کی آزمائش بھی مقصود ہے اگر بندے اس آزمائش پر پورے اتریں تو یہی شران کے حق میں خیر بن جاتا ہے لہذا ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو خالق خیر و شر کہنے سے نہ اس کی توہین ہوتی ہے اور نہ ہی (معاذ اللہ) اللہ کا شریر ہونا ثابت ہوتا ہے اللہ جس چیز کو بھی پیدا کرتا ہے وہ اسکی مخلوق ہوتی ہے نہ کہ خالق۔ جب اللہ نے خیر کے ساتھ شر کو بھی پیدا کیا تو خیر و شر دونوں مخلوق ہوئے لہذا اگر مخلوق میں کوئی شر ہے تو شریر کی نسبت مخلوق کی طرف ہوگی، نہ کہ (معاذ اللہ) اللہ کی طرف۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے مجوسیوں نے دو خدا یزدان (خالق خیر) اور اہرمین (خالق شر) تجویز کر لیے، اگر مجوسیوں کے عقیدہ ہمویت کی بنیاد غلط ہے تو معتزلہ کی سوچ بھی انہی سے ملتی جلتی ہے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

جس کا غلط ہونا از خود واضح ہے۔

معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ جو کام بندوں کے حق میں اصلح (بہترین) ہو وہ اللہ پر واجب ہے اشاعرہ اور ماترید یہ کہتے ہیں کہ اللہ پر ہرگز کوئی چیز واجب نہیں ہے کیونکہ کسی کے ذمہ واجب وہ کام ہوتا ہے کہ اگر وہ اسے نہ کرے تو اس کا مواخذہ ہو سکے اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ مخلوق اس کا مواخذہ کر سکے چنانچہ قرآن میں ہے کہ اللہ جو کچھ کرتا ہے اس سے پوچھا نہ جائے گا جبکہ لوگوں سے پوچھا جائے گا اللہ یقیناً نیک عمل کرنے والے مومنین کو جنت میں داخل کرے گا، لیکن اگر بالفرض وہ انہیں جنت میں داخل نہ کرے تو اس سے پوچھنے والا کون ہو سکتا ہے؟ چنانچہ قرآن میں عیسائیوں کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ کہتا ہے۔

قل فمن يملك من الله شيئاً ان اراد ان يهلك المسيح ابن مريم وأمه ومن في

209

الارض جميعاً

”اے پیغمبر تو ان سے کہہ کہ اگر اللہ مسیح ابن مریم کو اسکی ماں کو اور زمین کے سب

لوگوں کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے تو کون ہے جو اسے روک لے گا؟“

اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی کرتا ہے بلاشبہ اس کا فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے لیکن یہ تو ضروری نہیں کہ اسکے ہر کام کی حکمت ہماری عقل میں بھی آجائے، اسکے بعض کاموں کی حکمت ہماری عقل سے بالاتر بھی ہو سکتی ہے مثلاً ایک شخص مفلس و قلاش بھی ہے کمزور و بیمار بھی ہے اس کے ساتھ ساتھ کافر بھی ہے تو ایسا شخص دین و دنیا دونوں سے محروم نظر آتا ہے حالانکہ معتزلہ کے نزدیک تو اللہ پر اصلح (بہترین کام) کرنا واجب تھا۔

اشاعرہ کی نسبت امام ابو الحسن بن اسماعیل الاشعری (متوفی 330ھ) کی طرف ہے ابو الحسن اشعری ابتداء میں معتزلی اور عبد الوہاب الجبائی کے شاگرد تھے انھوں نے اپنے استاد سے ایک مرتبہ پوچھا کہ آپ کی ان تین بھائیوں کے بارے میں کیا رائے ہے جن میں سے ایک اللہ کافر مابن و دار دوسرا نافرمان اور تیسرا بچپن میں ہی فوت ہو گیا عبد الوہاب الجبائی نے جواب دیا کہ پہلے کو جنت میں اچھا صلہ ملے گا دوسرا جہنم میں جائے گا۔ اور تیسرے کو نہ ثواب ہوگا نہ ہی اسکو کوئی سزا دی جائے گی اس پر اشعری نے سوال کیا کہ اگر تیسرے نے اللہ سے یہ سوال کیا کہ اے اللہ میرے حق میں اصلح (بہترین کام) کرنا تجھ پر واجب تھا تو نے مجھے بچپن میں کیوں موت دے دی؟ میں بڑا ہو نا تجھ پر ایمان لا کر تیری فرمانبرداری کرتا تو میں بھی جنت میں چلا جاتا، الجبائی نے جواب دیا کہ اللہ اسے یہ کہہ گا کہ میں تجھے تجھ سے بہتر جانتا ہوں اگر تو بڑا ہوتا تو تو میری نافرمانی کرتا اور جہنم میں چلا جاتا، اسلئے تیرے لئے اصلح (بہترین صورت) یہی تھی کہ میں نے تجھے بچپن میں موت دے دی، اس پر اشعری نے اپنے استاد سے پوچھا کہ اگر جہنم میں جانے والے بھائی نے اللہ سے یہ پوچھا کہ ”اے اللہ! تو نے مجھے بچپن ہی میں موت کیوں نہ دے دی؟ تجھے پتہ تھا کہ میں بڑا ہو کر تیری نافرمانی کر کے جہنم میں جاؤں گا تو کیا میرے حق میں بہترین صورت یہ نہ تھی کہ مجھے بھی بچپن ہی میں مار دیا جاتا؟ اس پر الجبائی مہبوت ہو کر خاموش ہو گیا۔ اسکے بعد اشعری نے فرقہ معتزلہ سے علیحدگی اختیار کر کے ان کے خلاف مہم چلائی اور ان کی تردید میں بہت سی کتابیں لکھیں، ان کے بے شمار شاگرد ہوئے، اشاعرہ میں نامور علماء امام غزالی اور امام غزالی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کے استاد امام الحرمین محمد بن عبدکرمیم شہرستانی، ابوبکر باقلانی، ابواسحاق اسفہرانیسی، امام رازی، امام ابوالحسن اور علی سیف الدین آمدی وغیرہ بڑے مشہور ہیں۔ امام غزالی کے استاد امام الحرمین نے ایک مفصل کتاب لکھی پھر اسے مختصر کر کے اسکا نام ”الارشاد“ رکھا۔ امام غزالی نے منطق کو رواج دیا جس سے علم الکلام میں عقلی و نقلی ہر دو طرح کے دلائل لانے کا رواج ہو گیا۔ مقالات الاسلامیین امام اشعری کی مشہور تصنیف ہے۔

اشاعرہ اور ماتریدیہ نے معتزلہ کے اس عقیدے کی بھی بھرپور تردید کی کہ آخرت میں رویت باری ممکن نہیں۔ معتزلہ کا بڑا استدلال یہ تھا کہ حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر یہ درخواست کی تھی کہ مجھے اپنے دیدار کی نعمت سے بہرہ مند کیجئے، اس پر اللہ نے جواب دیا کہ لن ترائنی۔ ”تو مجھے ہرگز دیکھ نہ پائے گا“ پھر جب اللہ نے اپنی تجلی پہاڑ پر ڈالی تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اس سلسلے میں متکلمین کا یہ جواب ہے کہ اگر رویت باری تعالیٰ عقلاً محال ہوتی تو محال کی طلب حماقت و سفاہت ہے جبکہ پیغمبر کا مقام تو اس سے بہت بلند ہوتا ہے اور قرآن میں ہے کہ:

210

وجوه یومئذ ناضرة . الی ربہا ناضرة .

”اس دن کئی چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔“

البتہ آخرت میں یہ رویت باری تعالیٰ اس طرح کی نہ ہوگی کہ دیکھنے والے اللہ کا احاطہ کر لیں یا اللہ کسی خاص سمت یا جہت میں موجود ہو۔ رویت کی یہ شرائط عالم دنیا میں ہیں جس پر عالم آخرت کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ دنیا میں اللہ کی تجلی کو حضرت موسیٰ برداشت نہ کر سکے تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ عالم آخرت میں بھی یہی کیفیت ہوگی؟ دیکھئے دنیا میں پہاڑ قرآن کے نزول کے متحمل نہیں ہو سکتے لیکن انسان کو اس کا متحمل بنایا گیا ہے، تو اللہ پر کچھ مشکل نہیں وہ انسان کو آخرت میں اپنی رویت کا متحمل بنا دے چونکہ اسکی صحیح کیفیت اس دنیا میں نہیں معلوم ہو سکتی اسلئے معتزلہ کے تمام شبہات و اشکالات کا عدم ہیں۔

جہاں تک معتزلہ کا اللہ کے وعدہ و وعید کے متعلق نظریہ ہے متکلمین نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ وعدہ کسی نعمت کا ہوتا ہے اور وعید کسی عذاب اور تکلیف کیلئے ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص کسی سے انعام کا وعدہ کرے اور پھر انعام کو بڑھادے تو کوئی عقلمند اسے وعدہ خلافی نہیں کہہ سکتا بلکہ یہ تو احسان ہے مثلاً اگر کسی ملازم کو اس کی طے شدہ اجرت زیادہ دے دی جائے تو وہ ہرگز یہ نہ کہے گا کہ آپ نے مجھ سے وعدہ خلافی کی ہے اس طرح اگر وعید یا دھمکی واپس لے لی جائے یا اس پر عمل نہ کیا جائے تو یہ بھی ایک احسان ہے جو ایک اچھی صفت ہے اور اللہ تمام صفات حمیدہ کا مالک ہے لہذا معتزلہ کا یہ دعویٰ کہ کبار کامرکب تو بہ کئے بغیر مر جائے تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، قطعاً غلط ہے یہ خلاف عقل تو ہے ہی خلاف نقل بھی ہے چنانچہ قرآن میں ہے۔

211

ان الله لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء.

”اللہ اس گناہ کو نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے علاوہ باقی سب گناہوں کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔“

تو بہ سے تو اس دنیا میں شرک بھی معاف ہو جاتا ہے پس اس آیت میں بغیر تو بہ کے گناہوں کی معافی کا ذکر ہے البتہ وعید میں اللہ کسی خاص شخص یا خاص جماعت کو ٹھیک متعین کر دے وہ وعید نہیں ملے گی جیسے اللہ تعالیٰ نے ابولہب، فرعون، ہامان اور نمرود کے بد بخت اور جہنمی ہونے کی خبریں دی ہیں لہذا ان کے خلاف ہرگز نہ ہوگا لیکن اگر وعید میں کسی کی تخصیص نہیں تو اللہ تعالیٰ جسے چاہے معاف کر دے جسے چاہے عذاب دے۔

معتزلہ کا یہ دعویٰ ہے کہ اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے شرعی نہیں، اس کے جواب میں اشاعرہ کا موقف یہ ہے کہ اشیاء کا حسن و قبح یعنی کسی کام یا چیز کا اچھا یا برا ہونا عقل سے نہیں بلکہ قرآن و سنت سے معلوم ہوگا، جبکہ ماترید یہ بھی معتزلہ کی طرح یہ کہتے ہیں کہ اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے لیکن اس قولی مماثلت کے باوجود ماترید یہ کا موقف معتزلہ سے مختلف ہے ماترید یہ بتانا چاہتے ہیں کہ شریعت کا کوئی حکم بھی خلاف عقل نہیں ہوا کرتا لہذا اشیاء کا حسن و قبح عقلی ہے لیکن چونکہ عقل خطا کر سکتی ہے لہذا کسی چیز کا خلاف عقل، صحیح یا غلط ہونا بسا اوقات شریعت سے ہی معلوم ہو سکتا ہے مثلاً اللہ کی ذات اور صفات میں شرک سراسر خلاف عقل ہے لیکن اگر ان کا خلاف عقل ہونا سب لوگوں کو عقل سے ہی معلوم ہو جاتا تو پیغمبروں کی بعثت کی ضرورت ہی کیا تھی؟ یوں ماترید یہ کا اشاعرہ سے اختلاف محض لفظی ہے۔ حقیقی نہیں۔

معتزلہ کا یہ کہنا بھی ہے کہ خدا کا ہر کام ”معلل بالحکمة“ ہوتا ہے یعنی خدا کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ بندے کو ”تکلیف مالا یتطاق“ نہیں دیتا یعنی اللہ انسان پر کوئی ایسی شرعی پابندی نہیں لگاتا جو اس کی طاقت اور برداشت سے باہر ہو، اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کام کا ”معلل بالحکمة“ ہونا ضروری نہیں، اشاعرہ کے اس موقف کو سمجھنے میں علامہ شبلی نعمانی جیسے اکابر نے بھی سخت ٹھوکر کھائی ہے اصل میں معتزلہ ہر اس شرعی حکم کا انکار کر دیتے تھے جو ان کی عقل میں نہ آئے یا جس کی حکمت انہیں معلوم نہ ہو سکے، یہ شریعت سے کھلی بغاوت ہے تحویل قبلہ (قبلہ بدلنے) کے موقع پر یہود و مشرکین نے اعتراضات کئے تھے کہ اس حکم میں کوئی حکمت پنہاں ہے تو سورۃ بقرہ میں اللہ نے ان معترضین کو بیوقوف قرار دیا اور حاکمانہ جواب دیا کہ مشرق و مغرب اللہ کا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیے حکمتوں کے درپے نہیں ہونا چاہیے، عین ممکن ہے کہ کسی شرعی حکم کی حکمت کچھ یا سب لوگوں کی عقل سے بالاتر ہو، خلاف عقل میں اور عقل سے بالاتر ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدی کو ایک معتدل امت قرار دیا ہے اور اس طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ اعتدال کی ایک صورت یہ ہے کہ اس امت کے ہدایت یافتہ افراد اللہ کے حکم کی تعمیل پر کمر بستہ رہتے ہیں، حکم کی حکمت معلوم کرنے کے درپے نہیں ہوتے، لیکن یہ اس قدر سادہ لوح بھی نہیں کہ اگر انہیں کوئی حکمت بتائی جائے تو اسے سمجھ ہی نہ پائیں، چنانچہ تحویل قبلہ کی ایک حکمت یہ بیان کر دی گئی کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا جو حکم مسلمانوں کو دیا گیا تھا اس میں مسلمانوں کی آزمائش مقصود تھی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کہ رسول اکرم ﷺ کے اصحاب اللہ کے ہر حکم کی تعمیل پر کمر بستہ رہتے ہیں خواہ وہ حکم ان کی مرضی و خواہش کی مطابقت ہو یا ان کی مرضی اور خواہش کے سخت خلاف اور ناگوار ہو چنانچہ جن مسلمانوں نے اس حکم کی تعمیل کی اللہ نے ان کے ایمان کے بقاء کی ضمانت دے دی۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما كان الله ليضيع ايمانكم 212 ”کہ اللہ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے“

اگر یہاں ایمان سے نماز بھی مراد لی جائے تو اس سے بھی یہ بشارت متاثر نہیں ہوتی کیونکہ کسی نیک کام کے اجر کو باقی رکھنے کی ضمانت سے ایمان کا باقی رہنا بھی لازم آتا ہے۔ اشاعرہ یہی بتانا چاہتے ہیں کہ کسی کام کی حکمت معلوم نہ ہو سکے تو بھی ہم اس پر عمل کریں گے معتزلہ کی طرح دلیل و حجت سے کام نہ لیں گے البتہ ماترید یہ نے وضاحت کی کہ اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے کیونکہ بحکم بھی اس کی صفت ہے لیکن ہر چیز کی حکمت کا ہمیں معلوم ہونا ضروری نہیں، جہاں تک تکلیف مالا یطاق کا تعلق ہے تو اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ بندوں کو تکلیف مالا یطاق دے، گو وہ ایسا نہیں کرے گا ماترید یہ یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں اللہ نے یہ واضح فرما دیا ہے کہ اللہ کسی کو تکلیف مالا یطاق نہیں دیتا لیکن یہ اللہ کا بندوں پر احسان و فضل ہے اس پر واجب نہیں، جیسا کہ معتزلہ کا دعویٰ ہے، تو یہاں بھی ماترید یہ اور اشاعرہ کا اختلاف محض لفظی نزاع ہے کہ اللہ پر کچھ بھی واجب نہیں بالفرض اللہ کسی کو تکلیف مالا یطاق دے تو بھی اسے ظلم نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ساری کائنات اس کی مخلوق اور ملک (ملکیت) ہے مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مملوکہ چیزوں میں جو چاہے کرے جو چاہے نہ کرے۔ معتزلہ کا یہ کہنا کہ خدا پر فلاں چیز واجب ہے اور فلاں چیز واجب نہیں ہے اللہ کی شان میں بے ادبی ہے مذکورہ بالا مباحث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ عباسی خلفاء اگر ان مباحث میں غیر جانبداری کا رویہ اختیار کرتے اور معتزلہ کا ناحق ساتھ نہ دیتے تو عباسی خلافت کے استحکام میں خلل پیدا نہ ہوتا اور نہ ہی حکومت اور عوام کے درمیان خلیج وسیع ہوتی۔ بالآخر خلیفہ متوکل کو اس کا احساس ہوا تو اس نے معتزلہ سے کنارہ کشی اختیار کی، اس سے عوام میں فقہاء کی قدر و منزلت میں بے تحاشا اضافہ ہوا اور اس طرح معتزلہ کا فتنہ نیست و نابود ہو گیا۔

اہل سنت

حضور اکرم ﷺ نے اپنی زندگی میں اپنا کوئی جانشین مقرر نہ کیا تھا۔ بلکہ یہ کام مسلمانوں پر ہی چھوڑ دیا تھا تا کہ وہ ہا ہی مشورے سے جسے چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کر لیں۔ مہاجرین و انصار کے معمولی اختلافات کے بعد متفقہ طور پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ بنا لیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر حضرت عباسؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے بعض صحابہ کرام کا یہ خیال تھا کہ چچا کا بیٹا اور داماد رسولؐ ہونے کے ناطے خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا، جو انہیں نہ ملا۔ بعد میں اسی اختلاف نے امت کو دو فرقوں میں تقسیم کر دیا یعنی ایک سنی اور دوسرا شیعہ۔ اہل سنت خلفائے راشدین کی خلافت کے ساتھ ساتھ اموی خلافت کو بھی استحکام کے بعد صحیح و جائز سمجھتے ہیں²¹³۔

نیز اہل سنت اصحاب رسول ﷺ اور اہل بیت سب کا احترام کرتے ہیں اور ان میں سے ہر کسی کو بھی معصوم عن الخطا نہ ہونے کے باوجود بھی مغفور و مرحوم (جنتی) گردانتے ہیں جبکہ ان کے علاوہ کسی کے پاس کسی کے بھی جنتی ہونے کا کوئی قطعی یا یقینی علم نہیں ہے تاہم اللہ غفور و رحیم ہے وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے۔ اس سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

214 یَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ط وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا۔

”وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب (سزا) دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

پھر اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے:

215 وَمَن يَغْفِرِ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ۔ ”اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے“

اہل سنت کے نزدیک حضرت عثمانؓ کی شہادت بھی سیدنا حسینؓ کی طرح مظلومانہ تھی۔ اس سانحے میں بھی باغیوں نے نہ قرابت رسولؐ کا خیال رکھا، نہ حرمت والے مہینے ہی ان کے پیش نظر رہے اور نہ ہی حضرت عثمانؓ کے مقام و مرتبہ کو انہوں نے پہچانا۔ جمہور کے نزدیک قصاص عثمانؓ کے سلسلے میں حضرت علیؓ کا موقف زیادہ درست دکھائی دیتا ہے کہ امن و استحکام کے بعد باغیوں سے قصاص لیا جائے گا لیکن اس کے برعکس جن لوگوں نے فوری قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کیا وہ بھی باطل پر نہ تھے۔ یعنی ان کا مطالبہ خلاف اولیٰ تھا غلط نہ تھا اور ویسے کسی بھی صحابی رسولؐ سے بدگمانی درست و جائز نہیں کیونکہ اللہ نے خود فرمایا ہے کہ:

216 يَوْمَ لَا يَخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ۔

”اللہ نبیؐ کو اور اس پر ایمان لانے والوں کو بروقتیا مت رسوا نہ کرے گا۔“

پس اہل سنت کے نزدیک اصحاب رسولؐ کے جنتی ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں، باقی رہا اصحاب رسولؐ کا آپس میں جنگ کرنا تو اس سلسلے میں اللہ کا حکم یہ ہے کہ اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو دوسرے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ مظلوم کا ساتھ دیں اور ظلم کے خلاف ڈٹ جائیں، یہاں تک کہ وہ (ظالم) صلح پر آمادہ ہو جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

وَأَنْ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْ بَغَتْ أَحَدُهُمَا عَلَى الْآخَرَىٰ فَلْيَاتِلُوا إِلَيْهَا تَبِغِي
حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلَحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا ۚ ط 217

”اگر مومنین میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کر لیں پس جب وہ (زیادتی کرنے والے) رجوع کر لیں تو فریقین میں مساوات کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو“

مندرجہ بالا آیت کی رو سے اگر کسی گروہ کی لڑائی حکومت سے ہو یا اپنے ہی مسلمان بھائیوں سے ہو تو اس لڑائی میں زیادتی (ظلم) کرنے والے بھی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتے، ابن کثیر اس سلسلے میں حضور اکرم کی وہ حدیث نقل کرتے ہیں، جس میں آپ نے سیدنا حسنؓ کے بارے میں فرمایا:

218

ابنہی هذا سيد ولعل الله ان يصلح به بين فئتين من المسلمين.

”یہ میرا بیٹا سید ہے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرادے گا۔“

اس حدیث کے عین مطابق شہادت علیؓ کے بعد جب شامی اور عراقی ایک خونریز جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی مدد اور سیدنا حسنؓ کی دورانہدیشی سے فریقین میں صلح ہو گئی۔ جس کی وجہ سے امت مسلمہ ایک بہت بڑی خونریزی سے بچ گئی۔ اگر مندرجہ بالا حدیث کو پیش نظر رکھا جائے تو اس فرمان رسول ﷺ میں کہیں پر بھی ہمیں یہ چیز دکھائی نہیں دیتی کہ فریقین میں کوئی بھی دائرہ اسلام سے خارج یا منافق و فاسق تھا اس لئے اہل سنت صحابہ کرامؓ میں شدید اختلاف کے باوجود کسی کو بھی (معاذ اللہ) کافریا منافق نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک تمام اصحاب رسول ﷺ جنتی ہیں 219

مندرجہ بالا حدیث کی رو سے صحابہ کرامؓ میں کسی انتظامی معاملے میں شدید اختلاف ہی کیوں نہ ہو ہم انہیں دائرہ اسلام سے خارج نہیں کر سکتے۔ اہل سنت کے نزدیک جو لوگ حضرت امیر معاویہؓ کو حضرت علیؓ پر فوقیت دیتے ہیں یا معاذ اللہ حضرت علیؓ اور سیدنا حسینؓ کی تنقیص کرتے ہیں یا یزید کو خلیفہ راشد تصور کرتے ہیں جبکہ سیدنا حسینؓ کو معاذ اللہ باغی قرار دیتے ہیں، انہیں نواصب قرار دیا جائے گا۔ درحقیقت نواصب بھی خوارج اور روافض ہی کی ایک قسم ہے۔ اہل سنت حضرت علیؓ کو حضرت امیر معاویہؓ سے کہیں زیادہ افضل گردانتے ہیں کیونکہ آپ کا شمار السابقون الاولون میں ہوتا ہے نیز آپؓ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں حضور اکرم ﷺ نے زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ہجرت سے قبل اسلام قبول کیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خاطر ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد اور مال خرچ کیا، پھر مرتبہ و مقام میں وہ لوگ ان کی برابری کیسے کر سکتے تھے جنہوں نے نہ تو اسلام کی خاطر خروج کیا نہ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا؟ تاہم اہل سنت صحابہ کرامؓ میں سے نہ تو کسی کی تکفیر کرتے ہیں اور نہ ہی کسی پر تنقید کو جائز و درست سمجھتے ہیں۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

مشہور مشرق آرم سٹرائنگ کے بقول ’اہل سنت حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کا احترام کرتے ہیں نیز یہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی انتظامی کمزوریوں کے باوجود انہیں نہایت متقی مسلمان تصور کرتے ہیں اہل سنت اہل تشیع کی طرح حضرت علیؓ کے مقابلے میں باقی خلفاء ثلاثہ کے مقام کو گھٹانا جائز و درست نہیں سمجھتے۔ هیعان علیؓ کی نسبت ان کا مسلک زیادہ امید پرستانہ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہنا کامیوں اور تنازعات میں بھی خدا ان کے ساتھ ہے یہ لوگ (اہل سنت) امت مسلمہ کو ایک وحدت تصور کرتے ہیں کیونکہ اس سے اللہ کی توحید کا اظہار ہوتا ہے جو کسی بھی فرقہ وارانہ تقسیم سے بالاتر ہے اہل سنت کے نزدیک اگر مسلمان شریعت کے مطابق زندگی بسر کریں تو وہ ایک ایسی جوابی ثقافت تخلیق کر کے موجودہ سیاسی نظام کو بدل سکتے ہیں جس سے ایک ایسا معاشرہ وجود میں آئے گا جو عہد خلفائے راشدین کی یاد تازہ کر دے

220 گ

اہل سنت کے نزدیک اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کو بھی ناقابل اعتما نہیں ٹھرایا جاسکتا کیونکہ اگر ہم ان میں سے کسی کو بھی ناقابل اعتما ٹھہراتے ہیں تو (معاذ اللہ) قرآن و سنت بھی ناقابل اعتما ٹھہرتے ہیں کیونکہ یہ (قرآن و حدیث) انہی اصحاب کی وجہ سے ہم تک پہنچے ہیں اسلئے سنی حضرات تمام صحابہ کرامؓ کو عادل اور معتبر گردانتے ہیں تاہم اگر ہمیں کسی صحابی کی کوئی خطایا غلطی معلوم ہو جائے تو اس صورت میں ہم اس غلطی کی اتباع سے احتراز کریں گے لیکن اس عدم اتباع سے ان کے مقام و مرتبہ میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

علم الکلام کا مقصد یہ ہے کہ صحیح عقائد و اعمال کو مبتدعین کی بدعات سے محفوظ رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے متکلمین کی ایک جماعت پیدا کی اور ان میں اہل سنت کے عقائد کی دلائل و براہین کے ایک ایسے نظام کے ذریعے سے مدافعت کرنے کی خواہش پیدا کی، جو اہل بدعت کے ان مغالطوں کو ظاہر کرنے اور ان کے حلوں کو نام کام کرنے کے لئے موزوں ہے جو وہ ان مسائل پر کرتے ہیں اور یہ مسائل از روئے قرآن و حدیث بھی قائم و ثابت ہیں

221

اہل سنت کے نزدیک کسی پر بھی نام لے کر لعنت کرنا جائز و درست نہیں، ہاں البتہ جس کا کفر پر مرنا قطعی اور یقینی ہو جیسے ابلیس، فرعون، ہامان وغیرہ تو ان پر لعنت کرنا جائز و درست ہے کیوں کہ ان کا کفر و شرک پر مرنا قرآن سے ثابت ہے اور ویسے بھی قرآن سے زیادہ کوئی خبر یقینی اور قطعی نہیں ہو سکتی، اسی طرح قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور قوم لوط کا کفر پر قائم رہنا قرآن سے ثابت ہے لیکن اس کے باوجود ان پر لعنت جائز ہے واجب نہیں۔ ہاں اگر کسی شخص کو مخصوص نہ کیا جائے بلکہ اخلاق سوء کی وجہ سے اس پر لعنت کی جائے تو وہ درست ہوگی جیسے لعنت اللہ علی الکاذبین ”جھوٹوں پر خدا کی لعنت“ یا ظالموں پر خدا کی لعنت یا کافروں پر خدا کی لعنت یا جیسے رسول اللہ نے کسی یہودی کا نام لئے بغیر ان پر لعنت کی اور فرمایا:۔

222

لعن اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبورا انبیائہم مساجد.

”اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔“

اہل سنت کے نزدیک کسی کا نام لیکر اس پر لعنت کرنے سے اشتعال پیدا ہوتا ہے اس لئے اسلام کسی بھی صورت میں کسی ایسے کام کی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اجازت نہیں دیتا جس سے معاشرے میں بد امنی اور شورش پیدا ہو۔ اسلام تو اس حد تک رواداری کا حکم دیتا ہے کہ کسی کے بتوں کو بھی برا نہ کہا جائے کیونکہ وہ بت پرست اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کو برا کہیں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط 223

”اور جن کو یہ (مشرک) خدا کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لاعلمی اور بے ادبی سے اللہ تعالیٰ کو برا کہیں۔“

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو کام اپنے ذات میں جائز ہو لیکن اس کی ادائیگی مقاصد اسلامیہ میں داخل نہ ہو اور اس کے کرنے سے کم فہم لوگوں میں غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اہل سنت کے نزدیک اس کا ترک کرنا واجب ہے کیونکہ ایسے امور کو ترک کرنے سے احکام شریعت میں کسی قسم کا خلل واقع نہیں ہوتا۔ 224

خلافت کے بارے میں بھی اہل سنت کا موقف بالکل واضح ہے، ان کے نزدیک خلافت اصول دین میں شامل نہیں اس لئے خلیفہ کا سب لوگوں سے افضل ہونا کسی طرح بھی ضروری نہیں اور نہ ہی خلیفہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے کیونکہ انبیاء کے بعد کسی بھی انسان کا تمام خطاؤں سے پاک اور افضل ہونا ضروری نہیں۔ ویسے بھی اسلام میں خلیفہ کو منتخب کرنے کے طریقے سے زیادہ ضروری یہ بات ہے کہ منتخب خلیفہ لوگوں کی کس حد تک صحیح رہنمائی کرتا ہے؟ یا کیا وہ لوگوں پر احکام الہی کا نفاذ کرتا بھی ہے یا نہیں؟ یا وہ خلیفہ بن کر اپنے آپ کو خادم سمجھتا ہے یا مخدوم؟ تاریخ کی کتب میں مذکور تاریخی جزئیات سے اختلاف کی یقیناً گنجائش موجود ہے کیونکہ امویوں کے زوال کے بعد ان کے مظالم (واقعہ کربلا اور حریمین کی بے حرمتی جیسے واقعات) کو بیان کرنے میں بڑی مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا جس سے آل علیؑ پر ڈھائے جانے والے مظالم کی کچھ حقیقی اور کچھ مبالغہ آمیز کہانیوں سے لوگوں کے جذبات میں اشتعال پیدا کیا گیا، اس طرح عوامی غیظ و غضب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اولاد عباسیؑ اولاد علیؑ پر غالب آگئی، لیکن عباسیوں کے برسر اقتدار آتے ہی عباسیوں اور علویوں میں سیاسی کشمکش کا آغاز ہو گیا، اس کے بعد عباسیوں نے امویوں سے سبق حاصل کرنے اور علویوں کو شریک اقتدار کرنے کی بجائے ان سے مخالفت و مخالفت کی راہ اپنائی۔ یہاں پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ عباسیوں اور علویوں کا یہ اختلاف اب سیاسی نہ رہا بلکہ اب اس اختلاف کو مذہبی رنگ دے دیا گیا۔ اس اختلاف کے بعد بنو عباس کا تعلق مسلمانوں کی عظیم اکثریت اہل سنت کے ساتھ ہی رہا جبکہ اہل تشیع نے اپنے لئے بعض الگ عقائد وضع کر لئے تاہم بعض خلفائے بنو عباس نے اہل سنت کے کچھ فقہاء و محدثین کے خلاف معتزلہ کی حمایت کر کے امت مسلمہ کو شدید نقصان پہنچایا۔

اگر ہم تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیں تو دور حاضر میں ہمیں جبر و تشدد کی راہ اختیار کرنے کی بجائے اتحاد بین المسلمین کے جذبے کے ساتھ ساتھ تحمل و برداشت اور دوسروں کی بات کو جوصلے سے سننے کا سلیقہ پیدا کرنا ہوگا۔ ہمیں نظریاتی اختلافات سے علمی دلائل کی بناء پر عہدہ برآمد ہونا چاہیے اور کسی بھی صورت میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے، اپنا موقف شستہ اور شائستہ انداز میں پیش کیا جائے اگر دلیل سے اپنی بات منوائی جائے اور دلیل سے دوسرے کی بات قبول کی جائے تو فرقہ واریت اپنی موت آپ مر جائے گی۔

﴿حواشی﴾

- 1- شیع اور عیہ کا مادہ شیع ہے یعنی شایع، یشایع، مشایع، متابعت، کسی کے پیچھے چلنے کے ہیں۔
 اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور، 1973ء، جلد 11، ص 898،
- 2- ایضاً
- 3- Morgan, Kenneth. W, Islam. The Staight Path, Ronald Press Company,
 New York, 1958, P-284.
- 4- ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، المکتبۃ التجاریۃ، مکتبۃ المکرّمہ، 1997ء، جلد 1، ص 208۔
- 5- القرآن، 83:37۔
- 6- القرآن، 15:28۔
- 7- القرآن، 69:19۔
- 8- القرآن، 10:15۔
- 9- القرآن، 65:06۔
- 10- اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 11، ص 899۔
- 11- ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد بن منیع البصری، طبقات الکبریٰ، دارصادر، بیروت، لبنان، 1985ء، جلد 2، ص 246۔
- 12- حسن ابی ایمن حسن، الفاطمیون فی مصر و العاللم السیاسیۃ والدینیۃ بیچہ خاص، المطبعۃ الامیریۃ، بولاق، 1932ء، ص 21 تا 27۔
- 13- القرآن، 41:22،
- 14- ابن عبد ربہ، احمد بن محمد الاندلسی، العقد الفرید، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، سنہ 1400ھ، جلد 4، ص 56۔
- 15- سید رضی، نہج البلاغہ، مترجم۔ مفتی جعفر حسین، المعراج کمپنی، لاہور، سنہ 1400ھ، ص 191۔
- 16- القرآن، 26:214۔
- 17- الصدوق القمی، ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ، علل الشرائع، الکساء پبلشرز، کراچی، 2005ء، حصہ 1، ص 214۔
- 18- بخاری، محمد بن اسمعیل، صحیح بخاری، للنشر والتوزیع، الریاض، 1999ء، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب مناقب علیؑ
 بن ابی طالب، ص 625، حدیث 3706۔
- مجلسی، محمد باقر، جلاء العیون، عباس بک ایجنسی، لکھنؤ، انڈیا، 2001ء، ص 33۔
- 19- الصدوق القمی، علل الشرائع، حصہ 1، ص 191-190۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

20- Ameer Ali, Syed, A Short History of The Saracens, Islamic Book Service, Lahore, 1926, P-21.

21- طہ حسین، ڈاکٹر علی بنوہ مترجم۔ عبدالحمید نعمانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1989ء، ص 192۔

22-A احمد امین مصری، فجر الاسلام، مترجم۔ عمر احمد عثمانی، دوست ایسوسی ایٹس، ناشران وناجران کتب، اردو بازار، لاہور، 2003ء، ص 333۔

22-B القرآن، 55:24۔

22-C القرآن، 20:5۔

23- Karen Armstrong, Islam: A Short History, Nigarshat Publisher, Urdu Bazar, Lahore, 2005, p-56.

24- Ameer Ali, A Short history of The Saracens, P-21.

25- Karen Armstrong, Islam: A Short History, P-59.

26- Morgan, Islam. The Straight path, P-299

27- جرجی زیدان، تاریخ تمدن الاسلام، مترجم۔ علیم انصاری ردولوی، نئی بک پوائنٹ، اردو بازار، کراچی، 2004ء، ص 88۔

28- Ameer Ali, A Short History of The Saracens, P-46-48.

29- Morgan, Kenneth W. Islam. The Straight path, P-299.

30- Ameer Ali, A Short History of The Saracens, P-49.

31- Karen Armstrong, Islam: A Short History, P-64.

32- طہ حسین، علی بنوہ، ص 38۔

33- Karen Armstrong, Islam: A Short History, P-64.

34- Ameer Ali, A Short History of The Saracens, P-52.

35- طہ حسین، علی بنوہ، ص 199۔

36- مجلسی، جلاء العیون، حصہ 1، ص 391۔

37- المسعودی، ابوالحسن علی بن الحسین بن علی، مروج الذهب ومعادن جوہر، دارالاندلس، بیروت، لبنان، 1965ء، جلد 3، ص 37۔

38- Karen Armstrong, Islam: A Short History, P-71.

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

38-A۔ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم و الملوک، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 2005ء، جلد 3،

ص 312-313

39۔ طبری، _____ ایضاً _____، جلد 4، ص 346۔

40۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح، تاریخ یعقوبی، مترجم۔ اختر فخری، نفس الکیڈمی، اردو بازار، کراچی،

1989ء، جلد 2، ص 517۔

41۔ المسعودی، مروج الذهب و معادن جوہر، جلد 3، ص 71۔

42۔ دیوان سے مراد ایپارچسٹ جس میں سرکاری وظائف اور تنخواہیں حاصل کرنے والے لوگوں کے مکمل کوائف کا اندارج ہوتا تھا۔
دیکھئے:

طہ حسین، ڈاکٹر، الہیخان، مترجم، شاہ حسن عطاء، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، سن ہند اردو، ص 172-173۔

43۔ مجلسی، جلاء العیون، حصہ 1، ص 386۔

44۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص 343۔

45۔ Morgan, Islam. The Straight path, p-317,

46. Ibid. P-321

47۔ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد الاندلسی، الملل والنحل، مترجم۔ عبداللہ الحمادی، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، سن ہند اردو،
جلد 2، ص 26۔

48۔ ایضاً، ص 142-143۔

49۔ اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 11، ص 900۔

50۔ سید رضی، نہج البلاغہ، ص 823۔

51۔ ایضاً، ص 824۔

52۔ القرآن، 6: 115۔

53۔ القرآن، 4: 40۔

54. Morgan, Islam. The Straight path, p-316-

55۔ اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 11، ص 900۔

56۔ الصدوق القمی، علل الشرائع، حصہ 1، ص 137۔

- 57- سید رضی، نہج البلاغہ، ص 266۔
- 58- الصدوق القمی، علل الشرائع، حصہ 1، ص 138۔
- 59- سید رضی، نہج البلاغہ، ص 266۔
- 60- القرآن، 4-3:53۔
- 61- الصدوق القمی، علل الشرائع، حصہ 1، ص 140۔
- 62- القرآن، 8:33۔
- 63- محمد شفیع مفتی، معارف القرآن، دارۃ المعارف، کراچی، 1993ء، جلد 4، ص 223۔
- 64- ”اعراف“ جنت اور دوزخ کے درمیان حائل ہونے والے حصار کے بالائی حصے کا نام ہے۔
 دیکھئے
- محمد شفیع، معارف القرآن، جلد 3، ص 567۔
- 65- اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 11، ص 903۔
- 66- الصدوق القمی، علل الشرائع، حصہ 1، ص 2۔
67. Morgan, Islam, The Straight path, p-319۔
- 68- سید رضی، نہج البلاغہ، ص 323۔
- 69- اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 11، ص 903۔
- 70- سید رضی، نہج البلاغہ، ص 277-278۔
- 71- اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 11، ص 902۔
- 72- ابو زہرہ، محمد، المذاهب الاسلامیہ، مترجم۔ غلام احمد حریری، ملک سنز پبلشرز، کارخانہ بازار، فیصل آباد، 2004ء، ص 63۔
 احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص 334۔
- O' Leary, De Lacy DD, The Arabic thought and its Place in History,
 Routledge and Kegan Paul Ltd., London, 1954, P-9
- 73- قدیر الدین، قاضی، اسلام میں فرقہ بندی کی ابتداء، دوست ایسوسی ایٹس، اردو بازار، لاہور، 1995ء، ص 57۔
- 74- ایضاً، ص 19۔
- 75- احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص 339-340۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- 76- ایضاً، ص 335-336۔
- 77- مجلسی، جلال العیون، حصہ 1، ص 280۔
- 78- سید رضی، نہج البلاغہ، ص 740-741۔
- 79- ایضاً، ص 740۔
- 80- ایضاً، ص 738۔
- 81- ایضاً، ص 351۔
- 82- الصدوق القمی، علل الشرائع، حصہ 1، ص 141۔
- 83- ایضاً، حصہ 2، ص 563۔
- 84- دمشق سے مدینہ کے راستے میں حمیمہ ایک گاؤں کا نام تھا۔
دیکھیے
- یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، جلد 2، ص 484۔
- 85- حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، مترجم - علیم اللہ صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1959ء، جلد 2، ص 27۔
- 86- ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین دمشقی، البدایہ والنہایہ، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1978ء، جلد 5، حصہ 10، ص 5۔
- 87- ابن طقطقی، محمد بن علی بن طباطبائی، الفخری فی الاداب السلطانیہ والدولۃ الاسلامیہ، مترجم - محمود علی خاں، ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی، انڈیا، 1969ء، ص 212-213۔
- 88- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 198۔
- 89- القرآن، 8: 75۔
- 90- المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجوهر، جلد 3، ص 236۔
- 91- ابن الاثیر، عزالدین ابوالحسن علی بن ابی الکریم محمد بن محمد عبد لکریم بن عبد الواحد الشیبانی، الکامل فی التاريخ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، 2003ء، جلد 5، ص 11۔
- 92- حسن ابراہیم حسن و علی ابراہیم حسن، انظوم الاسلامیہ - مترجم - علیم اللہ صدیقی، ندوۃ المصنفین، دہلی، انڈیا، 1947ء، ص 118۔
- 93- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 6، حصہ 11، ص 116۔
- 94- حسن ابراہیم حسن، انظوم الاسلامیہ، ص 119۔
- 95- قدیر الدین، اسلام میں فرقہ بندی کی ابتداء، ص 40۔

- 96- حسن امیر ایم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 31۔
- 97- حسن امیر ایم حسن، العظم الاسلامیہ، ص 70۔
- 98- ایضاً۔
- 99- ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 101۔
- 100- شہرستانی، محمد بن عبد الکریم بن ابی بکر احمد، کتاب الملل والنحل، مترجم۔ پروفیسر علی حسن صدیقی، قرقاس، کراچی یونیورسٹی، کراچی، 2007ء، ص 175۔
- 101- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 4، حصہ 7، ص 272۔
- 102- الدینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤد، الاخبار الطوال، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 1986ء، ص 352۔
- 103- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 4، ص 34۔
- 104- ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 101۔
- 105- الدینوری، الاخبار الطوال، ص 357۔
- 106- Ameer Ali, A Short History of The Saracens, p-51.
- 107- یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 308۔
- 108- ایضاً۔
- 109- ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 101-102۔
- 110- طہ حسین، علی ونبوہ، ص 92۔
- 111- Nicholson. A Reynold, A Literary History of the Arabs, The University Press, Cambridge, 1930, P-210.
- 112- Hogarth, D.G., A History of Arabia, Oxford University Press, England, 1922, P-74.
- 113- Ameer Ali, Syed, The Spirit of Islam, Islamic Book Service, Urdu Bazar, Lahore, 1969, P-297-298
- 114- الدینوری، الاخبار الطوال، ص 369۔
- 115- Hitti, Philp K, History of the Arabs, Macmillan Co. Ltd, London, 1961, p-182.

- 116 - ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 160۔
- 117 - بغدادی، عبد القاہر بن طاہر بن محمد، الفرق بین الفرق، مترجم۔ پروفیسر علی حسن صدیقی، قرطاس، کراچی یونیورسٹی، کراچی، 2005ء، ص 118۔
- 118- Karen Armstrong, Islam: A Short History, P-65.
- 119 - القرآن، 4: 100۔
- 120 - القرآن، 2: 207۔
- 121 - القرآن، 38: 26۔
- 122 - القرآن، 5: 44۔
- 123 - الدینوری، الاخبار الطوال، ص 374-375۔
- 124 - یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 312۔
- ابوزہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 104۔
- 125 - ابن خلدون، عبد الرحمن بن محمد بن محمد، کتاب العمر و دیوان المبتداء و النحر، دار ابن حزم، بیروت، لبنان 2003ء، جلد 1، ص 963۔
- 126 - ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 154-155۔
- 127 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 4، حصہ 7، ص 306-307۔
- 128 - طلحہ حسین، علی ونبوہ، ص 127۔
- 129 - السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن ابوبکر، تاریخ الخلفاء، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، بن نداد، ص 175۔
- 130 - الدینوری، الاخبار الطوال، ص 317-318۔
- 131 - ابوزہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 110۔
- 132 - بغدادی، الفرق بین الفرق، ص 116-117۔
- 133 - اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، جلد 21، ص 309۔
- 134 - القرآن، 44: 21۔
- 135 - احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص 357۔
- 136 - شہرستانی، کتاب الملل والنحل، ص 79۔

- 137۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص 357۔
- 138۔ ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 191۔
- 139۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص 357۔
- 140۔ القرآن، 7: 92۔
- 141۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص 358۔
- 142۔ شہرستانی، کتاب الملل والنحل، ص 83، 42۔
- 143۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص 358۔
- 144۔ ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 314۔
- 145۔ Hitti, History of the Arabs ,P-245.
- 146۔ شہرستانی، کتاب الملل والنحل، ص 84۔
- 147۔ المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجوہر، جلد 3، ص 222۔
- 148۔ D.O' Lary, Philosophy of Islam, Nafees Academy, Karachi, No Date, P- 78.
- 149۔ Ameer Ali, A Short History of The Saracens, P-276
- 150۔ ابن ابی الحدید، الشریف الرضی محمد بن ابی احمد الحسین، شرح نہج البلاغۃ، القاہرہ، 1329ھ، جلد 3، ص 138-139۔
- 151۔ حسن امین، حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 315۔
- 152۔ ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 215-216۔
- 153۔ ایضاً _____ ص 216۔
- 154۔ ایضاً _____
- 155۔ D.O' Lary, Philosophy of Islam, p- 79.
- 156۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص 359۔
- 157۔ ایضاً، ص 365۔
- 158۔ ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 225۔
- 159۔ احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص 369۔
- 160۔ Hitti, History of the Arabs ,P-245.
-

- 161۔ حسن امین حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 317۔
162. Karen Armstrong, Islam: A Short History, P-86.
- 163۔ ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 256۔
- 164۔ Karen Armstrong, Islam: A Short History, P-89.
- 165۔ حسن امین حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 318۔
- 166۔ القرآن، 3: 43۔
- 167۔ حسن امین حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 320۔
- 168۔ جلال اللہ، زہدی حسن، تاریخ معتزلہ، مترجم۔ رئیس احمد جعفری، سعید ایچ۔ ایم۔ کمپنی، کراچی، 1969، ص 330۔
- 169۔ ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 259۔
- 170۔ ایضاً، ص 457۔
- 171۔ ایضاً، ص 259-260۔
- 172۔ حسن امین حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 320-321۔
- 173۔ جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 334۔
- ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 257۔
- 174۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 205-206۔
- 175۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 335۔
- 176۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 757۔
- 177۔ القرآن، 11: 42۔
- 178۔ ابن حزم، الملل والنحل، جلد 3، ص 212۔
- 179۔ ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 217-218۔
- 180۔ جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 174۔
- 181۔ القرآن، 22: 75۔
- 182۔ القرآن، 7: 143۔
- 183۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورہ، جامع ترمذی، دار السلام، ریاض، بن نداری، باب ماجاء فی رؤیۃ الرب، ص 580، حدیث 2554۔
-

184- Ameer Ali, A Short History of The Saracens, P-276-

185- المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهري، جلد 3، ص 221-222-

186- شہرستانی، کتاب الملل والنحل، ص 80-

187- احمد امین مصری، فجر الاسلام، ص 371-

188- ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 221-

189- بغدادی، الفرق بین الفرق، ص 170-

190- المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهري، جلد 3، ص 222-

ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 221

191- شہرستانی، کتاب الملل والنحل، ص 80-

192- بغدادی، الفرق بین الفرق، ص 165-

193- ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 256-

194- حادثہ ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو پہلے سے موجود نہ ہو۔

دیکھئے:

حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، لیبی، جلد 2، ص 319-

شہرستانی، کتاب الملل والنحل، ص 80-

195. Karen Armstrong, Islam: A Short History, P-90.

196- عرض سے مراد وہ چیز ہے جو کسی سبب سے پیدا ہو جیسا کہ سرکارِ دہلی بلڈ پریشر کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے یا رنگ کپڑے کی وجہ سے

ہوتا ہے اس میں کپڑا عرض ہے اور رنگ جوہر، کیونکہ رنگ کپڑے کی وجہ سے وجود میں آتا ہے۔

دیکھئے

رضوی، تصدیق حسین، لغات کشوری، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، سن 1407ھ، ص 317-

197- القرآن 43: 3

198- حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، لیبی، جلد 2، ص 320-

199- بغدادی، الفرق بین الفرق، ص 165-

200- ابن حزم، الملل والنحل، جلد 3، ص 208-

- 201۔ شہرستانی، کتاب السملل والنخل، ص 80۔
- 202۔ بغدادی، الفرق بین الفرق، ص 165۔
- 203۔ دُرود اگر اللہ کی طرف سے ہو تو اس سے مراد رحمت ہے اگر فرشتوں کی طرف سے ہو تو یہ استغفار اور اگر مومنوں کی طرف سے ہو تو یہ دعا ہے اور اگر جانوروں اور پرندوں کی طرف سے ہو تو اس سے مراد تسبیح ہوتی ہے۔
دیکھئے:
- رضوی، لغات کشوری، ص 188۔
- 204۔ شہرستانی، کتاب السملل والنخل، ص 81۔
- 205۔ القرآن، 8: 42۔
- 206۔ شہرستانی، کتاب السملل والنخل، ص 81۔
- 207۔ القرآن، 2: 286۔
- 208۔ القرآن، 37: 96۔
- 209۔ القرآن، 5: 17۔
- 210۔ القرآن، 75: 22-23۔
- 211۔ القرآن، 4: 48۔
- 212۔ القرآن، 2: 143۔
- 213۔ حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام، السیاسی، جلد 2، ص 1۔
- 214۔ القرآن، 48: 14۔
- 215۔ القرآن، 3: 135۔
- 216۔ القرآن، 66: 8۔
- 217۔ القرآن، 49: 9۔
- 218۔ بخاری، محمد بن اسمعیل، صحیح بخاری، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، 1961، کتاب المناقب، باب حسن و حسینؑ، جلد 1، ص 530۔
- 219۔ بغدادی، الفرق بین الفرق، ص 541-542، 545۔

221. D.O' Lary, Philosophy of Islam, P-186.

222۔ بخاری، صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبیؐ، ص 755، حدیث 4443-4444۔

223۔ القرآن، 6: 108۔

224۔ محمد شفیع، معارف القرآن، جلد 3، ص 433۔

باب پنجم

خلفاء بنو عباس کے مذہبی رجحانات

(پہلا حصہ)

فصل اول:-

ابوالعباس السفاح

- ۱- سنت رسول کی اتباع میں ابوالعباس کا کھڑے ہو کر خطبہ دینا۔
- ۲- حب رسول کی آڑ میں السفاح کا سیاہ لباس کو عباسیوں کا قومی شعار قرار دینا۔
- ۳- اس کا توکل علی اللہ کرتے ہوئے اپنی تمام تر کامیابیوں کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنا۔
- ۴- السفاح کا سختی ہونے کے ساتھ ساتھ وعدہ پورا کیے بغیر مجلس برخواست نہ کرنا۔
- ۵- اس کا دیگر عباسی خلفاء کی طرح علویوں سے شکی رہنا اور اسی شک کی بناء پر ابوسلمۃ الخلال جیسے داعی کو موت کے گھاٹ اتارنا۔
- ۶- انتقام میں تمام تر اخلاقیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس نے امویوں کو چن چن کر قتل کروایا، انتہائی تھی کہ اس نے اموی خلفاء کی قبروں کو اکھڑا کر ان کی لعلوں کا جلا دیا۔

فصل دوم:-

ابوجعفر منصور

- ۱- ابوجعفر منصور کا حرمین میں توسیع کرنا اور دوسرے بیت المقدس کی زیارت کو جانا۔
- ۲- اس کا شراب و شباب، فضول خرچی اور لہو لعب سے متنفر ہونا۔
- ۳- ابوجعفر منصور کا روا فض اور ملحدوں سے نفرت کرتے ہوئے خوارج، سبنا ذاور راوندیہ کی بچ کٹی کرنا۔
- ۴- خطیر رقم خرچ کر کے رومی قید سے مسلمانوں کی رہائی عمل میں لانا۔
- ۵- حضرت عمر فاروقؓ کی تقلید میں عمال کا سخت محاسبہ کرنا اور بدعنوان عمال کے کاٹے ٹے ضبط کرنا۔
- ۶- اس کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ اکثر پیوند لگے کپڑے پہنتا۔
- ۷- اس کے بھل کی وجہ سے لوگوں کا اسے ”ابوالدوانیق“ کے نام سے پکارنا۔
- ۸- ہوس اقتدار میں اس نے نفس زکیہ اور علویوں کو موت کے گھاٹ اتارنے سے بھی دریغ نہ کیا۔
- ۹- اس نے نفس زکیہ کی حمایت کے جرم میں مکہ و مدینہ کو مصر سے غلے کی فراہمی رکوا دی نیز حسن و حسینؑ کی اولاد کی تمام املاک کو ضبط کر لیا۔
- ۱۰- ابوجعفر منصور نے اپنے چچا عبداللہ بن علی اور ابو مسلم خراسانی کے احسان کا بدلہ ان کی موت کی صورت میں دیا۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

۱۱۔ ضعیف الاعتقاد ہونے کی وجہ سے نجومیوں کے مشورے کے بغیر کوئی کام بھی نہ کرتا۔

فصل سوم:۔ مہدی بن ابو جعفر منصور

۱۔ مہدی زیادہ دین دار اور مظلوموں کی دادرسی کرنے والا خلیفہ تھا۔

۲۔ اس نے استازیس (مدعی نبوت) کے فتنے کو فرو کیا اور اس معرکے میں بہتر ہزار مسلمان قہرہ اجل بن گئے۔

۳۔ اس کا زندگیوں کے خاتمے کے ساتھ ساتھ ان کے عقائد کے رد میں علمائے حق سے کتب تحریر کروانا۔

۴۔ مہدی کا خوارج کے قلع قمع کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھنا۔

۵۔ مسجد الحرام کی توسیع اس کا اہم کارنامہ تھا۔

۶۔ مساجد میں مقصوروں کو ختم کروانا اور منبروں کو عہد رسالت جتنا اونچا رکھنا۔

۷۔ اس کا ابو جعفر منصور کے عہد میں ضبط کیا ہوا تمام مال و اسباب اُن کے مالکوں کو لوٹانا۔

۸۔ اس نے مصر سے اہل حجاز کو دوبارہ غلہ کی فراہمی شروع کر دی۔

۹۔ مہدی کا حج کے موقع پر مکہ و مدینہ کے لوگوں پر تیس کروڑ درہم اور چالیس ہزار دینار خرچ کرنا۔

۱۰۔ حج سے واپسی پر اس کا پانچ سوانصاری نوجوانوں کو اپنی حفاظت کے لیے بغداد لانا۔

۱۱۔ رومیوں سے سرحدی مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ”الحمد ش“ نامی سرحد کا بنوانا۔

۱۲۔ اس کا بے سہارا قیدیوں اور کوڑھیوں کے لیے وضائف مقرر کرنا۔

۱۳۔ سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر چھوٹی احادیث وضع کرنے والوں کی سرزنش کی بجائے اُن کو انعام و اکرام سے نوازنا۔

۱۴۔ مہدی کا آخری عمر میں امور سلطنت سے بے نیاز ہو کر ستارا اور بانسری میں مشغول رہنا۔

فصل چہارم:۔ ہادی بن مہدی

۱۔ قریش کو گالیاں دینے کے جرم میں ہادی کا ایک شخص کو موت کے گھاٹ اتارنا۔

۲۔ اپنے اسلاف کی طرح اسے بھی ملحدوں اور زندیقوں سے نفرت تھی۔

۳۔ یہ بامروت ہونے کی وجہ سے ناگوار بات پر بھی اظہارِ ناپسندیدگی نہ کرتا۔

۴۔ اپنے آباؤ اجداد کی طرح ہمیشہ علویوں سے شاکہ اور ان کا دشمن رہا۔

۵۔ دین دار ہونے کے باوجود ماں کے ساتھ گستاخی کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتا۔

۶۔ ہارون الرشید کو ولی عہدی سے معزول کرنے کے لیے اس نے اخلاق و قوانین کو پامال کرنے میں کوئی

کسر اٹھانہ رکھی۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- ۷۔ اس کی فضول خرچی کا یہ عالم تھا کہ ایک شاعر کو اس نے سات لاکھ درہم انعام دے دیا۔
- ۸۔ ہادی اپنے ندیموں کے ساتھ ہر وقت شراب و شباب میں مشغول رہنے کی وجہ سے امور سلطنت سے بے نیاز رہتا۔
- فصل پنجم:- ہارون الرشید بن مہدی
- ۱۔ ہارون الرشید کے دل میں خشیت الہی کے جذبات بد بجا اتم موجود تھے۔
- ۲۔ اہل حجاز کی محبت میں اس نے حج کے موقع پر ایک کروڑ پچاس لاکھ درہم خرچ کر ڈالے۔
- ۳۔ حج پر جانا اس کا معمول تھا جس سال یہ خود حج نہ کرتا تو تین سو علماء و فقہاء کو اپنے خرچ پر حج کے لیے بھجواتا۔
- ۴۔ مکہ و مدینہ میں پانی کی قلت کو محسوس کرتے ہوئے اس نے نہر زبیدہ کھدوائی۔
- ۵۔ ایک ہزار چھوٹی احادیث وضع کرنے والے کو اس نے عبرت ناک موت سے دوچار کیا۔
- ۶۔ امام ابو یوسف سے شرعی مسئلہ پوچھنے پر اس نے خوش ہو کر انہیں ایک لاکھ درہم انعام دیا۔
- ۷۔ خطیر رقم خرچ کر کے اس نے بہت سے مسلمانوں کو رومی قید سے رہائی دلوائی۔
- ۸۔ اس نے خلافت سنبھالتے ہی مذہبی مناظروں اور مباحثوں پر پابندی عائد کر دی۔
- ۹۔ معتزلہ کے بارے میں اس کا قول تھا کہ ان کا قتل میرے لیے قرب الہی کا باعث ہوگا۔
- ۱۰۔ اس نے رفاہ عامہ کے لیے بے شمار سڑکیں، پل، مساجد، مدارس، شفا خانے اور سرائیں تعمیر کروائیں۔
- ۱۱۔ یہ حضرت عمر فاروقؓ کی تقلید میں مظلوموں کی داد رسی کے لیے راتوں کو بغداد کی گلیوں میں گشت کرتا۔
- ۱۲۔ اپنے اسلاف کے برعکس اسے علویوں سے غیر معمولی عقیدت و محبت تھی۔
- ۱۳۔ رومیوں کی مسلم دشمنی کے رد عمل میں اس نے عیسائیوں کے خلاف سخت قوانین بنائے۔
- ۱۴۔ ہارون الرشید اپنی خواہشات کی تکمیل میں بعض اوقات احکام شریعت کو بھی پس پشت ڈال دیتا۔
- ۱۵۔ یہ گانے بجانے والوں کو بے شمار مال و دولت سے نوازتا جس کا کوئی شرعی یا قانونی جواز نہ تھا۔
- ۱۶۔ کتے، گھوڑے اور بازا پالنے میں یہ غیر معمولی دلچسپی لیتا۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ابوالعباس السفاح

(132ھ/136ھ 749ء تا 753ء)

اس کا نام عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب اس کی کنیت ابوالعباس اور لقب السفاح تھا۔ اس سے پہلے اس کا خطاب المہدی تھا۔ ابوالعباس السفاح کو عباسی خلفاء میں یہ فوقیت حاصل تھی کہ یہ نجیب الطرفین ہاشمی تھا اسی وجہ سے ابو جعفر منصور سے چھوٹا ہونے کے باوجود اسے ابو جعفر پر فوقیت دی گئی¹۔ اپنے نام کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے پہلے خطبہ میں اس نے کہا:

”میں سفاح بڑی خوزری کرنے والا² اور بڑا ہی فیاض ہوں۔ میں جتنا نرم دل ہوں اتنا ہی سگدل بھی ہوں اس لیے جو شخص بھی میرے راستے میں حائل ہو گا میں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں گا“³۔

عباسی خلفاء مذہبی عقیدت کے اظہار کے لیے اپنی تخت نشینی کے موقعوں پر حضور اکرم ﷺ کی ردا اور ڈھ لیتے تھے جیسا کہ نبی ﷺ کا معمول تھا۔ اس موقع پر خلفاء کی سرپرستی کا اظہار کے لیے علماء شریعت اور فقہاء کی کثیر تعداد بھی وہاں موجود ہوتی اور عباسی خلفاء اہم معاملات میں ان سے مشاورت بھی کرتے⁴۔

ابوالعباس السفاح کو سنت رسول کا بڑا پاس تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے اموی خلفاء کے برعکس اپنا پہلا خطبہ کوفہ کی جامع مسجد میں کھڑے ہو کر دیا۔ خلیفہ کے اس عمل کو لوگوں نے بڑا سراہا اور کہنے لگے ”نئے عباسی خلیفہ نے اپنے ابن عم (حضور اکرم ﷺ) کے طریقہ کو زندہ کیا“⁵۔ السفاح اپنی حکومت و سلطنت اور فتح و کامرانی کو عطیہ خداوندی اور اللہ کا مرہون منت ہی گردانتا تھا اس کا اندازہ اس کے پہلے خطبے سے لگایا جاسکتا ہے جس کا آغاز اس نے اللہ کی حمد و ثناء اور رسول ﷺ خدا پرورد و بھیجنے سے کیا۔ اس نے کہا کہ:

”اس اللہ کا شکر ہے جس نے اس دین کو ہمارے لیے پسند کیا، ہمیں اس کا اہل، جائے پناہ،

حصن، اس کا قائم و مدافعت کرنے والا اور ناصر بنایا اس لیے ہم پر لازم ہے کہ ہم اس کے

تقویٰ کی تبلیغ کرتے رہیں، کیونکہ اس نے ہمیں مخصوص کیا، ان کے اجداد سے ہمیں پیدا کیا،

انہی کے خاندان میں ہمیں خلق کیا اور خود ان کو ہمارے خاندان میں معیشت فرمایا۔ اللہ تعالیٰ

نے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے ہمارا مرتبہ بلند کیا“⁶۔ تمہارے اس منبر پر حضور

اکرم ﷺ کے بعد امیر المومنین حضرت علیؓ اور امیر المومنین عبداللہ بن محمد (ابوالعباس السفاح

ح) کے سوا کوئی نہیں چڑھا۔ جان لو کہ یہ امر ہم میں سے نکلنے والا نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ہم اس کو

خود عیسیٰ بن مریم کے سپرد کر دیں گے“⁷۔

بقول ہٹی کے عباسیوں نے شروع سے ہی لوگوں کے دلوں میں یہ خیال جا گیز کرنا شروع کر دیا تھا کہ حکومت کی باگ ڈور

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

صبح موعود کے ظہور تک عباسیوں کے ہاتھوں میں رہے گی اور حضرت عیسیٰ کی آمد پر عباسی خودیہ امانت ان کے سپرد کر دیں گے⁸۔

ابو العباس السفاح نے سنت نبوی کی اتباع میں ہی سیاہ لباس کو عباسیوں کا قومی شعار قرار دیا، عباسی خلفاء سیاہ لباس کو توجیح میں دو واقعات بیان کرتے ہیں ان کے نزدیک اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے سیاہ رنگ کا عمامہ باندھا تھا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک دفعہ جبرائیل نے حضرت عبداللہ بن عباس کو دیکھ کر کہا تھا ”عنقریب اس کی اولاد سیاہ لباس پہنے گی“⁹۔ ابو العباس السفاح اپنی خلافت کی دلیل میں اکثر حضور اکرم ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کرتا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

يُخْرَجُ عِنْدَ انْقِطَاعِ مِنَ الزَّمَانِ وَ ظُهُورِ مِنَ الْفِتَنِ رَجُلٌ يَقَالُ لَهُ السَّفَاحُ، فَيَكُونُ اعْطَاؤُهُ الْمَالَ حُشْيًا¹⁰۔

”اٹھ طاع زمانہ اور ظہور فتن کے وقت ایک شخص ظاہر ہوگا جسے السفاح کہا جائے گا اور وہ لوگوں کو ٹھپیاں بھر بھر کر مال دے گا۔“

ابو العباس السفاح تو کل علی اللہ کرتے ہوئے اپنے ہر کام کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اسی لیے اس نے اپنی اٹھوٹھی پر یہ عبارت نقش کروائی۔

”اللہ ثقة عبد اللہ وبہ یومن“¹¹

”اللہ پر ہی عبد اللہ کا بھروسہ ہے اور وہ اس پر ایمان لاتا ہے“

السفاح تو کل علی اللہ کے ساتھ ساتھ اپنی تمام تر کامیابیوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی تعریف پر ہی محمول کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کو جب ایک ہی دن میں سندھ اور افریقہ کی فتوحات کی خوشخبری سنائی گئی تو اس کی زبان سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے۔ ”سبحان اللہ! اس (اللہ) کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے“¹²۔ اس کے بعد وہ اپنی موت کو یاد کرنے لگا۔

وہ مہمات میں کامیابیوں کو بھی اپنی عقل و دانش کا مرہون منت نہ سمجھتا بلکہ اللہ تعالیٰ اسے جتنی بڑی کامیابی سے ہم کنار کرتا وہ اس پر اتنا ہی عاجزی و انکساری کا اظہار کرتا۔ جب آخری اموی خلیفہ مروان بن محمد کے قتل کے بعد اس کا سر ابو العباس السفاح کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ اس پر غرور و تکبر کے بجائے ایک طویل سجدہ شکر بجا لایا¹³۔ پھر کہا:

والحمد لله الذي اظفرني بك و اظهرني عليك¹⁴۔

”اس خدا کا شکر ہے جس نے مجھے تجھ پر کامیابی دی اور غالب کیا۔“

اس کے بعد اس نے وہاں پر موجود لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا تم میں سے کوئی مروان بن محمد کو پہچانتا ہے؟ اس پر جعدہ¹⁵

بن ہبیرہ نے کہا ”ہاں میں جانتا ہوں یہ مروان بن محمد کا سر ہے جو کل تک ہمارا خلیفہ تھا“۔ جعدہ بن ہبیرہ کے اس جملے پر السفاح نے اسے گھورا اور اضطراب کی حالت میں وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔ جعدہ بن ہبیرہ کے بقول اب مجھے یہ یقین ہو گیا تھا کہ عنقریب مجھے موت کا بلاوا آئے گا اور یہ سوچ کر میں اپنے اہل خانہ کو نصیحتیں کرنے لگا، یہاں تک صبح ہو گئی، صبح ہوتے ہی میں بنی زہرہ کے غلام سلیمان بن خالد کے ہاں گیا جسے دربار خلیفہ میں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی اس سے میں نے گزشتہ واقعات پر خلیفہ کے رد عمل کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے جواب

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

دیا کہ خلیفہ کہتا تھا ”وہ (جعدہ بن ہمرہ) ہمارا بھانجا ہے اور وہ اپنے آقا کا بڑا وفادار ہے اگر ہم بھی اس کے ساتھ احسان کریں گے تو وہ ہمارا بھی شکر گزار ہوگا“¹⁶۔

مندرجہ بالا واقعے سے السفاح کی حقیقت پسندی اور قوت برداشت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ صولی کا بیان ہے کہ ”ابو العباس السفاح بڑا سخی سردار تھا وہ جب کسی سے وعدہ کر لیتا تو اسے پورا کیے بغیر مجلس برخاست نہ کرتا تھا“¹⁷۔ یہ علویوں سے ہمیشہ شامی رہا۔ تاہم اپنی سخاوت سے یہ انہیں بھی محروم نہ کرتا تھا۔ ایک دفعہ ابو الحسن علوی نے السفاح سے کہا کہ میں نے ایک لاکھ درہم کا صرف نام سنا ہے لیکن بد قسمتی سے مجھے آج تک دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اس پر السفاح نے ایک لاکھ درہم منگو کر اس کے سامنے رکھ دیئے، جب یہ علوی وہاں سے رخصت ہو گیا تو اس نے وہ درہم اس کے گھر بھجوا دیئے¹⁸۔

السفاح کو غیر شرعی کاموں سے سخت نفرت تھی اس لیے اس نے خوارج کی بیخ کنی کے لیے خازم بن خزیمہ کو خوارج کے فرقہ صفریہ کی طرف روانہ کیا، فریقین میں بڑا خونریز معرکہ ہوا، جس میں خوارج کے دس ہزار افراد لقمہ اجل بن گئے، اس معرکہ میں اس فرقے کا سردار امیر الجندی بھی مارا گیا۔ جلندی کے قتل کے بعد خازم بن خزیمہ نے اس کا سر السفاح کے پاس بصرہ روانہ کر دیا¹⁹۔ یہ وہ لوگ تھے جو دوسروں کو خارجی مذہب کی طرف دعوت دیتے اور انکار کرنے کی صورت میں لوگوں کا قتل عام کرتے تھے۔ خوارج کے قتل ہونے سے عمان کے رہنے والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور وہ السفاح کو دعائیں دینے لگے۔

اکثر مؤرخین ابو العباس السفاح کا ذکر اگرچہ بڑے ظالم حکمران کی حیثیت سے کرتے ہیں تاہم اس کی شخصیت میں خدا خوفی کا عنصر بھی نمایاں تھا اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا حسین و جمیل اور جاذب نظر شخصیت کا مالک تھا ایک دن وہ آئینہ دیکھتے ہوئے اپنے آپ سے یوں مخاطب ہوا۔ ”اے اللہ! میں سلیمان بن عبد الملک کی طرح یہ نہیں کہتا کہ میں نوجوان خلیفہ ہوں بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ اے اللہ! مجھے اطاعت اور عافیت سے شاد کام کر کے طویل عمر دے“²⁰۔ ابھی السفاح اپنے آپ سے اس قسم کی باتیں کر ہی رہا تھا کہ اس نے ایک غلام کو دوسرے غلام سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ تیرے اور میرے درمیان صرف دو ماہ پانچ دن کی مدت ہے یہ سنتے ہی السفاح ڈر گیا اور وہ اسے برا شگون گمان کرنے لگا، اس موقع پر اس نے کہا

²¹
حسبی اللہ ولا قوۃ الا باللہ علیہ کل توکلت و بک استعین۔

”اللہ ہی میرے لیے کافی ہے اس کے سوا کوئی قوت نہیں اے اللہ میں نے تجھ پر توکل کیا اور تجھ سے ہی مدد مانگتا ہوں۔“

ابو العباس السفاح کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شریف، باوقار، انتہائی غیرت مند اور اچھے اخلاق کا مجسمہ تھا۔ ادب اور موسیقی کے فن سے خصوصی شغف رکھتا تھا۔ شعراء اور فن موسیقی کے ماہرین کو انعام و اکرام سے نوازتا۔ وہ ان کے انعام و اکرام کے بارے میں کہتا تھا۔ ”یہ بات بڑی نامناسب ہے کہ فرحت و استنباط تو ہم اس وقت حاصل کریں اور معاوضہ دوسرے وقت پر اٹھا رکھیں۔“ السفاح عام طور پر پردے کے پیچھے سے موسیقی سنتا تھا اور مغنیوں کو صرف ”بہت خوب“ کہہ کر داد دیتا تھا اگر اسے کوئی اشعار زیادہ پسند آ جاتے

تو کہتا 'اسے دوبارہ دہراؤ'۔ اس کے بارے میں مشہور ہے

کہ اس کے پاس سے کبھی کوئی مطرب (ڈھول بجانے والا) اور ندیم خالی ہاتھ نہ گیا۔²²

ابوالعباس السفاح دوسرے عباسی خلفاء کے برعکس ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرنے اور بہت زیادہ لونڈیوں سے تمتع کرنے کو حرام سمجھتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے زندگی میں صرف ایک ہی بیوی ام سلمہ بنت یعقوب سے شادی کی۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے حلف اٹھایا تھا کہ وہ نہ دوسری شادی کرے گا اور نہ ہی لونڈیوں سے لطف اندوز ہوگا۔²³

ابوالعباس السفاح کے درج ذیل اقوال بڑے مشہور ہیں:

----- اس کا کہنا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ کمینہ وہ شخص ہے جو کھل کو پختہ کاری تصور کرے اور کمزور ترین انسان وہ ہے جو علم کو ذلت سے تعبیر کرے۔²⁴

----- اس کے نزدیک جب حلم و بردباری اپنی ذات اور اپنے مفاد کے لیے وجہ ضرر ہو تو اس وقت غنوغفل کا مظاہرہ معجزہ سے کم نہیں ہوتا۔
 ----- السفاح کے بقول صبر و ضبط اس وقت تک اچھا ہوتا ہے جب تک کہ دین و ملت اور اقتدار و دبدبہ کو اس سے ٹھیس نہ پہنچے۔ اسی طرح شرافت بھی اس وقت تک اچھی ہے جب تک کہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کا اندیشہ موجود نہ ہو۔²⁵

----- ابوالعباس السفاح کے بقول "مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو ایسے طریقوں سے گریز کرتے ہیں۔ جن سے علم و فضل بڑھتا ہے اور ایسے مشغلے اختیار کرتے ہیں جن سے جہل و نادانی میں اضافہ ہوتا ہے"۔²⁶

مندرجہ بالا اوصاف کے باوجود ابوالعباس السفاح اقتدار کے معاملے میں بڑا حریص تھا اس لیے وہ دیگر عباسی خلفاء کی طرح ہمیشہ ہی علویوں سے خوفزدہ رہا یہ اکثر کہا کرتا تھا کہ "اب جب کہ ہم نے اتنی قربانیوں کے بعد اقتدار حاصل کر ہی لیا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ علوی بھی اس میں سے اپنا حق مانگنے لگیں"، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بیعت السفاح کے بعد عبداللہ بن حسن علوی نے خلیفہ اول سے اقتدار میں اپنے حصے کا مطالبہ کر دیا، جو کہ السفاح پر بڑا ناگوار گزرا اور اس نے کہا:

"حضرت علیؓ بن ابی طالب جو مجھ سے زیادہ بہتر اور عادل تھے جب وہ خلیفہ بنے تو انہوں نے

تمہارے دادا حضرت حسنؓ و حسینؓ کو وہ کچھ دے دیا جو ان کا حق تھا اور میں نے بھی تجھے وہ کچھ دے

دیا ہے جو تمہارے حق سے کہیں زیادہ ہے"۔²⁷

یہی وجہ تھی کہ اس خلافتی استحقاق کی ذرا سی بھی مخالفت یا تردید خلیفہ کے جذبہ انتقام کو برانگیختہ کرنے کا جواز بن جاتی، اسی بدگمانی کے پیش نظر اس نے ابو مسلمۃ الخلال اور سلیمان بن کثیر کو مروا ڈالا، حالانکہ ان دونوں نے عباسی تحریک کو اپنا خون دیکر سیسہ چھڑا تھا لیکن حاسدین نے یہ بات خلیفہ کے ذہن میں ڈال دی کہ یہ دونوں حضرات خلافت کو عباسیوں سے علویوں میں منتقل کرنے کے خواہشمند ہیں۔ یہی بدگمانی ان دونوں کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔²⁸ کسی قاتل کروانے کے لیے اس کے لیے یہ بات ہی کافی تھی کہ اس کا تعلق علویوں سے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ہے، اس طرح السفاح کی کوفیوں سے نفرت کی اصل وجہ بھی یہی تھی کہ یہاں پر علویوں کے حامیوں کی کثرت تھی اس لیے اسے یہ گمان ہوا کہ وہ یہاں پر محفوظ نہ رہ سکے گا اسی خدشے کے پیش نظر اس نے انبار کے مقام پر ہاشمیہ کے نام سے اپنے لیے ایک شاندار محل تعمیر کروایا۔²⁹

ابوالعباس السفاح اس حد تک منتقم مزاج تھا کہ اس نے زندہ امویوں کے ساتھ ساتھ مرنے والوں کو بھی معاف نہ کیا، اس کے حکم سے اموی خلفاء کی قبریں اکھاڑی گئیں، چنانچہ حضرت امیر معاویہؓ کی قبر سے غبار جیسے دھاگے کے سوا کچھ نہ ملا۔ یزید بن معاویہ بن ابوسفیانؓ کی قبر میں راکھ جیسے برارہ کے علاوہ کچھ نہ پایا البتہ عبدالملک بن مروان کی قبر سے ہڈیوں کا ڈھانچہ ملا جب کہ ہشام بن عبدالملک کا پورا جسم نکال لیا گیا پھر اس کی نعش کو کوڑوں سے مارا گیا، بعد میں اسے صلیب دے کر اس کی نعش کو جلا دیا گیا پھر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی۔ اموی خلفاء کی اولادوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ اس خاندان میں صرف ایک بچہ عبدالرحمن ہی بچ سکا جو کسی نہ کسی طرح بھاگ کر اندلس چلا گیا، اس نے اپنی ظلم و بربریت کو صرف اموی خلفاء اور ان کی اولاد تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ جو اموی بھی انہیں ملا اسے نشانہ ستم بنایا گیا۔³⁰ اس کی بیوی ام سلمہ بنت یعقوب جو اموی تھی اور جسے السفاح پر زور و اقتدار بھی حاصل تھا وہ بھی امویوں کی جان بخشی کے لیے اپنا کوئی موثر کردار ادا نہ کر سکی۔³¹ ابوالعباس السفاح جس نے اپنے لیے السفاح کا نام خود پسند کیا، عباسیوں کے لیے برا شگون ثابت ہوا کیونکہ انہیں گزشتہ حکمران خاندان (امویوں) کی نسبت حکومت چلانے کے لیے زیادہ جبر و تشدد کا سہارا لینا پڑا۔ اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ خلیفہ کے دربار میں لوگوں کے قتل کے لیے چڑے کا فرش بچھایا گیا۔ جس پر جلاوا پناخونی فرض سرانجام دیتا تھا، اس کا مقصد یہ تھا کہ مقتول کے ناپاک خون سے دربار شاہی آلودہ نہ ہو۔ بعد میں یہی چیز تخت شاہی کا جزو لاینفک بن گئی۔³² تاہم اس تمام دنیا داری کے باوجود السفاح کی شخصیت میں خوف کا عنصر بھی موجود تھا اس لیے مرتے وقت اس کی زبان پر ”الملک لله النہی القیوم، ملک الملوک وجبار الجبابرہ“³³ کے الفاظ تھے۔ یعنی ”بادشاہت جی وقیوم خدا کے لیے ہے وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور سرکشوں کو درست کرنے والا ہے۔“

ابوالعباس السفاح کی اس بدسلوکی اور سفاحی کے جلد ہی نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے ملک کے مختلف حصوں میں لوگوں کے خیالات معزول خاندان کے ساتھ ہمدردی میں بدل گئے اور امویوں کے باقی ماندہ لوگوں نے دمشق، حمص، قینسیرین اور فلسطین میں السفاح کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، یہ لوگ احتجاجاً واڑھی منڈواتے اور عباسی خلفاء کی اطاعت کے حلف سے انکار کرتے۔³⁴ حکومتوں کی تبدیلی سے مذہبی احوال میں جو تبدیلی رونما ہوئی اس پر مشہور مورخ ہنری اس طرح رقمطراز ہے۔

”حکمرانوں کے بدلنے سے دینی معاملات میں جو فرق پڑا وہ اصلی نہیں بلکہ نمائشی تھا بغداد کا عباسی خلیفہ اپنے اموی پیش رو کے برعکس دین داری کا لبادہ ضرور اوڑھے رہتا اور بظاہر بڑی مذہبیت جتنا لیکن عباسی خلفاء گزشتہ حکمرانوں سے کچھ کم دینا دار ثابت نہ ہوئے۔ اموی اور عباسی خلافت میں اگر کوئی فرق تھا تو صرف یہ کہ وہ خالصتاً عربی سلطنت تھی جبکہ موجودہ حکومت (عباسی خلافت) نو مسلموں کی سلطنت تھی۔ جس کے مختلف اجزاء میں عرب صرف ایک جزو ترکیبی کا درجہ رکھتے تھے“³⁵

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ابو جعفر منصور

(136ھ/158ھ/753 تا 774ء)

اس کا نام عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، کنیت ابو جعفر اور اس کا لقب المنصور تھا۔ اس کی ماں کا نام سلامہ بنت بشر تھا جس کا تعلق قوم برم سے تھا اور وہ لونڈی تھی۔ ابو جعفر منصور کو مقامات مقدسہ سے بڑی عقیدت تھی جب یہ حج کی ادائیگی کے لیے گیا تو اس سے لوگوں نے بیت اللہ کی تنگی کی شکایت کی۔ اس نے گورنر مکہ کو فوری طور پر حکم دیا کہ حرم کے نزدیک جتنے بھی گھر ہیں انہیں منہ مانگے دام دیکر خرید لو، چنانچہ 139ھ/756ء میں بیت اللہ کے گرد و نواح میں مکانات کو خرید کر بیت اللہ کے صحن میں دو گنا اضافہ کر دیا گیا۔³⁶ اسی طرح منیٰ میں ابو جعفر منصور کے حکم سے مسجد الحذیفہ تعمیر کی گئی، اس سے پہلے یہاں پر مسجد موجود نہ تھی۔³⁷ خلیفہ ابو جعفر منصور کو قبلہ اول دیکھنے کا بڑا شوق و تجسس تھا اس مقصد کے لیے اس نے بیت المقدس کی دوفہ زیارت کی۔³⁸

142ھ/759ء میں لوگوں کے مطالبے پر ابو جعفر منصور کے حکم سے بصرہ میں عید گاہ کی تعمیر مکمل ہوئی، اس سے پہلے یہاں پر عید گاہ موجود نہ تھی اس سال منصور نے یہیں پر رمضان کے روزے رکھے اور پھر اسی عید گاہ میں اس نے لوگوں کو عید کی نماز پڑھائی۔³⁹

ابو جعفر منصور کا دین سے رغبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قصر الذہب کے بالکل درمیان میں مسجد کو تعمیر کیا گیا اور اس کی تعمیر بھی سب سے پہلے مکمل ہوئی، اسی طرح قصر صافہ میں بھی مسجد کو سب سے پہلے تعمیر کیا گیا اس کے بعد شہر کی دیگر مسجدیں تعمیر ہوئیں۔⁴⁰ جب رسول اللہ ﷺ سے سرشار ابو جعفر منصور نے رعایا کے لیے سیاہ لباس کو ضروری قرار دے دیا، یہاں تک کہ بنی یمنیچے والے بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہے اور جن لوگوں کے پاس سیاہ کپڑے خریدنے کی سکت نہ تھی انہوں نے لکھنے والی سیاہی سے اپنے کپڑے رنگ لیے۔⁴¹

ابو جعفر منصور کو سنت رسول اللہ ﷺ کی پیروی کر کے بڑی خوشی محسوس ہوتی تھی۔ اسے جب پتہ چلا کہ حضور اکرم ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اس وقت سے اس نے بھی اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا شروع کر دی۔⁴² ایک دفعہ کسی نے ابو جعفر منصور سے پوچھا کہ آپ کی کوئی خواہش اب بھی موجود ہے اس پر اس نے کہا ”میری آرزو یہ ہے کہ ایک چبوترہ ہو اور اصحاب حدیث میرے چاروں طرف موجود ہوں جن سے میں احادیث نبوی ﷺ سنتا رہوں اور مجھ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں۔“⁴³

ابو جعفر منصور کو غیر شرعی اور مفسدانہ امور سے سخت نفرت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ نے فرقہ راوندیہ کی بیخ کنی کے لیے کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ یہ لوگ تنازع جیسے قبیح نظریات کے حامل تھے ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت آدم کی روح عثمان بن ہبیک میں حلول کر گئی ہے یہ خلیفہ منصور کو (معاذ اللہ) اپنا رب سمجھتے، اس کے محل کا طواف کرتے اور کہتے کہ چونکہ ابو جعفر منصور ہمیں کھانا پلاتا ہے اس لیے وہ ہمارا رب ہے۔ خلیفہ کو جب ان کے ان طردانہ عقائد کا علم ہوا تو اس نے ان کے استیصال کے لیے شاہی کارندوں کو روانہ کیا۔ جنہوں نے ان کے دوسو سرکردہ افراد کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ خلیفہ کے اس اقدام سے یہ لوگ مشتعل ہو گئے اور انہوں نے جیل توڑ کر اپنے آدمیوں کو آزاد کرالیا اور پھر شہر کے دروازے بند کر کے خلیفہ کے محل کا محاصرہ کر لیا۔ خلیفہ نے جب ان حالات کو دیکھا تو خود بغیر سواری کے باہر آگیا چنانچہ سرکاری فوجوں نے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ایک ایک کر کے ان کے تمام افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا جس سے یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا⁴⁴۔

150ھ 767ء میں ابو جعفر منصور کو اطلاع ملی کہ خراسان میں استاذ بیس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے⁴⁵ اور اس کے معتقدین کی

تعداد تین لاکھ تک پہنچ گئی ہے⁴⁶۔ یہ مسلمانوں کو اپنے دین میں آنے کی دعوت دیتے۔ یہ لوگوں کے انکار پر مسلمانوں کو قتل کر کے ان کے

اموال لوٹ لیتے۔ چنانچہ ان کی سرکوبی کے لیے ابو جعفر منصور نے خازم بن خزیمہ کو لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا، فریقین میں گھسان کارن پڑا،

اس معرکے میں استاذ بیس کے ستر ہزار ساتھی مارے گئے چودہ ہزار قید ہوئے⁴⁷ اور وہ خود تیس ہزار افراد کے ساتھ پہاڑ پر محصور ہو گیا،

طویل محاصرہ کے بعد اس نے خود کو شاہی فوج کے حوالے کر دیا، کہا جاتا ہے کہ استاذ بیس مامون الرشید کا نانا تھا⁴⁸۔

154ھ 770ء میں ابو جعفر منصور نے خارجیوں کی سرکوبی کے لیے یزید بن حاتم کو ایک لشکر کے ساتھ روانہ کیا، کیونکہ خلیفہ کو

بتایا گیا تھا کہ افریقہ میں خارجی رعایا کو اپنے خارجی عقائد قبول کرنے پر زبردستی مجبور کر رہے ہیں اس طرح جو مسلمان ان کے عقائد قبول

کرنے سے انکار کرتے ہیں خارجی ان مسلمانوں پر عرصہ حیات تک کھگ کر دیتے ہیں۔ اسلامی لشکر نے افریقہ پہنچ کر ان کے سردار عامر بن

حفص سمیت تمام خارجیوں کا صفایا کر دیا⁴⁹۔ کہا جاتا ہے کہ خلیفہ نے اس مہم پر تریسٹھ ہزار درہم خرچ کیے⁵⁰۔

ابو مسلم خراسانی کے قتل کے بعد سب زمامی شخص (جو مدبہا مجوسی تھا)۔ ابو مسلم خراسانی کے قتل کا انتقام لینے کے لیے اٹھا، جلد ہی

خراسان کے پہاڑی علاقوں کے لوگ بھی اس کے ہموار بن گئے، اس نے اپنے معتقدین کی کثرت کو دیکھ کر خراسان کے اکثر علاقوں پر قبضہ

کر لیا، پھر اس نے ان زیر تسلط علاقوں کے لوگوں کو زبردستی غلام اور لونڈیاں بنانا شروع کر دیا، دراصل سنباز ابو مسلم خراسانی کے انتقام کی آڑ

میں خراسان کے لوگوں کو زبردستی مجوسی بنانے کے لیے کوشاں تھا۔ اس نے یہ بھی اعلان کیا کہ ہم بہت جلد حجاز پر قبضہ کر کے کعبہ کو (معاذ اللہ)

منہدم کر دیں گے نیز اس نے یہ حکمت عملی بھی تیار کی کہ اگر ہم پر اسلامی لشکر حملہ آور ہوگا تو ہم مسلمان قیدی عورتوں کو بطور ڈھال استعمال کریں

گے۔ ابو جعفر منصور کو جب سنباز کے ان ملحدانہ عزائم کا پتہ چلا تو اس نے سنباز کی سرکوبی کے لیے دس ہزار سواروں کا لشکر خراسان روانہ کیا۔

فریقین میں گھسان کارن پڑا، اس معرکے میں سنباز کے ساٹھ ہزار پیروکار کام آئے۔ اس طرح عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کی بروقت کارروائی

سے امت مسلمہ ایک بہت بڑے فتنے سے محفوظ ہو گئی⁵¹۔ ابو جعفر منصور کے عمال بھی خلیفہ کی طرح زنا و فحش کے دشمن تھے۔ اس کا اندازہ

درج ذیل واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

گورنر کوفہ محمد بن سلیمان بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ کو معلوم ہوا کہ عبد الکریم بن ابی العوجا نے بہت سی جھوٹی احادیث وضع کی

ہیں اس اطلاع پر محمد بن سلیمان نے ابن العوجا کو گرفتار کر لیا، گرفتار ہونے پر ابن ابی العوجا نے فقہاء و محدثین کی جماعت کے سامنے اس بات

کا اقرار کیا کہ اس نے چار ہزار ایسی جھوٹی احادیث وضع کی ہیں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا گیا ہے۔ جس دن روزہ رکھا جانا چاہیے

تھا اس دن میں نے کھانے کی اجازت دی اور جس دن روزہ نہیں رکھنا چاہیے تھا اس دن میں نے لوگوں کو روزہ رکھوا دیا⁵²۔ اس کی زبان سے

اقرار کے بعد محمد بن سلیمان نے فقہاء و محدثین کے مشورے سے ابن ابی العوجا کو قتل کر کے صلیب دینے کا حکم دیا، نیز اس کے سر کو بغداد میں

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

خلیفہ ابو جعفر منصور کے پاس بھجوا دیا، حالانکہ اس کے قتل سے قبل خلیفہ کی طرف سے اسے یہ حکم آچکا تھا کہ میرے دوسرے حکم تک ابن ابی العوجا کو کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے، اب اس کے سر کو دیکھ کر خلیفہ منصور آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے محمد بن سلیمان کو معزول کر کے اس سے قصاص لیے جانے کا فرمان جاری کیا۔ اس دوران خلیفہ کا چچا عیسیٰ بن علی وہاں آ گیا اور اس نے خلیفہ کو صحیح صورت سے آگاہ کیا اور اس نے بتایا کہ ابن ابی العوجا نے فقہا و محدثین کے سامنے خود اس بات کا اقرار کیا تھا اس پر ابو جعفر منصور بہت خوش ہوا اور اس نے محمد بن سلیمان کو کوفہ کی گورنری پر بحال رکھا۔⁵³

ابو جعفر منصور کے محل میں ابو ولعب یا اس سے ملتی جلتی کوئی چیز نہ پائی جاتی تھی تاہم اگر اسے یہ پتہ چل جاتا کہ اس کے محل میں یہ خرافات ہو رہی ہیں تو ایسا کرنے والوں کے لیے اس کے ہاں معافی کی کوئی صورت نہ تھی۔ جیسا کہ درج ذیل واقعات میں ہوا۔ ابو جعفر منصور نے ایک دن اپنے محل میں لونڈیوں کے قہقہوں کے بارے میں اپنے غلام سے پوچھا، استفسار پر غلام نے بتایا کہ محل کے اندر فلاں غلام طنبورہ (ایک قسم کا ستارجے نان پورہ بھی کہا جاتا ہے) بجا رہا ہے جس سے خوش ہو کر لونڈیاں قہقہے لگا رہی ہیں یہ بات خلیفہ پر بڑی گراں گزری اور اُس نے کہا کہ طنبورہ اس غلام کے سر پر مارا کر تو ڈو، اگر پھر بھی غلام زندہ بچ جائے تو اسے فروخت کر دینا۔⁵⁴

ابو جعفر منصور کو خلاف سنت کاموں سے سخت نفرت تھی خواہ وہ کام اس کے دشمنوں کے خلاف ہی کیوں نہ کیا جائے اور ایسا کرنے والوں کو وہ کبھی بھی معاف نہ کرتا تھا جیسا کہ درج ذیل واقعے میں ہوا۔

صبا بن خاقان کا بیان ہے کہ نفس زکیہ کے بھائی امراہیم بن عبد اللہ کا سر جب منصور کے سامنے پیش کیا گیا تو وہاں پر موجود ایک پہرہ دار نے خلیفہ کو خوش کرنے کے لیے امام امراہیم بن عبد اللہ کے چہرے پر تلوار سے سوراخ کر دیا۔ خلیفہ منصور پر یہ بات سخت گراں گزری کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے نعشوں کے مثلے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ابو جعفر منصور نے حکم دیا کہ اس پہرہ دار کی ناک پر اس قدر سخت ضربیں لگائی جائیں کہ اس کی ناک پچک جائے، چنانچہ دوسرے پہرہ داروں نے حکم کی تعمیل میں ناک پر ضربیں لگا لگا کر اس کے چہرے کو برابر کر دیا بعد ازاں اسے گرزوں سے مار مار کر ٹھنڈا کر دیا۔⁵⁵

شراب کی حرمت کی وجہ سے ابو جعفر منصور اس سے بیزار تھا چونکہ خلیفہ اس سے نفرت کرتا تھا اس لیے اس کے ہاں غیر مسلم مہمان بھی اس سے محروم رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ایک دفعہ بختیشوع الکبرسوس سے منصور کو ملنے بغداد آیا۔ کھانے پر جب اسے بلایا گیا تو اس نے دسترخوان پر شراب نہ پا کر اس کا مطالبہ کر دیا اسے بتایا گیا کہ امیر المؤمنین چونکہ شراب نوشی سے احتراز کرتے ہیں۔ اس لیے خلیفہ کے دسترخوان پر شراب کا رکھنا ممنوع ہے اس پر بختیشوع نے کہا کہ میں ایسا کھانا نہیں کھا سکتا جس میں شراب نہ ہو۔ اس کی اطلاع ابو جعفر منصور کو دی گئی۔ خلیفہ نے کہا کہ اسے بھوکا ہی رہنے دیا جائے، چنانچہ جب رات کا کھانا لایا گیا تو اس نے پھر وہی مطالبہ کیا تاہم اس کو دوپہر والا جواب ہی سننا پڑا۔ چنانچہ اب اس نے بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر کھانا کھا لیا اور اس کے بعد دریائے دجلہ کا پانی پی لیا۔ اب دوسرے دن جب اس کی نظر دریائے دجلہ کے پانی پر پڑی تو اس نے کہا ”میرا خیال ہے کہ کوئی شے شراب کی نعم البدل نہیں ہو سکتی مگر یہ پانی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

شراب کا کام دیتا ہے۔ ابو جعفر منصور کا معمول تھا کہ اس کے دسترخوان پر بڑے بڑے مہمانوں کی ضیافت بھی شراب کے بغیر ہی ہوتی تھی اور خلیفہ اسے اپنی کسر شان کے خلاف نہ سمجھتا تھا⁵⁶۔

ابو جعفر منصور ہر کام کو اللہ کی طرف منسوب کر کے بڑی خوشی محسوس کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب بغداد کی تعمیر شروع ہوئی تو اس نے اپنے ہاتھوں سے پہلی اینٹ رکھ کر کہا:

بسم الله والحمد لله والارض لله يورثها من يشاء من عباده والعاقبة للمتقين۔⁵⁷

”اللہ کے نام سے ابتدا ہے تمام تعریفیں اس کے لیے ہیں اس کی یہ زمین ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور عاقبت متقین کے لیے ہے“

پھر معماروں سے کہا!

”بنوا علی برکتہ اللہ“⁵⁸ ”اس کو اللہ تعالیٰ کی برکت سے بناؤ۔“

ابو جعفر منصور اکثر کہا کرتا تھا کہ خلیفہ پر رعایا کے تین قسم کے حقوق فرض ہیں ایک حصول انصاف کے لیے عادل قاضیوں کا تقرر کیا جائے، دوسرا تمام راستوں کو محفوظ بنایا جائے تاکہ عوام پر امن طریقے سے سفر کر سکیں۔ تیسرا ملک کی حفاظت کا ایسا انتظام کیا جائے کہ دشمن کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ ہو⁵⁹۔ یہی وہ جذبات تھے جن کی وجہ سے وہ رعایا کے دکھ درد کو اپنا ہی دکھ درد مانتا تھا اسی چیز کو محسوس کرتے ہوئے ابو جعفر منصور ان مسلمانوں کی وجہ سے بڑا پریشان ہوا، جو رومیوں کی قید میں تھے، بہت کوششوں کے باوجود ان مسلمانوں کی رہائی کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس نے رومیوں سے معاہدے کے بعد خطیر رقم کے عوض مسلمان قیدیوں کو آزاد کرالیا۔ اس کی وجہ سے رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان طویل عرصہ تک کوئی خونی معرکہ نہ ہوا⁶⁰۔ یوں ابو جعفر منصور کو جب پتہ چلا کہ شاہ ولیم نے مسلمانوں پر حملہ کر کے ہزاروں لوگوں کو شہید کر دیا ہے تو اس نے کوفہ و بصرہ کے لوگوں کو حکم دیا کہ جن لوگوں کی آمدنی دس ہزار درہم سے زائد ہے وہ شاہ ولیم کے مقابلے کے لیے جہاد پر روانہ ہوں۔ اس طرح ابو جعفر منصور نے شاہ ولیم سے بے گناہ مسلمانوں کے قتل عام کا بدلہ لیا⁶¹۔

ابو جعفر منصور اپنی رعایا میں سے ان لوگوں کو زیا دہ نوازنا جو اپنا مال رفاہ عامہ کے کاموں پر زیا دہ خرچ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے محمد بن سلیمان کو بیس ہزار درہم اور جعفر بن سلیمان کو دس ہزار درہم عطا کیے، اس پر جعفر بن سلیمان نے اعتراض کیا کہ محمد بن سلیمان مجھ سے چھوٹا ہے جبکہ آپ نے اسے بیس ہزار درہم دے دیئے ہیں اور مجھے بڑا ہونے کے باوجود صرف دس ہزار درہم عطا کیے، اس پر ابو جعفر منصور نے کہا کیا تم اس جیسے ہو؟ ہم جس طرف بھی جاتے ہیں ہمیں محمد بن سلیمان کے رفاہ عامہ کے کام نظر آتے ہیں پھر وہ لوگوں کو تحفے تحائف دے کر بڑی خوشی محسوس کرتا ہے، یہاں تک کہ خود ہمارے گھر میں اس کے دیے ہوئے تحائف آج بھی موجود ہیں جبکہ تم نے ان میں سے آج تک کوئی بات بھی نہیں کی⁶²۔

ابو جعفر منصور تاریخ میں جہاں اپنے نکل کی وجہ سے ”ابوالدوانیق“ کے نام سے مشہور ہے وہاں اس کے ساتھ ساتھ وہ خدا ترسی اور

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

سختی کی وجہ سے بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ذیل کے واقعے سے اس کی خداتری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ عیسیٰ بن نہیک کا مولیٰ زید کہتا ہے کہ ”عیسیٰ کے مرنے کے بعد مجھے ایک دن خلیفہ منصور کے دربار میں طلب کیا گیا“ خلیفہ نے مجھ سے پوچھا اے زید! عیسیٰ بن نہیک نے کیا چھوڑا ہے؟ میں نے کہا کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کے پاس ایک ہزار دینار تھے جو اس کی تجھیز و تدفین میں خرچ ہو گئے۔ اس پر خلیفہ نے تعجب سے کہا کہ اس کی بیوہ نے ایک ہزار درہم اس کے مرنے پر خرچ کر دیے؟ پھر خلیفہ نے پوچھا اب اس کی کتنی بیٹیاں باقی ہیں؟ میں نے کہا کہ چھ۔ اس کے بعد خلیفہ نے مجھے ہر لڑکی کے لیے تیس ہزار دینار کے حساب سے ایک لاکھ اسی ہزار دینار دیے اور کہا کہ ان سے عیسیٰ بن نہیک کی تمام لڑکیوں کی شادی کا انتظام کرو نیز اس نے لڑکوں کی طرف سے حق مہر کی رقم بھی بیت المال سے ادا کرنے کا حکم دیا۔ ابو جعفر منصور نے یہ سب کچھ اس لیے کیونکہ اسے معلوم تھا کہ مرحوم عیسیٰ بن نہیک نے اپنے پسماندگان کے لیے کچھ نہ چھوڑا تھا۔ خلیفہ منصور ایسے کا خیر کر کے بڑی خوشی محسوس کرتا تھا ⁶³۔

ابو جعفر منصور رعایا کے ساتھ ساتھ اپنے خاندان کے ساتھ بھی صلہ رحمی میں بڑا مشہور تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابو جعفر منصور نے ایک ہی دن میں اپنے خاندان والوں پر ایک کروڑ درہم خرچ کیے۔ اس نے اپنے چچا سلیمان، عیسیٰ، صالح اور اسمعیل بن عبد اللہ بن عباس کو دس دس لاکھ درہم نیز ان کی اولاد کو بھی دس دس لاکھ درہم عطا کیے۔ طبری کے بقول اس سے پہلے یا اس کے بعد کسی بھی عباسی خلیفہ کے بارے میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی ⁶⁴۔

ابو جعفر منصور پیشہ ور مانگنے والوں کی مالی معاونت کو ناجائز سمجھتا تھا کیونکہ اس کا موقف تھا کہ یہ لوگ مستحق افراد کی حق تلفی کرتے ہیں بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ خلیفہ منصور کو ایسے لوگوں سے نفرت تھی۔ اس کا اندازہ درج ذیل واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

ابو جعفر منصور خلیفہ بننے سے قبل کسی وقت ازہر السمان کے ہاں مہمان رہا تھا اب ازہر السمان کو ابو جعفر منصور کے خلیفہ بننے کی خبر ملی تو وہ خلیفہ سے ملنے بغداد چلا آیا، اس نے خلیفہ سے اپنے مکان کی تعمیر اور لڑکے کی شادی کے بہانے بارہ بارہ ہزار درہم حاصل کر لیے، ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہ دوبارہ خلیفہ کے پاس سلام کرنے کے بہانے حاضر ہوا، خلیفہ نے اس سے کہا کہ لگتا ہے کہ پھر کوئی ضرورت تمہیں میرے پاس لے آئی، اب خلیفہ نے اسے بارہ ہزار درہم دیتے ہوئے کہا کہ آئندہ تم میرے پاس نہ آنا۔ چند روز کے بعد ازہر السمان تیسری بار پھر دوبار خلافت میں حاضر ہوا، لیکن اس بار ابو جعفر منصور نے اس کی مدد کے بغیر ہی اسے رخصت کر دیا ⁶⁵۔

ابو جعفر منصور احسان مند رہنے والے لوگوں کی بڑی قدر کرتا تھا ایک مرتبہ اس کے سامنے ایک بوڑھے شخص نے ہشام بن عبد الملک کو رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہوئے اس کی بڑی تعریف کی، یہ سن کر خلیفہ منصور نے اس بوڑھے سے ہشام بن عبد الملک پر رحمت بھیجنے کا سبب دریافت کیا تو مذکورہ شخص نے کہا ”میرے ساتھ ایک دفعہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک نے ایسا سلوک کیا کہ اس کے بعد سے آج تک مجھے کسی عرب یا عجم کے در پر سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی تو کیا یہ مجھ پر واجب نہیں کہ میں اس کا ذکر خیر کروں اور اس کی تعریف کروں“ یہ جواب سن کر ابو جعفر منصور نے کہا ”وہ بہت اچھی ماں تھی جس کے تم بیٹے ہو اور وہ بہت عمدہ رات تھی جس میں تم پیدا ہوئے، میں شہادت دیتا ہوں کہ تم

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

شریف و کریم ماں باپ کے بیٹے ہو۔“ خلیفہ منصور اس شخص کی احسان مندی پر بڑا خوش ہوا اور اسے انعام دینا چاہا، اس پر مذکورہ شخص نے کہا ”مجھے آپ کے صلے کی ضرورت نہیں ہے میں اسے اپنی عزت افزائی کی وجہ سے قبول کر رہا ہوں۔“ اس شخص کے جانے کے بعد خلیفہ منصور نے کہا کہ ”ایسے لوگوں کے ساتھ احسان و کرام کرنا چاہئے، افسوس کہ ہمارے مقررین میں کوئی ایسا شریف النفس نظر نہیں آتا۔“⁶⁶

خلیفہ منصور مظلوموں کی مدد کر کے بڑی خوش محسوس کرنا اور مظلوموں کی داد دہی کے لیے ہر وقت تیار رہتا۔ ایک مرتبہ عمرو بن حزم کی اولاد میں سے ایک نوجوان مدینہ سے ابو جعفر منصور کے دربار میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ ”آج سے ساٹھ سال قبل (عہد بنی امیہ میں) اس دور کے احوض نامی شاعر نے ہمارے متعلق ایسے اشعار کہے جس کے سننے کے بعد ولید بن عبد الملک نے ہماری تمام املاک کو ضبط کر لیا۔ اب معاشی طور پر ہم قلاش ہو چکے ہیں۔“ ابو جعفر منصور نے کہا کہ مجھے وہ اشعار سناؤ۔

فقرأ وان القی الحزمی فی النار

لا تاوین لحزمی رأیت به

67

والداخلین علی عثمان فی الدار

الناخسین بمروان بذی خشب

”کسی حزمی ضرورت مند کو ہرگز پناہ نہ دینا چاہیے خواہ وہ آگ ہی میں ڈال دیا گیا ہو، انہوں نے ذی خشب کی لڑائی میں مروان کو بہت ایذا دی تھی اور یہی عثمانؓ پر ان کے مکان میں چڑھائے تھے۔“

یہ اشعار سننے کے بعد خلیفہ منصور نے کہا ”جس طرح ان اشعار کی وجہ سے تم اپنی املاک سے محروم کر دیئے گئے اس طرح یقینی طور پر تم کو اب انہیں اشعار کی وجہ سے فائدہ ہوگا“ اور اس نے ابو ایوب سے کہا کہ اس حزمی کو دس ہزار درہم دے دو کیونکہ یہ ہمارے پاس استدعا لے کر آیا ہے پھر حکم دیا کہ ”تمام عمال کو لکھ دیا جائے کہ جہاں جہاں آل حزم کی املاک ہوں وہ سب ان کو واپس کر دی جائیں اور ان کی سالانہ آمدنی کا بقایا بنی امیہ کی املاک سے وصول کر کے آل حزم میں قانون وراثت اسلامی کے مطابق درجہ بدرجہ تقسیم کر دیا جائے اور ان حزمیوں میں سے جو لوگ مر گئے ہوں ان کا حصہ اس کے وارثوں کو دیا جائے۔“ اس طرح جس قدر وہ نوجوان دربار خلافت سے حاصل کر کے کامیاب پلٹا کسی دوسرے کو وہ کچھ میسر نہ آیا۔⁶⁸

ایک دن خلیفہ منصور اپنے دربار میں بیٹھا تھا کہ ایک تیرا کر اس کے سامنے گرا، جس پر لکھا ہوا تھا ”آپ کی ہمدان جیل میں ایک مظلوم بند ہے، اس کے بعد خلیفہ نے چند آدمیوں کو تحقیق کے لیے ہمدان جیل بھیجا، جہاں وہ تیر پھینکنے والے شخص کو تلاش کر کے اپنے ساتھ لے آئے۔ استفسار پر اس مظلوم بوڑھے نے کہا ”میں ہمدان کے اہل ثروت لوگوں میں شمار ہوتا تھا گورنر ہمدان نے مجھ سے میری زمین مانگی جس کی مالیت دس لاکھ درہم تھی، میرے انکار پر اس نے بغاوت کے جرم میں مجھے جیل بھیج دیا اور مذکورہ زمین پر قبضہ کر لیا، اب چار سال سے میں جیل میں بند ہوں۔“

یہ سن کر خلیفہ منصور نے بوڑھے کی پیڑیاں کاٹنے، اسے آزاد کرنے اور مذکورہ زمین واپس کرنے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اسے گورنر ہمدان بننے کی پیشکش بھی کی، جس پر بوڑھے نے ادب سے انکار کرتے ہوئے کہا ”امیر المومنین میں نے زمین قبول کر لی ہے لیکن گورنر

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کے منصب کے لیے میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا اور میں نے آپ کے گورنر کا بھی قصور معاف کر دیا ہے۔“ منصور نے اس مظلوم کو بڑے تحائف اور عزت کے ساتھ رخصت کیا اور گورنر ہمدان کو معزول کر کے اسے عبرت ناک سزا سے دوچار کیا۔⁶⁹

ابو جعفر منصور کو کبھی کبھار ان علویوں پر رحم اور ترس بھی آ جاتا جو اس کے خلاف کسی قسم کی سازش کا حصہ نہ بنتے، اس کی مثال عبداللہ بن حسن کی بیٹوں کی ہے۔ ہیڈٹم بن عدی کا بیان ہے کہ جب خلیفہ منصور کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن حسن کے بیٹے اس کے عذاب سے چھپتے پھر رہے ہیں تو اس نے امان کے طور پر ان کو کچھ اشعار لکھ کر بھیجے۔

”میرے نیزے کا بانس مضبوط اور سیدھا ہے جسے شکنجے کی گرفت، نیل کی تری اور آگ کی گرمی کی ضرورت نہیں جب میں کسی خوف زدہ کو امن دیتا ہوں تو اس کے تمام دور دراز کے راستے اس کے لیے بے خطر ہو جاتے ہیں اور جب میں کسی مامون کو دھمکی دیتا ہوں تو گھر کی چار دیواری میں بھی وہ مضطرب اور بے چین ہو جاتا ہے۔ تم میرے پاس چلے آؤ اور شرم سے آنکھیں بند کر لو میں ہر شخص کو جو میری امان میں آئے امان دیتا ہوں۔“⁷⁰

اللہ تعالیٰ نے ابو جعفر کو ضبط و تحمل کا بڑا حوصلہ دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بڑی سے بڑی بات کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتا تھا اور اس کے چہرے سے اس کی پریشانی کا اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ ایک دفعہ خلیفہ ابو جعفر منصور بغداد کی جامع مسجد میں خطبہ دے رہا تھا کہ ایک شخص نے اٹھ کر خلیفہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

71 اتقوا الله حق تقاته
”اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے“

اس پر خلیفہ نے کہا ”لوگو! اللہ سے ڈرتے رہو، ہمیں اپنے بارے میں ایسا موقع نہ دو جس کی پاداش میں تم دھرائے جاؤ۔ آئندہ تم میں سے کوئی شخص ایسی حرکت نہ کرے ورنہ میں اسے خوب پٹاؤں گا اور موت تک کے لیے قید کر دوں گا۔“ اس کے بعد ربیع (اپنے غلام) کو حکم دیا کہ ”اسے دربار میں پیش کیا جائے۔“ دربار میں حاضری کے موقع پر خلیفہ نے نہ صرف اسے معاف کر دیا بلکہ اسے نماز پڑھنے، روزے رکھنے اور حج پر جانے کی تلقین کی اور ساتھ ہی ربیع سے کہا کہ ”اسے چار سو درہم دے دو“ اور پھر کہا کہ ”دوبارہ دھر نہ آنا۔“⁷²

ابو جعفر منصور سخت گیر ہونے کے باوجود بعض اوقات دشمنوں کو بھی معاف کر دیتا تھا۔ قطعم بن معاویہ کا بیان ہے کہ میں نے امراہیم بن عبداللہ کے ساتھ منصور کے خلاف خروج کیا تھا۔ امراہیم بن عبداللہ کے قتل کے بعد میں جگہ جگہ چھپتا پھر رہا تھا اور اب میں اپنی زندگی سے عاجز آچکا تھا، آخر کار میں نے ٹھگ آ کر فیصلہ کیا کہ اپنے آپ کو منصور کے سامنے پیش کر کے اپنی خطاؤں کا اعتراف کر لوں، اگر زندگی ہو گی تو بیچ جاؤں گا ورنہ قتل ہو جاؤں گا۔ اس مقصد کے لیے میں نے بغداد پہنچ کر اپنے آپ کو خلیفہ کے وزیر ربیع بن یونس کے حوالے کر دیا۔ اس نے مجھے قید کر کے قصر خلافت پہنچا دیا۔ اس کے بعد قصر کے پھاٹک بند کر دیئے گئے اور اب مجھے اپنی موت کا یقین ہو گیا آدھی رات کے بعد مجھے خلیفہ کے روم و پیش کیا گیا میں نے اس کے سامنے اپنی گزشتہ ان خطاؤں کا اقرار کیا جو میں خلیفہ کے خلاف امراہیم بن عبداللہ کے ساتھ مل کر کر چکا تھا پھر میں نے کہا کہ ان جرائم کے بعد اگر آپ مجھے معاف کر دیں تو آپ اس کے اہل ہیں اور اگر سزا دینا چاہیں تو میرے چھوٹے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

سے چھوٹے سے گناہ کے بدلے میں بھی آپ مجھے قتل کر سکتے ہیں۔ میری یہ بات سن کر خلیفہ نے کہا ”امیر المومنین نے تمہیں معاف کیا“ جان کی امان پا کر میں نے پھر عرض کی اگر میری ضبط شدہ املاک و اگزار کردی جائیں تو حضور کا اور بھی احسان ہوگا۔ ابو جعفر منصور نے اس وقت والئی بصرہ عبدالملک بن ایوب کے نام حکم لکھوا دیا کہ:

”امیر المومنین قطع بن معاویہ سے راضی ہو گئے ہیں۔ اس لیے ان کی تمام املاک واپس کر دی جائیں“⁷³۔

اس طرح قطع بن معاویہ کو معافی کے ساتھ ساتھ تمام املاک بھی واپس مل گئیں۔ مبارک بن فضالہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ابو جعفر منصور کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اس نے ایک شخص کو قتل کرنے کا حکم دیا اس پر میں نے کہا کہ امیر المومنین مجھ سے سیدنا حسنؑ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

”روزِ محشر منادی آواز دے گا جن لوگوں پر اللہ کا کوئی حق ہے وہ آگے آئیں، اس اعلان پر

صرف وہی لوگ آگے آئیں گے جنہوں نے دنیا میں دوسروں کو معاف کیا ہوگا“⁷⁴۔

میری یہ روایت سن کر ابو جعفر منصور نے حکم دیا کہ اس مجرم کو چھوڑ دیا جائے۔ اس طرح اس نے حدیث رسول ﷺ سن کر مجرم کو معاف کر دیا۔

خلیفہ منصور بڑا زیرک سیاستدان اور معاملہ فہم شخص تھا موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے بعض اوقات وہ پسپائی اختیار کرنے سے بھی گریز نہ کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے پاس ایک دفعہ ایک ایسے خارجی کو لایا گیا جس نے کئی بار شاہی فوجوں کو شکست دی تھی اسے دیکھتے ہی خلیفہ منصور آپے سے باہر ہو کر اسے گالی گلوچ کرنے لگا، خلیفہ کی یہ حالت دیکھ کر اس خارجی نے کہا ”کل تک میرے اور تیرے درمیان تلووار اور جنگ تھی اور اب جب کہ میں اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا ہوں اگر میں بھی تمہیں گالیاں دینے لگوں تو تم میرا کیا کر سکتے ہو؟“⁷⁵۔ خلیفہ اس خارجی کا یہ جواب سن کر بڑا شرمسار ہوا اور اس کو چھوڑ دیا۔

ابو جعفر منصور اخراجات میں میانہ روی کا خوگر تھا اس لیے داد و دہش کے وقت بھی اعتدال پر قائم رہتا تھا۔ ایک دفعہ کسی شاعر نے مہدی کی شان میں مدحیہ قصیدہ لکھا۔ مہدی نے خوش ہو کر شاعر کو بیس ہزار درہم دے دیئے۔ ابو جعفر منصور کو جب واقعے کا علم ہوا تو اس نے مہدی کو ایک خط لکھا جس میں بڑے سخت الفاظ میں تنبیہ کی اور کہا کہ ”اگر ایک شاعر سال بھر تمہارے دروازے پر رہے تو وہ چار ہزار درہم کا مستحق ہے۔“ اس کے بعد مذکورہ شاعر کو دوبار خلافت میں حاضر کیا گیا اور وہ قصیدہ سننے کے بعد خلیفہ منصور نے کہا ”اشعار اچھے ہیں لیکن ان کی قیمت بیس ہزار درہم بہت زیادہ ہے۔“ اس کے بعد اپنے وزیر ریح بن یونس سے کہا ”بیس ہزار میں سے اس شاعر کو چار ہزار درہم دے کر باقی سولہ ہزار درہم واپس لے لو“⁷⁶۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ دراصل خلیفہ منصور ایسی چیزوں کو خرافات سمجھتا تھا اور اسے بیت المال میں بے جا تصرف سے تعبیر کرتا تھا۔ جب کہ مہدی بن ابو جعفر منصور ان چیزوں کی چنداں پروا نہ کرتا تھا، یہی وجہ تھی کہ جب مہدی خلیفہ بنا تو اس نے اس شاعر کو دوبارہ بیس ہزار درہم دے دیئے۔ ابو جعفر منصور اپنے گھر والوں کو اکثر ہدایت کرتا تھا:

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

”اپنے مال کی حفاظت کرو، اس کو بچاؤ، بیکار میں ضائع نہ کرو کیونکہ جس کی دولت کم ہوئی اس کے اعوان و انصار بھی کم ہوئے۔ جس کے اعوان و انصار کم ہوئے اس کے دشمن اس پر قوی ہو جائیں گے اور جس کے دشمن اس پر قوی ہوئے اس نے اپنا ملک ضائع کر دیا اور جس نے اپنا ملک ضائع کر دیا اس کی املاک پر ہر شخص دست درازی کرے گا“⁷⁷۔

ابو جعفر منصور نے کسی شخص کو با روسا کا والی مقرر کیا، تھوڑے ہی عرصے کے بعد کسی وجہ سے اس کو والی کی دیا انتداری پر شبہ ہوا، چنانچہ

والی با روسا کو دربار خلافت میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا، آنے پر اس کی سخت باز پرس کی گئی پھر اس سے پوچھا گیا کہ: ”سرکاری اموال میں سے تمہارے پاس اب کتنی رقم ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے واپس جانے کے لئے خیر کا کرایہ صرف ایک درہم رکھا ہے۔ خلیفہ منصور نے کہا کہ میں تمہیں صادق القول سمجھتا ہوں لہذا میرا یہ درہم بھی مجھے واپس کر دو“⁷⁸۔

اس طرح خلیفہ ابو جعفر منصور نے اس سے وہ ایک درہم بھی واپس لے لیا۔ ابو جعفر منصور نے ایام حج میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

”لوگو! میں اللہ کی زمین پر اس کا حکمران ہوں، اللہ کی توفیق و رہنمائی کے ذریعے تم پر حکومت کرتا ہوں۔ میں اللہ کے اموال کا خزینه دار (خزانچی) ہوں، اس کی مشیت کے ساتھ عمل کرتا ہوں، اس کے ارادے سے تقسیم کرتا ہوں، اس کی اجازت سے دیتا ہوں، اللہ نے مجھے اپنے روپیہ کا قفل بنایا ہے جب وہ چاہتا ہے تمہاری عطایا اور روزیوں کی تقسیم کے لیے مجھے کھول دیتا ہے اور جب چاہتا ہے بند کر دیتا ہے۔ لوگو! اللہ کی اطاعت کی طرف آؤ اور آج ایسے مقدس دن میں جس میں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے تم کو وہ بشارت دی، جس کے متعلق وہ خود اپنی کتاب میں فرماتا ہے۔

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام
دیناً⁷⁹۔

”آج میں نے تمہاری شریعت تمہارے لیے مکمل کر دی اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا“
پھر کہا۔

”اے لوگو! تم میرے لیے دعا کرو کہ خدا مجھے سیدھے راستے پر چلائے، میرے بدل میں تمہارے ساتھ نرمی اور احسان کرنے کا جذبہ پیدا کر دے اور تمہارے وظیفوں کے لیے مجھے کھول دے،

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

تمھاری روزیوں کو منصفانہ طور پر مجھ سے تقسیم کروائے، کیونکہ اللہ ہی دعاؤں کا سننے والا اور قبول

کرنے والا ہے“⁸⁰۔

ابو جعفر منصور کی اپنے عمال اور گورنروں پر بڑی سخت گرفت تھی۔ معمولی سی لغزش بھی ان کی تفری یا معزولی کا سبب بن جاتی تھی۔

ارکان سلطنت کے بارے میں اس کا قول بڑا مشہور ہے

”جس حکمران کو چاراماندار اور پاپا کباز آدمی مل جائیں اس کا انتظام سلطنت سب سے بہترین ہوتا ہے کیونکہ یہ چار آدمی تخت کے

چار پایوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے اگر ایک پایہ بھی خراب ہو جائے تو تخت کمزور ہو جائے گا، یہ چار آدمی درج ذیل ہیں۔

۱۔ قاضی ایسا شخص ہو جس پر اللہ کے حق میں کسی لعنت و ملامت کا اثر نہ ہو سکے۔

۲۔ کتوال ایسا شخص ہو جو قومی کے مقابلے میں ضعیف کو انصاف کے مطابق اس کا حق دلا سکے۔

۳۔ افسر مال ایسا آدمی ہو جو ظلم کیے بغیر رعایا سے پوری مالگداری وصول کرے۔

۴۔ ڈاک افسر ایسا ہو جو عمال کے بارے میں سچی سچی خبریں مجھے لکھتا رہے“⁸¹۔

عمال کے محاسبے کے بارے میں ابو جعفر منصور کافی حد تک حضرت عمر فاروقؓ کی سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرتا تھا، اس لیے جب

اسے کسی عامل کے بارے میں شکایت ملتی تو فوراً اس پر ایکشن لیتا۔ ایک دفعہ اسے گورنر ارمینیا نے فوج کے خلاف شکایت کرتے ہوئے لکھا کہ

”فوج نے سرکشی کرتے ہوئے بیت المال کے خزانوں کو لوٹ لیا ہے“ گورنر کو گمان تھا کہ ابو جعفر منصور فوج کے خلاف کاروائی کرتا ہوا اس کے

ہاتھ مضبوط کرے گا۔ لیکن ابو جعفر منصور نے اس کی خواہش کے برعکس اس کی سرزنش کرتے ہوئے لکھا۔

”ہم تجھ کو ذلت اور رسوائی کے ساتھ اس عہدے سے معزول کرتے ہیں کیونکہ اگر تجھ میں ذرا

بھی عقل ہوتی تو کبھی بھی شورش سرزد نہ ہوتی اور اگر تو ان کے لیے قوی ہوتا تو وہ کبھی بھی خزانہ

لوٹنے کی جرأت نہ کرتے“⁸²۔

یوں سابقہ گورنر آرمینیا کو معزول کر کے اس کی جگہ نیا گورنر روانہ کیا گیا۔ خلیفہ سے اسی طرح ایک دفعہ علاقہ سواد کے لوگوں نے

اپنے عامل کی شکایت کی، خلیفہ نے اس شکایت پر اہل علاقہ کو لکھا کہ ”اگر تم سچے ہو تو میں تمہیں اس بات کی اجازت دیتا ہوں کہ اس عامل کی

مشکلیں باندھ کر حاضر کرو“⁸³۔

ابو جعفر منصور کی عادت تھی کہ اسے جب کسی عامل کی کوئی شکایت موصول ہوتی تو وہ اس پر بغیر تحقیق کے کوئی ایکشن نہ لیتا اگر

شکایت غلط ثابت ہوتی تو عامل کو اچھے انداز سے نصیحت کرتا۔ ابو جعفر منصور کے پاس کسی نے شکایت کی کہ ایک عامل نے میری زمین پر منڈیر

بنا کر اسے اپنی زمین میں شامل کر لیا ہے۔ اس پر ابو جعفر منصور نے مذکورہ عامل کو معزول کرنے کی بجائے صرف اسے اچھے انداز سے نصیحت

کی۔ اسے لکھا کہ ”اگر تم عدل اختیار کرو گے تو ہمیشہ سلامتی میں رہو گے۔ بہتر ہے کہ اس شاکی کی شکایت دور کر دو“ اس تمہید کے بعد مذکورہ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

عامل شہر نے شکایت کنندہ کی زمین خالی کر کے اس کے حوالے کر دی⁸⁴۔ یہ بات ابو جعفر منصور کے دل میں ہر وقت رہتی کہ عامل کی لاپرواہی اور غرضوں کا وبال قیامت کے روز اس پر ہوگا۔ چنانچہ اس نے نظام جاسوسی کا بڑا مستعد نظام قائم کیا ہوا تھا۔ ایک دفعہ اس کے مخبروں نے اسے اطلاع دی کہ حضر موت کا گورنر رعایا سے بے نیاز شکاری کتوں اور بازوں سے ہر وقت شکار کی تلاش میں رہتا ہے۔ ابو جعفر منصور نے تحقیق کے بعد اسے لکھا۔

”اللہ تجھے ہلاک کرے میں نے تجھے مسلمانوں کے معاملات کا سربراہ بنا کر بھیجا تھا نہ کہ وحشی

جانوروں کا منتظم، ہماری جو خدمات تیرے ذمے تھیں تم اسے فلاں شخص کے سپرد کر کے ذلت

ورسوائی کے ساتھ اپنے گھر چلے جاؤ“⁸⁵۔

ابو جعفر منصور نا حق خوزیری کو ناپسند کرتا تھا۔ ایک بار اسے معلوم ہوا کہ عیسیٰ بن موسیٰ نے نصر بن سيار (مروان بن محمد کا گورنر خراسان) کی اولاد میں سے کسی کو نا حق قتل کر دیا ہے۔ جو کوفہ میں روپوش تھا۔ خلیفہ منصور یہ سنتے ہی طیش میں آگیا اور اس نے عیسیٰ بن موسیٰ کے قتل کا ارادہ کر لیا لیکن جب تحقیق کے بعد اسے معلوم ہوا کہ اس قتل میں عیسیٰ بن موسیٰ کی بدعتی یا ذاتی عناد کا دخل نہ تھا تو اس نے اپنا ارادہ بدلا، تاہم اس کو تنبیہ ضرور کی اور لکھا۔ ”کسی شخص کو محض شک و شبہ کی بناء پر سزا نہ دی جائے، جب تک پورا ثبوت نہ مل جائے اور اس کے جرم پر پیہم دلائل موجود نہ ہوں۔“⁸⁶ ابو جعفر منصور عمال پر سختی کے ساتھ ساتھ بعض اوقات احسان بھی کرتا تھا ایک دفعہ کسی عامل کی بددیانتی کے بارے میں اسے شکایت کی گئی، خلیفہ منصور نے اسے سزا دینے کے لیے دبا رخلافت میں طلب کیا اور اس سے کہا جو کچھ تم پر نکلتا ہے اسے ادا کر دو۔ ورنہ سخت سزا کے لیے تیار ہو جاؤ، اسی دوران کسی منادی کرنے والے نے اشھدان لا الہ الا اللہ کی ندا دی، افسر مالگوار نے خلیفہ منصور سے کہا اس شہادت کے طفیل جو کچھ مجھ پر عائد ہے، بخش دیں، چنانچہ خلیفہ منصور نے اسے معاف کر دیا۔⁸⁷

ابو جعفر منصور عدل و انصاف کا بڑا دلدادہ تھا وہ ہمیشہ قانون کو اپنی ذات پر مقدم کرتا تھا اس کی انصاف پسندی کا اندازہ درج ذیل واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

”ایک شتر بان نے قاضی مدینہ کی عدالت میں خلیفہ منصور کے خلاف دعویٰ دائر کیا کہ خلیفہ وقت نے ہماری زمین نا جائز طور پر ہتھیالی ہے۔ قاضی مدینہ نے خلیفہ منصور کے خلاف سمن جاری کر دیئے، پیشی کے روز خلیفہ وقت بذات خود اپنے حاجب کو لے کر ایک عام آدمی کی طرح بغیر کسی پر وٹو کول کے قاضی کے روبرو حاضر ہوا اس دوران قاضی نے بھی اس کی تعظیم نہ کی۔ اب فریقین کے درمیان یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ان میں سے خلیفہ وقت کون ہے اور شتر بان کون ہے آخر کار قاضی عدالت نے شہادتوں اور عدم ثبوت کی بناء پر فیصلہ امیر المومنین کے خلاف صادر کیا، خلیفہ منصور نے قاضی کی اس انصاف پسندی سے ناراض ہونے کی بجائے اسے سراہتے ہوئے دس ہزار اشرفیاں بطور انعام دیں اور کہا کہ ”اللہ تم کو جزائے خیر دے کیونکہ تم مذہبی احکام اور حقوق کی پوری تعمیل کرتے ہو“⁸⁸۔

ابو جعفر منصور کا معمول تھا کہ وہ دن کا پہلا حصہ امور مملکت نمٹانے (امر بالمعروف و نہی عن المنکر، عمال کے تقرر

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

وتنزل کرنے اور رعایا کی فلاح و بہبود کے بارے میں غور و فکر کرنے) میں گزارنا، ظہر کے بعد عصر تک آرام کرتا، عصر سے عشاء تک اپنے اہل بیت کے ساتھ وقت گزارتا⁸⁹، پھر ان خطوط و مراسلات میں منہمک ہو جاتا جو دوسرے صوبوں اور سرحدی علاقوں سے آتے اس دوران وزراء اور اکابرین سلطنت سے مشاورت بھی جاری رہتی، اس طرح پہلی ایک تہائی رات وہ انہی امور میں صرف کرتا، دوسری تہائی اپنے بستر پر آرام کرتا، پھر نماز تہجد ادا کرنے کے بعد نماز فجر کے لیے مسجد میں جاتا، اس کی ہمیشہ کوشش ہوتی کہ فجر کی امامت وہ خود کرائے اور پھر حسب معمول نماز فجر کے بعد ایوان میں جا بیٹھتا۔ اکثر مؤرخین کا بیان ہے کہ خلیفہ منصور سنت کے مطابق بڑی سادہ زندگی بسر کرتا اور معمولی لباس پہنتا تھا۔ محمد بن سلیمان (خلیفہ منصور کے چچا) کا بیان ہے کہ میں نے شدید سردی کے موسم میں ایک چھوٹے سے حجرے میں خلیفہ منصور کو دیکھا جس کا آمدہ سا گوان کے ستون پر قائم تھا اور اس کے دروازے پر مساجد کی طرح پردہ پڑا ہوا تھا کمرے کا اندر ایک ٹاٹ پر بستر و لحاف کے علاوہ اور کچھ نہ تھا میں نے کمرے کا یہ منظر دیکھ کر کہا ”امیر المؤمنین کیا اس حجرے میں ان چیزوں کے علاوہ اور کچھ نہیں؟“ اس پر خلیفہ منصور کہنے لگا ”چچا جان! اس میں صرف یہی کچھ ہے جو آپ کو نظر آرہا ہے اور میں رات بھی یہیں بسر کرتا ہوں“⁹⁰۔ ابو جعفر منصور کا لباس بڑا معمولی اور سادہ ہوتا تھا یہ ہمیشہ موناکپڑا استعمال کرتا جس پر اکثر بیوند لگے ہوتے۔ ایک دفعہ کسی نے امام جعفر صادقؑ سے خلیفہ منصور کے لباس کا ذکر کیا، اس پر امام موصوف نے کہا ”خدا کا شکر ہے کہ اس نے اسے اپنی ہی سلطنت میں فقر و افلاس میں مبتلا کر رکھا ہے“⁹¹۔ یاد رہے کہ خلیفہ منصور اپنی اس حالت پر نادم ہونے کی بجائے ہمیشہ اس پر فخر کرتا تھا ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ خلیفہ منصور کی بیوند والی قمیص پہنے دیکھ کر مسلم الحادی شاعر نے ایک نظم لکھی جسے سن کر خلیفہ اتنا خوش ہوا کہ ہنستا ہنستا گھوڑے سے زمین پر آ رہا، پوری نظم سننے کے بعد خلیفہ نے شاعر کو انعام سے نوازا⁹²۔ اسی طرح ایک دفعہ خلیفہ کی لونڈی نے اسے بیوند والی قمیص پہنے دیکھ کر کہا ”خلیفہ اور یہ پھٹی ہوئی قمیص؟“ اس پر بے ساختہ خلیفہ نے کہا ”اے ملازمہ! یہ امر کوئی تعجب خیز نہیں“⁹³۔

”سادگی کا یہ عالم تھا کہ بقول واضح (خلیفہ منصور کا غلام) ”میں نے خلیفہ منصور کو ایک ہی قمیص بغیر بدلے پندرہ دن تک پہنے دیکھا“⁹⁴۔ ان پھٹے پرانے کپڑوں کے بارے میں خلیفہ منصور کا قول ہے۔ ”جو شخص اپنے پھٹے پرانے کی اصلاح نہیں کرتا وہ نئے کپڑوں کا بھی مستحق نہیں“⁹⁵۔

ابو العباس السفاح کی تقلید میں ابو جعفر منصور نے بھی اپنی انگوٹھی پر ایسا نقش کندہ کروایا جس سے اس کا توکل علی اللہ صاف ظاہر ہوتا

ہے۔

96 اللہ ثقة عبد اللہ و بہ یومن - ”اللہ ہی پر عبد اللہ کا بھروسہ ہے اور وہ اسی پر ایمان لایا ہے“

عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے مرنے سے قبل اپنے بیٹے مہدی بن ابو جعفر کو جو وصیت کی اس سے خلیفہ منصور کی دینداری اور خشیعت

الہی کا پتہ چلتا ہے۔ اس نے مہدی بن ابو جعفر کو لکھا۔

”اللہ اس خلافت کو تمہارے لیے مبارک و سرفراز کرے اور وہ ہمیشہ تمہارا کار ساز ہے،

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

حکومت ملنے پر ہر وقت خدا سے ڈرتے رہنا اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہاری ہر مشکل کو آسان کر دے گا اور تمہیں غیر متوقع طور پر کامیابیوں سے ہمکنار کرے گا۔ مسلمانوں کے ساتھ سلوک کرنے میں آل محمد ﷺ کا خاص خیال رکھنا اس سے اللہ تعالیٰ تمہارے ہر معاملے میں تمہاری مدد کرے گا بلاوجہ قتل کرنے سے اجتناب کرنا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گناہ ہے دین و دنیا میں ثواب و فائدہ کی خاطر ہمیشہ جہاد جاری رکھنا، شرعی حدود میں حد سے تجاوز نہ کرنا ورنہ تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ اللہ کی حکومت اور اس کی سرزمین میں جو لوگ فتنہ و فساد اور الحاد پیدا کریں ان سے آہنی ہاتھوں سے نمٹنا، ان کے دست و پا قطع کر کے انہیں عذاب سے دوچار کرنا اور پھر ہلاک کر دینا۔ ہمیشہ عدل و انصاف سے حکومت کرنا کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے نہ بغاوت ہو سکتی ہے اور نہ ہی دشمن کو تمہارے خلاف کسی قسم کی کوئی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، سرکاری اموال میں سے اپنے لئے کچھ نہ لینا کیونکہ جو کچھ میں تمہارے لئے چھوڑے جا رہا ہوں اس کے ہوتے ہوئے تمہیں اس کی حاجت نہ رہے گی، اس میں اسراف کرنا، نہ فضول خرچی کرنا اور نہ ہی اسے اپنوں پر خرچ کرنا۔ سلطنت کی آمدنی میں اضافہ کرتے رہنا اور اسے جمع رکھنا کیونکہ معلوم نہیں کہ غیر متوقع مصائب و حوادث کب پیش آجاتے ہیں؟ جس قدر ممکن ہو سپاہی، جانور اور باقاعدہ فوج مستعد رکھنا، کبھی ایسا نہ کرنا کہ آج کا کام کل پہ اٹھا رکھو کیونکہ اس سے ہجوم کا رہو جائے گا اور کوئی کام ڈھنگ سے نہ ہو سکے گا۔ برسر اقتدار آتے ہی اپنی فرمانروائی کی ابتدا اپنے عزیز و اقارب کو صلہ و انعام سے کرنا۔ تمام مہمات و امور پر ہر وقت غور و خوض کرتے رہنا اور ان سے درماندہ و ست ہو کر کبھی نہ گھبرانا۔ اپنے رب سے ہمیشہ حسن ظن رکھنا جبکہ اپنے عاملوں اور کاتبوں کے متعلق ہمیشہ

شب بیدار اور بدگمان رہنا“⁹⁷۔

ابو جعفر منصور نے مزید لکھا کہ:

”جو لوگ تمہارے دروازے پر حاضر رہتے ہوں ان کی ضروریات دریافت کرتے رہنا، رعایا کو اس بات کی سہولت بہم پہنچانا کہ وہ با آسانی تم تک رسائی حاصل کر سکیں۔ لوگوں کے تنازعات کو ایسی آنکھ کے سپرد کرنا جو ہر وقت بیدار ہو اور جن کے نفس تصفیہ نزاعات میں دخل دینے کی اجازت نہ دیتے ہوں، زیادہ سونے سے احتراز کرنا کیونکہ جس روز سے تمہارا باپ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

خلیفہ ہوا وہ سویا نہیں، اگر کبھی اس کی آنکھ لگ بھی گئی تو اس کا دل ہمیشہ بیدار رہا⁹⁸۔ مجھ پر
تین لاکھ درہم کی رقم قرض ہے میں اسے اچھا نہیں سمجھتا کہ تم یہ رقم مسلمانوں کے بیت المال
سے ادا کرو، بہتر یہ ہے کہ یہ رقم اپنے ذمہ لے لو، مہدی نے باپ کی اس خواہش کو پورا کیا
چنانچہ اس نے یہ رقم اپنے ذاتی مال میں سے ادا کی۔⁹⁹

ابو جعفر منصور نے مزید کہا!

”اے ابو عبد اللہ، سب سے قابل شخص وہ ہے جو قدرت کے باوجود سزا نہ دے بلکہ عفو و
درگزر کرے۔¹⁰⁰ اور وہ شخص عقل سے بالکل پیدل ہے جو اپنے چھوٹوں پر ظلم کرنا ہو نیز
کسی کام کو غور و فکر کے بغیر سرانجام دینے کا پختہ ارادہ نہ کرنا کیونکہ عقل ہی وہ آئینہ ہے جس
کے ذریعے انسان اچھائیوں اور برائیوں میں فرق کرتا ہے۔¹⁰¹ بیٹے اللہ کی نعمتوں کا
ہمیشہ شکر کرتے رہو، اپنے میں معاف کرنے کی عادت ڈالو، تالیف قلوب کے ساتھ ساتھ
اطاعت شعاری کرتے رہنا اور فتح و کامرانی کے بعد لوگوں کے ساتھ ہمیشہ عاجزی، انکساری
اور رحمہ لی سے پیش آتے رہنا¹⁰²، فوج اور رعایا کو ہمیشہ خوش رکھنا¹⁰³۔ اے ابو عبد اللہ!
تو کبھی ایسی مجلس میں نہ بیٹھ جب تک تجھے یہ علم نہ ہو کہ تجھ سے کون بات کر رہا ہے، جس کی یہ
خواہش ہو کہ لوگ اس کی تعریف کریں تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی سیرت اچھی رکھے، اس کے
برعکس جسے اپنی تعریف اچھی نہ لگے وہ چاہے اپنی سیرت بُری رکھے کیونکہ جو اپنی حمد پسند کرتا
ہے جو مذموم افعال کرتا ہے وہ مکروہ ہو جاتا ہے۔“¹⁰⁴

ابو جعفر منصور بڑا دور اندیش خلیفہ تھا یہ اپنے دور میں جن عالموں یا گورنروں کو بدعنوانی اور رشوت ستانی کے جرم پر معزول کرتا تو
ساتھ ہی ان کے تمام اثاثے بھی ضبط کر لیتا پھر ان اموال پر ان لوگوں کے ناموں کی پرچی لگا کر بیت المال میں جمع کر دیتا۔ خلیفہ منصور نے
مرنے سے قبل مہدی کو وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد یہ تمام اموال ان لوگوں کو لوٹا دینا جن سے یہ وصول کیے ہیں، اس سے لوگوں کے
دلوں میں تمہاری عزت و تکریم میں اضافہ ہوگا چنانچہ مہدی نے ایسا ہی کیا¹⁰⁵۔

خلیفہ منصور کا دل ہمیشہ جب الہی سے سرشار رہتا، اس کا اندازہ خلیفہ منصور کی اس نصیحت سے لگایا جاسکتا ہے جو اس نے اپنے بیٹے

مہدی بن ابو جعفر کو کی تھی!

”بیٹے جان لو! خلیفہ کی اصلاح تقویٰ سے ہوتی ہے۔ سلطان کی اصلاح اطاعت سے،
رعیت کی اصلاح عدل سے ہوتی ہے نیز شکر کے ذریعے نصیحت کو، عفو کے ذریعے قدرت کو،

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

تالیف کے ذریعے اطاعت کو، تواضع اور لوگوں سے مہربانی کے ذریعے ہمیشہ مدد طلب کرتے

رہو اور اپنے دنیا کے حصے کو اور اپنے رحمت الہی کے حصے کو کبھی فراموش نہ کرنا،¹⁰⁶۔

مذکورہ بالا خوبیوں کے باوجود ابو جعفر منصور نے ہوس اقتدار میں ہر وہ کام کیا جو شریعت اور قانون کی نظر سے قطعاً جائز نہ تھا درج ذیل واقعے سے اس کی بے اصولی کا اظہار ہوتا ہے۔ اموی حکومت کے آخری ایام میں مستقبل کے لاحقہ عمل کے لیے اہل حجاز نے ایک مجلس منعقد کی، جس میں ابو جعفر منصور سمیت بنو ہاشم کے بہت سے سرداروں نے شرکت کی۔ اس مجلس میں حضرت امام حسنؑ کے پوتے محمد بن عبداللہ (نفس زکیہ) کو آئندہ کے لیے خلیفہ منتخب کیا گیا۔ اس دوران ابو جعفر منصور سمیت تمام ہاشمی سرداروں نے اس کی بیعت کی¹⁰⁷۔ حالانکہ اس وقت نفس زکیہ کا والد عبداللہ بن محمد بن حسین بھی زندہ تھا۔ انہیں آئندہ کے لیے خلیفہ منتخب کرنے کی وجہ ان کی پاکیزہ عادات و خصائل تھیں، اسی وجہ سے لوگ انہیں نفس زکیہ کے نام سے پکارتے تھے¹⁰⁸۔ ابو جعفر منصور جب خلیفہ منتخب ہوا تو اس نے اس خطرے کے پیش نظر کہ مبادا نفس زکیہ سا ہاتھ بیعت کی وجہ سے خلافت کا مطالبہ نہ کر دے اس نے نفس زکیہ اور اس کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ کی گرفتاری کا حکم دے دیا، دونوں بھائیوں کی گرفتاری میں ناکام ہو کر خلیفہ منصور نے ان (نفس زکیہ) کے والد عبداللہ بن محمد بن حسین، معززین خاندان اور حضرت عثمان غنیؓ کے پڑپوتے کو گرفتار کر کے کوفہ کے ہیرہ نامی قلعے میں بند کر دیا، ان لوگوں کی گرفتاری کے بعد نفس زکیہ نے مدینہ اور بصرہ میں اپنی خلافت کا باقاعدہ اعلان کر کے ابو جعفر منصور کی معزولی کا حکم دے دیا، نیز اس نے مدینہ کے عباسی گورنر کو معزول کر کے گرفتار کر لیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں حجاز و یمن کے لوگوں نے نفس زکیہ کو خلیفہ اسلام تسلیم کر لیا، اس دوران امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نے نفس زکیہ کی خلافت کے حق میں فتویٰ دے دیا، ان حالات کو دیکھتے ہوئے خلیفہ منصور نے نفس زکیہ کو امان دیتے ہوئے ان کے حمائیوں کو معافی اور گرانقدر وظائف دینے کی پیشکش کی۔ اس کے جواب میں نفس زکیہ نے خلیفہ منصور کو لکھا کہ معافی دینا اور خطا بخشنا میرا کام ہے نہ کہ تیرا، کیونکہ خلافت میرا حق ہے نہ کہ تیرا، ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ کیا یہ امان ویسی تو نہیں جیسی تو نے ابو مسلم خراسانی، اپنے چچا عبداللہ بن علی اور یزید بن ہیرہ کو دی تھی¹⁰⁹۔ یہ جواب سن کر خلیفہ منصور بڑا نا دم ہوا، اب اس نے دوسرا خط لکھ کر خلافت کو بنی عباس کا حق ظاہر کرنے کی کوشش کی، اس خط میں خلیفہ نے اس حلف کا ذکر تک نہ کیا جو اس نے دیگر ہاشمی سرداروں کے ساتھ اٹھایا تھا نیز ابو جعفر منصور نے بڑے پرکشش دلائل دیتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ حضور اکرم ﷺ کی اولاد زینہ نہ ہونے کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کے اصل وارث آپ ﷺ کے چچا اور اس کی اولاد ہے نہ کہ چچا کا بیٹا اور اس کی اولاد، کیونکہ چچا کی موجودگی میں چچا کا بیٹا یا داماد وارث نہیں ہو سکتا، ان سب باتوں کے باوجود جب نفس زکیہ نے ابو جعفر منصور کی ہر پیشکش کو ٹھکرا دیا تو خلیفہ نے نفس زکیہ کے خاتمے کے لیے اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو اس محاذ پر روانہ کیا، عباسی لشکر کو دیکھ کر نفس زکیہ کے اکثر ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ گئے، اب ان کے ساتھ صرف تین سو جاٹا راستھی رہ گئے جنہیں عیسیٰ بن موسیٰ نے ایک ایک کر کے نفس زکیہ سمیت موٹے کے گھاٹ اتار دیا اور حسب معمول مقتولین کے جسموں کو صلیب دے دی¹¹⁰۔ نفس زکیہ کا سر سفید طشتری میں رکھ کر اس کے حمائی تسی صوبوں میں اس کی تشہیر کی گئی، کئی روز مصلوب رہنے کے بعد اس کی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

نفس اس کی بہن زینب بنت عبد اللہ نے حاصل کر کے بقیع کے قبرستان میں دفن کر دی ¹¹¹۔

نفس زکیہ کے قتل کے بعد خلیفہ منصور نے امراہیم بن عبد اللہ کی بیخ کنی کا فیصلہ کیا، دریاے فرات کے کنارے فریقین میں گھسان کی جنگ ہوئی، اس معرکہ میں امراہیم بن عبد اللہ کے ساتھیوں کے ساتھ بہت سے سرکاری فوجی بھی کام آئے، جنگ کے دوران ایک تیر لگنے سے امراہیم بن عبد اللہ جان بحق ہو گیا۔ امراہیم کے قتل کے بعد خلیفہ نے اس کے سر کو اس کے والد عبد اللہ کے پاس بھجوا دیا تاکہ اس کے رنج و الم میں مزید اضافہ ہو سکے، خلیفہ منصور کی اس حرکت پر عبد اللہ نے خلیفہ منصور کو پیغام بھجوایا کہ ”تیرے عروج کی طرح ہماری مصیبت کے دن بھی جلد گزر رہے ہیں نیز بہت جلد ہم اس عادل کے حضور حاضر ہونے والے ہیں جو ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے گا“ ¹¹²۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے اس پیغام کے بعد جتنا خلیفہ منصور کو مغموم دیکھا اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

اس معرکہ میں امراہیم بن عبد اللہ کی شکست کے بعد بہت سے معززین بصرہ کو امراہیم کی حمایت کے جرم میں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا، نیز دونوں بھائیوں کے قتل کے بعد بھی خلیفہ منصور کی آتش غضب ٹھنڈی نہ ہوئی اس نے بصرہ و مدینہ میں نفس زکیہ کے حامیوں کے مکانات گروا دیئے، ان کے کھجوروں کے باغات کو آگ لگوا دی، اولاد حسن و حسینؑ کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں ¹¹³۔ اہل مدینہ کی تمام مراعات واپس لے لی گئیں۔ مصر سے حجاز کو غلہ کی فراہمی روک دی گئی ¹¹⁴۔

جائیداد کی واپسی کے مطالبے پر امام جعفر صادق کو کھلم کھلا قتل کی دھمکیاں دی گئیں ¹¹⁵۔ نفس زکیہ کی خلافت کے حق میں فتویٰ دینے کے جرم میں امام ابو حنیفہ کو جیل بھجوا دیا گیا جہاں انہیں چند دنوں کے بعد مدینہ طور پر زہر دیکر ہلاک کر دیا گیا ¹¹⁶۔ امام مالکؒ کا بھی یہی جرم تھا لہذا انہیں بھی تازیانے لگوائے گئے ¹¹⁷۔ ہیرہ کے قلعہ میں قید بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا گیا اور رہے سبے لوگ ان تاریک کوٹھڑیوں میں اپنے ہی زہر لیے بخار سے دارالبقا کو سدھار گئے ¹¹⁸۔

ابو جعفر منصور کو علویوں اور ان کے حمائیتیوں سے تو خدا واسطے کا بھڑکنا بھی وجہ تھی کہ خلیفہ منصور نے حضرت عثمان غنیؓ کے پڑپوتے محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن عثمانؓ بن عفان کو پہلے قید کیا اور پھر انہیں دوران قید ہی دوستوں کے ساتھ باندھ کر بڑی اذیت ناک موت سے دوچار کیا، خلیفہ منصور کے نزدیک محمد بن عبد اللہ کے دو جرم تھے ایک ان کی بیٹی رقیہ بنت محمد بن عبد اللہ، امراہیم بن عبد اللہ (نفس زکیہ کے بھائی) کی بیوی تھی اور دوسرا نفس زکیہ کے قیام خلافت میں اس نے ان کی مدد کی تھی۔ یہی وجوہات ان پر ظلم و ستم کا باعث بنیں ¹¹⁹۔

یہاں یہ یاد رہے کہ تاریخی جزئیات اکثر و بیشتر ظنی ہوتی ہیں جنہیں یقینی قطعی کا درجہ ہرگز نہیں دیا جاسکتا۔ کسی بھی مؤرخ کے مذہبی افکار و نظریات، سیاسی میلانات و رجحانات شعوری یا لاشعوری تعصبات و واقعات کو ایسا رنگ دے سکتے ہیں جس سے قارئین صحیح حقائق تک پہنچنے کی بجائے غلط تاثر بھی لے سکتے ہیں۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ سیاسی اختلافات کی بناء پر بنو امیہ اور بنو عباس کے حکمرانوں کے خلاف مبالغہ آمیز روایات وضع کی گئی ہوں اس لیے علویوں اور مخالفین بنو عباس پر مظالم کی کہانیاں بھی اسی مبالغہ آمیزی کا حصہ ہو سکتی ہیں مثلاً ابو جعفر منصور پر یہ سنگین الزام بھی عائد کیا گیا کہ اس نے علویوں کو ٹھکانے لگانے کا ہر وہ طریقہ اختیار کیا جو انسانیت سے فروتر تھا، انہیں انتہائی بے دردی سے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

قتل کیا گیا، ظلم تو یہ تھا کہ ان ماحق مرنے والوں کو نماز جنازہ اور دو گز زمین سے بھی محروم کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ ہر مرنے والے کا اخلاقی و مذہبی حق ہے۔ ابو جعفر منصور نے مرنے سے قبل مہدی بن ابو جعفر منصور کو خزانوں کی چابیوں کے ساتھ کچھ ایسے کمروں کی چابیاں بھی دیں جن کے بارے میں مہدی بن ابو جعفر منصور کو یہ حکم تھا کہ انہیں میرے مرنے کے بعد کھلوانا ہوگا، چنانچہ جب ابو جعفر منصور کی وفات کے بعد ان کمروں کو کھولا گیا تو مہدی لرز کر رہ گیا کیونکہ ان کمروں میں آل ابی طالب کے مقتولوں کی بہت سے نعشیں پڑی تھیں جن کے کانوں میں متعدد درفے بندھے ہوئے تھے جن پر ان مقتولین کا حسب نسب تحریر تھا، ان بد قسمت مقتولین میں کم سن بچے، جوان، بوڑھے سب ہی شامل تھے۔ مہدی نے جلد ہی ان سب نعشوں کو دفن کروا کے ان پر قبہ بنوایا۔ ابو جعفر منصور کی شخصیت کا یہ ایسا روپ تھا جس نے اس کی پارسائی کا بھرم کھول کر دکھ دیا¹²⁰۔ اسی ظلم و ستم کے بارے میں ایک دفعہ عبدالصمد بن علی نے ابو جعفر منصور سے کہا کہ آپ نے سزا دینے پر کمر باندھ رکھی ہے اور معاف کرنے کا نام ہی نہیں لیتے اس پر ابو جعفر منصور نے کہا کہ:

”بنو مروان کا خون اب تک نہیں سوکھا اور آل ابی طالب کی تلواریں ابھی تک نیام میں نہیں

گئیں اور ہم وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اب تک خلفاء کی ہیبت و عظمت جاگزیں نہیں

ہوئی ہے لوگ جب تک عفو و درگزر کا لفظ نہ بھول جائیں گے اس وقت تک سزا دہی کا سلسلہ

جاری و ساری رہے گا“¹²¹۔

اصولِ درایت کی بناء پر علویوں پر مذکورہ قسم کے مظالم کی کہانیاں اگر فرضی داستانیں نہیں تو مبالغہ آمیز ضرور ہیں کسی مکان میں نعشوں کا بلا تجھیز و تکفین ڈھیر لگائے جانا اور طویل عرصہ تک اس صورتحال کو برقرار رکھنا اس لیے ناقابل فہم ہے کہ ان گلی سڑی نعشوں سے اٹھنے والی بو اور ان کا تعفن ارد گرد کے رہائش پذیر لوگوں کے لیے وہاں رہنا ناممکن بنا دیتا ہے پھر ایسے غلیظ اور پر تعفن ماحول میں خلیفہ کا خود وہاں رہائش پذیر ہونا بھی ممکن نظر نہیں آتا اور نہ ہی ایسے مبینہ سنگین جرائم ایک طویل عرصے تک لوگوں سے مخفی رکھے جاسکتے تھے اور نہ ہی گمشدہ افراد کے لواحقین کی بے چینی لوگوں سے چھپی رہ سکتی تھی۔

اس طرح یہ بھی ممکن ہے کہ امام ابو حنیفہ کے قید کرنے اور انہیں زہر دے کر ہلاک کرنے کا واقعہ بھی ابو جعفر منصور کی سنگدلی کو ثابت کرنے کے لیے تراشا گیا ہو۔ حالانکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی طبعی موت سے دوچار ہوئے ہوں۔

بعض مؤرخین کی رائے میں ابو جعفر منصور کو اپنے ظلم و ستم پر ذرا براہِ اندامت نہ تھی بلکہ وہ تو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اس کو بچہ جواز فراہم کرتا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال کو بہتر جانتا ہے۔

بقول سید امیر علی ابو جعفر منصور نیکی اور بڑی کا عجیب و غریب مجموعہ تھا۔ اگرچہ وہ مدبر، سیاستدان اور بادشاہ کی حیثیت سے بے مثل و بے نظیر تھا، رعایا کی ہمدردی اور دوراندیشی میں بھی وہ کسی سے کم نہ تھا اور اپنے بیٹوں سے کمالِ محبت بھی رکھتا تھا تاہم وہ مندرجہ بالا اوصاف کے باوجود وعدہ خلاف، دھوکے باز اور انسانی زندگی کی پرواہ نہ کرنے والا انسان تھا۔ ابو العباس السفاح کے مظالم جوشِ انتقام میں سرزد

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ہوتے تھے جب کہ ابو جعفر منصور کے مظالم کمال غور و فکر اور جوڑ توڑ کا نتیجہ ہوتے تھے۔ اس کے نزدیک کسی پر خفیف سا شک بھی اس کی جان لینے کے لیے کافی ہوتا تھا، علویوں سے اس کے سلوک نے عباسی تاریخ کو سیاہ کر کے رکھ دیا¹²²۔

ابو جعفر منصور ہی وہ پہلا عباسی خلیفہ ہے جس نے علویوں اور عباسیوں میں فتنہ انگیزی کا بیج بویا حالانکہ اس سے پہلے یہ دونوں باہم متحد و متفق تھے¹²³۔ ذیل میں ہم ابو جعفر منصور کے ان سیاہ کارناموں کا ذکر کریں گے جس کی وجہ سے مورخین اس کی شخصیت پر تنقید کرتے ہیں۔ اس کی احسان فراموشی کی چند ایک مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔ ابو مسلم خراسانی وہ شخص ہے جس نے خلافت عباسیہ کے قیام میں ایزی چوٹی کا زور لگا دیا، اس نے اس مقصد کے حصول کے لیے سخت مشقتیں اٹھائیں¹²⁴۔ یہاں تک کہ اس نے چھ لاکھ انسانوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہ کیا¹²⁵۔ اس سے بڑی اور ستم ظریفی کیا ہوگی کہ جب عباسی خلفاء کو زمام اقتدار حاصل ہو گئی تو انہوں نے اپنے ہی اس عظیم محسن کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عباسی تحریک کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر ابو مسلم خراسانی اس تحریک میں شامل نہ ہوتا تو یہ تحریک شاید اس کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی اور نہ ہی عباسیوں کو یہ خلافت حاصل ہوتی جسے وہ اپنا حق سمجھتے تھے۔ ان احسانات سے قطع نظر ابو جعفر منصور ابو مسلم کو شروع سے ہی عباسیوں کے لیے خطرہ محسوس کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے ابو العباس السفاح کو بھی اس کے قتل کا مشورہ دیا اس کے جواب میں السفاح نے کہا کہ اس کا دل ہماری محبت سے سرشار ہے اور وہ ہمارے ہر حکم کی تعمیل دل و جان سے کرتا ہے اور ہماری اطاعت کا جذبہ اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہے اس لیے ایسی بات دوبارہ زبان پر نہ لانا“¹²⁶۔ لیکن اس کے باوجود ابو جعفر منصور مسلسل اسے ابو مسلم کے قتل پر اکساتا رہا۔ چنانچہ جب ابو جعفر منصور بلا شرکت غیرے خلیفہ بن چکا تو اسے کسی سے اجازت یا مشاورت کی ضرورت نہ تھی، اس لیے اس نے خلیفہ بننے کے بعد ابو مسلم کے ذریعے سب سے پہلے اپنے چچا عبداللہ بن علی کی بغاوت کو فرو کیا، بعد ازاں ابو مسلم خراسانی کو موٹے گھاٹ اتار دیا¹²⁷۔

ابو مسلم کے قتل کے بعد ابو جعفر منصور نے عبداللہ بن علی کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنایا، نصیبین کے معرکے میں شکست کے بعد عبداللہ بن علی پہلے ہی خلیفہ منصور کی قید میں تھا۔ عبداللہ بن علی کا جرم یہ تھا کہ اس نے السفاح کی وفات کے بعد بغاوت کر کے شام میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا، کیونکہ اس کا موقف یہ تھا کہ ابو العباس السفاح نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ”مروان بن محمد (آخری اموی خلیفہ) کا قاتل میرا جانشین ہوگا“¹²⁸۔ جب کہ ابن خلدون کے بقول السفاح کے تمام بھائیوں نے جب مروان بن محمد کی سرکوبی کے لیے حراں جانے سے انکار کر دیا تو خلیفہ اول السفاح نے کہا کہ ”جو شخص حراں جائے گا وہی میرا ولی عہد ہوگا“¹²⁹۔ لہذا میں عبداللہ بن علی ہی وہ شخص تھا جو حراں گیا اور مروان کو شکست دے کر اس کا سر ابو العباس کے قدموں میں رکھ دیا، چنانچہ السفاح کا یہی وہ وعدہ تھا جسے بنیاد بنا کر عبداللہ بن علی نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تھا لیکن اس کے برعکس خلیفہ منصور کی نظر میں یہ عبداللہ بن علی کی بغاوت تھی ابو جعفر منصور نے اگرچہ عبداللہ بن علی کی گرفتاری کے بعد اسے بظاہر معاف کر دیا تھا تاہم وہ اسے اس جرم کی سزا دینا بھی ضروری سمجھتا تھا، یہی وجہ تھی کہ جب اسے خلیفہ کے روبرو پیش کیا گیا تو خلیفہ نے بڑی شان و شوکت سے اس کا استقبال کرتے ہوئے اسے ایک ایسے مکان میں رکھا جس کی بنیادیں نمک پر استوار کی گئیں تھیں ابھی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اسے اس مکان میں ٹھہرے ہوئے چند دن ہی گزرے تھے کہ پہلی ہی بارش نے اس مکان کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا، جس سے اس کی چھت اس بد قسمت قیدی پر آگری اور وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا¹³⁰۔ امان اور معافی کے باوجود عبداللہ بن علی کو ان خدمات کا یوں صلہ دیا گیا جو اس نے عباسی خلافت کے قیام میں سرانجام دی تھیں۔ اس نے ان کے لیے بے گناہ امویوں کا بے دریغ قتل عام کیا تھا، یہاں تک کہ اس نے نوے امویوں کو معافی کا وعدہ کر کے بلایا اور پھر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا، اس کے ظلم کی انتہا یہ تھی کہ اس نے بڑے بڑے اور سستے ہوئے امویوں پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا، یہ متنو لین مر رہے تھے جب کہ عبداللہ بن علی ان پر قہقہے لگا رہا تھا¹³¹، یاد رہے کہ عبداللہ بن علی کے ظلم کا شکار نہ صرف زندہ ہوئے بلکہ اس نے مردوں کو بھی معاف نہ کیا۔ اس نے اموی خلفاء کی قبروں کو اکھاڑ کر ان کی ہڈیوں تک کو جلا دیا¹³²۔ بقول ہٹی ”ابو مسلم خراسانی کے بعد عبداللہ بن علی ہی وہ شخص تھا جس کی کاوشوں سے عباسیوں کو کامیابی حاصل ہوئی“¹³³۔ ابو جعفر منصور کے نزدیک اس کے احسانات کا شائد یہی صلہ تھا۔

خلیفہ منصور نے ابو مسلم خراسانی اور عبداللہ بن علی کی طرح عیسیٰ بن موسیٰ کے احسانات کا بدلہ بھی بے مروتی کی صورت میں دیا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے خلافت کے سب سے بڑے اور مضبوط دعویدار نفس زکیہ (محمد بن عبداللہ اور اس کے بھائی ابراہیم بن عبداللہ) سے جنگ کر کے انہیں خلیفہ منصور کے راستے سے ہٹایا۔ مگر اس کے باوجود ابو جعفر منصور نے نفس زکیہ کے خاتمے کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی سے خارج کرنے کا فیصلہ کیا۔ ابو جعفر منصور کے نزدیک عیسیٰ بن موسیٰ کی خدمات کا یہی صلہ تھا خلیفہ نے اسے دستبرداری سے قبل اچھی طرح ذلیل و رسوا کیا¹³⁴۔ پہلے اسے کوفہ کی گورنری سے معزول کیا¹³⁵۔ پھر اسے دربار خلافت میں نظر انداز کیا جانے لگا، کبھی شعراء سے اس کی جھوٹا کروائی گئی¹³⁶۔ یہاں تک کہ اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے اسے کھانے میں کوئی زہریلی چیز کھلائی گئی لیکن خلیفہ اس منصوبے میں بھی کامیاب نہ ہوا تو خالد بن برمک کے مشورے سے ایک جعلی دستاویز کے ذریعے اسے ولی عہدی سے معزول کر دیا گیا¹³⁷ الغرض خلیفہ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کی بے پناہ قربانیوں کا صلہ اسے ولی عہدی سے دستبرداری کی صورت میں دیا اور اسے معزول کر کے اس کی جگہ اپنے بیٹے مہدی بن ابو جعفر منصور کو اپنا ولی عہد مقرر کیا¹³⁸۔

بعض مؤرخین کے نزدیک عیسیٰ بن موسیٰ کو جعلی دستاویز کے ذریعے معزول کرنے میں خالد بن برمک کا بڑا اہم کردار تھا¹³⁹۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ منصور نے ابو مسلم خراسانی، عبداللہ بن علی اور عیسیٰ بن موسیٰ کے ساتھ احسان فراموشی کی یاد تازہ کرتے ہوئے پہلے خالد بن برمک کو ذلیل و خوار کر کے معزول کیا پھر اس پر تیس لاکھ درہم کا تاوان عائد کر کے حکم دیا کہ اگر تم نے یہ تاوان تین دن کے اندر جمع نہ کرو یا تو تمہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا¹⁴⁰۔ ابو جعفر منصور کی احسان فراموشی اور بے مروتی اپنی جگہ لیکن اس کے باوجود جب خالد بن برمک کو موصل اور جزیرہ کی بغاوت اور شورش کے سلسلے میں مشاورت کے لیے دربار خلافت میں طلب کیا گیا تو خالد بن برمک نے نہ صرف اس سلسلے میں خلیفہ کو مفید مشورے دیے بلکہ ان شورش زدہ علاقوں میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروکار لاتے ہوئے یہاں امن و امان قائم کیا¹⁴¹۔ لیکن ابو جعفر منصور کی اتنی بڑی پریشانی دور کرنے کے باوجود بھی اسے تاوان کی رقم معاف نہ کی گئی¹⁴²۔ دراصل ابو جعفر منصور

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور تھا کہ جس نے بھی اس کے ساتھ مروت اور احسان مندی کا رویہ اختیار کیا، اس نے اُس کی خدمات کا صلہ اُسے احسان فراموشی کی صورت میں دیا، اس طرح خالد بن برمک کے ساتھ بھی خلیفہ ابو جعفر منصور نے وہی کچھ کیا جو وہ اپنے محسنوں کی خدمات کے سلسلے میں کرنے کا عادی تھا۔

ابو جعفر منصور سیاسی اور ذاتی مصلحتوں کے پیش نظر اپنے وعدوں کا بھی پاس نہ کرتا تھا۔ مؤرخین کے نزدیک اس نے متعدد بار اپنے ہی عہد و بیان کو پامال کیا، مثلاً اس نے یزید بن ہبیب — رہ کو جان کی امان دی لیکن بعد میں اسے مروا دیا۔ حالانکہ یزید بن ہبیب سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوئی تھی جو اسے وعدہ خلافی پر مجبور کرتی¹⁴³۔ اسی طرح اس نے ابو مسلم خراسانی کو جان کی امان دیکر بلایا پھر بد عہدی کرتے ہوئے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا¹⁴⁴۔ بالکل ایسے ہی اس نے اپنے چچا علی بن عبد اللہ کو اہل خاندان کے روبرو معاف کرنے کا وعدہ کیا پھر حیلہ سازی سے اُسے بھی ٹھکانے لگا دیا¹⁴⁵۔ حسب سابق اس نے خاندان بنو عباسؓ اور رعایا کے ساتھ اپنی بیعت خلافت کے ساتھ ساتھ عیسیٰ بن موسیٰ کی ولی عہدی کی بیعت بھی لی لیکن بعد میں حسب معمول وعدہ خلافی کرتے ہوئے اسے ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے مہدی بن ابو جعفر منصور کو اپنا ولی عہد نامزد کر دیا¹⁴⁶۔

خلیفہ منصور کے نزدیک عہد و بیان کی کوئی وقعت نہ تھی خواہ یہ عہد و بیان قومی یا سیاسی نوعیت کے ہوں یا ان کا تعلق نجی زندگی سے ہو، وہ اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی بیوی ام موسیٰ سے یہ تحریری معاہدہ کیا کہ وہ اپنی زندگی میں کبھی بھی دوسری شادی نہ کرے گا اور نہ ہی کسی لونڈی سے تمتع کرے گا دس برس تک تو خلیفہ منصور اپنے اس عہد پر کاربند رہا، لیکن اس کے بعد پھر اس کا دل للچانے لگا کہ کوئی ایسی تدبیر اختیار کی جائے جس سے اسے دوسری شادی کا شرعی جواز میسر آ سکے، چنانچہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اس نے پورے ملک کے علماء و فقہاء کو مدعو کیا، لیکن ان میں سے کوئی بھی اسے شرعی جواز فراہم نہ کر سکا، اس طرح اسے دوسرے شادی کے لیے ام موسیٰ (اپنی بیوی) کی موت تک انتظار کرنا پڑا، تاہم اپنی بیوی کے انتقال کے بعد اس نے کنواری لڑکی سے شادی کر کے اپنی خواہش کی تکمیل کی¹⁴⁷۔

ابو جعفر منصور بڑا ضعیف الاعتقاد تھا یہ پہلا عباسی خلیفہ تھا جس کے دربار میں نجومیوں کو بڑی عزت و تکریم حاصل تھی یہ ہر کام کرنے سے پہلے نہ صرف ان نجومیوں سے مشورہ لیتا بلکہ ان کے کہنے پر عمل بھی کرتا تھا¹⁴⁸۔

جہاں ابو جعفر منصور کی سخاوت اور دریا دلی کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں وہاں مؤرخین اس کے بخل کے قصے بیان کرتے ہوئے نہیں ٹھکتے۔ چنانچہ ابن طقطقی خلیفہ ابو جعفر منصور کے بارے میں کہتا ہے۔

”صحیح بات یہ ہے کہ ابو جعفر منصور بڑا محتاط و ہوشیار شخص تھا دینے کا موقع آتا تو خوب دیتا اور نہ دینے کا موقع ہوتا تو بالکل نہ دیتا تاہم ہاتھ روکے رہنے کی خصلت اس کی سخاوت پر غالب تھی“¹⁴⁹۔

علامہ سیوطی اس کے بارے میں رقمطراز ہے۔

”ابو جعفر منصور بڑا حریص اور بخیل تھا یہ اپنے ہاتھوں سے پیسے پیسے اور دانے دانے کا حساب لیا کرتا تھا“

اس لئے لوگوں میں اس کا لقب ابوالدوانیق (پیے کا باپ) مشہور ہو گیا۔¹⁵⁰ -

ابو جعفر منصور نے اپنے مرنے پر ساٹھ کروڑ درہم اور ایک کروڑ چالیس لاکھ دینار چھوڑے لیکن اتنے مال و دولت کے باوجود وہ اپنی زندگی میں اس قدر زبیل تھا کہ جس کا ایک عام آدمی بھی تصور نہیں کر سکتا تھا مثلاً اس نے اپنے باورچی سے یہ معاملہ طے کیا ہوا تھا کہ چانوروں کے سری اور پائے باورچی کے ہونگے اس کے بدلے وہ ایندھن اور مصالحے کا انتظام کرے گا۔¹⁵¹

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

مہدی بن ابو جعفر منصور

(158ھ/169ھ 774 تا 785ء)

اس کا نام محمد بن عبد اللہ المنصور بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب، لقب المہدی اور اس کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ مہدی بن ابو جعفر منصور کو اس لحاظ سے دوسرے عباسی خلفاء پر فوقیت حاصل ہے کہ اس کی بیعت خلافت بیت اللہ میں ہوئی¹⁵²۔ مہدی شروع سے ہی غیر شرعی کاموں سے بیزار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب استاذ سیس نے نبوت کا دعویٰ کیا تو مہدی بن ابو جعفر منصور نے اس نکتے کو فرد کرنے کے لیے بہتر ہزار آدمیوں کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کیا¹⁵³۔ اسی طرح مہدی بن ابو جعفر منصور نے مفتح خراسانی کا بھی قلع قمع کیا کیونکہ یہ عقیدہ تباہی کا قائل تھا اور یہ کہتا کہ (معاذ اللہ) اللہ کی روح پہلے ابو مسلم خراسانی میں حلول کر گئی اور بعد میں یہی الوہیتی جزو مجھ میں حلول کر گیا۔ چنانچہ مہدی نے 163ھ/779ء میں اس کی سرکوبی کے لیے سعید الحارث کو روانہ کیا، سخت محاصرے سے نکل آ کر اس نے خود ہی زہر پی لیا۔ اس کے مرنے کے بعد سعید الحارث نے اس کا سر کاٹ کر مہدی کے پاس حلب بھجوا دیا۔ اس کے قتل کے بعد مفتح زندیق کا پیدا کیا ہوا فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا¹⁵⁴۔

زندقیوں کے اعتقادات اور ان کی تعلیمات چونکہ اسلام کے برعکس تھیں اس لیے مہدی بن ابو جعفر منصور نے بغیر کسی مصلحت کے 167ھ/783ء میں ان کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور ان سب زندقیوں کا قتل مہدی کے سامنے ہوا¹⁵⁵۔ مہدی نے اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان (زندقیوں) کے عقائد کے رد میں علمائے حق سے بہت سی کتابیں تحریر کروائیں¹⁵⁶۔ مہدی کے برسرِ اقتدار آتے ہی خوارج نے اپنی طحانہ سرگرمیوں میں غیر معمولی اضافہ کرنا شروع کر دیا، جس سے ملک میں بد امنی کے ساتھ ساتھ لوگوں میں غیر اسلامی تصورات بھی جنم لینے لگے، معاملہ جب حد سے گزر گیا تو مہدی نے ان کی بیخ کنی کے لیے حمیب بن واہج مروزی کی سربراہی میں ایک لشکر جرار روانہ کیا، خوارج نے ابتداء میں تو سرکاری فوجوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تاہم زیادہ دیر تک مقابلے کی تاب نہ لاسکے، آخر کار حمیب بن واہج نے ان کے سردار عبد السلام خارجی کو قتل کر دیا،¹⁵⁷ اس کے قتل ہوتے ہی خارجی فوجوں کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اس معرکے میں وقتی طور پر خوارج کا خاتمہ ہو گیا۔

مہدی ہمیشہ سنت رسول ﷺ پر چلنے کا متمنی رہتا، اس نے اموی خلفاء کے بنائے ہوئے مقصوروں¹⁵⁸ کو بھی مسجد حرام اور مسجد نبوی سے ہٹوا دیا۔ (اموی خلفاء رعایا کے ساتھ نماز پڑھنے کی بجائے ان مقصوروں میں نمازیں ادا کرتے تھے) اس نے سابقہ ادوار میں بنائے گئے منبروں کو اتنا نیچے تعمیر کروایا جتنا کہ رسول اللہ ﷺ کا منبر ہوتا تھا¹⁵⁹۔ مہدی کا نظریہ یہ تھا کہ تمام انسان برابر ہیں اس لیے اس مساوات کا اظہار مساجد میں بھی ہونا چاہیے۔ مہدی کو ہر اس کام سے نفرت تھی جس میں سنت رسول ﷺ کی نفی ہوتی ہو۔ مہدی کو بتایا گیا کہ اس کا ولی عہد عیسیٰ بن موسیٰ جب نماز جمعہ کے لئے مسجد آتا ہے تو وہ سواری سمیت ہی مسجد کے اندر داخل ہو جاتا ہے اس سے نہ صرف مسجد کی حرمت پامال ہوتی ہے بلکہ دوسرے نمازی بھی اس سے پریشان ہوتے ہیں۔ اس اطلاع کے بعد مہدی نے حکم دیا کہ مسجد کے راستوں کو لکڑی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

لگا کر بند کر دیا جائے تاکہ صرف پیدل لوگ ہی مسجد تک پہنچ سکیں اور لوگوں کو اپنی سواریاں گلی کے دہانے پر ہی کھڑی کرنا پڑیں¹⁶⁰۔ مہدی کے اس اقدام سے نمازیوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا اور اس سے لوگوں میں یہ احساس بھی جاگزیں ہوا کہ مسجد کے اندر ہم میں اور خاندان شاہی کے افراد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مہدی کے نزدیک مقامات مقدسہ کی اہمیت دنیا میں ہر چیز سے زیادہ تھی، یہی وجہ تھی کہ دوران حج جب حجاج کرام نے مہدی سے شکایت کی کہ کعبہ پر اس قدر خلاف چڑھائے گئے ہیں کہ ان کے بوجھ سے اس (کعبہ) کے انہدام کا اندیشہ ہے، اس پر مہدی نے تمام پرانے غلاف اتارنے کا حکم دیا¹⁶¹ اور ان سب کی بجائے قباطی، ریشم اور دیباچ کا بنا ہوا غلاف چڑھایا، اور کعبہ کو اوپر سے لیکر نیچے تک کستوری اور عنبر سے لپ کیا، یاد رہے کہ اس سے پہلے کعبہ کا غلاف بدلنے کا رواج نہ تھا بلکہ ہر سال سابقہ غلاف پر ہی نیا غلاف چڑھا دیا جاتا تھا۔ مہدی کے نزدیک مقامات مقدسہ کی عزت و تکریم سب چیزوں پر مقدم تھی اسی چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس نے حرم میں توسیع کا حکم دیا۔ چنانچہ گورنر مکہ نے حرم کے قرب و جوار میں تمام مکانات کو منہ مانگے داموں خرید کر کعبہ میں توسیع کی¹⁶²۔ اس لحاظ سے مہدی آخری خلیفہ تھا جس نے حرم شریف میں توسیع کروائی¹⁶³۔ حرم کے ساتھ بصرہ کی جامع مسجد میں توسیع بھی مہدی کے حکم سے ہوئی۔ اس نے یہاں بھی مقصوروں کو ہٹانے اور منبر کو چھوٹا کر کے منبر رسول ﷺ کے برابر کرنے کا حکم دیا¹⁶⁴۔

مہدی کی اہل حجاز سے اس عقیدت ہی کا نتیجہ تھا کہ حج سے واپسی پر اس نے قیام مدینہ کے دوران وہ اپنی ذاتی حفاظت کے لیے پانچ سوانصاری بھرتی کر کے اپنے ساتھ بغداد لایا، ان سے خلیفہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ بوقت فوجی خدمات بھی لی جاتیں تھیں ان کو تنخواہ کے ساتھ مزید عطایا سے بھی نوازا جاتا تھا نیز مہدی نے انہیں بغداد میں ایک جاگیر بھی عطا کی جو انہی کے نام سے موسوم تھی¹⁶⁵۔ مہدی کی اہل حجاز سے محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حج کے موقع پر اس نے مکہ و مدینہ کے لوگوں میں بہت سامان تقسیم کیا۔ ابن کثیر کے بقول اس نے تیس کروڑ درہم اور ایک لاکھ کپڑے کے تھان اہل حجاز میں تقسیم کئے، نیز اس نے مصر سے آئے ہوئے تین لاکھ دینار اور یمن سے آنے والے دو لاکھ دینار بھی مکہ اور مدینہ کے باشندوں میں تقسیم کر دیئے¹⁶⁶۔ اہل حجاز سے محبت و عقیدت کے پیش نظر اس نے مکہ و مدینہ کے لیے دوبارہ مصر سے غلے کی فراہمی کا حکم دیا جو کہ منصور نے اہل حجاز سے ناراضگی کی وجہ سے منقطع کر دیا تھا¹⁶⁷۔ مہدی نے مکہ معظمہ میں سڑکیں، عالیشان عمارتیں اور بہت سے پانی کے حوض بنوائے¹⁶⁸۔ حجاج کرام کے لیے مکہ کے راستوں میں سرائے خانوں کے ساتھ ساتھ پانی کے حوض بھی تعمیر کروائے جو ہر وقت پانی سے بھرے رہتے تھے¹⁶⁹۔ اہل حجاز کے حالات سے باخبر رہنے کے لیے عراق اور حجاز کے درمیان مواصلات کا سلسلہ شروع کیا¹⁷⁰۔ مہدی کو مسلمانوں کا قبلہ اول دیکھنے کا بڑا شوق تھا، چنانچہ اس نے اپنے شوق کی تکمیل کے لیے بیت المقدس کی طرف سفر کیا۔ اس نے کئی روز تک وہاں قیام بھی کیا¹⁷¹۔ مہدی اپنے آپ کو رعایا کا خادم سمجھتے ہوئے ہمیشہ ان کی فلاح و بہبود کے لیے متفکر رہتا، یہی وجہ تھی کہ اس نے رعایا پر ساٹھ ہزار درہم اور ایک کروڑ چالیس ہزار دینار خرچ کیے¹⁷²۔

رومی آئے دن سرحدی شہر مرعش پر حملہ کر کے مسلمانوں کو قتل کرتے اور ان کے اموال کو لوٹ لیتے تھے، مہدی کو رومیوں کے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

بارے میں جب یہ شکایت ملی تو اس نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ”الحادث“ نامی سرحد بنائی تاکہ رومی مسلمانوں کے علاقوں میں گھس کر انہیں جانی و مالی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اس سرحد کے قیام کے بعد دوبارہ رومیوں کو حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی¹⁷³۔ دوران حج مہدی ایک رات دیر گئے طواف کے لیے نکلا، اس دوران حرم کے ایک کونے سے ایک عورت نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا واسطہ دے کر فریاد کیا اور اس نے کہا ”میری قوم مصائب میں مبتلا، قحط زدہ اور مقروض ہے ہمارے مرد اور مویشی ہلاک ہو چکے ہیں ہمارے بچے حالت غربت میں در بدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں جب کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ حسن و سلوک کا حکم دیتا ہے اب اللہ کے علاوہ کوئی ایسا امیر ہے جو میری مالی معاونت کرے، اللہ پھر اس کی مدد کرے گا۔ غیب میں اس کے اہل و عیال کی حفاظت کرے گا۔“ عورت کی فریاد سن کر مہدی کا دل پسسیج گیا اور اس نے فریاد کرنے والی عورت کو پانچ سو درہم دیے¹⁷⁴۔ مہدی کی یہ فطرت تھی کہ جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا واسطہ دے کر اس سے کچھ طلب کرتا تو مہدی اسے کبھی بھی خالی ہاتھ نہ لوٹا تا۔ مہدی کو اس بات کو بخوبی احساس تھا کہ اس کے والد ابو جعفر منصور نے ظلم اور زیادتی سے لوگوں کا مال ہتھیا کر انہیں پابند سلاسل کیا ہے۔ لہذا اس نے خلیفہ بننے ہی لوگوں کو ان کا ضبط شدہ مال و دولت واپس کر دیا¹⁷⁵ اور سوائے انتہائی شریکین افراد کے سب کو رہا کر دیا۔ ان رہا ہونے والے افراد میں علویوں کے تمام افراد بھی شامل تھے۔ مہدی نے ان رہائی پانے والے لوگوں کے گزر بسر کے لیے وظائف بھی مقرر کر دیے تاکہ یہ لوگ بقیہ زندگی عزت و آبرو سے گزار سکیں¹⁷⁶۔ نیز مہدی نے بے سہارا قیدیوں، گداگروں اور کوڑھیوں کے لیے بھی وظائف مقرر کیے تاکہ وہ مانگنے سے باز رہیں اور کوڑھی اپنا متعدی مرض ملک کے دوسرے حصوں میں نہ پھیلائیں¹⁷⁷۔ مہدی نہ تو خود اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھتا اور نہ ہی اپنے عمال کو کبھی اس قسم کی خوش فہمی کا شکار ہونے دیتا۔ درج ذیل واقعے سے اس کی ذہنی سوچ کی عکاسی ہوتی ہے اس نے حاکم بصرہ کو لکھا!

”مسلمانوں کے امراء صاحبان اپنے اپنے خاص لوگوں اور عوام کے امور میں تھیفے کے لیے اس بات کے سب سے زیادہ سزاوار ہیں کہ وہ کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ کے مطابق احکام نافذ کریں اور اس پر عمل پیرا ہوں یہ ان کا فرض ہے کہ وہ اس کی اتباع میں استقامت اور دوام کو قائم رکھیں اسی طرح ہر شخص کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ ان کی بجا آوری کرے خواہ یہ ان کے موافق ہوں یا مخالف کیونکہ صرف اس سے ہی اللہ تعالیٰ کے حقوق و حدود کی پاسداری ہو سکتی ہے اس طرح جو ان احکام کی اتباع کرے گا اسے اس کا اجر و ثواب ملے گا اور جو غلبہ خواہش نفس کی وجہ سے ان کی نافرمانی کرے گا اسے دین و دنیا میں خسارہ ہوگا۔“¹⁷⁸

اس نے گورنروں اور عمال کے محاسبے کے لیے امینوں کا تقرر کیا ان کا کام یہ ہوتا کہ وہ گورنروں اور عاملوں کی نا انصافی سے خلیفہ کو ہر وقت آگاہ رکھیں¹⁷⁹۔ مہدی عوام و خاص کا محبوب تھا کیونکہ اس نے اپنی خلافت کا آغاز مظالم کے متعلق غور و فکر کرنے، قتل و غارت گری روکنے اور خوف زدہ کو امن دینے سے کیا تھا¹⁸⁰۔ مہدی مظلوموں کی دادری کے لئے ہر وقت تیار رہتا جب وہ انصاف کرنے بیٹھتا تو کہتا تھا کہ ”قاضیوں کو بھی میرے پاس لے آؤ کیونکہ دادری کے متعلق میرا فیصلہ اگر قاضیوں سے شرمانے کی وجہ سے بہتر سمجھو تو میرے لیے یہی کافی ہے۔“¹⁸¹

مہدی سمجھتا تھا کہ قانون کا اطلاق سب پر یکساں ہونا چاہیے اس مقصد کے لیے اس نے کبھی بھی اپنے آپ کو قانون سے ماوراء نہ سمجھا۔ درج ذیل واقعے سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مہدی کے دور خلافت میں مسور بن مساور نامی شخص نے قاضی شہر کی عدالت میں مہدی کے خلاف ایک مقدمہ دائر کیا، جس میں اس نے موقف اختیار کیا کہ خلیفہ وقت نے میری فلاں جائیداد ظلم سے ہتھیالی ہے۔ قاضی نے خلیفہ کو عدالت میں طلب کیا اور اس سے مقدمہ کے بارے میں وضاحت چاہی جس کا خلیفہ مہدی کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا، جبکہ فریق مخالف نے اس پر ناقابل تردید ثبوت پیش کیے۔ چنانچہ قاضی نے فریقین کا موقف سننے کے بعد خلیفہ وقت کے خلاف فیصلہ دیا اور مہدی سے کہا آپ اس جائیداد سے دستبردار ہو جائیں مہدی نے قاضی کے سامنے سر خم تسلیم کیا حالانکہ یہ جائیداد بیس کروڑ درہم سے بھی زیادہ مالیت کی تھی¹⁸²۔

مہدی بن ابوجعفر منصور میں احسان مندی کے جذبات بدرجہ اتم موجود تھے ایک دفعہ مہدی شکار کو گیا اور راستہ بھول کر فوج سے الگ ہو گیا اب پریشانی کے عالم میں اس نے خدا سے دعا کی، دعا کے بعد اسے دور سے آگ نظر آئی، چنانچہ یہ اس آگ کے پاس پہنچ گیا جہاں پر جھونپڑی میں دو میاں بیوی موجود تھے مہدی کے پہنچنے پر انہوں نے اپنے اکلوتے بکرے کو ذبح کر کے اس کی ضیافت کی۔ کھانے سے فارغ ہو کر مہدی نے اُس بوڑھے شخص کو کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پانچ لاکھ درہم لکھ کر دے دیئے، کچھ عرصے کے بعد مذکورہ شخص شہر آیا اور کافی تلاش کے بعد خلیفہ کے قصر تک پہنچ گیا مہدی نے اسے پہچان کر وہ پانچ لاکھ درہم دے دیئے پھر خلیفہ نے درباریوں کو اُس بوڑھے کی مہمان نوازی کا قصہ سنایا اور کہا کہ اگر اُس وقت یہ مجھے نہ ملتا تو شاید آج میں موجود نہ ہوتا، اب وہ شخص یہ رقم لے کر مکہ جانے والے راستے میں قیام پذیر ہو کر مسافروں کی مہمان نوازی کرنے لگا اسی وجہ سے اس کا گھرا میرا المومنین کے میزبان کے نام سے مشہور ہو گیا۔¹⁸³

مہدی قرابت رسول ﷺ پر ہمیشہ فخر کرتا تھا صوفی کا بیان ہے کہ ایک خاتون نے مہدی سے کہا ”اے میرا المومنین! آپ رسول ﷺ کے رشتہ دار ہیں آپ میری ضرورت پوری کر دیجئے“ اس پر مہدی نے اسے دس ہزار درہم انعام دیتے ہوئے کہا ”آج تک میں نے یہ الفاظ کسی کی زبان سے نہیں سنے“۔¹⁸⁴

مہدی کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد سنت رسول کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل تھی یہی وجہ تھی کہ بصرہ میں نہر کے مسئلے پر جب فریقین میں تنازعہ پیدا ہوا تو ان میں سے ایک فریق نے اپنے موقف کی دلیل میں حدیث نبویؐ پیش کی، مہدی نے جب وہ حدیث سنی تو اس کا سر جھک کر زمین پر لگ گیا اور اس نے کہا!

”حدیث نبویؐ سر آنکھوں پر کیونکہ حدیث کی تعمیل ہم سب پر فرض ہے۔“¹⁸⁵

اصمعی کا بیان ہے کہ مہدی بصرہ کے منبر پر اکثر کہا کرتا تھا کہ ”اے لوگو! خدا اور اس کے فرشتے چونکہ رسول ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اس لیے تم اے مسلمانو! رسالت مآب ﷺ پر درود و سلام بھیجا کرو“¹⁸⁶

مہدی اپنے آباؤ اجداد کے نسب سے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی کرتا تھا اس چیز کو دیکھتے ہوئے اس نے زبیر بن عباس

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

(یہ قٹم بن عباس بن عبدالمطلب کی نسل سے تھا) کو سندھ کا والی مقرر کیا¹⁸⁷۔ مہدی خاندان رسالت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام سے بھی محبت رکھتا تھا اس کا اندازہ آل ابوبکرؓ کو دیوان¹⁸⁸ میں شامل کرنے سے لگایا جاسکتا ہے مہدی سے پہلے آل ابوبکرؓ کے نام دیوان سے خارج کر دیئے گئے تھے مہدی نے خلافت سنبھالنے کے بعد دیوان میں شامل لوگوں کا جائزہ لیا اور اس میں آل ابوبکرؓ کو نہ پا کر ان کے نسب کو خاندان رسالت میں شامل کر کے دیوان میں ان کے ناموں کا اندراج کر دیا پھر اس حکم نامے کو سلطنت کے تمام عاملوں اور گورنروں کو بھجوا دیا گیا، مہدی کی زندگی تک اس پر مسلسل عمل ہوتا رہا۔¹⁸⁹

مہدی کے مزاج میں عفو و درگزر کا عنصر دیگر عباسی خلفاء سے زیادہ تھا۔ درج ذیل مثالوں سے اس کی عکاسی ہوتی ہے ایک دفعہ مہدی اپنے ایک سردار پر سخت برہم ہوا وہ اس سے پہلے بھی کئی بار اسے سرزنش کر چکا تھا نہ کورہ سردار نے اس دفعہ پھر وہی غلطی دہرائی جس کی وجہ سے پہلے اس کی سرزنش ہو چکی تھی مہدی نے اسے دیکھتے ہی غصے سے کہا ”تم کب تک قصور کرتے رہو گے اور میں کب تک تمہیں معاف کرتا رہوں گا؟“ اس پر اس سردار نے کہا ”مجھ سے مدت العز و العز شیں ہوتی رہے گی اور اللہ آپ کو جب تک حیات رکھے گا آپ معاف کرتے رہیں گے“¹⁹⁰

سردار کے یہ الفاظ سن کر مہدی خاموش ہو گیا اور اُسے معاف کر دیا ایک دفعہ مہدی نے اپنی تقریر میں کہا ”اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا تم خود اللہ سے ڈرو کیونکہ تم حق کے خلاف کرتے ہو، مہدی نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا ”اوحرام زادے! تو مجھے منبر پر ٹوکتا ہے کہ اللہ سے ڈر“ اس پر اس شخص نے کہا کہ ”گالی دینا آپ کی خو ہے اگر کوئی اور ایسا کہتا میں آپ ہی کے سامنے اس پر دعویٰ کرتا“۔ مہدی نے کہا ”تو مجھے بیٹھی“¹⁹¹ معلوم ہوتا ہے ”اس پر اس نے کہا ”اس سے آپ کو اور بھی زیادہ شرم آئی چاہیے کہ ایک معمولی بیٹھی آپ کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہے“ بیٹھی کی یہ باتیں سن کر سرکاری محافظوں نے اس کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا اور قریب تھا کہ اس کا کام تمام کر دیتے مہدی نے مداخلت کی اور اس کو معاف کر دیا“¹⁹²

مہدی ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتا تھا مہدی کے غلام حسن کا بیان ہے کہ ایک دن اس کے عہد میں اتنی شدید آندھی آئی کہ ہم سمجھے کہ شاید اب قیامت آگئی ہے میں امیر المؤمنین کو دیکھنے کے لیے نکلا تو میں نے دیکھا کہ وہ زمین پر اپنا رخسار رکھے اللہ سے یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ ”اللہ! میری امت کے بارے میں میری لاج رکھا اور دوسری قوموں کو ہم پر طعن کرنے کا موقع نہ دے، اگر میرے گناہ کی پاداش میں تو نے اس عالم پر یہ عذاب نازل کیا ہے تو لے یہ میری پیٹانی سامنے ہے تھوڑی دیر کے بعد آندھی کم ہو گئی اور مطلع صاف ہو گیا“¹⁹³ اپنے پیشرو خلفاء کی طرح مہدی نے بھی اپنی انگوٹھی پر درج ذیل الفاظ کندہ کروائے۔

اللہ ثقہ محمد و بہ یومن۔¹⁹⁴ ”اللہ ہی پر محمد کا بھروسہ ہے اور وہ اس پر ایمان رکھتا ہے۔“

دین سے اتنا شغف رکھنے کے باوجود بعض معاملات میں مہدی انتہا پسند دکھائی دیتا ہے مثلاً ایک دفعہ مہدی مسجد نبوی میں بیٹھا تھا کہ اس کی نظر اس کتبہ پر پڑی جس پر ولید بن عبد الملک کا نام کندہ تھا۔ دیکھتے ہی وہ فوراً کہنے لگا کہ مجھے اب بھی یہاں ولید بن عبد الملک کا نام

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

نظر آ رہا ہے چنانچہ وہ اس کتبے کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہ جاؤں گا جب تک کہ ولید بن عبد الملک کا نام منا کر اس جگہ میرا نام نہ لکھ دیا جائے اس طرح جب تک ولید کا نام منا کر مہدی کا نام نہ لکھ دیا گیا وہ وہیں ٹھہرا رہا¹⁹⁵۔ مہدی اتنا دیندار ہونے کے ساتھ ساتھ بعض اوقات دنیا داری کے ایسے کاموں میں مشغول ہو جاتا جس کی اخلاق اور شریعت اجازت نہ دیتے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا جب مہدی بن ابو جعفر منصور، یعقوب بن داؤد پر اس قدر مہربان ہوا کہ اس نے تمام امور سلطنت اس کے سپرد کرتے ہوئے اسے اپنا اخوہ فی اللہ ”یعنی دینی بھائی“ قرار دے دیا اور خود حکومت سے بے نیاز ہو کر بانسری اور ستار میں مصروف ہو گیا ان حالات کو دیکھتے ہوئے اس دور کے مشہور شاعر بشار بن برد نے اس کی ہجو کرتے ہوئے کہا۔

ب صناعت خلافتکم یا قوم فالتمسوا

196

خلافة الله بين النای والعود.

”اے میری قوم تمہاری خلافت تو ضائع ہو چکی اب تو تم خلافت کیا نسری اور ستار میں تلاش کرو“

بعض مؤرخین کے بقول مہدی شراب نوشی سے احتراز کے ساتھ ساتھ ساری نمازیں باجماعت ادا کرتا تھا تاہم اس کے مصاحب اس کی موجودگی میں ہی شراب نوشی کرتے اور یہ خود بھی انہی مقربین کے ساتھ پولو کھیلنے اور گانا سننے میں شب و روز بسر کرتا¹⁹⁷۔

مہدی علوم شریعت جاننے کے باوجود اکثر سیاسی مصلحتوں کا شکار ہو جاتا۔ اس کے دور میں وضع حدیث (جھوٹی احادیث گھڑنے) کا عام رواج تھا۔ مہدی جاننے کے باوجود نہ صرف ان سے چشم پوشی کرتا بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں انعام و اکرام سے بھی نوازتا، مبادیہ لوگ عوام میں جا کر خلیفہ کو بدنام کریں کہ خلیفہ وقت احادیث رسول ﷺ سے بیزار ہے اس کا اندازہ درج ذیل واقعات سے لگایا جاسکتا ہے ایک شخص نے ایک جوتا حضور ﷺ سے منسوب کر کے خلیفہ مہدی کی خدمت میں پیش کیا، خلیفہ نے اس جوتے کو بوسا دیا، اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور جوتا لانے والے شخص کو دس ہزار درہم دیکر روانہ کیا، حالانکہ خلیفہ کو یقین تھا کہ یہ جوتا حضور اکرم ﷺ نے پہننا تو درکنار دیکھا بھی نہ ہوگا لیکن اس نے سیاسی مصلحت کے پیش نظر جوتا لانے والے شخص کو خوش کر کے روانہ کیا¹⁹⁸۔

زہیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ مہدی کے پاس دس محدثین آئے مہدی نے انہیں کہا کہ کوئی حدیث سناؤ چنانچہ غیاث بن ابراہیم نے ابو ہریرہؓ کے حوالے سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

”گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی کو سب مشغلوں میں فضیلت و سبقت حاصل ہے“ اور اس حدیث کے آخر میں اس نے اپنی طرف سے یہ

اضافہ بھی کر دیا کہ پرندے اڑانا بھی اس حدیث میں شامل ہے“ چنانچہ مہدی نے حدیث سنانے پر غیاث بن ابراہیم کو دس ہزار درہم انعام دیا

اور اس کے جانے کے بعد مہدی نے کہا کہ ”اس نے جھوٹی حدیث بیان کر کے ہم سے دس ہزار درہم حاصل کر لیے“ تاہم اس کے جانے کے

فورا بعد مہدی نے اپنے کبوتر ذبح کروا دیئے¹⁹⁹۔ دراصل اس موقع پر مہدی نے غیاث بن ابراہیم کی سرزنش اس ڈر سے نہ کی کہ یہ لوگوں

میں جا کر مشہور کر دے گا کہ خلیفہ منکرین حدیث میں سے ہے۔ اس طرح مہدی کی دنیوی مصلحت کا اندازہ درج ذیل واقعے سے بھی لگایا

جاسکتا ہے۔

ابو جعفر منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو مہدی کے بعد ولی عہدی پر طوعاً و کرہاً راضی کر لیا تھا اور اس نے اپنی زندگی میں ان دونوں (یعنی پہلے مہدی پھر عیسیٰ بن موسیٰ کے خلیفہ بننے کی) کی بیعت بھی لے لی تھی لیکن مہدی نے شریعت اور اخلاقیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے خلیفہ بننے ہی عیسیٰ بن موسیٰ کو ولی عہدی سے دستبردار کرانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے اسے حیلوں و بہانوں سے مجبور کیا کہ وہ رضا کارانہ طور پر اس سے دستبردار ہو جائے، کبھی اسے ڈرایا دھمکایا گیا کبھی لالچ دیا گیا۔ آخر کار اسے دس کروڑ درہم کے عوض ولی عہدی سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا²⁰⁰۔ اس طرح مہدی نے اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کا وہی طریقہ اختیار کیا جو دور حاضر میں دنیا دار حکمرانوں کا وطیرہ ہے۔

ہادی بن مہدی بن ابو جعفر منصور

(169ھ تا 170ھ / 785ء تا 786ء)

اس کا نام موسیٰ بن مہدی بن ابو جعفر منصور بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن العباس بن عبد المطلب، اس کی کنیت ابو محمد اور ہادی لقب تھا۔ اس کی والدہ برہ نسل کی لونڈی اور اس کا نام خیراں تھا۔

ہادی بن مہدی حب رسول ﷺ سے سرشار تھا ایک مرتبہ ابو خطاب سعدی نے ہادی کو ایک ایسا قصیدہ سنایا جس میں حضور اکرم ﷺ کی بڑی تعریف کی گئی تھی ہادی یہ قصیدہ سن کر اس قدر خوش ہوا کہ اس نے ابو خطاب سعدی کو پچاس ہزار درہم بطور انعام عنایت کیے۔²⁰¹ ہادی بن مہدی حضور اکرم ﷺ کے خاندان کے ماتے قریش سے بھی بڑی عقیدت رکھتا تھا۔ اس کے پاس کسی شخص کے بارے میں شکایت کی گئی کہ وہ قریش کو گالیاں دیتا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے خلیفہ ہادی کے حکم سے مذکورہ شخص کو دربار خلافت میں حاضر کیا گیا، فقہاء اور قاضیوں کے سامنے گواہوں نے اس پر شہادت ثبت کی کہ واقعی اس شخص نے ہمارے سامنے نہ صرف قریش کو گالیاں دی ہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ کی شان میں بھی گستاخی کی ہے اس کے بعد ہادی بن مہدی نے کہا حضور اکرم ﷺ کی حدیث ہے ”جس نے قریش کی توہین کی تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی، اے دشمن خدا! قریش کی توہین کر کے تیرے دل میں ٹھنڈک نہیں پڑی، یہاں تک کہ تو نے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کی“ پھر اس نے مذکورہ شخص کی گردن اڑانے کا حکم دے دیا۔²⁰²

تاریخ میں جہاں ہادی کو ایک طرف ظالم کے روپ میں دکھایا گیا ہے تو وہاں دوسری طرف اس کی شخصیت میں غنودہ و درگزر کے جذبات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مہدی نے ایک دفعہ عبد اللہ بن مالک (کقوال شہر) کو حکم دیا کہ ہادی کےندیوں اور گانے بجانے والوں کو کوڑے لگاؤ معلوم ہونے پر ہادی نے کقوال سے سفارش کی کہ ان لوگوں کی جان بخشی کی جائے جسے کقوال نے رد کر دیا، اب خلیفہ بننے کے بعد ہادی نے مذکورہ کقوال کو بلا کر اس حکم عدولی کی پاداش میں سزا دینے کا ارادہ ظاہر کیا اس پر کقوال نے کہا کہ ”امیر المؤمنین! اگر آپ مجھے کوئی حکم دیں اور اس کے برعکس آپ کا بیٹا حکم دے تو ظاہر ہے کہ میں آپ کے حکم ہی کی تعمیل کروں گا“ کقوال کے اس جواب پر ہادی نے نہ صرف اسے معاف کر کے سابقہ عہدے پر بحال کر دیا بلکہ درہموں سے لدے ہوئے چار سو نچر بھی عنایت کیے۔²⁰³

اس طرح ہادی کے سامنے ایک مجرم کو پیش کر کے اس کے جرائم بتائے گئے، ان جرائم کے جواب میں مذکورہ شخص نے کہا کہ اگر میں ان جرائم کے جواب میں دلائل دوں گا تو یہ گستاخی ہوگی اور ان کو تسلیم کرنے کی صورت میں مستوجب سزا ٹھہروں گا۔ لہذا میں ان جرائم پر آپ کی خدمت میں صرف ایک شعر پیش کرتا ہوں۔

فان كنت ترجو في العقوبة رحمة

204 فلا تنزلن عند المعافاة في الاجر

”جبکہ وجوب سزا کے بعد بھی آپ کے رحم و کرم کی امید کی جاتی ہے تو پھر ضروری ہے کہ آپ معافی کے

قبول کرنے میں بھی کچھ دریغ نہ کریں گے“

ہادی نے یہ شعر سن کر مذکورہ مجرم کو رہا کر دیا۔ ہادی لوگوں سے غیر معمولی ہمدردی بھی کرتا تھا ایک بار ہادی امیراہیم بن مسلم بن قتیبہ کے بیٹے کی تعزیت کے لیے ان کے گھر گیا اس نے اسے مغموں دیکھ کر ان الفاظ میں تعزیت کی۔

”اس کی پیدائش سے تمہیں یقیناً خوشی ہوئی ہوگی مگر ممکن ہے کہ وہ تمہارا دشمن اور باعث مصیبت ثابت ہوتا تاہم اب تمہیں اس کی موت کا غم ضرور ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ نے اس میں تمہارے لیے کوئی بھلائی مضمحل رکھی ہو“ اس پر امیراہیم بن مسلم نے کہا ”امیر المؤمنین آپ کے ارشادات نے میرے بدن میں صبر جاگزیں کر دیا ہے“²⁰⁵

ہادی صحابہ کرامؓ کے ساتھ بھی بے پناہ محبت و عقیدت رکھتا تھا یہی وہ جذبہ تھا جس کے تحت ہادی نے خلیفہ بننے کے بعد آل عمرؓ میں سے عمر بن عبدالعزیز بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر بن خطابؓ کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا²⁰⁶۔

ہادی سنگدل، کرخت مزاج اور دشوار پسند ہونے کے باوجود زندیقوں اور یحیویوں کا ازلی دشمن تھا اور زندیقوں سے انتہائی نفرت اور ان کے استیصال کا جذبہ ہادی کو اپنے باپ مہدی سے ورثہ میں ملا تھا اور ویسے بھی مہدی نے مرنے سے قبل ہادی کو نصیحت کی تھی کہ ”اے بیٹے! جب تجھے خلافت ملے تو ان زندیقوں کا قلع قمع کرنے اور ملک کو ان کی نجاست سے پاک کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کرنا“

یہی وجہ تھی کہ مہدی کے سامنے ایک ایسے شخص کو پیش کیا گیا جو لوگوں کو گوشت کھانے، صاف پانی پینے اور کیڑے مکوڑے مارنے سے منع کرتا تھا جب لوگ ان نظریات کے عادی ہو جاتے تو یہ انہیں بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کرنے، پیٹاب سے نہا کر پاکیزگی حاصل کرنے، دودھاؤں (یعنی ظلمت و نور) کی پرستش کی دعوت دیتا، مہدی نے پہلے اس شخص کو ان عقائد سے تائب ہونے کی دعوت دی، بعد ازاں اس کے انکار پر اسے قتل کر کے سولی دے دی گئی۔ اس موقع پر اس نے کہا کہ اگر میں زندہ رہا تو اس فرقہ کے ایک بھی شخص کو زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بعد ہادی نے ایک ہزار درخت کے تنے تیار کرنے کا حکم دیا تا کہ ان زندیقوں کو سولی دی جاسکے لیکن زندگی نے اس سے وفانہ کی²⁰⁷۔

ہادی کو غیر شرعی کاموں سے نفرت تھی اس کا اندازہ درج ذیل واقعے سے لگایا جاسکتا ہے ہادی کو اس کے غلاموں نے اطلاع دی کہ شہر کی دو لونڈیاں ہم جنس پرستی کا شکار ہیں ہادی غلاموں کی اطلاع پر جب وہاں پہنچا تو اس نے ان دونوں لونڈیوں کو بدکاری کرتے ہوئے پایا، ہادی نے یہ دیکھتے ہی جلاو کو حکم دیا کہ ان کا سر کاٹ کر دربار میں پیش کیا جائے اس طرح وہ لونڈیاں اپنے انجام کو پہنچ گئیں اور اس واقعے کے بعد کسی کو بھی دوبارہ ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہ ہوئی²⁰⁸۔

حکم الوادی کا بیان ہے کہ میں نے ہادی سے زیادہ کسی کو بامروت نہ دیکھا کوئی بات اگر اسے ناگوار بھی گزری تو وہ فوراً اس کا اظہار نہ کرتا البتہ آئندہ اس سے احتراز ضرور کرتا²⁰⁹۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

عباسی خلفاء اپنی انگوٹھی پر نقش کو خدا کی طرف منسوب کر کے بڑی خوشی محسوس کرتے تھے اس وجہ سے ہادی کی انگوٹھی پر درج ذیل الفاظ کندہ تھے۔

اللہ ربی۔²¹⁰ ”میرا پروردگار اللہ ہے“

ہادی بعض اوقات غیر شرعی کام کرنے سے بھی احتراز نہ کرتا تھا ایک دفعہ اس نے علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کو اپنے دربار میں بلا کر انہیں پانچ سو کوڑے مروائے یہاں تک کہ وہ اس تشدد سے بیہوش ہو گیا، اس کا جرم صرف یہ تھا کہ اس نے ہادی کی مطلقہ رقیہ بنت عم الہمسانیہ سے شادی کر لی تھی، اتنا تشدد کرنے کے بعد بھی جب وہ مذکورہ خاتون کو طلاق دینے پر آمادہ نہ ہوا تو اس نے انہیں چھوڑ دیا۔²¹¹ عباسی خلفاء میں ہادی بن مہدی واحد خلیفہ تھا جو اپنی ماں خیراں سے گستاخانہ رویہ رکھتا تھا، انتہائی تھی کہ ایک دفعہ اس نے اپنی ماں کو زہریلا کھانا بھجوا دیا،²¹² تاکہ ہمیشہ کے لئے اس سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ اس نے حکم دیا کہ ”آج کے بعد میں نے جس کو بھی اپنی ماں کے ہاں دیکھا تو اسے قتل کر کے اس کے اموال ضبط کر لوں گا“۔²¹³ ایک شاعر نے اس کی ماں کی شان میں ایک قصیدہ لکھا اس جرم کی پاداش میں اس نے اس شاعر کو سزا دی اور کہا کہ ”آئندہ جس نے بھی میری ماں کے بارے میں کوئی اشعار کہے اسے قتل کر دیا جائے گا“۔²¹⁴

اقتدار کے معاملے میں ہادی اس حد تک حریص اور دنیا دار تھا کہ اس نے ولی عہدی سے دستبردار کرانے کے لیے اپنے بھائی ہارون الرشید کی تذلیل میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی، ہارون پر اس حد تک اس نے عرصہ حیات تلک کر دیا کہ اسے شہر بدر ہونا پڑا، یہاں تک کہ اسے ہادی کی موت کے بعد ہی بغداد آنا نصیب ہوا۔²¹⁵

اپنے آبا و اجداد کی طرح ہادی کو بھی علویوں سے خدا واسطے کا پیر تھا۔ ہادی کے خلافت سنبھالنے کے بعد حسین بن علی بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب نے مکہ میں خروج کیا۔ سرکاری افواج نے حسین بن علی اور ان کے ساتھیوں کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا، تین روز تک ان کی نعشیں بے گور و کفن پڑی رہیں، جنہیں درندے اور پرندے کھاتے رہے۔²¹⁶ اس معرکہ میں سلیمان بن عبد اللہ علوی اور عبد اللہ بن اسحاق بن ابراہیم علوی کو باندھ کر قتل کر دیا گیا، اس معرکہ میں کامیابی پر ہادی نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

ہادی کا دادا (ابو جعفر منصور) بیت المال کو رعایا کی امانت اور اپنے آپ کو ان اموال کا خزینہ دار کہتا تھا۔²¹⁷ اب انہی اموال کو ہادی نے داد و دہش میں برباد کیا، چنانچہ ذیل میں ہم اس کی فضول خرچی کے چند واقعات پیش کرتے ہیں۔ ایک بار دربار عام میں ہادی نے حاجب سے کچھ کہا جسے وہ سمجھ نہ سکا، دربار عام ہونے کی وجہ سے حاجب نے دوبارہ پوچھنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اس نے خلیفہ کی بات کا مفہوم ایک بدو سے دریافت کیا۔ چنانچہ دربار برخواست ہونے کے بعد حاجب نے خلیفہ سے کہا کہ امیر المومنین میں آج آپ کی بات نہ سمجھ سکا، پھر پریشانی کے عالم میں اس بدو نے مجھے آپ کے قول کا مفہوم سمجھایا، آپ مہربانی فرما کر اس بدو کو کچھ صلہ دے دیں، اس کے بعد خلیفہ کے حکم سے اس بدو کو ایک لاکھ درہم دے دیئے گئے۔²¹⁸ اسی طرح ایک دفعہ درباری شاعر ابراہیم موصلی کے چند اشعار سننے پر خلیفہ پہلے اس پر

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

219 ناراض ہوا، پھر جلد ہی اس کے معافی مانگنے پر خلیفہ نے اسے بیت المال سے سات لاکھ درہم عطا کر دیئے،²¹⁹ درباری شعراء میں سے مروان بن ابی حفصہ ہادی کا بڑا مقرب خاص تھا، ایک دفعہ اس نے ہادی کی شان میں قصیدہ پڑھا، چنانچہ ہادی نے اس قصیدے سے خوش ہو کر مروان بن ابی حفصہ کو ایک لاکھ تیس ہزار درہم دے دیئے²²⁰۔

مسعودی کا بیان ہے کہ مہدی نے عمرو بن سعدی کرب کی مصمصامہ نامی تلوار ہادی کو دی۔ خلافت ملنے کے بعد ایک دن ہادی نے اس تلوار کو اپنے سامنے رکھ کر درباری شعراء سے کہا کہ اس مصمصامہ کی شان میں جو شاعر اچھے اشعار کہے گا اسے درہم سے بھرا ہوا یہ تھیلا عطا کیا جائے گا چنانچہ ابن یامین بھری نے تلوار کے بارے میں ایسے اشعار کہے جو خلیفہ کے دل میں اتر گئے، خلیفہ نے خوش ہو کر درہم سے بھرا ہوا تھیلا اور مصمصامہ نامی تلوار ابن یامین بھری کو دے دی، جو چند دنوں بعد ابن یامین نے دوبارہ پچاس ہزار درہم میں ہادی کو بیچ دی²²¹۔

قرآن و حدیث میں شراب کی حرمت کے بارے میں واضح احکامات کے باوجود ہادی اپنے ندیموں کے ساتھ اس سے لطف اندوز ہوتا²²²۔

ہارون الرشید بن مہدی بن ابو جعفر منصور

(170ھ/193ھ - 786/808ء)

اس کا نام ہارون بن مہدی بن ابو جعفر منصور بن عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب، کنیت ابو جعفر اور اس کا لقب الرشید تھا۔

ہارون الرشید کے دل میں خشیت الہی کے جذبات بدیعہ اتم موجود تھے ایک بار عبد اللہ بن عبد العزیز العمری نے خلیفہ ہارون سے کہا کہ دیکھو کعبہ کے گرد کتنے انسان ہیں (یہ حج کے دنوں کا واقعہ ہے) خلیفہ نے کہا کہ بہت زیادہ اس پر عبد اللہ بن عبد العزیز نے کہا ”ان میں سے ہر ایک کو قیامت کے دن صرف اپنے بارے میں ہی جوابدہ ہونا پڑے گا لیکن تجھ سے ان سب کے متعلق پوچھا جائے گا“ یہ سن کر خلیفہ ہارون الرشید اس قدر روپا کہ اس کے آنسوؤں سے کئی رومال بھیگ گئے اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے پھر انہوں نے خلیفہ سے کہا ”اے ہارون! جب کوئی شخص اپنے مال میں اسراف کرتا ہے تو اس کو روکنا واجب ہو جاتا ہے پس اس شخص کو روکنا کیسے واجب نہ ہوگا جو سب مسلمانوں کے مال میں اسراف کرتا ہے“ پھر عبد اللہ بن عبد العزیز نے انہیں چھوڑ دیا اور ہارون الرشید روتا ہوا واپس چلا گیا²²³۔ اسی طرح ایک بار مشہور واعظ ابن سماک سے خلیفہ ہارون الرشید نے کہا کہ آپ مجھے کوئی نصیحت کریں اس پر انہوں نے فرمایا! ”اے ہارون اللہ سے ڈرتے رہو اور اچھی طرح جان لو کہ آپ کو کل اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے اس روز آپ کے دو ہی ٹھکانے ہوں گے جنت یا دوزخ“ یہ سن کر ہارون اس قدر روپا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ اس دوران خلیفہ کا وزیر فضل بن ربیع ابن سماک سے مخاطب ہوا۔ ”سبحان اللہ! کیا کسی کے دل میں اس بات کا شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ امیر المؤمنین جنت میں داخل نہ ہوں گے کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہداشت کرتے اور اس کی رعایا سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرتے ہیں پھر جنت میں داخل ہونے میں کیا رکاوٹ ہے؟“ ابن سماک نے فضل بن ربیع کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ دوبارہ ہارون سے مخاطب ہوا ”اے امیر المؤمنین! خدا کی قسم یہ فضل بن ربیع اس روز نہ آپ کے ساتھ ہوگا اور نہ آپ کے کسی کام آسکے گا اس لئے آپ اللہ سے ڈریں اور اپنے آپ پر نظر ڈال کر اپنے نفس کی اصلاح کریں“ ہارون یہ باتیں سن کر اور شدت سے رونے لگا جبکہ فضل شرمندہ ہو کر وہاں سے چلا گیا²²⁴۔ ایک دن ہارون الرشید نے شیبان سے کہا کہ آپ مجھے کوئی نصیحت کریں اس پر انہوں نے کہا۔

”جو شخص تم کو خوف الہی یا دولاے اور کہے کہ کل یعنی روز محشر تم کو اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا تو

وہ شخص اس سے بہتر و برتر ہے جو تمہیں یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے بے خوف کر دے کہ آپ کو کیا غم؟ آپ تو

اہلبیت کی اولاد اور رسول ﷺ کے رشتہ دار ہیں اس بات پر ہارون اتار روپا کہ اس کے ساتھیوں کو بھی

اس پر رحم آگیا²²⁵۔

منصور بن عمار کا بیان ہے کہ میں نے چند نصیحت کے موقع پر تین آدمیوں کو سب سے زیادہ رونے والا دیکھا۔ ”ایک فضل بن

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

عیاض، دوسرا ہارون الرشید اور تیسرا ایک اور ہے۔ مجاہد سے روایت ہے کہ ہارون الرشید نے ایک دن فضل بن عیاض سے ”اسباب منقطع“ ہونے والی آیت کے بارے میں دریافت کیا۔ اس پر فضل بن عیاض نے فرمایا کہ ”محشر کے روز تمام دنیاوی اسباب منقطع ہو جائیں گے“ یہ سن کر ہارون جینیں مار مار کر رونے لگا۔²²⁶

ہارون الرشید کو کتاب اللہ کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہ تھا ایک دن نماز میں ہارون یہ آیت پڑھ رہا تھا اور ندیم ابن ابی مریم مدنی (مخرا) بھی اس کے پاس بیٹھا تھا۔

وما لی لا اعبد الذی فطرنی والیہ ترجعون²²⁷۔

”مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں کیوں اس کی عبادت نہ کروں، حالانکہ اس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم سب کو اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے“

یہ سن کر ابن ابی مریم مڑاٹا کہنے لگا۔

لا ادری واللہ۔ ”خدا کی قسم میں نہیں جانتا“

نماز ختم کرنے کے بعد ہارون الرشید ابن ابی مریم پر سخت برہم ہوا اور کہا ”اے ابن مریم! کیا تم نماز میں ایسی باتیں کرتے ہو؟ قرآن اور دین کی باتوں میں ہنسنے کی کوئی گنجائش نہیں“²²⁸

ایک بار خلیفہ ہارون الرشید جعفر برکی کے ساتھ شریک طعام تھا کہ اس نے گوشت کا ایک لقمہ منہ میں ڈالا اور پھر اسے نکال کر پھینک دیا، اس پر جعفر برکی ہنسنے لگا، خلیفہ کا استفسار پر جعفر برکی نے کہا کہ آپ نے اونٹ کے گوشت کا لقمہ منہ میں ڈالا اور پھر پھینک دیا حالانکہ اس گوشت پر اب تک چار لاکھ درہم خرچ ہو چکے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ شاہی طعام کے لیے بازار سے گوشت نہیں خریدا جاتا بلکہ اس کے لئے جانور (اونٹ اور بکری) خریدے جاتے ہیں یہ سن کر خلیفہ نے دسترخوان اٹھانے کا حکم دیا اور رونے لگا یہاں تک کہ ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں اسی کیفیت میں ادا کیں۔ نماز مغرب کے بعد قاضی ابو یوسف نے رونے کی وجہ دریافت کی تو انہیں بتایا گیا کہ اب تک خلیفہ کے کھانے میں اونٹ کے گوشت پر چار لاکھ درہم خرچ آچکے ہیں اسی پر خلیفہ افسردہ ہیں اس پر امام موصوف نے دریافت کیا کہ جن اونٹوں کو ذبح کیا جاتا ہے اس کا گوشت خراب ہو جاتا ہے یا لوگ کھا لیتے ہیں انہیں بتایا گیا کہ اس کا گوشت لوگ کھا لیتے ہیں پھر امام ابو یوسف نے کہا ”اے امیر المؤمنین! گزشتہ دنوں لوگوں نے جو مال کھایا ہے اس پر آپ کو اللہ کے ثواب کی خوشخبری ہو اور اس بات کی بھی کہ اللہ نے آپ کو صدقہ کی توفیق دی، نیز اللہ نے آپ کو اپنے خوف سے حصہ دیا ہے کیونکہ اللہ کا فرمان ہے کہ ”جو شخص اپنے رب کے مقام سے خوف کھا جائے اس کے لیے جنت میں دو باغات ہیں“ یہ سن کر خلیفہ اس قدر خوش ہوا کہ اس نے امام ابو یوسف کو چار لاکھ درہم انعام میں دیئے اور اس کے بعد کھانا تناول کیا²²⁹۔

ہارون الرشید کو اللہ کی ذات پر بڑا بھروسہ تھا اسی لیے اس کی انگوٹھی پر درج ذیل الفاظ کندہ تھے۔

230 لا الہ الا اللہ - ”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔“

بعض مؤرخین کے مطابق اس کی انگوٹھی پر درج ذیل الفاظ نقش تھے۔

231 ”باللہ یتق ہارون“ - ”اللہ ہی پر ہارون بھروسہ کرتا ہے۔“

ہارون الرشید کا دل حب رسول ﷺ سے سرشار رہتا یہی وجہ تھی کہ جب اس کے سامنے حضور اکرم ﷺ کا تذکرہ کیا جاتا تو یہ

آپ کا نام آتے ہی کہتا۔ ”صلی اللہ علی سیدی“ 232 -

”ابو معاویہ ضریر کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ہارون الرشید کے سامنے یہ حدیث بیان کی۔

والذی نفسی بیدہ لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ ثم اُحیا ثم اُقتل ثم اُحیا ثم اُقتل ثم

233 اُحیا ثم اُقتل ہ -

”اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ میں اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ خدا کی راہ میں قتل کر دیا

جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں اور پھر قتل کیا

جاؤں۔“

یہ حدیث سن کر ہارون الرشید خوب چیخ چیخ کر رویا 234 -

ایک رات حضور اکرم ﷺ نے خواب میں ہارون الرشید سے فرمایا۔

”اے ہارون الرشید! تم خلیفہ رہو گے جب تک کہ تم جہاد اور حج کرتے رہو گے اور باشندگان حرمین شریفین کے

235 ساتھ فراخ دلی سے پیش آؤ گے۔“ -

اس خواب کے بعد خلیفہ کی دلی کیفیت یہ ہو گئی کہ وہ ہر وقت مخلوق خدا پر خرچ کرنے کے لیے بتاب رہنے لگا یہی وجہ تھی کہ جب

یہ 186ھ / 802ء میں حج پر گیا تو اس نے اہل حجاز پر ایک کروڑ پچاس ہزار دینار خیرات کئے 236 - اہل حجاز سے ہارون الرشید کی عقیدت

کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب ہارون کو پتہ چلا کہ مکہ و مدینہ کے لوگ پانی کی قلت سے بڑے پریشان ہیں تو خلیفہ نے

اپنے اخراجات سے ان علاقوں میں پانی کی بہم رسانی کے لیے نہر زبیدہ کھدوائی اور یہ نہر یہاں کے رہنے والوں کے لیے امد رحمت ثابت

ہوئی 237 - اسی طرح ایک مرتبہ حج کے موقع پر حرمین شریفین کے لوگوں پر اس نے دو کروڑ درہم خرچ کئے، نیز بغداد کے شرقی اور غربی حصے

کے لیے ایک کروڑ درہم اور کوفہ و بصرہ کے فقراء پر بھی ایک ایک کروڑ درہم خرچ کئے 238 -

اسی طرح اب اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر کے بڑا دلی سکون حاصل ہونے لگا اس کے بعد وہ اپنے ذاتی مال میں سے ایک ہزار

درہم کے مال کا روزانہ صدقہ کرتا تھا 239 - ہارون الرشید اکثر کہا کرتا تھا کہ ”رسول اللہ کی تعریف کرنے والے میرے دوست ہیں“ 240 -

خطیب بغدادی سے روایت ہے کہ ہارون الرشید اپنی خلافت کے بارے میں کہتا تھا!

”ہم ایسے لوگ ہیں جن کی مصیبت بڑی ہے اور ان کی بعثت اچھی ہے ہم رسول ﷺ کے وارث ہیں اور ہم میں اللہ کی خلافت باقی رہے گی“²⁴¹۔

ہارون الرشید نے سوائے چند سالوں کے ہر سال حج کیا اس دوران سوفہاء کرام بھی اس کے ساتھ ہوتے تھے²⁴²۔ جس سال ہارون الرشید خود حج پر نہ جاتا اس سال تین سو آدمیوں کو حج پر بکھواتا اور انہیں کثیر تعداد میں مال و دولت اور لباس فاخرہ سے نوازتا²⁴³۔ عباسی خلفاء میں ہارون الرشید واحد خلیفہ تھا جس نے کئی پیدل حج کئے²⁴⁴۔ ہارون الرشید سوائے بیماری کے ہر روز سو رکعت نفل نماز پڑھتا تھا²⁴⁵ اور سوائے عذر کے اس نے کبھی نماز قضا نہ کی²⁴⁶۔

ہارون الرشید کے روزانہ سونو نفل پڑھنے اور ہر سال پیدل حج کرنے کی روایات مبالغہ آمیز دکھائی دیتی ہیں اولاً کسی بھی عظیم مملکت کے فرمانروا کے لیے عام اسباب کے تحت یہ ممکن نہیں کہ وہ حکومت و امارت کے فرائض کی بجائے آوری کے ساتھ ساتھ روزانہ سو رکعت نوافل پابندی کے ساتھ پڑھ سکے اسی طرح سفر کے متبادل ذرائع ہونے کے باوجود ان سے فائدہ نہ اٹھانا، اللہ کی دی ہوئی سہولتوں اور رخصتوں کو نظر انداز کرنا اور اپنے آپ کو ناحق مشقتوں میں ڈالنا، یہ سرے سے نیکی کے کام ہیں ہی نہیں۔

ثانیاً عام اسباب کے تحت ایک حکمران کے لیے ہر سال اتنا طویل سفر پیدل کرنا اور دیگر امور مملکت کو نظر انداز کرنا ممکن نظر نہیں آتا۔ غالباً اس طرح کی روایات ان درباری مورخین کی خود تراشیدہ ہیں جو حکمرانوں کی بے جا خوشامد کے ذریعے اپنے دنیوی مفادات سمیٹنے پر حریص ہوتے ہیں۔

خلیفہ ہارون الرشید علماء و فقہاء کی بڑی قدر کرتا تھا²⁴⁷۔ ایک بار خلیفہ ہارون نے امام ابو یوسف سے ایک فقہی مسئلہ دریافت کیا امام موصوف نے خلیفہ وقت کو اس کا بڑا مدلل جواب دیا خلیفہ نے ان کے جواب سے خوش ہو کر انہیں ایک لاکھ درہم انعام دیا²⁴⁸۔ کہا جاتا ہے کہ ہارون الرشید نے ایک دفعہ ابی معاویہ (نابیا عالم) کو دعوت پر مدعو کیا ابی معاویہ یہ کہتا ہے کہ جب میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا تو ایک شخص نے میرے ہاتھ دھلوائے تھوڑی دیر کے بعد خلیفہ ہارون نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ کس نے دھلوائے؟ میں نے کہا نہیں! تو ہارون الرشید نے کہا کہ آپ کے علم کی عزت کی خاطر میں نے خود آپ کے ہاتھ دھلوائے ہیں²⁴⁹۔

صولی کا بیان ہے کہ دو بادشاہوں کے علاوہ کسی نے آج تک علم کے لیے سفر نہیں کیا ایک ہارون الرشید جو اپنے دو بیٹوں امین اور مامون کو لے کر امام مالک کے پاس گیا اور خود بھی ان سے موطا امام مالک پڑھی، دوسرا بادشاہ سلطان صلاح الدین ایوبی تھا جو موطا امام مالک پڑھنے کے لیے اسکندریہ گیا تھا اور وہاں اس نے علی بن طاہر بن عوف سے تعلیم حاصل کی²⁵⁰۔

ہارون الرشید کو حصول علم کا بڑا شوق تھا اس نے فقہ اور عربی زبان و ادب میں بڑی دسترس حاصل کی، اس نے یہ علوم علی بن حمزہ کسائی سے حاصل کیے، یہی وہ تھی کہ خلیفہ کو علی بن حمزہ سے بڑی عقیدت تھی ان کی وفات پر خلیفہ ہارون الرشید نے کہا ”آج ہم فقہ اور لغت کو

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

زمین میں دفن کر رہے ہیں،²⁵¹ -

ہارون الرشید فصیح و بلیغ شعراء کے مدحیہ قصائد کی بڑی پذیرائی کرتا تھا اور صلہ میں انہیں بڑی بڑی رئیس بطور انعام مرحمت کرتا²⁵²۔ ایک بار منصور مری نے خلیفہ ہارون الرشید کو ایک ایسی نظم سنائی جس میں کہا گیا کہ ہمارے خلیفہ نے تو قرآن کو اپنا امام بنا لیا ہے اس پر ہارون اتنا خوش ہوا کہ اس نے اسے ایک لاکھ درہم انعام دے دیا²⁵³۔

ہارون الرشید کی دین سے رغبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے خلیفہ وقت ہوتے ہوئے بھی علماء و فقہاء کو اپنے محل میں بلانے کی بجائے حصول علم کے لیے بچوں کو ان کے پاس بھیجا، چنانچہ 193ھ/808ء میں ہارون الرشید حج پر جاتے ہوئے کوفہ رکا، اس دوران امین و مامون بھی اس کے ساتھ تھے خلیفہ انہیں لیکر امام ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے کہا کہ سب شیوخ حدیث اکٹھے ہو کر امین و مامون کو سماع کروائیں چنانچہ شہزادوں نے ان سے سماع کرنے کے بعد مشہور محدث ابن ادریس اور عیسیٰ بن یونس سے بھی علم حدیث حاصل کیا۔ تعلیم سے فارغ ہو کر جب ان شہزادوں نے انہیں مال کی پیش کش کی تو ان حضرات نے حدیث رسول ﷺ کے عوض کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا²⁵⁴۔

ہارون الرشید کو غیر شرعی کاموں سے سخت نفرت تھی ابو معاویہ ضریح کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ہارون الرشید کے سامنے حضرت آدمؑ و حضرت موسیٰؑ کے تنازعے کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی حدیث بیان کی قریب بیٹھے ہوئے ایک قریشی نے اس حدیث کو جھٹلاتے ہوئے کہا کہ کیا اس تنازعے کے وقت حضور اکرم ﷺ وہاں موجود تھے؟ یہ سنتے ہی ہارون الرشید غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا اور حکم دیا کہ چڑا بچھلایا جائے (اس زمانے میں دستور تھا کہ مجرم کو چمڑے پر قتل کیا جاتا تھا تا کہ اس کے خون سے زمین ناپاک نہ ہو) جب مذکورہ قریشی نے اپنے قتل کی یہ تیاریاں دیکھیں تو فوراً پکارا اٹھا امیر المؤمنین! مجھ سے نا دانستہ غلطی ہو گئی ہے مجھے معاف کر دیں اس پر خلیفہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا²⁵⁵ اور ہارون الرشید نے اس کی جان بخش دی۔

ہارون الرشید نظریہ خلق قرآن کا بھی سخت مخالف تھا اس کے سامنے ایک معتزلی نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اظہار کیا خلیفہ نے تعجب سے اسے کہا کہ ”کیا تو قرآن کو خدا کی مخلوق سمجھتا ہے؟“ اس نے کہا کہ ہاں یہ خدا کی مخلوق ہے اس پر خلیفہ نے خود اس کا سر قلم کر کے کہا کہ ”اس کا قتل میرے لیے قرب الہی کا باعث ہوگا“²⁵⁶۔

بشیر مرہبی کے بارے میں خلیفہ ہارون الرشید کو بتایا گیا کہ وہ نظریہ خلق قرآن کا قائل ہے یہ سنتے ہی خلیفہ کے تیور بدل گئے اور اس نے کہا کہ ”خدا کی قسم اگر میں فتح مند ہوا تو اس کی گردن ضرور ماروں گا“²⁵⁷۔

ابن علیہ کا بیان ہے کہ ہارون الرشید کے پاس ایک زندیق نے یہ اعتراف جرم کیا کہ ”میں نے ایک ہزار ایسی احادیث روئے زمین پر پھیلا دی ہیں جن میں ایک لفظ بھی حضور اکرم ﷺ کا نہیں ہے ان احادیث میں میں نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا“۔ یہ سن کر خلیفہ ہارون الرشید نے اس کے قتل کا حکم دیتے ہوئے کہا کہ ”اے دشمن خدا! تیری پیش کردہ احادیث کے ایک ایک حرف کی ابو اسحاق

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اور عبد اللہ بن مبارک تحقیق و تنقید کر کے غلطیاں دور کریں گے“²⁵⁸۔

ہارون الرشید دینی معاملات میں ریا کاری پسند نہیں کرتا تھا²⁵⁹۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا ”ریا کاری کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، کیونکہ ریا کار آدمی نہ دنیا میں کسی قسم کا فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ آخرت میں ثواب کا حق دار ہوگا“²⁶⁰۔ نیز دین کے معاملے میں بحث اور مناظروں سے بھی وہ سخت متنفر تھا²⁶¹۔ سیوطی کے بقول ہارون الرشید آیات قرآنی کی تاویل کرنے والوں کا جانی دشمن تھا²⁶²۔ ہارون الرشید اپنے تمام افعال میں ابو جعفر منصور کے مشابہ تھا تاہم اسکی طرح وہ کنجوس و بخیل نہ تھا²⁶³ کوئی حاجت مند انعام کے بغیر اس کے پاس سے نہ جاتا تھا اور نہ ہی کوئی مخلص عامل اپنی کارگزاری کے صلے سے کبھی محروم ہوتا تھا²⁶⁴۔ فخری کے بقول سخاوت میں اس کے مثل کوئی خلیفہ پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی وہ کسی محسن کے احسان کو ضائع کرتا تھا۔ مدح سرائی اُسے بڑی عزیز تھی خصوصاً جب کوئی فصیح شاعر اس کی تعریف کرتا تو وہ انہیں انعام و اکرام کے ساتھ ساتھ خلقوں سے بھی نوازتا تھا²⁶⁵۔

اسحاق موصلی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ہارون الرشید کو ایک مدحیہ نظم سنائی، اس پر ہارون الرشید نے فضل بن ربیع (ہارون کا وزیر) سے کہا، ”اس نے بہترین نظم کہی ہے کیونکہ اس کا مضمون اور بندشیں خوب ہیں۔ اس لئے اس کو ایک لاکھ درہم دے دو“ اس پر میں نے عرض کیا اے امیر المومنین! میری نظم سے تو آپ کا حکم زیادہ اچھا ہے، جس پر خلیفہ نے حکم دیا اے فضل بن ربیع اسے ایک لاکھ درہم اور دے دو۔ اس طرح مجھے بیک وقت دو لاکھ درہم مل گئے²⁶⁶۔

نفسویہ کا بیان ہے کہ ایک بار آپ نے مروان بن حفصہ کا ایک قصیدہ سن کر اس کو پانچ ہزار درہم، خلعت، اپنی سواری کا گھوڑا اور ایک رومی غلام عنایت کیا۔ جبکہ سفیان بن عیینہ کو چند شعائر سنانے کے عوض خلیفہ نے ایک لاکھ درہم عطا کیے²⁶⁷۔

ہارون الرشید رعایا کی فلاح و بہبود میں غیر معمولی دلچسپی لیتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس کے عہد میں دیگر خلفاء کے برعکس بے شمار مساجد، مدارس، شفا خانے، سرائیں، سڑکیں، پل اور نہریں تعمیر ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بے کسوں اور مظلوموں کی امداد اور بے انصافی کے انسداد کے لیے راتوں کو بغداد کی گلیوں میں گھومتا تھا²⁶⁸۔ 181ھ 797ء میں خلیفہ ہارون الرشید نے روم پر فوج کشی کی، جس کے نتیجے میں رومیوں کا قلعہ صفصاف بزور فتح ہوا، اسی سال اسلامی افواج جذبہ جہاد سے سرشار انقرہ تک پہنچ گئیں اور انھوں نے مطمورہ کو بھی فتح کر لیا، اس سال ہی رومیوں کی قید سے تین ہزار سات سو مسلمانوں کو ایک معاہدے کے تحت رہائی میسر آئی، یہ رومیوں کے ساتھ عباسی خلفاء کی پہلی مصالحت تھی²⁶⁹۔ ہارون الرشید اپنے آباؤ اجداد کے برعکس علویوں سے عقیدت و محبت رکھتا تھا۔ اسحاق ہاشمی کے بقول ایک دفعہ ہم لوگ ہارون الرشید کے پاس بیٹھے تھے کہ خلیفہ نے کہنا شروع کیا ”لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ سے مجھے بغض و عداوت ہے حالانکہ بخدا حضرت علیؑ سے مجھے بے انتہا محبت والہت ہے۔ میرے نزدیک حضرت علیؑ کی اولاد ہی سید و سردار اور فضیلت میں مقدم ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ”حسنینؑ سے محبت رکھنے والے مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور ان سے عداوت رکھنے والوں نے مجھ سے دشمنی کا برتاؤ کیا اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم (زویہ فرعون) کے سوا حضرت فاطمہ روئے زمین کی تمام خواتین کی سردار ہیں“²⁷⁰۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ہارون الرشید بلا تخصیص تمام صحابہ کرام سے عقیدت و محبت رکھتا تھا، اس کا قول ہے ”خدا کی قسم میں شیخین (حضرت ابو بکر و حضرت عمرؓ) سے محبت کرتا ہوں اور جو ان سے بغض رکھتا ہے میں اس سے بغض رکھتا ہوں اور اسے سزا دیتا ہوں“²⁷¹۔ خلیفہ ہارون الرشید رعایا کے دکھ درد کو اپنا ہی دکھ درد گردانتا تھا۔ 183ھ/799ء میں اہل خراج نے ارمینہ میں بغاوت کی اور شہر کو فتح کر کے مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا، ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو گرفتار کر لیا گیا اور مسلمانوں پر اتنے زیادہ مظالم کئے جو اس سے پہلے کبھی سننے میں نہ آئے تھے²⁷²۔

191ھ/806ء میں رومیوں نے مرعش (سرحدی شہر کا نام) کے امن پسند مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر یہاں کے بہت سے باشندوں کو قتل کر دیا، ان پر امن شہریوں پر حملے کے بعد ہارون الرشید نے اپنے تمام گورنروں اور عاملوں کے نام ایک فرمان جاری کیا۔ ”سلطنت کے اندر موجود کلیساؤں اور نصرانی خانقاہوں کو گرا دیا جائے اور ذمیوں (اسلامی ریاست میں رہنے والے غیر مسلم اور یہود و نصاریٰ) کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنی ہیئت، لباس اور سواری کو مسلمانوں سے جدا رکھیں تاکہ مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان امتیاز برقرار رہ سکے“²⁷³۔ ہارون الرشید کے یہ اقدامات اگرچہ مسلمانوں کے قتل و مارت کے انتقام میں تھے تاہم اس کا یہ فعل خلفائے راشدین کی سنت کے برعکس تھا اس کا اندازہ حضرت عمر فاروقؓ کے اس معاہدے سے لگایا جاسکتا ہے جو انھوں نے ایلیاء فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں سے کیا۔ ”میں نے ایلیاء کو، ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو امان دی ہے، ان کے گرجے، ان کی صلیبیں، ان کے بیمار، ان کے تندرست اور تمام مذاہب کے لوگ ہماری پناہ میں ہیں نہ ان کے گرجوں میں کوئی مسلمان رہے گا نہ یہ گرجے گرائے جائیں گے اور نہ ہی ان کی کوئی چیز توڑی جائے گی“²⁷⁴۔

ہارون الرشید کی شخصیت عجیب و غریب تضادات کا مجموعہ تھی جہاں ایک طرف وہ کثرت سے علماء سے وعظ و نصیحت کی باتیں سنتا اور ان مواعظ کا اس پر اتنا اثر ہوتا کہ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ جاتی تو دوسری طرف وہ راگ و رنگ کا بھی شوقین تھا۔ جہاں ایک طرف اس کے دربار میں امام ابو یوسف، ابن سناک اور قاضی ابوالبرکات جیسے عالم و فاضل ہوتے، جن کا خلیفہ پر زبردست اثر تھا تو وہاں دوسری طرف مشہور مغنی ابراہیم موصلی بھی اس کے دربار کی زینت سمجھا جاتا تھا اور ان مغنیوں اور شعراء پر وہ بے دریغ مال لٹانے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتا تھا۔ یعنی اس میں اگر ایک طرف تقویٰ اور پرہیزگاری پائی جاتی تھی تو دوسری طرف لہو و لعب کی طرف بھی اس کا فطری میلان تھا جہاں ایک طرف دینی جذبات میں پختگی کی وجہ سے وہ بکثرت نمازیں پڑھتا تو وہاں دوسری طرف وہ راگ و رنگ کی محفلیں بہت ذوق و شوق سے منعقد کرتا جن میں وہ اپنے ندیموں کی بے سرو پا باتوں پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرتا^{275-A}۔ ذیل میں ہم اس کی شخصیت کے ان منفی پہلوؤں کا ذکر کریں گے جن کی وجہ سے آج بھی بعض مؤرخین اس کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ ہارون الرشید بعض اوقات اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے شریعت کو بھی پس پشت ڈال دیتا۔ جیسا کہ خلیفہ بننے کے بعد ہارون الرشید ایک ایسی لونڈی پر فریفتہ ہو گیا جو اس کے والد مہدی بن ابوجعفر کے پاس رہ چکی تھی لونڈی نے خلیفہ کی نیت دیکھ کر ہر چند اسے ان باتوں کا احساس دلایا کہ ”امیر المؤمنین! میں آپ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کے لئے جائز نہیں ہوں“ لیکن ہارون الرشید ہر قیمت پر اس سے ہم آغوش ہونے کا ارادہ کر چکا تھا کہا جاتا ہے کہ اس نے امام ابو یوسف سے حسب خواہش فتویٰ بھی حاصل کر لیا، اس فتویٰ کو جائز قرار دیتے ہوئے امام موصوف نے کہا کہ ”یہ لوٹڈی چونکہ جھوٹی اور زانیہ ہے اس لئے تم اس سے ہم آغوش ہو سکتے ہو“^{275-B} تاہم ہماری نظر میں یہ امام ابو یوسف پر بہتان ہے۔

ابن مبارک مند جبہ بالا واقعہ پر رقم طراز ہیں ”میں کن کن امور پر تعجب کروں؟ کیا اس بادشاہ پر جس کے قبضے میں مسلمانوں کا خون و مال ہے جو اپنے والد کی عزت کا بھی کچھ خیال نہیں رکھتا؟ یا اس لوٹڈی پر جس نے امیر المومنین (ہارون) سے محبت کرنے سے انکار کر دیا، یا روئے زمین کے اس فقیہ و قاضی پر جس نے فتویٰ دیا کہ تو اپنے والد کی مدخلہ سے مباشرت اور اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکتا ہے لہذا اس گناہ کا بوجھ بھی اپنی گردن پر ڈالو“²⁷⁶ یاد رہے کہ امام ابو یوسف جلیل القدر امام ہیں جن کے متعلق اس طرح کی بدگمانی نہیں کی جاسکتی لہذا ایسی روایات محل نظر ہیں۔ بعض مؤرخین کے بقول اسے جوانی میں مذہب سے ذرا بھی لگاؤ نہ تھا بلکہ وہ تو لہو و لعب اور راگ و رنگ کا مشائق تھا²⁷⁷۔ نیز عباسیوں میں یہ پہلا خلیفہ تھا جس نے گانے بجانے والوں کے درجے مقرر کیے تھے²⁷⁸ اور یہ گویوں پر بڑی بڑی رقمیں لٹا دیتا²⁷⁹۔ ہارون الرشید ان گویوں کو اکثر اپنے دربار میں مدعو کرتا پھر عمدہ قسم کے کھانوں سے ان کی ضیافت کرتا، اس موقع پر ہارون الرشید اور اس کے درباری سرخ، زرد اور سبز رنگ کے لباس پہنتے تھے²⁸⁰۔ ہارون الرشید موسیقی کا اس حد تک رسیا تھا کہ مہدی بن ابو جعفر منصور کے مرنے کے بعد ابراہیم موصلی اور ابوالغیاہ نے گانے سے انکار کر دیا، ہارون الرشید پر ان کا انکار بڑا گراں گزرا، چنانچہ اس نے ان دونوں کو ایک کنویں میں اس وقت تک قید رکھا جب تک انھوں نے گانے پر رضامندی ظاہر نہ کی، اس کے بعد انہیں لاکھ لاکھ درہم اور سو سو خلعیں بطور انعام دی گئیں²⁸¹۔ خلیفہ کو کتے اور باز پالنے کا بھی بڑا شوق تھا کیونکہ یہ ان سے شکار کرتا تھا²⁸²۔ ہارون الرشید کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ چنفل خوروں کی باتوں کو غور سے سنتا اور فوراً ان کی باتوں کا یقین کر لیتا اگر اسے سلطنت کے کسی عہدے دار کے خلاف جھوٹی جی کوئی شکایت پہنچتی تو اس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ اس وقت کوئی شخص اس سے بات کرنے کی بھی جرات نہ کر سکتا تھا اگر دشمن اس کے قابو میں آجاتا تو وہ اسے عبرت ناک سزائیں دیے بغیر نہیں چھوڑتا تھا۔ بہت کم ایسا ہوا کہ اس نے کسی دشمن کو معاف کیا ہو²⁸³۔ محمد بن علی خراسانی کا بیان ہے کہ ہارون الرشید عباسیوں میں پہلا خلیفہ ہے جس نے کرکٹ، شطرنج اور نشا نہ بازی کو فروغ دیا²⁸⁴۔ خلیفہ کو دیگر مشاغل کے ساتھ ساتھ گھوڑے پالنے کا بھی شوق تھا کیونکہ وہ اکثر گھڑ دوڑ کے مقابلے کروانا رہتا تھا۔ ایک دفعہ رقبہ میں اس نے گھڑ دوڑ کا مقابلہ کروایا جس میں اس کا گھوڑا اول اور مامون الرشید کا گھوڑا دوسرے نمبر پر آیا۔²⁸⁵ صولی کے بقول ہارون الرشید لوٹڈیوں کا بڑا شوقین تھا ایک لوٹڈی کے انتقال پر یہ اتنا مغموم ہوا کہ اس نے خود مرثیہ کہا²⁸⁶۔ مشہور مؤرخ فلپ کے۔ ہٹی عہد ہارون پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے ”اسلامی تاریخ میں ہارون الرشید کی شخصیت شاہانہ داود و ہش میں مقناطیسی حیثیت رکھتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پایہ تخت میں دور دور سے شاعر، مطرب (ڈرم بجانے والے)، گویے، ماچنے والے، مسخرے، کتے اور مرغ لڑانے والے اور ہر طرح کے ارباب تفریح و نشاط دار الخلافہ میں کھینچے چلے آتے جبکہ گانے والوں میں ابراہیم موصلی، سیاطا اور ابن جامع کو خاص حیثیت حاصل تھی“²⁸⁷۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

﴿حواشی﴾

- 1- حسن امیر ایمن حسن، تاریخ الاسلام ۱، سیاسی، مترجم۔ علیم اللہ صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1959ء، جلد 2، ص 52
- 2- الدمیری، محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ کمال الدین، حیات الخیوان، مترجم۔ ناظم الدین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، سن ندارد، جلد 1، ص 68
- Hitti, Philip K., History of the Arabs, Macmillan and Company limited, 1961, P-288
- 3- حسن امیر ایمن حسن، تاریخ الاسلام ۱، سیاسی، جلد 2، ص 52۔
- طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، مطبعة الاستقامة، بالقاهرة، مصر، 1939ء، جلد 6، ص 83۔
- 4- Hitti, History of the Arabs, P-288.
- 5- حسن امیر ایمن حسن، تاریخ الاسلام ۱، سیاسی، جلد 2، ص 52۔
- 6- المسعودی، علی بن الحسن بن علی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، دارالاندلس، لبنان، بیروت، 1965ء، جلد 3، ص 256۔
- 7- ابن الاثیر، ابی الحسن علی بن ابوالکرم محمد بن محمد ابی عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان، 2004ء، جلد 5، ص 11۔
- 8- Hitti, History of the Arabs, P-288-289.
- 9- ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین الدمشقی، البدایہ والنہایہ، دارالفکر، بیروت، لبنان، 1978ء، جلد 5، حصہ 10، ص 51۔
- محمد قطب الدین، مظاہر حق، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، 2002ء، باب فضیلت ابن عباسؓ، جلد 5، ص 725۔
- 10- احمد بن حنبل، المسند الامام احمد بن حنبل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 1993ء، جلد 3، ص 498۔
- 11- المسعودی، علی بن الحسن بن علی، تنبیہ الاشراف، مترجم۔ عبداللہ العمدی، دارہ الطبع جامع عثمانیہ، سرکار عالی، حیدرآباد دکن، انڈیا، 1926ء، ص 209۔
- 12- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 60۔
- 13- یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح، تاریخ الیعقوبی، مترجم۔ اختر فچوری، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، 1989ء، جلد 2، ص 562۔
- 14- المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 3، ص 257۔
- 15- جعد بن ہبیرہ فاختر امہ ہانی بنت ابی طالب کے خاندان میں سے تھا اسی نسبت سے السفاح اور ابو جعفر منصور اسے بھانجا کہہ

کر پکارتے تھے اس طرح حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عقیلؓ جعدہ بن ہمرہ کے ماموں تھے۔ دیکھئے:

المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهري، جلد 3، ص 259۔

16۔ ایضاً، ص 257-258۔

17۔ المسعودی، تنبیه الاشراف، ص 224۔

18۔ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی، سن ندارد، ص 258۔

19۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاريخ، جلد 5، ص 42۔

20۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 59-60۔

21۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاريخ، جلد 5، ص 50۔

22۔ حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 58۔

23۔ المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهري، جلد 3، ص 261۔

24۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 258۔

25۔ حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 55۔

26۔ ایضاً، ص 56۔

27۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 58-59۔

28۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 564۔

29۔ Hitti, History of the Arabs, P-289-90.

30۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاريخ، جلد 5، ص 24۔

31۔ Ameer Ali, Syed, A Short History of the Saracens, Islamic Book Service, Lahore, 1926, P-209.

32۔ Hitti, History of the Arabs, P-288.

33۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 61۔

34۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P-209.

35۔ Hitti, History of the Arabs, p-289.

36۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 589۔

- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 84۔
- 37۔ یعقوبی، تاریخ الیعتوبی، جلد 2، ص 590۔
- 38۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 84۔
- 39۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 154۔
- 40۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 98۔
- 41۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 248۔
- 42۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 121۔
- 43۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 266۔
- 44۔ ابن طقطقی، محمد بن علی بن طباطبای، الفخری فی الاداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ، مترجم۔ محمود علی خان، ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی، انڈیا، 1969ء، ص 241۔
- 45۔ ابن خلدون، عبدالرحمن بن محمد بن محمد، کتاب العبر و دیوان المتبداء والخبر، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، 2003ء، جلد 1، ص 1134۔
- 46۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 1134۔
- 47۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 262۔
- 48۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 164۔
- 49۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 296۔
- 50۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 111۔
- 51۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 257۔
- 52۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 299۔
- 53۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 186۔
- 54۔ ایضاً، ص 199۔
- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 309-310۔
- 55۔ ایضاً، ص 325۔
- 56۔ ایضاً، ص 329۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- 57- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 134۔
- 58- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 97۔
- 59- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 228۔
- 60- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 74۔
- 61- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 154۔
- 62- ایضاً _____
- 63- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 204۔
- 64- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 327۔
- 65- ایضاً، ص 321۔
- 66- المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجواهر، جلد 3، ص 286۔
- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 222۔
- 67- ایضاً، ص 227-228
- 68- ایضاً، ص 228۔
- 69- المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجواهر، جلد 3، ص 288۔
- 70- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 338۔
- 71- القرآن، 3: 102۔
- 72- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 332۔
- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 264۔
- 73- ندوی، معین الدین احمد، تاریخ اسلام، غنیمت اکاڈمی، کراچی، 1975ء، جلد 3، ص 62-63۔
- 74- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 264۔
- 75- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 125-126۔
- 76- حسن امیرہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 71۔
- 77- یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 616۔
- 78- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 320۔

- 79۔ القرآن، 3:5
- 80۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 123۔
- 81۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 313۔
- 82۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 203۔
- 83۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 5، ص 338۔
- 84۔ _____ ایضاً _____
- 85۔ ایضاً، ص 313۔
- 86۔ حسن امیرہیم حسن، تاریخ الاسلام، لیبیسی، جلد 2، ص 70۔
- 87۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 393۔
- 88۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 266۔
- 89۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, p- 227.
- 90۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 324۔
- 91۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 239۔
- 92۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 267۔
- 93۔ _____ ایضاً _____
- 94۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 339۔
- 95۔ ایضاً، ص 318۔
- 96۔ المسعودی، تنبیه الاشراف، ص 229۔
- 97۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 196۔
- 98۔ _____ ایضاً _____
- 99۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 343۔
- 100۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 127۔
- 101۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 202۔
- 101۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 126۔

- 102۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 264۔
- 103۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 227.
- 104۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 202۔
- 105۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 324۔
- 106۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 123۔
- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 264۔
- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 202۔
- 107۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 80۔
- 108۔ المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجواهر، جلد 3، ص 290۔
- 109۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 221-222.
- 110۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 89۔
- 111۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1130۔
- 112۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 223.
- 113۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 90۔
- 114۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1130۔
- 115۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 223.
- 116۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 259۔
- 117۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 223.
- 118۔ _____ Ibid. _____
- 119۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 82۔
- 120۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 344۔
- 121۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 267-268۔
- 122۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 213.
-

- 123۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 261۔
- 124۔ الدینوری، احمد بن داؤد، الاخبار الطوال، مترجم۔ مرزا محمد منور، اردو سائنس اکیڈمی، لاہور، 1986ء، ص 256۔
- 125۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 72۔
- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 62
- 126۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 119۔
- 127۔ Hitti, History of the Arabs, P- 290.
- 128۔ المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 3، ص 289۔
- 129۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1120۔
- 130۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 63۔
- 131۔ _____ ایضاً _____ ص 45۔
- 132۔ _____ ایضاً _____
- 133۔ Hitti, History of the Arabs, P- 290.
- 134۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 271-272۔
- 135۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1134۔
- 136۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 281۔
- 137۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 151۔
- 138۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 261۔
- 139۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 259۔
- 140۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1138۔
- 141۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 121۔
- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 303۔
- 142۔ ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 116۔
- 143۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P-222.
- ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 116۔

144- Hitti, History of the Arabs, p-290

ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ جلد 5، ص 56-64

145- Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P-213

146- حسن امراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 79۔

147- ایضاً، ص 80۔

148- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 269۔

149- ایضاً، ص 259۔

150- ایضاً، ص 269۔

151- المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 3، ص 308۔

152- حسن امراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 85۔

یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 623۔

153- حسن امراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 88۔

154- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 145۔

ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1142۔

155- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 389-390۔

چار اللہ، زہدی حسن، تاریخ معتزلہ، مترجم۔ رئیس احمد جعفری، سعید۔ ایچ۔ ایم۔ کمپنی، کراچی، 1969ء، ص 320۔

156- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 271۔

157- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 272-273۔

158- مقصورے مساجد میں بنائے گئے اُن کمروں کو کہا جاتا ہے جہاں اموی خلفاء نمازیں ادا کرتے تھے۔ دیکھئے

ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السطانیہ، ص 138۔

159- ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1144۔

160- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 130۔

طبری، تاریخ الامم، والملوک، جلد 6، ص 357۔

161- ایضاً _____ ص 366۔

- ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1144۔
- 162۔ الدینوری، الاخبار الطوال، ص 628۔
- 163۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 628-629۔
- 164۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 368-369۔
- 165۔ ایضاً، ص 367۔
- ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1144۔
- 166۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 132۔
- 167۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P-229.
- 168۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 273۔
- 169۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1144۔
- 170۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 273۔
- 171۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 632-633۔
- 172۔ المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجواهر، جلد 3، ص 312۔
- 173۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 629۔
- 174۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 400۔
- 175۔ المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجواهر، جلد 3، ص 312۔
- 176۔ حسن امین حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی، جلد 2، ص 96-97۔
- 177۔ ایضاً، ص 90۔
- 178۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 364۔
- 179۔ حسن امین حسن، تاریخ الاسلام، سیاسی، جلد 2، ص 90۔
- 180۔ المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجواهر، جلد 3، ص 312۔
- 181۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 267۔
- 182۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 395-396۔
- 183۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 154۔

- 184 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 274۔
- 185 - ایضاً، ص 277۔
- 186 - ایضاً۔
- 187 - یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، جلد 2، ص 632۔
- 188 - دیوان اس رجسٹر کو کہا جاتا تھا جس میں بیت المال سے وظائف حاصل کرنے والے لوگوں کے وظائف درج تھے۔
دیکھئے:
- بلازری، احمد بن یحییٰ بن جابر الشیر بغدادی، فتوح البلدان، مطبعة الموسوعات شارع باب الخلق، القاہرہ، مصر،
1901ء، ص 454-455۔
- 189 - ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 270۔
- 190 - طبری، تاریخ، الامم والملوک، جلد 6، ص 394-395۔
- 191 - ایضاً، ص 401۔
- 192 - ایضاً
- 193 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 153۔
- 194 - المسعودی، تنبیہ الاشراف، ص 230۔
- 195 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 399-400۔
- 196 - ایضاً، ص 383۔
- 197 - ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 276۔
- 198 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 153۔
- 199 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 275۔
- 200 - یعقوبی، تاریخ الیعقوبی، جلد 2، ص 628۔
- 201 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 282۔
- 202 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 160۔
- 203 - ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، جلد 5، ص 270۔
- 204 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 432۔
-

- 205 - ایضاً، ص 423۔
- 206 - ابن خلدون، کتاب جلد 1، ص 1148۔
- 207 - حسن امیر ایم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 96-97۔
- 208 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 159۔
- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 435۔
- 209 - ایضاً، ص 439۔
- 210 - المسعودی، تنبیه الاشراف، ص 232۔
- 211 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 433۔
- 212 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 280۔
- 213 - ابن خلدون کتاب العمر، جلد 1، ص 1150-1151۔
- 214 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 436۔
- 215 - ایضاً، ص 423۔
- 216 - المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 3، ص 327۔
- 217 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 331۔
- 218 - ایضاً _____ ص 430۔
- 219 - ایضاً _____ ص 439۔
- 220 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 159۔
- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 281۔
- 221 - المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 3، ص 335۔
- 222 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 279۔
- 223 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 185۔
- 224 - عمر ابوالنصر، الحارون، مترجم۔ محمد احمد پانی پتی، مکتبہ جدیدہ، انارکلی، لاہور، 1955ء، ص 190۔
- 225 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 294۔
- 226 - ایضاً _____ ص 285۔

- 227 - القرآن، 36 : 22۔
- 228 - عمر ابوالنصر، الحارون، ص 189۔
- 229 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 216۔
- 230 - _____ ایضاً _____ ص 214۔
- 231 - المسعودی، تنبیہ الاشراف، ص 234۔
- 232 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 284-285۔
- 233 - بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، للنشر والتوزیع، الریاض، 1999ء، کتاب الجہاد والسر، باب تمنی الشہادۃ، ص 463، حدیث 2797 -
- 234 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 285۔
- 235 - _____ ایضاً _____ ص 292۔
- 236 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 187۔
- 237-Ameer Ali, A Short History of the Saracens,P-242.
- 238 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 216۔
- 239 - ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1157۔
- 240 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 295۔
- 241 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 217۔
- 242 - ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1157۔
- 243 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 530۔
- 244 - ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 287۔
- 245 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 281۔
- 246 - عمر ابوالنصر، الحارون، ص 189۔
- 247 - ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 289۔
- 248 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 292۔
- 249 - ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 289۔

- 250۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 294۔
- 251۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 249۔
- 252۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 288۔
- 253۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 294۔
- 254۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 208-209۔
- 255۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 285۔
- 256۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 215۔
- 257۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 284۔
- 258۔ ایضاً، ص 293۔
- 259۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 288۔
- 260۔ عمر ابوالنصر، الحارون، ص 191۔
- 261۔ حسن امیر، حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 129۔
- 262۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 284۔
- 263۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P-253.
- 264۔ عمر ابوالنصر، الحارون، ص 191۔
- 265۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 288۔
- 266۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 295۔
- 267۔ ایضاً، ص 285-286۔
- 268۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P-237-238.
- 269۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1157۔
- 270۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 293۔
- 271۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 215۔
- 272۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 288۔
- 273۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 206۔
-

طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 6، ص 512۔

274۔ ہیملٹن محمد حسین، سیدنا عمر فاروقؓ، مترجم۔ محمد مسعود عہدہ، الفیصل ناشران وناجران کتب، اردو بازار، لاہور، سن ہزار دہ، ص 399۔

275-A۔ عمر ابوالنصر، الحارون، ص 208-209۔

275-B۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 291۔

276۔ ایضاً۔

277۔ عمر ابوالنصر، الحارون، ص 189۔

278۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 295۔

279۔ عمر ابوالنصر، الحارون، ص 192۔

280۔ ایضاً۔

281۔ ایضاً، ص 197-198۔

282۔ ایضاً، ص 193۔

283۔ ایضاً، ص 191۔

284۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 295۔

285۔ المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 3، ص 362۔

286۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 295۔

287۔ Hitti, History of the Arabs, P-303.

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

باب پنجم (حصہ دوم)

فصل اول:

امین الرشید۔

- ۱۔ امین الرشید نجیب الطرفین ہاشمی تھا۔
- ۲۔ اس کا زندگیوں اور معتزلہ سے سخت متنفر ہونا اور ان کا زیر زمین سرگرمیوں تک ہی محدود رہنا۔
- ۳۔ اپنے اسلاف کے برعکس یہ بڑا مذہب بے زارا اور احکام خداوندی کی نافرمانی کرنے والا خلیفہ تھا۔
- ۴۔ اس نے کعبہ سے اپنے باپ کا لکھا ہوا عہد نامہ منگوا کر چاک کر ڈالا۔
- ۵۔ اس کا خلافت سنبھالتے ہی مسخروں اور ہجڑوں پر خطر رقم خرچ کر کے انہیں اپنے قعر میں جمع کرنا۔
- ۶۔ بیت المال میں موجود ہیرے جو اہرات اور قیمتی اسلحہ ہجڑوں، مسخروں اور اپنے مقربین خاص میں تقسیم کرنا۔
- ۷۔ خزانہ خالی ہونے کی صورت میں سونے چاندی کے برتنوں کو درہم و دینار میں ڈھالنا۔
- ۸۔ اپنی عیش و عشرت، لہو و لعب اور تفریحی محافل کے لئے مملکت کے مختلف شہروں میں نشاط گاہیں تعمیر کروانا۔
- ۹۔ اس کا ہر وقت شراب و شباب، گانے بجانے اور کھیل کود میں مشغول رہنا۔

فصل دوم:

مامون الرشید۔

- ۱۔ مامون الرشید کا حافظہ قرآن ہونا اور ہر رمضان میں اس کا بکثرت قرآن ختم کرنا۔
- ۲۔ اس کا اپنے آباؤ اجداد کی طرح زندگیوں اور ملحدوں سے نفرت کرنا۔
- ۳۔ اپنے اسلاف کے برعکس اس کا علویوں سے عقیدت و محبت رکھنا اور امام علی رضا کو اپنا ولی عہد بنانا۔
- ۴۔ عباسی شعاریاہ لباس کی بجائے علوی شعاریاہ یعنی سبز لباس کو قومی شعار قرار دینا۔
- ۵۔ امام علی رضا سے تعلق جوڑنے کی وجہ سے اپنی بیٹی کا ان سے عقد کرنا۔
- ۶۔ پہلی دفعہ خانہ کعبہ پر سیاہ غلاف کی بجائے سفید ریشمی غلاف چڑھانا۔
- ۷۔ مامون الرشید کا فصیح و بلیغ کلام کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ، طب، شعر، فرائض اور علم نحو میں مہارت رکھنا۔
- ۸۔ مامون کا رعایا سے ہمدردانہ رویہ رکھتے ہوئے ایک ہی دن میں ان پر چوبیس کروڑ درہم خرچ کر ڈالنا۔
- ۹۔ اس نے روم میں قید مسلمانوں کی رہائی کے لئے رومی شہروں کو تباہ و برباد کیا جس کے نتیجے میں رومیوں کو دوبارہ اسلامی شہروں پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔
- ۱۰۔ عفو و درگزر کا پیکر ہونا جس کی وجہ سے اس نے امراہیم بن مہدی (اپنے چچا)، فضل بن ربیع اور عیسیٰ بن خالد کو نہ صرف معاف کر دیا بلکہ ان کا ضبط شدہ مال و اسباب بھی واپس کر دیا۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- ۱۱۔ مامون الرشید کا بغیر کسی مستند دلیل کے چند بدعتیں اختراع کرنا جیسے خلق قرآن کا مسئلہ پیدا کرنا، آخرت میں رویت باری تعالیٰ کا انکار کرنا نیز مساجد میں فرض نمازوں کے بعد با آواز بلند تکبیریں کہنا۔
- ۱۲۔ اس کی سرپرستی میں مذہبی مناظروں اور مباحثوں کا شروع ہونا۔
- ۱۳۔ اس کا علوم عقلیہ میں معتزلی اکابرین کی فوقیت اور علمی تبحر سے متاثر ہونا۔
- ۱۴۔ عقیدہ خلق قرآن کی سرکاری سطح پر سرپرستی کرنا، علماء و فقہاء اور رعایا کے معتزلی عقائد قبول نہ کرنے کی صورت میں حکومتی سطح پر ظلم و تشدد کا راستہ اختیار کرنا۔
- ۱۵۔ اس کا امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن نوح جیسے علمائے حق کو مبتلائے محن کرنا۔
- ۱۶۔ بیت المال کو ذاتی خزانہ تصور کر کے اس کا بے دریغ استعمال کرنا۔

فصل سوم: معتصم باللہ۔

- ۱۔ معتصم باللہ کا اپنے والد ہارون الرشید اور بھائی مامون الرشید سے حدیث کی سماعت کرنا۔
- ۲۔ ایک ہزار مسلمان قیدیوں کی رہائی کے لئے رومیوں کے مقدس شہر عموریہ کو تباہ و برباد کرنا اور وہاں کے تیس ہزار باشندوں کو موت کے گھاٹ اتارنا۔
- ۳۔ رومیوں کی اسلام دشمنی کے رد عمل میں عیسائیوں کے خلاف سخت قوانین وضع کرنا۔
- ۴۔ غیر شرعی کاموں سے نفرت کی وجہ سے فرقہ خرمیہ کی بنیاد پڑ گئی۔
- ۵۔ معتصم باللہ کا اپنے معروف جرنیل افشین بن حیدر کو شرکانہ عقائد کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتارنا۔
- ۶۔ اپنے بھائی مامون الرشید کے نقش قدم پر چلتے ہوئے معتزلی عقائد و نظریات کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کرنا۔
- ۷۔ امام احمد بن حنبلؒ جیسے علمائے حق کو معتزلی نظریات کی مخالفت کے جرم میں جسمانی تشدد کا نشانہ بنانا۔
- ۸۔ دیگر عباسی خلفاء کی طرح اس کا وعدہ خلاف اور منتقم مزاج ہونا اور اپنے ہی بھتیجے عباس بن مامون کو امان کے باوجود قتل کرنا یہاں تک کہ اس کے معصوم بچوں کو بھی معاف نہ کیا گیا۔
- ۹۔ فضول خرچ ہونے کی وجہ سے اس کے کھانے پر روزانہ ایک ہزار اشرفیاں خرچ ہوتی تھیں۔

فصل چہارم: واثق باللہ۔

- ۱۔ واثق باللہ کا اہل حجاز سے محبت و عقیدت کی وجہ سے انہیں گرانقدر عطیات دینا۔
- ۲۔ بنو سلیم کا خاتمہ کر کے اہل مدینہ کو امن و سکون باہم پہنچانا۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- ۳۔ زندیقیوں اور طہروں سے نفرت کی بدولت خوارج کی بیخ کنی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھنا۔
- ۴۔ اس کا دیگر عباسی خلفاء کے برعکس علویوں سے نہایت اچھا سلوک کرنا۔
- ۵۔ عمال کے محاسبے میں اس نے حضرت عمر فاروقؓ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی۔
- ۶۔ مندرجہ بالا خوبیوں کے باوجود واثق باللہ کا معتزلی نظریات میں تشدد ہونا نیز ان نظریات کی مخالفت کرنے والوں کو نہ صرف ظلم و تشدد کا نشانہ بنانا بلکہ ایسے لوگوں کو عمر بھر کے لیے حوالہ زنداں کرنا۔
- ۷۔ معتزلی نظریات کی مخالفت میں ابو یعقوب اور یوسف بن یحییٰ کو زنجیروں میں جکڑ کر مصر سے بغداد لایا گیا جہاں قید ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔
- ۸۔ امام احمد بن حنبلؒ کو گھر میں ہی قید کر دیا گیا یہاں تک کہ انہیں مسجد جانے کی بھی اجازت نہ تھی۔
- ۹۔ گانے بجانے والوں کو اس کے دور میں بڑی پزیرائی حاصل تھی۔
- ۱۰۔ اس کی فضول خرچی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاتا ہے کہ اس کے کھانے پینے کے تمام برتن اور فرنیچر سونے کے بنے ہوئے تھے۔

۱۱۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ اس نے موت سے قبل معتزلی نظریات سے توبہ کر لی تھی۔

فصل پنجم: متوکل علی اللہ۔

- ۱۔ یہ اپنے باپ اور بھائی کے برعکس سنت نبویہؐ پر عمل پیرا ہونے والا شخص تھا اسی وجہ سے اس نے خلافت سنبھالنے ہی مؤرخین و محدثین کو مدعو کر کے احادیث اور سیرت پر کتب لکھنے کی درخواست کی۔
- ۲۔ سنت نبویہؐ کے احیاء کی وجہ سے لوگ اسے ”محمی السنہ“ کے نام سے پکارتے تھے۔
- ۳۔ عباسی خلفاء کے ظالمانہ قوانین کے خاتمے کی وجہ سے لوگ اسے عمر بن عبدالعزیز سے تشبیہ دیتے تھے۔
- ۴۔ اسے صحابہ کرامؓ کے خلاف ایک لفظ بھی سننا گوارا نہ تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے احمد بن محمد بن عاصم کو شیخینہؓ کو گالیاں دینے کے جرم میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔
- ۵۔ اپنے اسلاف کے برعکس امام احمد بن حنبلؒ سے اس کا رویہ نہایت ہمدردانہ رہا اور یہ انہی کے مشورے سے امراء اور قاضیوں کا تقرر کرتا۔
- ۶۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ علم الکلام اور خلق قرآن پر گفتگو نہ کرنے کے احکامات جاری کرنا تھا۔ حکم عدولی کی صورت میں اس نے لوگوں کو قید و بند اور موت جیسی سزاؤں سے دوچار کرنے کی دھمکی دی۔
- ۷۔ اس نے ابن الزیات، احمد بن ابی داؤد اور اس کے بیٹے کو معزول کر کے ان کی تمام املاک کو بحق سرکار ضبط کر لیا۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- ۸۔ احمد بن ابی نصر کی لاش کو چھ سال صلیب پر رہنے کے بعد اتارنے کے احکامات جاری کئے۔
- ۹۔ اس نے علمائے حق کو خلق قرآن کے خلاف اور رویت باری تعالیٰ کے حق میں کتب تحریر کرنے اور وعظ کرنے کے احکامات جاری کئے۔
- ۱۰۔ اس کا لحدوں اور زندیقوں سے نفرت کی وجہ سے محمود بن فرج نیشاپوری (مدعی نبوت) اور فرقہ جہمیہ کے سردار ابو بکر محمد بن ابولیس کو معزول کر کے ان کی تمام املاک کو ضبط کرنا۔
- ۱۱۔ اہل زط کو روپیوں کی قید سے آزاد کرانے اور قوم بجاۃ کو مسلمانوں پر غارت گری کا سبق سکھانے کے لئے متوکل کا ان پر حملہ آور ہوا۔
- ۱۲۔ عیسائیوں کی مسلم دشمنی کے رد عمل میں اس نے ان کے خلاف سخت قوانین بنائے۔
- ۱۳۔ اپنے اسلاف کی طرح اسے بھی علویوں سے خدا واسطے کا پیر تھا۔ اس نے روضہ حسینؑ اور اس کے گرد تمام قبروں کو مسمار کر کے یہاں کاشتکاری کا حکم دیا نیز روضہ حسینؑ کی زیارت پر حکماً پابندی عائد کر دی۔ حضرت علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی تنقیص کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔
- ۱۴۔ اس کی شراب و شباب میں مشغولیت اور بدمستی نے سلطنت عباسیہ کو بربادی کی طرف دھکیل دیا اور اسی کے عہد سے عباسیوں کا زوال شروع ہوا۔
- ۱۵۔ وہ حیاء کو بیخود اپن، رحم کو کمزوری اور سخاوت کو حماقت پر محمول کرنا تھا، انتہائی تھکی کہ یہ دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔

امین الرشید بن ہارون الرشید

(193ھ 198ھ / 808ء تا 813ء)

اس کا نام محمد بن ہارون الرشید بن مہدی بن ابوجعفر منصور بن عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب، اس کی کنیت ابو موسیٰ اور اس کا لقب الامین تھا اس کی ماں زبیدہ بنت جعفر بن ابوجعفر منصور تھی۔

امین الرشید کو اس کے والد ہارون الرشید نے اپنی زندگی ہی میں اپنا ولی عہد بنا کر اس کی بیعت لے لی تھی۔ امین الرشید کو عباسی خلفاء میں یہ فوقیت حاصل تھی کہ وہ نجیب الطرفین ہاشمی تھا۔¹ ایک دفعہ دوران حج اس کا غلام انتقال کر گیا اس کے پسماندگان اب اس بات سے متکثر تھے کہ متوفی کا حج قبول ہوگا کہ نہیں؟ ان باتوں کا جب امین الرشید کو علم ہوا تو اس نے دوران حج مرنے والوں کے بارے میں حضور ﷺ کی یہ حدیث بیان کی۔

فان الله يبعثه يوم القيمة ملبياً²

”جس کا حالت احرام میں انتقال ہوا وہ روزِ محشر تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا“

امین الرشید کو زندیقوں سے بڑی نفرت تھی یہی وجہ تھی کہ اس نے خلافت سنبھالتے ہی تمام زندیقوں کو پابند سلاسل کر دیا۔³

زندیقوں کی طرح وہ خلقِ قرآن کا نظریہ رکھنے والوں کا بھی دشمن تھا۔ ایک بار اسے بتایا گیا کہ اسماعیل بن علیہ قرآن کو خدا کی مخلوق سمجھتا ہے اسماعیل بن علیہ دربار خلافت میں حاضر کیا گیا خلیفہ نے اسے دیکھتے ہی کہا ”او حرامزادے تو قرآن کو مخلوق کیوں کہتا ہے؟ آئندہ تیری یہ جرأت نہ ہو“⁴۔ اسے فقہ اور عربی زبان و ادب میں بلند مقام حاصل تھا۔ ابوالحسن احمر کا بیان ہے کہ ”بعض اوقات جب نحو میں استدلال کے لیے مجھے کوئی شعر یاد نہ آتا تو اس وقت مجھے خلیفہ امین الرشید کوئی ایسا شعر سنا دیتے جس سے میں استدلال کرنا نیز میں نے سلاطین کی اولاد میں امین اور مامون سے زیادہ کوئی ذہین آدمی نہ پایا“⁵۔ خلیفہ امین الرشید بڑے اچھے شعر کہتا⁶۔ اسی لیے یہ اچھے اشعار سننے پر شعراء کی پذیرائی بھی کرتا۔ ایک دفعہ اس نے درباری شاعر عبد اللہ بن تیمی کو اچھے اشعار سنانے کا حکم دیا۔ اس نے خلیفہ امین الرشید کو پوری نظم سنا دی، اس پر خلیفہ نے خوش ہو کر عبد اللہ بن تیمی کو درہموں سے لدے ہوئے تین گدھے انعام میں دیئے⁷۔ اپنے اسلاف کی تقلید میں خلیفہ امین بھی انگشتی پہنتا تھا اور اس کی انگشتی پر درج ذیل الفاظ نقش تھے۔

نعم القادر الله⁸ - ”اللہ کیا ہی اچھی قدرت والا ہے“

اور بعض کے بقول اس کی انگشتی پر درج ذیل الفاظ کندہ تھے۔

سائل الله لا يخيب⁹ - ”اللہ سے مانگنے والا نا کام نہیں رہتا“۔

مخارق گوئے کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں خلیفہ امین الرشید کے سامنے بیٹھا گا رہا تھا کہ اس دوران میں خلیفہ امین کے خوبصورت جے کو بھگنے لگا جو نہایت ہی عمدہ زرتا رے بنا ہوا تھا اور اس سے قبل میں نے ایسا جہ زندگی میں کبھی نہ دیکھا تھا خلیفہ نے میری نظروں کو بھانپتے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ہوئے مجھ سے کہا ”کیا تم کو یہ پسند ہے؟“ میں نے کہا میرے آقا بیشک یہ بہت خوبصورت ہے مگر آپ کا چہرہ اس کے لیے باعث حسن ہے یہ سن کر خلیفہ امین نے غلام سے اور جبہ منگوا کر خود پہن لیا اور یہ مجھے عطا فرمایا¹⁰۔ مسعودی کے بقول خلیفہ امین الرشید دولت خرچ کرنے میں بڑا سخی تھا¹¹۔ جبکہ سیوطی کا کہنا ہے کہ خلیفہ امین کھانا کھلانے میں بڑا بخیل تھا¹²۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا بہادر تھا اور ایک دفعہ اس نے اکیلے ہی شیر کو مارا تھا، اگرچہ اس کے بعد خلیفہ امین کی انگلیوں کے جوڑا اپنی جگہ سے ہل گئے تھے¹³۔ خلیفہ امین الرشید اپنے اسلاف کے برعکس بڑا مذہب پزیر اور احکام خدا کی نافرمانی کرنے والا شخص تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے جذبات کی تسکین کے لیے غیر شرعی کاموں سے بھی احتراز نہ کرتا تھا۔ ابراہیم بن المہدی اور مخارق کا بیان ہے کہ ایک رات ہمیں قصر امین میں طلب کیا گیا جب ہم لوگ قصر خلیفہ کے اندر پہنچے تو ہم یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے کہ قصر تمام لونڈیوں اور خدمتگاروں سے کچا کچھ بھرا ہوا تھا جبکہ امین ان سب کے درمیان رقص کر رہا تھا پھر کچھ دیر کے بعد ان کی دیکھا دیکھی دربار کے غلام اور لونڈیاں بھی اس کے ساتھ رقص ہو گئیں¹⁴۔

امین الرشید عہد شکن اور بیثاق قطع کرنے والا شخص تھا اسی وجہ سے اس نے خانہ کعبہ سے وہ عہد نامہ منگوا کر چاک کر ڈالا، جس میں مامون الرشید اور مومن کی ولی عہدی کا ذکر تھا اور جسے خلیفہ ہارون الرشید نے خانہ کعبہ میں آویزاں کیا تھا¹⁵۔ پھر اس نے مامون الرشید کی بجائے اپنے دودھ پیتے بیٹے موسیٰ بن امین الرشید کو ”الناطق بالحق“ کا لقب دے کر اپنا ولی عہد نامہ مزد کیا¹⁶۔ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ آئندہ خطبوں میں مامون الرشید اور مومن کے نام نکال دیئے جائیں اور صرف موسیٰ بن امین کے لیے دعا کی جائے¹⁷۔ امین الرشید نے خلافت سنبھالنے ہی خطیر رقم خرچ کر کے ملک سے ہجڑوں اور مسخروں کو جمع کرنا شروع کر دیا، دن رات اور خلوت و جلوت میں یہ سایے کی طرح خلیفہ امین کے ساتھ رہتے یہ نہ صرف خلیفہ کے کھانے پینے کے منتظم تھے بلکہ امور سلطنت میں بھی ان کا کافی عمل دخل تھا نیز اس نے ان کے گراں قدر وظائف مقرر کر رکھے تھے¹⁸۔ اس کی فضول خرچی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے پاس موجود تمام نقد خزانے اور ہیرے جواہرات اس نے خواجہ سراؤں، مصاحبوں اور افسانہ گو یوں میں لٹا دیئے¹⁹۔

یہاں تک کہ رقبہ میں موجود جواہرات، نقد خزانہ اور قیمتی اسلحہ اپنے پاس منگوا کر ہجڑوں، مقربین خاص اور مسخروں میں تقسیم کر ڈالا²⁰۔ اس کی ان فضول خرچیوں کی وجہ سے خزانہ خالی ہو گیا اور فوجیوں نے تنخواہ نہ ملنے کے سبب محاذ جنگ پر لڑنے سے انکار کر دیا، ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے خلیفہ امین الرشید نے بیت المال میں موجودہ سونے چاندی کے برتنوں کو درہموں میں ڈھلوا کر فوجیوں کی تنخواہیں ادا کیں²¹۔ ان مسخروں اور ہجڑوں سے اس کی رغبت کا یہ عالم تھا کہ اس نے اپنی شریف بیویوں اور لونڈیوں سے بالکل ہی کنارہ کشی اختیار کر لی²²، اسی وجہ سے وہ اس سے ناراض تھیں یہ نہ صرف اپنی بیویوں سے ہی بیزار تھا بلکہ اس نے اپنے بھائیوں، اقرباء اور امراء سلطنت سے بھی قطع تعلق کر لیا تھا اور بعض اوقات تو وہ ان کی تضحیک سے بھی نہ چوکتا²³، اس نے اپنے لہو و لعب، عیش و نشاط اور تفریحی محافل کے لیے قصر الخلد، خیزرانہ، بستان موسیٰ، قصر عبدویہ، قصر المعالی، رقبہ، کلوازی، باب الانبار، دیاری اور ہوب میں نشاط گاہیں بنوائیں^{24-A}۔ دریائے دجلہ میں شیر، ہاتھی، عقاب، سانپ اور گھوڑوں کی شکلوں کی کشتیاں بنوائیں^{24-B}، جن پر خطیر رقم خرچ کی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

گئی²⁵۔ اس کے وزیر فضل بن ربیع کا قول ہے کہ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر سوتا اور اسے زوال دولت کی ذرا بھی پراہ نہ تھی اسے جام و سیو نے اس قدر غافل کر رکھا تھا کہ اسے امور سلطنت کے بارے میں غور و فکر کی فرصت ہی نہ تھی²⁶۔ یہ ہر وقت شراب و شباب اور کھیل کود میں مشغول رہتا²⁷، یہی وجہ تھی کہ اس نے خلیفہ بننے کے ٹھیک دوسرے روز قصر منصور کے برابر چوگان (پولو کی ایک قسم) کھیلنے کا میدان بنانے کا حکم صادر کیا²⁸، مسعودی کے بقول امین الرشید بد خصلت، ضعیف الرائے، نہایت خوزیز، ہوا و ہوس کے گھوڑے پر سوار، معاملات کو مہمل چھوڑ دینے، مہمات امور میں غیروں پر بھروسہ کرنے کا عادی تھا اور وہ ایسے لوگوں پر اعتماد کرتا تھا جو اس کے خیر خواہ نہ تھے²⁹۔

اگرچہ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے دونوں بیٹوں امین و مامون کو علوم و فنون سے بہرہ ور کیا تھا لیکن اس کے باوجود امین الرشید مزاجاً بڑا متعصب واقع ہوا، یہی وجہ تھی کہ جب اسے معلوم ہوا کہ مامون الرشید خراسان میں اپنی خلافت قائم کر رہا ہے تو اس نے مامون الرشید کو چند اشعار پر مشتمل ایک خط لکھا، جس کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

”تم اپنی برتری ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرو کیونکہ تم ایک باندی کی اولاد ہو، لہذا تم اپنی حیثیت پر نظر رکھو اور میرے مقابلے میں آنے کی جرأت نہ کرو“³⁰۔ ایک طرف امین الرشید کے اپنے بھائی کے بارے میں یہ نظریات تھے تو دوسری طرف اللہ کے احکام اس کے برعکس تھے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ط
ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ہ³¹۔

”اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف کنبوں اور قبائل میں اس لیے بنایا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، اللہ کے نزدیک تم میں سے عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔“

ایسی ہی چیزوں کو دیکھتے ہوئے بعض مورخین نے اسے احکام خداوندی کی نافرمانی کرنے والا خلیفہ کہا ہے۔

اس کی کوتاہ اندیشی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قتل سے پہلے جب اس کا محاصرہ ٹھک ہوا تو اس نے دل بہلانے کے لیے شراب لانے اور ندیوں کو بلانے کا حکم دیا اور اپنی چیمپی رقصہ سے کہا کہ کچھ گاکر سناؤ تاکہ غم غلط کیا جاسکے³²۔

امین الرشید کی سیرت و کردار کے بارے میں فخری کا قول ہے ”مجھے امین کی سیرت اور کردار میں کوئی ایسی خوبی نظر نہیں آتی جسے میں سراہوں یا اس کا تذکرہ کروں“³³۔

مامون الرشید بن ہارون الرشید

(198ھ تا 218ھ / 813ء تا 833ء)

اس کا نام عبد اللہ بن ہارون الرشید بن مہدی بن ابو جعفر منصور بن عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب، اس کی کنیت ابو جعفر اور اس کا لقب المامون تھا۔ اس کی ماں ایک لونڈی تھی جس کا نام مراجل تھا۔ عباسی خلفاء میں مامون الرشید سب سے زیادہ زبان آور، فصیح اور قادر الکلام تھا³⁴ حضرت عثمان غنیؓ کے بعد یہ پہلا خلیفہ تھا جو حافظ قرآن تھا اور یہ ہر رمضان المبارک میں بکثرت قرآن ختم کرتا تھا³⁵۔ خلیفہ مامون الرشید کو احادیث نبویہ سے بڑا شغف تھا ایک بار ہد بہ بن خالد نے مامون الرشید کو یہ حدیث سنائی، جس میں آپؐ نے فرمایا۔

”جو شخص اپنے دسترخوان کے نیچے پڑی ہوئی چیزوں کو کھائے گا وہ فتر سے محفوظ رہے گا“³⁶۔

مامون الرشید نے یہ حدیث سن کر ہد بہ بن خالد کو ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا³⁷۔

ابو الحسن علی بن قاسم سے روایت ہے کہ مامون الرشید نے کہا کہ ”میری آرزو تو یہ ہے کہ میں ہر سر منبر احادیث بیان کروں اور یحییٰ بن اکثم ان کی کتابت کریں اور ہر حدیث پر وہ کہیں اللہ آپ سے راضی ہو“³⁸۔

ایک دفعہ ابو حذیفہ نے مامون الرشید کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی جس میں رسول اللہؐ کا فرمان تھا کہ ”قوم کا غلام بھی قوم ہی کا ایک فرد ہوتا ہے“۔ خلیفہ مامون کو جب معلوم ہوا کہ ابو حذیفہ نے میرے حوالے سے حدیث بیان کی ہے تو اس نے ابو حذیفہ کو بلا کر اسے دس ہزار درہم دیے³⁹۔

سفر شام کے دوران مامون الرشید کو حضورؐ کا نام مبارک ملا تو اُس نے اُسے آنکھوں سے لگایا اور اس پر عقیدت و محبت کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، خلیفہ بار بار اسے اپنی آنکھوں سے لگانا اور رونا جاتا⁴⁰۔ مامون الرشید حضرت علیؓ سے محبت کے باوجود حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ پر سب و ستم نہ کرتا تھا⁴¹۔ خلیفہ مامون الرشید کو شرک سے سخت نفرت تھی۔ ایک دفعہ مامون الرشید کو معلوم ہوا کہ ابو الحسن بن علی خراسانی ملقب العلوک نے ایسے اشعار کہے ہیں جن میں شرک کا پہلو نمایاں ہے جب مامون الرشید نے وہ اشعار سنے تو اسے ملقب العلوک کے شرکاء نہ نظریات کا یقین ہو گیا، خلیفہ نے حکم دیا کہ ”گدی سے اس کی زبان نکال دو تا کہ آئندہ اس زبان سے کلمات شرک نہ نکلیں“⁴²۔

مامون الرشید کو اپنے اسلاف کی طرح زنا و فحش سے سخت نفرت تھی ایک دفعہ اسے بتایا گیا کہ بصرہ میں دس زندیقیوں نے مجوسیت اختیار کر لی ہے چنانچہ مامون الرشید نے انہیں بغداد بلوا کر تصدیق کی اور پھر انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا⁴³۔ مامون الرشید کو رعایا کا بڑا خیال تھا اس کا اندازہ درج ذیل واقعے سے لگایا جاسکتا ہے ایک بار جب بھی مامون الرشید خلیفہ نہ بنا تھا اس نے معتصم باللہ (گورز شام) سے اپنی مفلسی کا ذکر کیا تو معتصم نے خراسان سے آئے ہوئے خزانوں میں سے تیس کروڑ درہم مامون الرشید کو دے دیئے، اب مامون الرشید ان

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

خزانوں کی نمائش کرنا ہوا محل سے رخصت ہوا، محل سے باہر رعایا کو بھوک و افلاس اور لاجا روکھ کر اس نے یحییٰ بن اکثم سے کہا :
”یہ کوئی جوانمردی نہیں کہ ہم یہ خزانے لے کر چلے جائیں اور یہاں کے لوگ دیکھتے ہی رہ جائیں۔“ چنانچہ مامون الرشید نے ان خزانوں میں سے چوبیس کروڑ درہم اسی وقت لوگوں میں تقسیم کر دیے جبکہ مامون الرشید کا پاؤں ابھی رکاب ہی میں تھا⁴⁴۔

مامون الرشید کا قول ہے ”یہ جوانمردی نہیں کہ تیرا گھر سونے چاندی کا ہو لیکن تیرا قرض خواہ ہند اور تیرا پڑوسی خالی پیٹ ہو جبکہ فقیر بھوکا ہو“⁴⁵۔

مامون الرشید کا ہی قول ہے:

”جس وسیع زرق سے فائدہ نہ اٹھایا جائے وہ اس کھانے کی طرح ہے جو بکھل کے پر مالے پر رکھا ہو

اور اگر یہ کوئی راستہ ہوتا تو میں اس پر نہ چلتا اور اگر یہ کوئی قمیص ہوتی تو میں اسے نہ پہنتا“⁴⁶۔

مامون الرشید رعایا کے ہر دکھ درد کو اپنا دکھ درد ہی سمجھتا تھا۔ درج ذیل مثال سے اس کی رعایا سے ہمدردی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔
شاہ روم نوفیل بن میخائل کے عہد میں رومیوں نے طرطوس کے سرحدی شہر طوانہ میں گھس کر سولہ سو مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور بہت سوں کو قیدی بنالیا، رومی ظلم و ستم سے تنگ آ کر ایک قیدی عورت نے اے محمد! اے محمد! کی دہائی دی، اس دہائی نے مامون الرشید کو بے چین کر دیا، چنانچہ مامون الرشید نے اپنے سفر کو مؤخر کر کے روم پر یلغار کا فیصلہ کیا، اس نے سب سے پہلے بدیدون (جو کہ القشیرہ کے نام سے مشہور تھا) میں پڑاؤ کیا۔ خلیفہ مامون کی آمد کی خبر سن کر شاہ روم نے ایک ایلچی خلیفہ کے پاس روانہ کیا، اس نے جنگ نہ کرنے کے عوض مسلمانوں کو بدیدون تک آنے کے اخراجات دینے، مسلمان قیدیوں کو بغیر فدیہ کے رہا کرنے اور مسلمانوں کے برباد شدہ شہروں کو از سر نو تعمیر کرنے کی پیشکش کی۔ مامون الرشید چونکہ نہ ہی آدمی تھا اس لیے اس نے ایلچی کو جواب دینے سے قبل استخارہ کیا اور اس کے بعد ایلچی سے یوں مخاطب ہوا ”تیرے بادشاہ کا یہ کہنا کہ وہ میرے اخراجات مجھے دے دے گا اس کی مثال ہمارے مقدس کلام قرآن کریم میں اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمان کو حملہ آور ہونے سے روکنے کے لیے زرو جواہرات روانہ کئے، اس کے جواب میں حضرت سلیمان نے ملکہ بلقیس کو لکھ بھیجا۔

47
اتملونن بمال فما ۱۱ تانی اللہ خیر مما ۱۱ تکم بل انتم بھد یتکم تفرحون۔

”کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے (چاہتی) ہو، جو کچھ اللہ نے مجھے عطا کیا ہے وہ اس سے بہتر ہے

جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اپنے تحفے سے تم ہی خوش ہوتے ہو گے۔“

اس واقعہ کے ذکر کا مقصد یہ تھا کہ تم بھی مجھے ملکہ بلقیس کی طرح مال (رشوت) دیکر شرک پر باقی رہنا چاہتے ہو جو ناممکن ہے مجھے میرے رب نے مال و دولت بہت کچھ دے رکھا ہے جو ہر حال میں تمہارے مال و دولت سے بہت بہتر ہے اور میں تم سے ہر حال میں بہت بہتر ہوں، نیز تمہارا یہ کہنا کہ تم مسلمان قیدیوں کو رہا کر دو گے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمہارے پاس دو قسم کے مسلمان قیدی ہیں ایک وہ جو

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اللہ تعالیٰ اور آخرت کے طلب گار ہیں وہ تو اپنی مراد کو پا گئے اور دوسرے وہ جو دنیا کے طلب گار ہیں پس اللہ تعالیٰ ان کے بندھن نہ کھولے، اس کے بعد تمہارا یہ دعویٰ کہ تم مسلمانوں کے برباد شدہ شہروں کو آباد کر دو گے یا درکھو کہ اگر میں رومی شہروں کے آخری پتھر کو بھی اکھاڑ پھینکوں تو وہ بھی اس عورت کا بدل نہیں ہو سکتا جس نے حالت اسیری میں تمہاری طرف سے تکلیف پہنچنے پر مجھے اے محمد! اے محمد کہہ کر پکارا تھا، اب میرے اور تمہارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی“⁴⁸۔

چنانچہ ایلچی کے رخصت ہوتے ہی خلیفہ مامون الرشید نے رومی علاقوں پر ایسی یلغار کی کہ پہلے ہی حملے میں رومیوں کے تیس قلعے فتح کر لیے۔ کئی قلعوں کو نذر آتش کر دیا اور بہت سے رومیوں کو قیدی بنا لیا⁴⁹۔ اب مسلمانوں کی مزید پیش قدمی کو دیکھتے ہوئے شاہ روم نے مامون الرشید کو ایک لاکھ دینار اور مسلمان قیدیوں کی رہائی کے عوض رومی شہروں اور قلعوں کو فتح نہ کرنے کی درخواست کی، نیز یہ بھی کہا کہ ”میں آئندہ بھی پانچ سال تک جنگ بندی کا معاہدہ کرنا چاہتا ہوں“۔ لیکن مامون الرشید نے شاہ روم کی اس پیشکش کا کوئی جواب نہ دیا“⁵⁰۔ تاہم خلیفہ مامون نے اپنے بیٹے عباس بن مامون کو شہر طوانہ (اس شہر کو برباد کر کے رومیوں نے سولہ سو مسلمانوں کو شہید اور باقی ماندہ کو قید کر لیا تھا) کو آباد کرنے اور اس کے گرد شہر پناہ (فصل) بنانے کا حکم دیا تا کہ یہاں کے لوگوں کو رومیوں سے محفوظ رکھا جاسکے۔ شہر کی تعمیر کے بعد عباس بن مامون نے دوسرے شہروں سے بہت سے لوگوں کو یہاں لا کر آباد کیا⁵¹۔ اس طرح مامون الرشید نے رومیوں سے شہر طوانہ کی بربادی اور مسلمان شہداء کا بدلہ لے لیا۔

مامون الرشید کی فطرت میں عفو و درگزر کے جذبات بد بچہ اتم موجود تھے۔ ابو داؤد کا بیان ہے کہ مامون الرشید نے ایک آدمی کو معاف کرتے ہوئے کہا۔

”انصاف ہو یا نا انصافی، جاؤ میں نے تمہیں معاف کر دیا، تم برائیاں کرو، میں بھلائیاں کروں گا، تم جرائم کرو اور میں عفو و درگزر سے کام لیتا رہوں گا، یہاں تک کہ تم شرمسار ہو کر اپنی اصلاح کر لو گے“⁵²۔

امراہیم بن مہدی نے مامون الرشید کو اس وقت خلافت سے معزول کر دیا تھا جب مامون نے امام علی رضاؑ کو اپنا ولی عہد بنا کر ان کی بیعت لی تھی⁵³۔ امراہیم بن مہدی نے اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ مامون الرشید کی معزولی کے بعد خاندان بنو ہاشم اور بنو عباس کی معاونت سے خود خلیفہ بن کر لوگوں سے بیعت لے لی⁵⁴۔ اب جبکہ بغداد فتح ہو چکا اور خاندان عباس اور بغداد کے لوگ خلیفہ مامون الرشید کی بیعت کر چکے تو امراہیم بن مہدی شہر سے فرار ہو گیا، لیکن جلد ہی اسے گرفتار کر کے حوالہ زنداں کر دیا گیا⁵⁵۔ قید خانے سے اس نے خلیفہ مامون الرشید کو خط لکھا:

”اے امیر المؤمنین! بدلے کے وارث اور قصاص کے بارے میں فیصلہ کرنے والے، آپ عفو اور تقویٰ کے زیادہ قریب ہیں جو آسائش سے دھوکہ کھا جائے اسے زمانے کی گردشیں زیادہ تلخ معلوم ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام معاف کرنے والوں سے اوپر اور تمام گنہگاروں کو مجھ سے نیچے بنایا ہے پس اگر معاف کریں تو آپ کی مہربانی ہے اور اگر آپ بدلہ لیں تو آپ کا حق ہے“⁵⁶۔ مامون الرشید

نے اسی رقعے پر لکھا:

”اختیار غصے کو فرو کرنا ہے اور ندامت تو بہ ہے اور ان دونوں کے درمیان اللہ کا غصہ ہے اور ہم اس سے جو مانگتے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہے اور اس نے اسے چھوڑا اور معاف کر دیا اور کہا کہ میں نے اپنے تمام مقررین، اپنے بھائی ابواسحاق اور اپنے بیٹے عباس بن مامون سے بھی تیرے بارے میں مشورہ کیا ہے اور سب نے مجھے تیرے قتل کا مشورہ دیا ہے⁵⁷ جبکہ میں نے تجھے معاف کرنے کے سوا ہر بات سے انکار کر دیا ہے“⁵⁸۔ اس کے بعد مامون الرشید نے کہا آج میں وہی بات کہتا ہوں جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی⁵⁹ اور قرآن کی یہ آیت تلاوت کی۔

لا تثریب علیکم الیوم ط یغفر اللہ لکم وهو ارحم الراحمین۔⁶⁰

”آج کے دن (سے) تم پر کچھ عتاب (وملامت) نہیں ہے خدا تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔“

خلیفہ مامون الرشید نے نہ صرف ابراہیم بن مہدی کی جان بخشی کی بلکہ اس کی ضبط شدہ جائیروں میں سے ایک جاگیر بھی اسے واپس بھی کر دی، اس جاگیر کی قیمت تین لاکھ ساٹھ ہزار درہم بتائی جاتی ہے⁶¹۔

اسی طرح مامون الرشید نے فضل بن ربیع (یہ امین الرشید کا مقرب خاص اور وزیر تھا) کو بھی معاف کر دیا، اس معافی کے بارے میں خلیفہ مامون الرشید خود کہتا ہے:

”میں نے فضل بن ربیع کو بھی معاف کر دیا حالانکہ اس نے وہ تمام مال و اسباب اور آلات حرب ضبط کر کے امین الرشید کو دے دیئے جس کی خلیفہ ہارون الرشید نے میرے حق میں وصیت کی تھی اور اس نے سپہ سالاران لشکر کو میرے خلاف اکسا کر امین الرشید کی بیعت پر مجبور کیا⁶² اور مجھے مرد میں تنہا دشمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا۔ فضل بن ربیع نے صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس نے امین الرشید کو اس بات پر قائل کیا کہ مجھے ولی عہدی سے معزول کر کے اپنے بیٹے موسیٰ بن امین الرشید کو ولی عہد نامزد کیا جائے حالانکہ موسیٰ اس وقت دودھ پیتا بچہ تھا⁶³ اور اس فضل بن ربیع کے مشورے سے ہی امین الرشید نے خطبوں میں میرے اور موتمن کی بجائے موسیٰ بن امین الرشید کا نام شامل کرنے کا فیصلہ کیا⁶⁴۔“

عیسیٰ بن ابی خالد بھی مامون الرشید کے خلاف سازشوں میں فضل بن ربیع سے کم نہ تھا اس نے ہی امام علی رضا کو ولی عہد بنائے جانے کے بعد بغداد میں مامون الرشید کے خلاف لوگوں کے جذبات کو مشتعل کیا، مامون کے خراج اور فے پر قبضہ کر لیا⁶⁵ اور لوگوں کو اس کی ولی عہدی کے خلاف اکسایا یہاں تک کہ لوگ اس کی ولی عہدی سے منحرف ہو کر ابراہیم بن مہدی کی بیعت پر مجبور ہو گئے⁶⁶۔ مگر مامون الرشید نے عیسیٰ بن ابی خالد کی گزشتہ خطاؤں سے چشم پوشی کرتے ہوئے اسے بھی معاف کر دیا۔ اسی روش پر چلتے ہوئے خلیفہ مامون الرشید نے اہل بغداد سے بھی عفو و درگزر کا معاملہ روا رکھا اور کسی سے بھی مواخذہ نہ کیا⁶⁷۔

علویوں سے محبت:-

مامون الرشید کو اپنے اسلاف کے برعکس علویوں سے بڑی محبت تھی اسی جذبے کے تحت اس نے امام علی رضا بن موسیٰ کاظم بن جعفر صادق کو اپنا ولی عہد بنایا تھا۔ اگرچہ مامون الرشید کا یہ فیصلہ خاندان بنو عباس پر بڑا گراں گزرا، تاہم اسے اپنے اس فیصلے پر زرا بھی ندامت نہ تھی بلکہ وہ خاندان کے اعتراضات کا جواب کچھ اس انداز سے دیتا تھا۔

”میں دیکھتا ہوں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے اپنے ادوار میں کسی بھی ہاشمی کو کسی اعلیٰ انتظامی عہدے پر فائز نہ کیا، لیکن جب حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے بنو عباسؓ کے ساتھ احسان کیا یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کا، حضرت عبید اللہ بن عباسؓ کو یمن کا، حضرت قثم بن عباسؓ کو بحرین کا اور سعید کو مکہ کا گورنر مقرر کیا⁶⁸۔ اس کے برعکس میں نے نہیں دیکھا کہ میرے خاندان والوں میں سے کسی نے بھی حضرت علیؓ کے احسان کا بدلہ ان کی اولاد کو دیا ہو، لہذا میرے خیال میں حضرت علیؓ کی اولاد کو خلافت دے کر ان کے اس احسان کا بدلہ اتنا راجا سکتا ہے⁶⁹۔ نیز میں نے خاندان بنو عباسؓ اور علویوں میں امام علی رضا سے زیادہ بہتر، زیادہ متقی و پرہیزگار اور عالم دین کسی کو نہ پایا⁷⁰ جبکہ اس کے برعکس صولی کے بقول خاندان بنو عباس کا یہ موقف تھا کہ خلافت کو علویوں میں منتقل کرنے کی بجائے اپنے ہاتھ میں رکھ کر بھی علویوں کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائیاں کی جاسکتی ہیں⁷¹۔

چنانچہ مامون الرشید نے ان تمام باتوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے 201ھ/816ء میں اپنے بھائی قاسم الموحسن متعصم باللہ کو معزول کر کے اس کی جگہ امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کو جلسہ عام میں اپنا خلیفہ مقرر کیا اور انہیں ”الرضا من آل محمد“ کا لقب دیا⁷²۔ سرکاری فرمان کے ذریعے لوگوں کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ آئندہ امام موصوف کو صرف ”الرضا“ کے لقب سے ہی پکارا جائے⁷³، نیز مملکت کے ہر حصے میں سیاہ لباس کی بجائے سبز لباس پہننے کے احکامات بھی جاری کئے گئے، حالانکہ اس سے قبل سیاہ لباس ہی عباسیوں کا شعار تھا جبکہ اس کے برعکس اہلبیت (یعنی اولاد فاطمہ) سبز لباس زیب تن کرتے تھے⁷⁴۔ نیز مامون الرشید کہا کرتا تھا کہ سبز لباس جنتیوں کا لباس ہے⁷⁵، اس کے ساتھ ہی اس نے درہم و دینار پر بھی امام موصوف کا نام کندہ کروایا⁷⁶۔ نیز مامون الرشید نے اپنی بیٹی ام فضل کا نکاح امام موصوف علی رضا سے کر کے انہیں دو کروڑ درہم عطا کیے⁷⁷۔ اس شادی کے بعد مامون الرشید نے کہا کہ میری یہ دلی خواہش ہے کہ میں ایسے شخص کا نام بنوں جو حضور اکرمؐ اور حضرت علیؓ کی صلب سے ہو، تاہم امام علی رضا کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی⁷⁸۔ امام علی رضا کے انتقال کے بعد مامون الرشید نے اپنی دوسری بیٹی ام حبیبہ کا نکاح محمد بن علی رضا سے کر دیا⁷⁹۔ مامون الرشید نے علویوں سے محبت اور عقیدت کے اظہار کے لیے امام علی رضا کے بھائی ابراہیم بن موسیٰ کاظم کو امیر الحج مقرر کرنے کے ساتھ ساتھ یمن کا گورنر بھی مقرر کیا⁸⁰۔ سیدنا حسنؑ اور سیدنا حسینؑ کی اولاد میں سے ایک جماعت کے مطالبے پر خلیفہ مامون الرشید نے باغ فدک حضرت فاطمہؑ کی اولاد کو دے دیا حالانکہ اس سے قبل اموی خلفاء اسے اپنی ذاتی جاگیر سمجھتے تھے⁸¹۔ ایک دن مامون الرشید نے امام علی بن موسیٰ رضا سے استفسار کیا کہ آپ کا بھائی ہمارے دادا عباسؓ بن مطلب کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ اس پر امام علی بن موسیٰ رضا نے کہا کہ ”اللہ نے اپنی مخلوق پر عباس بن عبدالمطلب کے بیٹوں کی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اطاعت فرض کی ہے اور اس کے بیٹوں پر اپنی اطاعت فرض کی ہے۔“ اس پر مامون الرشید نے خوش ہو کر آپ کو (امام موصوف) ایک کروڑ درہم دینے کا حکم دیا۔⁸²

امام علی رضا کا 203ھ/818ء میں طوس میں زہریلے انگور کھانے کی وجہ سے انتقال ہوا،⁸³ اس وقت ان کی عمر تیرہ برس تھی مامون الرشید نے خود امام موصوف کی نماز جنازہ پڑھائی⁸⁴۔ مامون الرشید کو ان کی موت کا اتنا صدمہ ہوا کہ وہ جنازہ کے ساتھ ننگے سر اور ننگے پاؤں گیا اور وہ رو رو کر کہہ رہا تھا ”اے ابوالحسن! تیرے بعد میں کہاں جاؤں؟“ مامون الرشید تین دن تک امام موصوف کی قبر پر مجاور رہا، اس دوران ایک روٹی اور نمک ہی اس کی خوراک رہی⁸⁵۔ امام علی رضا سے خلیفہ مامون الرشید کی عقیدت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے امام علی رضا کی موت کے بعد حکم دیا کہ خلیفہ ہارون الرشید کی قبر اکھڑا کر امام علی رضا کو اس میں دفن کر دیا جائے۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ امام علی رضا کی برکت سے اس کے باپ ہارون الرشید کو بھی بخش دے گا⁸⁶۔

امام علی رضا کی وفات کے بعد ان کی جگہ ان کے بیٹے محمد المعروف جو اذقی کو امامت کے منصب پر فائز کیا گیا⁸⁷۔ فخری کے بقول مامون الرشید نے امام علی رضا کو زہر آلود انگور بھجوائے جن سے ان کا انتقال ہو گیا⁸⁸۔ جبکہ طبری، ابن خلکان، مسعودی، سیوطی، ابن خلدون، ابن کثیر، ابن اثیر اور سید امیر علی جیسے مشہور مؤرخین فخری کے اس بیان کی نفی کرتے ہیں اور ان میں سے کسی نے بھی ان کے خیالات سے اتفاق نہیں کیا کہ امام علی رضا کی موت میں خلیفہ مامون الرشید کا ہاتھ تھا۔ فخری کے نظریات سے یوں بھی اختلاف کی گنجائش موجود ہے کہ امام موصوف کے انتقال کے بعد بھی مامون الرشید کا رویہ علویوں سے بہت ہمدردانہ رہا، اس کا اندازہ مامون الرشید کی اس وصیت سے لگایا جاسکتا ہے جو اس نے مستحکم کو کی۔ اس نے کہا۔

”اپنے ابن عم (یعنی اولاد علی) کے ساتھ حسن سلوک کرنا، ان کو اپنی مصاحبت میں شریک کرنا، ان سے کوئی خطا ہو جائے تو اسے معاف کر دینا، اچھے کام کرنے پر انہیں انعام دینا، ان کے سالانہ وظائف باقاعدگی سے ادا کرتے رہنا“⁸⁹۔ زندگی میں مامون کا اپنا رویہ بھی علویوں کے ساتھ ہمیشہ مخلصانہ رہا، وہ ان سے حسن سلوک کرنا، ان کی خطاؤں کو معاف کرنا، ان کے اچھے کاموں پر انہیں انعام و کرام سے نوازنا، ان کی اغزشوں سے چشم پوشی کرنا اور ان کے وظائف میں خاطر خواہ اضافہ کرنا رہتا⁹⁰۔

مامون الرشید بڑا انصاف پسند خلیفہ تھا ایک دفعہ ایک ضعیف عورت نے دعویٰ کیا کہ تمہارے بیٹے عباس بن مامون نے ظلم سے میری جاگیر ہتھیالی ہے۔ مامون الرشید نے اس عورت کو اپنے سامنے بٹھالیا اور اس سے خوب سوال و جواب کئے، یہاں تک کہ وہ عورت بلند آواز سے بولنے لگی، دربار میں سے کسی آدمی نے اس عورت کو ڈانٹا کہ تو خلیفہ کے سامنے اس انداز سے گفتگو کرتی ہے اس پر مامون الرشید نے کہا کہ ”بلاشبہ حق نے اس سے یہ گفتگو کروائی ہے جبکہ باطل نے اسے خاموش کرانے کی کوشش کی“، پھر خلیفہ نے عباس سے بھی اس بارے میں استفسار کیا لیکن عباس اس کا خاطر خواہ جواب نہ دے سکا۔ چنانچہ خلیفہ مامون الرشید نے اس مظلوم عورت کو اس کی جاگیر واپس دلوا کر اپنے بیٹے پر دس ہزار درہم کا تاوان عائد کیا⁹¹۔ یحییٰ بن اکثم کا قول ہے کہ میں نے مامون الرشید سے زیادہ کسی کو صاحبِ مروت نہ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

پایا، میں ایک دن خلیفہ کے پاس سو رہا تھا کہ اتنے میں خلیفہ کو کھانسی آئی تو آپ نے اس خدشے کی پیش نظر کمیرے کھانسنے سے میری نیند میں خلل پڑے گا آپ نے اپنا منہ اپنی قمیص سے بند کر لیا۔⁹²

مقامات مقدسہ سے بھی خلیفہ مامون الرشید بڑی عقیدت رکھتا تھا اس سلسلے میں فاکہی کا بیان ہے کہ مامون الرشید پہلا خلیفہ تھا جس نے خانہ کعبہ پر سب سے پہلے سفید ریشمی غلاف چڑھایا، اس طرح ناصر کے زمانے تک کعبہ پر سفید ریشمی غلاف ہی چڑھایا جاتا رہا۔⁹³ ثمامہ بن اشرس کا بیان ہے کہ میں نے زمانے بھر میں جعفر برمکی اور مامون الرشید سے زیادہ کسی کو فصیح و بلیغ کلام کا مالک نہ پایا۔⁹⁴ بعض مؤرخین کی رائے ہے عباسی خلفاء میں مامون الرشید سب سے زیادہ مدبر، پختہ کار، بدبار، صاحب علم، صائب الرائے، ہوشیار، عقلمند، پر ہیبت، بہادر، عمدہ سردار، جوان مرد، زبان آور، فصیح، قادر الکلام ہونے کی عمدہ صفات اور اعلیٰ خوبیوں کا مالک تھا۔⁹⁵ اسے فقہ، طب، شعر، فرائض، نحو اور اس کے غریب کلمات اور علم نجوم میں بصیرت حاصل تھی۔⁹⁶ مامون الرشید اکثر کہا کرتا تھا کہ امیر معاویہؓ نے سلطنت کی سیاسی گتھیاں عمرو بن العاص کی وجہ سے سلجھائیں، عبدالملک بن مروان حجاج بن یوسف کے سبب ملکی سیاست میں مشہور ہوا جبکہ میں اپنے اعتماد نفس اور خودداری کے بل بوتے پر حکومت کرتا ہوں۔⁹⁷ مامون الرشید کے بارے میں خلیفہ ہارون الرشید کہتا ہے کہ مامون الرشید میں منصور جیسی پختگی، مہدی جیسا تقویٰ اور ہادی جیسی شان و شوکت ہے اور چونکہ چیز یہ کہ میں خود اس کو اپنی ذات والا صفات سے تشبیہ دے سکتا ہوں۔⁹⁸ مامون الرشید کے درج ذیل اقوال بڑے مشہور ہیں:

_____ بقول علقمہ کہ میں نے مامون الرشید کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو تمہاری حسن نیت پر تمہاری تعریف نہیں کرتا وہ تمہارے اچھے کاموں پر بھی تحسین نہیں کر سکتا۔“⁹⁹

_____ علی بن عبد الرحیم مروزی نے مامون کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”وہ شخص بدترین ظالم ہے جو دور ہونے والے کو قریب کرنا چاہے اور عزت نہ کرنے والوں کے سامنے عاجزی کرے نیز وہ اس کی تعریف قبول کرے جسے وہ جانتا بھی نہیں۔“

_____ صولی معاف کرنے کے بارے میں مامون الرشید کا قول بیان کرتا ہے۔

_____ ”بخدا مجھے معاف کر دینے میں جو لذت حاصل ہوتی ہے اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے تو لوگ مجرم بن کر میرے پاس آنے لگیں۔“¹⁰⁰

_____ خلیفہ مامون اصول حکمرانی بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ”حکومت میں شراب نوشی، راز کے افشاء اور عورت سے تعرض

_____ کرنے کے سوا ہر چیز کو بخشا جاسکتا ہے۔“

_____ امین الرشید کے قتل کے بعد مامون الرشید جب بلا شرکت غیرے مسلمانوں کا خلیفہ بن گیا تو اس نے کہا۔

_____ ”اگر یہ حکومت فنانہ ہو تو بڑی چیز ہے، اگر اس کے بعد ہلاکت نہ ہو تو یہ حکومت ہے، اگر یہ دھوکہ نہ ہو تو یہ سرور ہے اور اگر اس کے بعد ہونے والی باتوں پر اعتماد کیا جائے تو یہ حشر کا دن ہے۔“

مامون کا قول ہے۔

_____ دنیا میں لوگوں کے سردار تھی اور آخرت میں انبیاء ہیں اور جس نے وسیع رزق سے فائدہ نہ اٹھایا وہ اس کھانے کی طرح ہے جو بکھل کے پرنا لے پر رکھا ہو اور اگر یہ کوئی راستہ ہوتا تو میں اس پر نہ چلتا اور اگر کوئی قمیص ہوتی تو میں اسے نہ پہنتا¹⁰¹۔
 انسانوں کے بارے میں اس کا قول ہے۔

_____ ”انسان تین طرح کے ہوتے ہیں ایک غذا کی مانند جن کا وجود ہر حالت میں کارآمد ہے دوسرے دوا کی طرح جو صرف حالت بیماری میں مفید ہوتے ہیں اور تیسرے بیماری کی مانند ہیں جنہیں ہر حالت میں ناپسند کیا جاتا ہے“
 مامون الرشید اکثر کہا کرتا تھا۔

_____ ”لوگوں کی عقل کا اندازہ کرنے میں مجھے جو فرحت حاصل ہوتی ہے وہ مجھے کسی اور سیر و تفریح سے حاصل نہیں ہوتی“¹⁰²۔
 اس کی انگشتی پر

اللہ ثقة عبد اللہ وبہ یومن ”عبد اللہ کا اللہ پر ہی بھروسہ ہے اور وہ اس پر ایمان رکھتا ہے“

کے الفاظ نقش تھے، جس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ توکل علی اللہ اس کا جزو ایمان تھا۔

عباسی خلیفہ مامون الرشید کی مندرجہ بالا خوبیاں اپنی جگہ لیکن اس میں بعض ایسی خامیاں بھی تھیں جنہوں نے اس کی جملہ خوبیوں پر پانی پھیر دیا۔

ابن کثیر کے بقول مامون الرشید نے چند ایسی فتوح بدعتیں شروع کیں جو گمراہی کے اعتبار سے ایک سے بڑھ کر ایک تھیں، مثلاً اس نے خلق قرآن کا مسئلہ پیدا کیا، آخرت میں رویت باری تعالیٰ کا منکر ہوا، اس نے یہ باطل نظریات بشیر بن غیاث المریسی سے سیکھے پھر لوگوں کو بالجبران عقائد کے قبول کرنے پر آمادہ کیا، اس کی دوسری بدعت حضرت علیؓ کو تمام صحابہ کرامؓ پر فضیلت دینا تھی¹⁰³۔ حالانکہ اس سلسلے میں حضرت علیؓ کا اپنا قول ہے کہ جو شخص مجھے شیخینؓ پر فضیلت دے گا میں اس پر مفتی کی حد لگاؤں گا¹⁰⁴، اسی وجہ سے لوگ اسے شیعہ سمجھ کر اس سے نفرت کرنے لگے۔ اس کی تیسری بدعت مساجد میں نمازوں کے بعد کھڑے ہو کر بالفاظ بلند تکبیروں کا کہنا تھا، اس نے اس بدعت کا آغاز 14 رمضان المبارک 216ھ / 831ء بروز جمعہ رصافہ اور بغداد کی جامع مساجد سے کیا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ لوگ فرض نماز کے بعد کھڑے ہو جاتے اور بلند آواز سے تین تکبیریں کہتے اس کے بعد دوبارہ اپنی نمازوں میں لوٹ جاتے۔ مامون الرشید نے یہ طریقہ بھی دیگر بدعتوں کی طرح بغیر کسی مستند دلیل کے اختیار کیا¹⁰⁵۔ حالانکہ اس پر اس کے اسلاف میں سے کسی نے بھی عمل نہ کیا۔ اب ہم اس کی اس گمراہی کا ذکر کریں گے جس کو اس نے بزور شمشیر لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی اور جس کی وجہ سے علمائے حق کو بڑے کٹھن حالات سے دوچار ہونا پڑا، یہ اس کا خلق قرآن کا عقیدہ تھا۔ اس عقیدے کے نفاذ میں معتزلہ کو مامون الرشید کی اشیر باد حاصل تھی۔

خلیفہ مامون الرشید ابوالہندیل العلاف، یحییٰ بن المبارک اور ثمامہ بن اشرس جیسے کبار معتزلہ کا شاگرد رہا تھا، پھر یہی لوگ خلیفہ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کے مقررین خاص میں شمار ہونے لگے انہیں میں سے ابو ہشام فوطی کو دربار خلافت میں بڑی عزت و تکریم حاصل ہوئی، یہ جب دربار خلافت میں حاضر ہوتا تو مامون الرشید اس کے احترام میں کھڑا ہو جاتا لیکن اس کے برعکس دیگر معتزلہ کے ساتھ اس کا رویہ ایسا نہ تھا¹⁰⁶ اور انہی معتزلہ سے متاثر ہو کر اس نے معتزلی افکار و نظریات کو قبول کیا یہاں تک کہ اس نے ان کے ہی اصول خمسہ، توحید، عدل، وعدہ و وعید، المنزلة بين المنزلتين (یعنی کفر و ایمان کے درمیان منزل کا اقرار اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر) کو اپنالیا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ثمامہ بن اشرس وہ شخص تھا جس نے خلیفہ مامون الرشید کو اعتزال کی راہ پر لگایا¹⁰⁷ پھر ان لوگوں کو خلیفہ کا اس قدر قرب حاصل ہوا کہ ان اکابرین معتزلہ کی خوشنودی کے لیے دربار خلافت میں معتزلی مجالس کا انعقاد ہونے لگا، مامون الرشید ان مجالس سے اس قدر متاثر ہوا کہ ان کے اصول خمسہ ہی اس کا ایمان بن گئے اور معتزلہ کا مذہب ہی اس کا مذہب ہو گیا¹⁰⁸۔ عہد مامون کے معتزلی علماء میں سے حسن احمد بن ابی داؤد الایادی کو بڑا اہم مقام حاصل تھا اس نے ہی معتزلیوں کو بلند بام بنا کر اوج رفعت تک پہنچایا اس کی عقلیت پسندی سے مامون الرشید بڑا متاثر تھا، اس کی شخصیت، چرب زبانی اور علم سے متاثر ہو کر یہ خلق قرآن کا قائل ہوا اور اسی کے اکسانے پر مامون الرشید نے علمائے حق کو بتلائے آزمائش کیا۔ اسی وجہ سے لوگ اسے علمائے حق پر نازل ہونے والی مصیبتوں کا ذمہ دار گردانتے ہیں۔

مامون الرشید نے عقیدہ خلق قرآن کا اظہار سب سے پہلے 218ھ/833ء میں کیا اس سال اس نے دمشق کے لوگوں کو توحید و عدل کے سلسلے میں بتلائے محن کیا، پھر اس نے رقبہ پہنچ کر اسحاق بن ابراہیم (کوئال شہر بغداد) کو خط لکھا کہ شہر کے قاضیوں، فقہاء و محدثین کی خلق قرآن کے سلسلے میں آزمائش کی جائے¹⁰⁹ اس سلسلے میں مامون الرشید نے حکم دیا کہ لوگوں کی درج ذیل باتوں کے بارے میں رائے معلوم کی جائے۔

_____ کیا اقامت دین الہی کے سلسلے میں خلیفہ کو اجتہاد کا حق حاصل ہے؟

_____ لوگ جہالت کی وجہ سے حقیقت دین اور قواعد توحید و ایمان سے نا آشنا ہیں، اس وجہ سے یہ لوگ قرآن کو غیر مخلوق سمجھتے ہوئے خدا و قرآن کو ایک ہی وجہ دیتے ہیں لہذا لوگوں سے یہ رائے لی جائے کہ آیا ایسے نظریات رکھنے والے لوگ حق پر ہیں یا نہیں؟

_____ بغداد کے قاضیوں کو حکم دیا جائے کہ جو لوگ خلق قرآن کے قائل نہ ہوں انہیں ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا جائے اور کسی بھی سلسلے میں ان کی گواہی قبول نہ کی جائے کیونکہ ان لوگوں کا ایمان درست نہیں ہے اس لیے یہ لوگ ناقابل اعتماد و اعتبار ہیں جبکہ ان کے برعکس خلق قرآن کے نظریے پر ایمان رکھنے والوں کو ان کے عہدوں پر برقرار رکھا جائے۔

اس طرح مامون الرشید نے لوگوں کو خلق قرآن کے مسئلے پر بتدریج قائل کرنے کی کوشش کی¹¹⁰۔ اس سلسلے میں خلیفہ مامون الرشید نے دوسرا خط اسحاق بن ابراہیم کو لکھا جس میں اسے کہا گیا کہ بغداد کے فقہاء و محدثین کو بلا کر خلق قرآن کے بارے میں ان کی صحیح صحیح رائے مجھے لکھ بھیجو، اس کے بعد اسحاق بن ابراہیم نے فقہاء و محدثین کو دوبارہ طلب کیا اور قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں ان کی رائے لی گئی، ان میں سے چند ایک کے سوا فقہاء و محدثین کی اکثریت نے قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار کر لیا جبکہ ان کے برعکس چند لوگوں نے یہ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

موقف اختیار کیا کہ قرآن کلام الہی ہے نہ کہ اللہ کی مخلوق چنانچہ علماء و فقہاء کی یہی کیفیت کو تو ال بغداد نے مامون الرشید کو لکھ بھیجی اس جواب پر مامون الرشید نے بڑا سخت موقف اختیار کیا اور کہا کہ خلق قرآن سے انکار کر کے لوگوں نے صریحاً شرک اور کفر کا ارتکاب کیا ہے لہذا انہیں بلا کر کفر و شرک سے تو بہ پر مجبور کیا جائے، اگر یہ لوگ تو بہ کر لیں تو ان سے درگزر کیا جائے وگرنہ انہیں بیڑیوں میں جکڑ کر رقبہ بھجوا دیا جائے ¹¹¹

تاکہ امیر المومنین بنفیس ان سے اتمام حجت کر لیں اگر پھر بھی یہ لوگ اپنے کفر و شرک پر مضمر رہیں تو ان کی گردن مار دی جائے گی ¹¹²۔

البتہ اگر بشیر بن الولید اور ابراہیم بن المہدی خلق قرآن کا انکار کریں تو انہیں میرے پاس بھجوانے کی بجائے فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جائے البتہ ان کے سر مجھے رقبہ بھجوا دیئے جائیں، اس خط کے بعد اسحاق بن ابراہیم نے خلق قرآن سے انکار کرنے والوں کو طلب کیا، ان میں امام احمد بن حنبل، القواریری، محمد بن نوح اور سجادہ شامل تھے ان افراد کو رقبہ بھجوانے کے لئے بیڑیوں میں جکڑ دیا گیا ¹¹³ چنانچہ القواریری اور سجادہ نے ایک ہی رات بیڑیوں میں گزارنے کے بعد خلق قرآن کا اقرار کر لیا جس کے بعد ان کی بیڑیاں کھول کر انہیں آزاد کر دیا گیا جبکہ امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح کو بیڑیوں سمیت رقبہ روانہ کر دیا گیا محمد بن نوح کا راستہ ہی میں انتقال ہو گیا جبکہ امام احمد بن حنبل ابھی طرطوس بھی نہ پہنچے تھے کہ مامون الرشید کے انتقال کی خبر پہنچ گئی اس طرح امام موصوف کو بغداد لا کر قید کر دیا گیا۔

خلق قرآن کے سلسلے میں صرف احمد بن حنبل ہی تختہ ستم نہ بنے بلکہ حارث بن مسکین، عبد العلی بن مسہر، العسائی جیسے عالم بے بدل لوگوں کو بھی مامون الرشید نے بتلائے محن (آزمائش) کیا۔ حارث بن مسکین کو خلق قرآن سے انکار کے جرم میں حوالہ زنداں کیا، جنہیں عہد متوکل میں رہائی نصیب ہوئی باقی افراد کا مقدر بھی جیل ہی رہا ¹¹⁴۔

خلق قرآن کے سلسلے میں مامون الرشید کے متشدد ہونے کا اندازہ اس کی اس وصیت سے لگایا جاسکتا ہے جو اس نے اپنے جانشین معتمد کو کی، اس نے کہا: ”میں حاضرین کے سامنے اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اس کی حکومت میں کوئی شریک نہیں، وہ خالق ہے اس کے علاوہ ہر شے مخلوق ہے جس سے قرآن بھی مستثنیٰ نہیں، کیونکہ قرآن بھی ایک شے ہے جس کی کوئی مثل موجود نہیں ہے ¹¹⁵۔ ابواسحاق میرے قریب ہو جا! جو کچھ تو دیکھتا ہے اس سے نصیحت حاصل کر کے خلق قرآن کے متعلق اپنے بھائی کی سیرت کو اختیار کر لے“ ¹¹⁶، پھر مزید کہا!

”خلق قرآن کے بارے میں میری نصیحت قبول کرنا اور اس سلسلے میں میری ہموار کردہ راہ پر گامزن رہنا ¹¹⁷ نیز ابو عبد اللہ بن ابی داؤد کو سفر و حضر میں ساتھ رکھنا اور ہر مشورے میں انہیں شریک کرنا کیونکہ وہ ہر طرح اس کا اہل ہے“ ¹¹⁸۔

مامون الرشید کے نزدیک اسلام کی سر بلندی اور ترقی کا انحصار ہی معتزلی عقائد کی مقبولیت میں مضمر تھا ¹¹⁹ تاہم معتزلہ اور ان کے ہم مسلک خلفاء کے ظلم و جور سے یہ نتیجہ نکلا کہ ان کا نشانہ ستم بننے والوں کو لوگوں میں قدر و منزلت کے نظر سے دیکھا جانے لگا کیونکہ معتزلہ جن باتوں کو جبر و تشدد سے منوانا چاہتے تھے لوگ انہیں قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے جبکہ اس کے برعکس آلائم و مصائب برداشت کرنے والوں کے اقوال کو لوگ مبالغہ آمیزی کی حد تک قبول کرتے تھے، اب لوگ یہ سوچنے پر بھی مجبور ہوئے کہ معتزلہ جن افکار و نظریات کی دعوت دے رہے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ہیں اگر وہ حق اور خیر ہوتا تو اسے نہ ماننے والوں کو قہر و مصائب میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

مامون خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ فضول خرچی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے بوران بنت حسن بن سہیل سے شادی پر

120 پچاس کروڑ درہم خرچ کر ڈالے اور جب رخصت ہونے لگا تو اس نے اپنے سر حسن بن سہیل کو مزید دس کروڑ درہم دے دیئے۔

مامون کا یہ طرز عمل حضور اکرم ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت کے برعکس تھا کیونکہ خلفائے راشدین تو بیت المال کو عوام کی امانت سمجھتے تھے اس لئے اس میں سے وہ اپنی ذات کے لئے ایک درہم لینا بھی خیانت اور حرام سمجھتے تھے اس کا اندازہ حضرت عمر فاروقؓ کے اس واقعے سے لگایا جاسکتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ کو بیماری کی حالت میں شہد کی ضرورت پڑی اور شہد صرف بیت المال ہی میں موجود تھا آپ اسے عوام کی اجازت کے بغیر لینا حرام سمجھتے تھے چنانچہ آپؓ مسجد نبوی میں گئے اور لوگوں سے کہا کہ ”مجھے بیماری کی وجہ سے شہد درکار ہے اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں بیت المال سے لے لوں“ لوگوں کے اجازت دینے پر آپؓ نے بیت المال سے حسب ضرورت شہد حاصل کیا۔¹²¹

مامون الرشید شطرنج کا بھی بڑا دلدادہ تھا اور اس کے بارے میں وہ کہتا تھا کہ اس سے ذہن میں تیزی پیدا ہوتی ہے مامون کی اس سے دلچسپی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مامون نے شطرنج کے لئے بہت سی نئی ایجادات کیں۔¹²²

مامون الرشید منتقم مزاج بھی تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے پہلے طاہر بن حسین کو امین کے قتل کے لئے روانہ کیا، قتل امین کے بعد طاہر بن حسین کو بڑے انعام و اکرام سے نوازا پھر جب اسے (مامون الرشید کو) استحکام سلطنت نصیب ہو گیا تو طاہر بن حسین کے درپے ہوا اور پھر اسے حیلوں بہانوں سے قتل کروا دیا۔¹²³

مامون الرشید اس قدر متعصب تھا کہ اس نے 212ھ/827ء میں یہ منادی کرا دی کہ ”آج کے بعد جس شخص نے امیر معاویہؓ کا نام بھلائی کے ساتھ لیا اسے کسی صحابی رسولؐ پر فوقیت دی تو میں اس کی حفاظت سے بری ہوں“۔¹²⁴

ایسی حرکات سے مامون الرشید نے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اموی و ہاشمی عصییت کی چنگاری کو از سر نو سلگانے کی کوشش کی۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

معتصم باللہ بن ہارون الرشید

(218ھ تا 227ھ / 833ء تا 841ء)

اس کا نام محمد بن ہارون الرشید بن مہدی بن ابو جعفر منصور بن عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب، اس کی کنیت ابو اسحاق اور اس کا لقب معتصم باللہ تھا، اس کی والدہ ام ولد تھی جس کا نام ماروہ تھا¹²⁵۔ یہ بڑا دلیر اور قوت و ہمت والا شخص تھا تاہم علم سے بے بہرہ ہونے کے باوجود تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا بھی جانتا تھا اس نے اپنے والد ہارون الرشید اور سوسو تیلے بھائی مامون الرشید سے احادیث کی سماعت کی اور پھر اس کی زبانی اسحاق موصلی اور حمدون بن اسماعیل نے احادیث بیان کیں¹²⁶۔

معتصم عوام الناس سے بڑی ہمدردی رکھتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ رعایا کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا تھا۔ درج ذیل واقعے سے اس کی ہمدردی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

223ھ / 837ء میں شاہ روم توفیل بن میخائل نے ملطیہ اور زبطرہ پر یورش کر کے ان شہروں کو تباہ و برباد کر دیا، مردوں کے دست و پا قطع کر کے انہیں اندھا کر دیا، ان کے ناک اور کان کاٹ ڈالے جبکہ عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا کر ساتھ لے گیا¹²⁷۔ ان قیدیوں میں صرف عورتوں کی تعداد ایک ہزار بتائی جاتی ہے¹²⁸۔ ان قیدی عورتوں میں ایک ہاشمیہ نامی عورت بھی تھی۔ لوگوں نے اسے کہتے ہوئے سنا و امعتصماہ و امعتصماہ¹²⁹۔ ”معتصم کی دہائی ہے معتصم کی دہائی ہے“ ہاشمیہ عورت کی دہائی کی خبر معتصم کو اس وقت ملی جب وہ ایک مجلس طرب میں موجود تھا، یہ الفاظ سنتے ہی معتصم بڑا رنجیدہ ہوا اور کہنے لگا ”لبیک، لبیک“ (میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں) اسی وقت اس نے اپنے محل میں کھڑے ہو کر بالفاظ بلند پکارا ”ماریچیل الریحیل“ (کوچ کرو کوچ کرو)¹³⁰ پھر گھوڑے کے پیچھے فتراک (ذین کے ساتھ لٹکتے ہوئے تھے جس کے ساتھ عام طور پر شکار کو باندھا جاتا ہے) سے کچھ لوہے کی بیڑیاں اور زنجیریں باندھ کر سوار ہوا، لشکر کو روانہ ہوئے کا حکم دیا، شاہ روم کو جب معتصم کی تیاریوں کا علم ہوا تو اس نے خلیفہ معتصم کو ایک دھمکی آمیز خط لکھا، خط ملنے پر معتصم نے کاتب سے کہا کہ شاہ روم کو لکھو ”میں نے تیرے خط کو پڑھ لیا ہے اور تیرے خطاب کو سمجھ لیا ہے اور اس کے جواب کو تو دیکھے گا سنے گا نہیں اور عنقریب کفار کو علم ہو جائے گا کہ گھر کا انجام کس کے لئے ہوگا“¹³¹ فخری کا بیان ہے کہ ”معتصم نے اس معرکہ کے لئے ایسی تیاری کی کہ اس سے قبل کوئی خلیفہ اس طرح محاذ پر روانہ نہ ہوا تھا“¹³² دوران سفر معتصم نے ایک رومی سے دریافت کیا کہ رومیوں کے نزدیک سب سے مستحکم، ناقابل تغیر اور محبوب ترین شہر کونسا ہے؟ رومی نے جواب دیا کہ ”عموریہ شہر ایسا ہے کہ آج تک کوئی بھی مسلمان اس شہر پر حملہ آور نہیں ہوا، یہ نصرانیوں کی اصل جان ہے نیز عیسائی اسے قسطنطنیہ سے بھی زیادہ مقدس سمجھتے ہیں“¹³³

الغرض معتصم باللہ نے بلا دروم میں جنگ کی، اس کے دشمنوں پر غلبہ پا کر انہیں بے دریغ قتل کیا، عموریہ کے شہر کو فتح کر کے تیس ہزار باشندوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور اتنے ہی لوگوں کو قیدی بنالیا¹³⁴۔ ان قیدیوں میں رومیوں کے نامور جرنیل اور شاہ روم کا نائب بھی شامل تھا۔ اسلامی فوجوں نے عموریہ کے مستحکم قلعے اور اس کے گرد و نواح کو جلا کر خاکستر کر دیا¹³⁵ یہاں تک کہ شہر عموریہ کے آثار بھی ملیا میٹ

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کر دیئے گئے¹³⁶، ان کی صلیب، گر جاگھروں اور ان میں موجود افراد کو زندہ جلادیا گیا¹³⁷ معتصم کا یہ فعل اگر چہ رویوں کی دہشت گردی کا بڑی حد تک جائز رد عمل تھا تاہم عہد رسالت اور عہد خلفائے راشدین میں اس قسم کے کسی بھی واقعے کی نظیر نہیں ملتی، اس کے برعکس حضور اکرمؐ اور خلفائے راشدین نے تو مفتوحہ علاقوں میں بسنے والے زمیوں کو بھی وہی حقوق دیئے جو اسلامی ریاست کے مسلمانوں کو حاصل تھے۔ اس کا اندازہ ذیل کے اس معاہدے سے لگایا جاسکتا ہے جو حضور اکرمؐ نے بحیثیت سربراہ مملکت نجران کے عیسائیوں سے کیا تھا۔ اس میں آپؐ نے انہیں ہر قسم کی آزادی اور، خاص طور پر مذہبی معاملات میں خود مختاری دی اس معاہدے کی دفعات درج ذیل تھیں:

”یہ معاہدہ محمد رسول اللہ اور اہل نجران کے درمیان ہے۔ اس معاہدے کی رو سے اہل نجران کو

اپنی پیداوار، ہر سیاہ و سفید، آزاد اور غلاموں کے بارے میں ہر فیصلہ کا مکمل اختیار حاصل ہوگا

نجران اور اس کے متعلقات کے لئے اللہ اور اس کا رسول ضامن ہے یعنی وہ اہل نجران کی

جانوں، ان کے مالوں، ان کی زمینوں، ان کے حاضر و غائب، ان کی قوم اور ان کے ماتحتوں

کے ضامن ہیں نہ ان کے مذہب میں کسی قسم کی دخل اندازی کی جائے گی، نہ ان کی مورتیوں

کو مسخ کیا جائے گا، نہ ان کے کسی راہب یا پادری کو اس کے مقام سے ہٹایا جائے گا، اور نہ

کسی صلیب یا صلیب خانے کے کلید بردار کو اس کے مقام سے ہٹایا جائے گا اور جو کچھ ان

کے قبضے میں ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، اس سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائے گا“¹³⁸

پھر جب حضرت ابو بکرؓ کا دور آیا تو انہوں نے بھی حضور اکرمؐ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اہل نجران کے ساتھ معاہدے میں انہیں

ہر قسم کی مکمل مذہبی آزادی دی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں امان دیتے ہوئے لکھا

”میں اہل نجران کو ان کی جان، ان کی املاک، ان کے مذہب، ان کے پادریوں، ان کے

گر جاگھروں اور ان کی صلیب کو اپنی اور اپنی فوج کی امان میں لیتا ہوں بشرطیکہ وہ سرکاری

لگان ادا کرتے رہیں پھر نہ ان سے عشر لیا جائے گا نہ ان کو شہر بدر کیا جائے گا اور نہ ہی ان کو ان

کے حلقوں سے نکالا جائے گا“¹³⁹

معتصم باللہ رعایا کی فلاح و بہبود سے کبھی غافل نہ رہا احمد بن ابی داؤد سے روایت ہے کہ ”معتصم باللہ نے میرے ہاتھ سے ایک

کروڑ درہم صدقہ کیے“¹⁴⁰

معتصم سخت مزاج ہونے کے باوجود ضعیفوں اور غریبوں پر بڑا مہربان تھا۔ اس لیے ان لوگوں پر خرچ کر کے اسے دلی اطمینان

حاصل ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ شدید بارش کے موسم میں معتصم ”سرمین رائی“ (خلیفہ کا دارالخلافہ) کے غریبی حصے سے گزر رہا تھا اس نے دیکھا کہ

ایک گدھا پھسلن کی وجہ سے کچھڑ میں گر پڑا ہے اور اس پر لدی ہوئی لکڑیاں بھی اس کے اوپر ہی ہیں جبکہ اس کے قریب ایک بوڑھا آدمی پریشانی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

کے عالم میں کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ معتمد نے اس بوڑھے سے پوچھا کہ تجھے کسی کا انتظار ہے؟ بوڑھے نے جواب دیا کہ میں کسی ایسے آدمی کا منتظر ہوں جو اس گدھے اور لکڑیوں کو کچڑ سے نکالنے میں میری مدد کرے۔ چنانچہ معتمد نے شاہی لباس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کچڑ سے پہلے گدھے کو اور پھر لکڑیوں کو نکالا، پھر ان لکڑیوں کو دوبارہ گدھے کے اوپر لا کر چلتا بنا، نیز جاتے ہوئے چار ہزار درہم بھی اس بوڑھے کو دے دیئے۔¹⁴¹

جیسا کہ اس سے پیشتر بھی بتایا جا چکا ہے کہ معتمد رعایا کے بارے میں بڑا حساس تھا۔ اس کی ہمیشہ کوشش رہی کہ اس کے عہد میں رعایا کو زیادہ سے زیادہ آرام و سکون میسر آئے تاہم پھر بھی اگر رعایا کو اس سے یا اس کے کارندوں سے کبھی کبھار کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ پہلی ہی فرصت میں اس کے مداوے کی کوشش کرتا۔ چنانچہ معتمد باللہ کے ترک غلاموں کی تعداد جب حد سے بڑھ گئی تو ان کی وجہ سے اہل بغداد کا آرام و سکون غارت ہو گیا کیونکہ یہ ترک غلام بلا اجازت لوگوں کے گھروں میں گھستے، انہیں تنگ کرتے اور ان کی عورتوں سے فحش حرکتیں کرتے، اس کے نتیجے میں آئے دن لوگ مارے جاتے۔ ایک دن معتمد باللہ بازار میں سے گزر رہا تھا کہ ایک بوڑھے نے اسے روک کر کہا:

”اے ابواسحاق! خدا تجھے ہمسائیگی کا چھابہ نہ دے، تو مدت سے ہمارا ہمسایہ رہا لیکن میں

نے تجھے بدترین ہمسایہ ہی پایا تو اپنے ان عجیب غلاموں کو لے آیا اور تو نے ان کو ہمارے ساتھ

لا بسایا، ان کی وجہ سے تو نے ہمارے بچوں کو یتیم اور ہماری عورتوں کو بیوہ کر دیا، اگر تو نے ان

¹⁴²

غلاموں کو یہاں سے نہ اٹھایا تو بخدا ہم تیرے لیے بد دعائیں کریں گے۔“

یہ سن کر معتمد نے کہا ”بخدا میں ان غلاموں کو آئندہ اس شہر میں نہ رہنے دوں گا کیونکہ ان کی وجہ سے رعایا بہت تنگ ہے۔“ خلیفہ

¹⁴³

نے اسی وقت نیا شہر ”سرمن رائی“ بسانے کا فیصلہ کیا۔

اسی طرح عہد معتمد میں رعایا قوم زط کی چیرہ دستیوں سے بہت تنگ تھی اور ان کی فتنہ انگیزیوں کا آغاز عہد مامون میں ہو چکا تھا، یہ

ایک مخلوط نسل کی قوم تھی جن کا ایشیا کے ہندوؤں سے نسلی تعلق تھا، یہ لوگ قوم زط کے نام سے مشہور تھے جنہیں برصغیر میں جاٹ کہا جاتا ہے۔ یہ

لوگ بصرہ کے راستے پر قیام پذیر تھے۔ امین و مامون کی باہمی کشمکش سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے بصرہ کے راستے پر اپنا تسلط جمایا تھا۔ قتل امین

کے بعد مامون الرشید نے عیسیٰ بن یزید جلودی کو ان کی چیرہ دستیوں کے خاتمے کے لیے روانہ کیا، لیکن عیسیٰ بن یزید کو خاطر خواہ کامیابی حاصل

نہ ہوئی¹⁴⁴۔ چنانچہ عہد معتمد باللہ میں جب اس قوم کی فتنہ انگیزیاں حد سے بڑھ گئیں تو معتمد باللہ انہیں اپنی سلطنت کے لیے بڑا خطرہ اور

چیلنج سمجھنے لگا کیونکہ اب یہ لوگ بصرہ سے گزرنے والے تجارتی جہازوں سے غنڈہ ٹکس وصول کرنے لگے، دن دیہاڑے بغداد جانے والے

غذائی سامان اور مال و دولت کو لوٹ لیتے¹⁴⁵۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے معتمد نے اس قوم کی سرکوبی کے لیے اپنے ایک ممتاز جرنیل

عجیف بن عنبرہ کو روانہ کیا۔ عجیف بن عنبرہ نے نو ماہ تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخر کار یہ لوگ امان طلب کرنے پر مجبور ہو گئے، اس طرح

عجیف بن عنبرہ نے اس قوم کے ستائیس ہزار لوگوں کو گرفتار کر کے بغداد روانہ کر دیا، خلیفہ معتمد نے انہیں جہاز میں سوار کر کے ایشائے کوچک

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

روانہ کر دیا یہاں پہنچتے ہی رومیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ان کے مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، اور ان کی عورتوں کو جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے زندہ رہنے دیا¹⁴⁶۔ اس طرح قوم زط کے استیصال سے بصرہ کے تمام راستے محفوظ ہو گئے جس سے لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ معتصم کے اس اقدام سے لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو گیا۔

معتزلی ہونے کے باوجود معتصم کو غیر شرعی کاموں سے سخت نفرت تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے فرقہ خرمیہ کے خاتمے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، اس فرقے کا بانی بابک خرمی مطہر بن فاطمہ بنت ابو مسلم خراسانی کا بیٹا تھا¹⁴⁷۔ بابک خرمی نے پہلی مرتبہ عہد مامون 200ھ/815ء میں مقام ”کوہ بزین“ (یہ آذر بائجان کا پہلاڑی علاقہ تھا) میں حکومت کے خلاف خروج کیا۔ امین و مامون کے درمیان سیاسی رسد کشی سے اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا تاہم 212ھ/827ء میں مامون نے بابک خرمی کی سرکوبی کے لیے متعدد دکانڈروں کو آزمایا لیکن انہیں ہر بار شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ مامون الرشید نے آخری بار محمد بن حمید طوسی کو لشکر جہار کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا، لیکن اس معرکے میں بھی بابک خرمی نے محمد بن حمید طوسی کو شکست دے کر قتل کر ڈالا¹⁴⁸۔ اس طرح بابک خرمی کو مامون الرشید کے خلاف مسلسل کامیابیاں حاصل ہوتی رہیں۔ اس کی کامیابیوں میں دشوار گزار پہاڑی راستوں اور بے رحم موسم کا بڑا دخل تھا۔ کیونکہ سال کے اکثر حصے میں یہاں برف باری جاری رہتی جو حملہ آوروں کے لیے پریشانی کا باعث بنتی جب کہ یہ لوگ اس قسم کے موسم کے عادی تھے¹⁴⁹۔ پھر خرمیوں کی کامیابیوں میں فرقہ جاویزانیہ نے بھی اہم کردار ادا کیا کیونکہ جاویزانیہ بن شہرک بابک خرمی کے مقربین خاص میں شمار ہوتا تھا¹⁵⁰۔ اس لیے فرقہ جاویزانیہ کے لوگ دوران جنگ خرمیوں کے شانہ بٹا نہ لڑتے رہے۔

خلیفہ معتصم کی اس فرقے سے مخالفت کی وجہ ان کے غیر شرعی اور غیر اخلاقی عقائد اور ان کی تزویج و اشاعت تھی۔ خرمی جب کوئی مجلس مشاورت منعقد کرتے تو آپس میں گفتگو کا آغاز اس انداز سے کرتے کہ پہلے ابو مسلم پر درود و سلام بھیجتے، پھر مہدی پر، اس کے بعد ابو مسلم کی بیٹی فاطمہ کے فرزند پر، جس کا نام ”کورک دانہ“ تھا، جسے عربی میں ”الغنی العالم“ کہا جاتا ہے۔ خرمیوں نے تمام مذہبی فرائض نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد کو ترک کر دیا تھا نیز شراب اور محرمات (یعنی ماں، بیٹی اور بہن سے مباشرت) کو اپنے لیے حلال گردانتے، تمام عورتوں کو مشترکہ ملکیت سمجھ کر ان سے ہم آغوش ہوتے¹⁵¹، اپنے مذہبی پیشوا شیروین کو حضور اکرم ﷺ اور تمام انبیاء سے افضل گردانتے¹⁵²۔ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے اہل بیت سے غیر معمولی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے حالانکہ ان کے دل اہل بیت کے کسی بھی فرد کی محبت و ہمدردی کے جذبات سے عاری تھے ان کا مقصد تو اپنے آپ کو آل رسول کا عاشق ظاہر کر کے لوگوں کو پھانسا تھا، ان کی دلی خواہش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح اسلام کو جڑ سے اکھاڑ کر شریعت اسلام کا قلع قمع کر دیا جائے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے مسلمانوں پر اتنے ظلم و ستم کیے کہ شاید اتنے مظالم کفار نے بھی نہ کیے ہوں¹⁵³۔ خرمیوں کے انہی طعنانہ نظریات کو دیکھتے ہوئے معتصم نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی ان کے خاتمے کو اپنا مقصد حیات بنا لیا۔ بابک خرمی کا فتنہ چونکہ معتصم باللہ کو وراثت میں ملا تھا اس لیے اس نے خلافت سنبھالتے ہی بابک خرمی کے استیصال کے لیے افشین بن حیدر کاؤس کی سربراہی میں ایک لشکر جہار روانہ کیا¹⁵⁴، جو توپوں سے لیس تھا افشین بن حیدر بڑا ذہین جرنیل تھا

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

اس نے کوہ بزمین پہنچ کر اس پہاڑ کے گرد خندق کھود کر ایک بلند فصیل کھڑی کر دی جس پر بابک خرمی موجود تھا افسہین کی شدید گولہ باری سے تنگ آ کر بابک خرمی گت و شنید پر آمادہ ہوا، لیکن مذاکرات کے فوراً بعد وہ اس سے منحرف ہو گیا اور اپنے ساتھیوں کو دوبارہ جنگ شروع کرنے کا حکم دے دیا، اب کی بار فریقین میں گھسان کی جنگ ہوئی، اس میں بابک کے بہت سے ساتھی کام آئے، اپنے ساتھیوں کی بے پناہ ہلاکتوں کو دیکھ کر بابک خرمی اور اس کے بھائی عبداللہ نے راہ فراری میں اپنی عافیت سبھی¹⁵⁵، چنانچہ شہر سے نکل کر جو نہی بابک خرمی نے ”دیائے رس“ کو عبور کیا فوراً ہی سہیل بن سباط نے اسے گرفتار کر لیا۔ بابک خرمی کی گرفتاری کے بعد افسہین بن حیدر نے اسے بیڑیاں پہنا کر خلیفہ متعصم کے دربار میں پیش کیا، متعصم کے حکم سے پہلے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے پھر اسے ذبح کیا گیا بعد ازاں اس کا پیٹ چاک کر کے اسے صلیب دے دی گئی¹⁵⁶۔ عبداللہ (بابک خرمی کے بھائی) کو بھی بابک خرمی طرح اذیت ناک موت سے دوچار کیا گیا¹⁵⁷۔ اس فتنے کو ختم کرنے کیلئے عہد مامون و متعصم میں پانچ لاکھ لوگ لقمہ اجل بنے¹⁵⁸، لیکن یہ کامیابی صرف متعصم کے حصے میں آئی کیونکہ متعصم کے نزدیک اس (بابک خرمی) کو معاف کرنا دراصل عفو کا خون کرنے کے مترادف تھا، بابک خرمی کی گرفتاری کے بعد اس کے محل سے سات ہزار چھ سو مسلمان عورتوں اور بچوں کو رہائی میسر آئی¹⁵⁹۔ فرقہ خرمیہ کا خاتمہ متعصم کی سب سے بڑی خواہش تھی یہی وجہ تھی کہ جب افسہین بن حیدر بابک خرمی کو لے کر بغداد آیا تو اس کا شاہانہ دھوم دھام سے استقبال کیا گیا اور اس کو گرانقدر اعزاز و تحائف سے نوازا گیا¹⁶⁰۔ اسے سونے کا تاج پہنایا گیا جو جواہرات سے مرصع تھا¹⁶¹۔ اسے ایک اور تاج بھی دیا گیا جس کو سرخ یا قوت، سبز زمرہ اور سونے سے بنایا گیا تھا۔ ابن کثیر کے بقول متعصم نے افسہین بن حیدر کو اس فتح کے موقع پر بیس کروڑ درہم اور سندھ کی امارت دی¹⁶²۔ اس فتح کی خوشی میں متعصم نے حسن بن افسہین کی شادی ترک سردار کی بیٹی اترجہ بنت اشناس سے کر دی، اور اس شادی کے تمام اخراجات متعصم نے خود برداشت کیے¹⁶³۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود اس فاتح کا انجام بڑا دردناک ہوا¹⁶⁴۔ افسہین بن حیدر کو اتنے اعزاز و تکریم کے باوجود کفر کردار تک پہنچانے کی نوبت یوں آئی کہ یہ اسلام کے روپ میں دراصل اسلام ہی کی بیخ کنی کے درپے تھا، یہ بظاہر تو اسلام کا دعویٰ کرتا مگر درحقیقت اس کا عمل کافروں کا تھا۔ اس کا باطن اس کے ظاہر کے برعکس تھا اسی طرح اس کے اقوال بھی اس کے اعمال سے یکسر مختلف تھے۔ دین مصطفیٰ کا کوئی دشمن اس سے زیادہ بد بخت اور قابل نفرت نہ تھا¹⁶⁵۔ یہ اسلام کی آڑ میں ساسانی حکومت کے قیام کا متمنی تھا اور یہ عقیدہ ناجوئی تھا اسی لئے اس کا نصب العین بھی مجوسیت کا احیاء و فروغ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مازیا را و بابک خرمی کے ذریعے مجوسیت کو فروغ اور ترقی حاصل ہو سکتی ہے۔ افسہین بابک خرمی اور مازیا را کی طرح اپنے بلاد میں ایک ایسی حکومت کے قیام کا متمنی تھا جس میں مجوسیت کو فروغ حاصل ہو، اس لیے یہ مسلمانوں اور عباسیوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہوا¹⁶⁶۔ خلیفہ متعصم کو افسہین بن حیدر کے مشرکانہ نظریات کا علم اس وقت ہوا جب مازیا را کو گرفتار کر کے دربار خلافت میں پیش کیا گیا۔ مازیا را نے خلیفہ کو بتایا کہ افسہین نے ہی اسے بغاوت پر آمادہ کیا تھا اور مازیا را نے افسہین کے وہ خطوط بھی خلیفہ کو دکھائے جس میں مازیا را کو آخری دم تک لڑنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ پروفیسر براؤن کے نزدیک افسہین وطنی عصبيت اور ایرانی رجحانات میں شدت کے لحاظ سے کسی طرح بھی مازیا را و بابک خرمی سے کم نہ تھا¹⁶⁷۔ افسہین بن حیدر کی موت کا سبب اس کی غداری

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

نہ تھی بلکہ اس کے وہ شرکانہ عقائد تھے جنہیں وہ بظاہر مسلمان ہونے کے باوجود بجالاتا تھا ¹⁶⁸۔ ذیل میں اس کے ان شرکانہ عقائد کا تذکرہ کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے معتصم نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

_____ اس کے گھر میں ایک انسانی شکل کا بت تھا جو زرو جوہرات سے لدا ہوا تھا اس بت کے دونوں کانوں میں سونے کے موتی تھے، اس کے علاوہ اس کے پاس اور مورتیاں بھی تھیں، افشین ان سب کی پرستش کرتا تھا ¹⁶⁹۔

_____ اس کے گھر میں مجوسیوں کی کتاب زراۃ کے علاوہ اور بھی کئی قسم کی کتابیں برآمد ہوئیں، ان کتب میں بت پرستی کے طریقے اور منتروں کے علاوہ ¹⁷⁰ کفریہ کلمات درج تھے ¹⁷¹۔ انہی کتابوں کی مدد سے افشین اپنے جھوٹے خداؤں (اہرمین، یزدان) کی پرستش کرتا تھا، یہ کتابیں سونے، چاندی اور دیبا سے مزین تھیں ¹⁷²۔

_____ افشین بن حیدر نے ایک مسجد کے امام اور مؤذن کو ہزار ہزار کوڑے صرف اسی وجہ سے مروائے کہ ان دونوں نے اشروسنہ کے بت خانے کو مسجد میں بدل دیا تھا ¹⁷³۔

_____ افشین بن حیدر گلا گھونٹے ہوئے جانوروں کا گوشت جائز سمجھتا تھا اور کہتا تھا کہ اس کا گوشت مذبح جانور کے گوشت سے زیادہ لذیذ اور مزیدار ہوتا ہے۔ اس کا معمول تھا کہ بدھ کے روز ایک بکری منگواتا، تلوار سے اس کے دھڑ کے دو ٹکڑے کرنا پھر مردہ بکری کے درمیان (یعنی دونوں دھڑوں کے درمیان) میں سے گزرتا بعد ازاں وہ اس مردہ جانور کو کھا جاتا، جانور ذبح کرنے کا یہ طریقہ مجوسی قوم کا معمول تھا ¹⁷⁴۔

_____ یہ اگرچہ بظاہر مسلمان تھا تاہم اس کے دل میں کفر مضمر تھا اور یہ عربوں سے شدید نفرت کرتا تھا ¹⁷⁵۔ وہ عربوں کو کتوں سے تشبیہ دیتا اور کہتا کہ انہیں ہڈی کا ٹکڑا ڈال کر ان کا سر پکچل دو، عربوں کی طرح اسے ترکوں سے بھی شدید نفرت تھی اس لیے یہ انہیں شیاطین کے بچوں کا نام دیتا نیز کہتا کہ عربوں اور ترکوں کے زوال کے بعد ہمیں وہی عروج حاصل ہوگا جو ہمیں عجم میں حاصل تھا۔ اس کا اپنا بیان تھا کہ:

”میں نے عربوں میں گھس کر ہر وہ چیز اختیار کی جس سے مجھے سخت نفرت تھی، یہاں تک کہ میں نے زیتون کا تیل کھایا، اونیوں پر سواری کی، چپل پہنی، صرف موئے زیر ناف نہیں مونڈے اور نہ ہی ختنہ کرایا“ ¹⁷⁶۔

_____ افشین کے خیال میں ختنہ کروانے سے مجوسیت میں فرق آتا ہے حالانکہ یہ اسلام کے شعائر میں داخل ہے اور اس سے اسلام کی تکمیل اور نجاست سے کامل طہارت حاصل ہوتی ہے ¹⁷⁷۔

_____ اپنی قوم کے نام خط کا آغاز ان الفاظ سے کرتا

”الٰہی الٰہ لاہ من عبدہ فلاں“ بخند مت خدائے خدایگاں از بند فلاں“ ¹⁷⁸۔

_____ دوران قید اسے روزانہ صرف ایک روٹی دی جاتی، جس کی وجہ سے وہ مر گیا، مرنے کے بعد اسے باب العامہ پر سولی دے دی گئی۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

بعد ازاں اس کے گھر سے برآمد ہونے والے بتوں کے ہمراہ اس کی نعش کو بھی نذر آتش کر دیا گیا، اور اس کی راکھ دریائے دجلہ میں بہا دی گئی۔ 179 -

امراہیم بن عباس کا بیان ہے کہ معتصم نہایت بلیغ اور اعلیٰ بات کہا کرتا تھا۔ اس کے درج ذیل اقوال بڑے مشہور ہوئے۔

_____ اس کا بیان ہے کہ ”خواہشات کی فتح پر عقل زائل ہو جاتی ہے“ 180

”اس کے نزدیک جو دولت کے ذریعے حق طلب کرے وہ یقیناً کامیاب ہوگا“

اس کی انگشتی پر درج ذیل الفاظ نقش تھے۔

”الحمد لله الذی لیس کمثله شیء“ 181 ”تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور اس کے مثل کوئی شے نہیں“

معتصم کو بھی ہر شخص کی طرح اپنے اعمال کا بخوبی علم تھا، اس لیے تو وہ حالِ نزع میں روروا کرتا تھا، ”اے اللہ مجھے تیرا یہ خوف نہیں

کہ تو بغیر جرم کے مواخذہ کرے گا بلکہ خوف اس بات کا ہے کہ میں نے تیری بے انتہا مافیائی کی ہے اور میں چونکہ گناہوں سے آلودہ ہوں اس لیے اب صرف تیری رحمت اور غفاریت کا ہی سہارا ہے“ 182 -

مغیرہ بن محمد کا بیان ہے کہ جتنے بادشاہ معتصم باللہ کے مطیع ہوئے اتنے کسی دوسرے خلیفہ کے آگے سرنگوں نہ ہوئے اور اس کی مانند کسی نے بھی اتنے زیادہ مالک پر ظفر پیکر پرچم نہ لہرایا۔ درج ذیل ممالک کے بادشاہ معتصم کے ماتحت تھے۔

”آذربائیجان، طبرستان، سیستان، اشیا صح، فرغانہ، طخارستان، صفہ اور کابل (یعنی موجودہ افغانستان)“ 183 -

زہبی کے بقول ”معتصم باللہ اگر خلقِ قرآن کا قائل نہ ہوتا اور علمائے حق کو پریشان نہ کرتا تو وہ ایک عظیم الشان اور ہیبت ناک خلیفہ

ہوتا“ 184 -

معتصم اس قدر منتقم مزاج اور دنیا دار تھا کہ اس کے نزدیک وعدوں کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اس کا اندازہ درج ذیل واقعے سے لگایا

جاسکتا ہے۔

معتصم باللہ نے جب اپنے بھتیجے عباس بن مامون کو اپنے قتل کی ناکام سازش میں گرفتار کیا تو بظاہر لعنت ملا مت کر کے اسے چھوڑ دیا

یعنی اسے بیڑیوں سے آزاد کر دیا اور اس سے راضی ہو کر اسے معاف کر دیا لیکن اس معافی و درگزر کو ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ اسے

دوبارہ قید کر دیا اور وہ دورانِ اسیری ہی بھوک و پیاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا، معتصم کی آتشِ انتقام عباس بن مامون کی

موت پر بھی ٹھنڈی نہ ہوئی اس نے عباس بن مامون کے معصوم بچوں کو بھی باپ کی بھینٹ چڑھا دیا، عباس بن مامون کی موت کے بعد معتصم

ہمیشہ اسے لعین کے نام سے پکارتا نیز خطبوں میں بھی اس پر لعنت کی جانے لگی 185 - معتصم کی فضول خرچی کا یہ عالم تھا کہ اس کے کھانے پر

روزانہ ایک ہزار اشرفیاں خرچ ہوتیں اور اس کے یہ تمام اخراجات بیت المال سے ہی ہوتے تھے 186 جبکہ اس کے برعکس خلفائے راشدین

بیت المال کو قوم کی امانت سمجھتے اور اپنے آپ کو اس کا امانتدار گردانتے تھے 187 -

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

واثق باللہ

(227ھ 232ھ / 841ء تا 846ء)

اس کا نام ہارون بن محمد معتصم بن ہارون الرشید بن مہدی بن ابو جعفر منصور بن عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب، اس کی کنیت ابو جعفر اور اس کا لقب واثق باللہ تھا۔ واثق کی ماں ام ولد (لوڈی) تھی جس کا نام قراطیس تھا¹⁸⁸ صولی کا بیان ہے کہ واثق باللہ اپنے علم و ادب اور فضل و کمال کی وجہ سے اپنے چچا مامون الرشید کو اپنے آپ سے کمتر سمجھتا تھا تاہم لوگ اسے علم و ادب میں مامون الرشید سے تشبیہ دیتے ہوئے مامون اصغر کہتے ہیں¹⁸⁹ واثق باللہ بلند پایہ شاعر ہونے کے ساتھ بڑا ہی اچھا ادیب اور عمدہ غزل گو بھی تھا¹⁹⁰ اشعار کہنے میں یکتا اور گزشتہ حالات و کوائف وغیرہ بتانے میں کامل تھا۔ فضل بن یزیدی کا بیان ہے کہ خلفائے بنو عباس میں سے ہارون کو سب سے زیادہ شعاریا دتھے۔ یہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ فن شاعری اور غناء سے بھی واقف تھا۔ واثق اچھے شعراء کی حوصلہ افزائی میں کبھی بھی نکل سے کام نہ لیتا بلکہ دل کھول کر ان کی پذیرائی کرتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب ابو محکم (شاعر) نے سو مختلف شعراء کے سوا اشعار اسناد کے ساتھ خلیفہ واثق باللہ کو سنائے تو خلیفہ نے خوش ہو کر اسے ایک لاکھ دینار انعام دیا¹⁹¹۔ اسی طرح ایک دفعہ شعراء کی مجلس میں واثق باللہ نے اھطل کا ایک شعر پڑھا اور شعراء سے سوار کے معنی دریافت کیے۔ اس موقع پر ابن اعرابی نے نہ صرف سوار (لپک کر لینے والا) بلکہ سوار (چھوڑنے والا) اور ساڑ (گلاس میں مزید ڈالنے والا) کے بھی معنی بتا دیئے۔ واثق باللہ نے ابن اعرابی سے خوش ہو کر اسے بیس ہزار درہم دیئے¹⁹²، اسے راگ راگنیوں سے بخوبی آگاہی حاصل تھی اور اس نے تقریباً ایک سوراکنیاں ایجاد کیں، نیز یہ ستار اور سارنگی بجانے میں بڑا ماہر تھا اور خود بھی بہت اچھا بجاتا تھا¹⁹³ فضل بن یزیدی کا قول ہے کہ مامون الرشید نے علم ادب میں، نجوم، طب، منطق اور فلسفہ کو خلط ملط کر دیا تھا جبکہ واثق باللہ علم ادب کے ساتھ کسی چیز کو بھی نہ ملاتا تھا¹⁹⁴۔ حمدون بن اسمعیل کا بیان ہے کہ واثق باللہ بہت حلیم و صابر اور وضع دار تھا اور اپنے اساتذہ کی تعظیم و تکریم کرنے میں اپنی مثال آپ تھا۔ واثق باللہ اپنے استاد محترم ہارون بن زیاد کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے یہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے مجھے اس درجہ کمال تک پہنچایا اور اللہ کی یاد کے لیے مجھے زبان دانی سکھائی اور مجھے اللہ کی رحمتوں سے قریب کیا¹⁹⁵ اپنے اسلاف کے برعکس واثق باللہ نے علویوں کے ساتھ بہت عمدہ سلوک کیا۔ یحییٰ بن اکثم کا بیان ہے کہ خلفائے بنو عباس میں سے آل ابی طالب کے ساتھ جس قدر اچھا سلوک واثق باللہ نے کیا اور کسی نے نہ کیا اور واثق باللہ اُس وقت مراجب علویوں میں سے کوئی بھی محتاج نہ تھا¹⁹⁶ واثق باللہ کو حرمین (مکہ و مدینہ) کے لوگوں سے بڑی عقیدت اور محبت تھی، یہی وجہ تھی کہ اُس نے ایک موقع پر مکہ و مدینہ کے باشندوں پر عطیات کی بارش کر دی اور جس قدر مال بچا اسے قریش میں تقسیم کر دیا¹⁹⁷ اس کے بعد مکہ و مدینہ میں کوئی سائل باقی نہ رہا، یہی وجہ تھی کہ جب اس کی موت کی خبر مدینہ پہنچی تو وہاں کھرام مچ گیا۔ مدینہ کی عورتیں کئی روز تک ہر شب بقیع میں جا کر اس کے غم میں روتی رہیں¹⁹⁸۔

واثق باللہ رعایا سے بڑی ہمدردی رکھتا تھا وہ رعایا کے دکھ و درد کو اپنا ہی دکھ و درد سمجھتا تھا، قبیلہ بنی سلیم کی لوٹ مار کو روکنے کے لیے واثق

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

باللہ نے اس قبیلہ کی بیخ کنی کے لیے بغا کبیر کو روانہ کیا۔ بنو سلیم مدینہ کے اطراف میں قیام پذیر تھے۔ ان لوگوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ یہ لوگ دن دیہاڑے مسافروں اور اہل شہر (اہل مدینہ) کو لوٹ لیتے۔ ایک دفعہ بنو سلیم نے بنو کنانہ کے ایک شخص پر غفلت کی حالت میں چھاپہ مارا، اس کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا اور ان کے خیموں کو آگ لگا دی۔ ان کی اس حرکت پر والی مدینہ محمد بن صالح نے قریش و انصار کا ایک لشکر ان کی گوثالی کے لیے روانہ کیا۔ بنو سلیم نے سرکاری لشکر کو شکست فاش دی، ان کے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا، مال و اسباب چھین کر ان کے خیموں کو آگ لگا دی۔ سرکاری فوجوں سے آلات حرب چھین کر مدینہ کے قرب و جوار میں دوبارہ لوٹ مار کے ساتھ ساتھ دہشت گردی کا بازار خوب گرم کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مدینہ منورہ میں قبائل کی آمد و رفت معطل ہو کر رہ گئی۔¹⁹⁹ چنانچہ اہل مدینہ کی اس بے بسی کو دیکھ کر واثق باللہ نے اپنے تجربہ کار جرنیل بغا کبیر کو بنو سلیم کے استیصال کے لیے روانہ کیا فریقین میں گھسان کارن پڑا، اس دوران بنو سلیم کو شکست سے دوچار ہونا پڑا اور ان کے پچاس آدمی مارے گئے مرنے والوں میں ان کا سردار عزیزۃ الخفافی بھی شامل تھا۔ اسے بھی دیگر مقتولین کی طرح قتل کر کے صلیب دی گئی۔²⁰⁰ اور ان کے پچاس آدمیوں کو قید کر لیا گیا،²⁰¹ اس شورش کو فرد کرنے کے بعد ایک ہزار بلوایوں اور مفسدوں کو بغاوت اور فتنہ انگیزی کے جرم میں مدینہ میں قید کر دیا گیا۔ بنو سلیم کی شکست کے بعد اہل مدینہ نے سکھ کا سانس لیا۔ اور اس کے بعد حرمین میں کسی بھی شورش کو پھیلنے کا موقع نہ ملا۔²⁰²

واثق باللہ نے بغداد میں متاثرین آگ میں بہت سے اموال تقسیم کر کے ان کی دل جوئی کی یہاں تک کہ جو لوگ بے گھر ہو گئے سرکاری طور پر ان کے گھروں کی تعمیر کی گئی نیز اس آگ سے جن تاجروں کے مال و اسباب جل کر خاکستر ہو گئے تھے بیت المال سے ان کی مالی معاونت کی۔²⁰³

عمال کے محاسبے میں اس نے خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی، واثق باللہ کو اپنے عمال پر سختی کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اس کے عہد میں امراء اور اراکین دولت (جن میں زیادہ تر کاتب تھے) کا استبداد بہت بڑھ گیا تھا اب حالت یہ تھی کہ رعایا کی دولت سے ان کے خزانے تو معمور تھے جبکہ اس کے برعکس عوام انہائی کس پرسی کی زندگی بسر کر رہے تھے،²⁰⁴ ان حالات کو دیکھتے ہوئے واثق باللہ نے 229ھ/843ء میں عمال اور کاتبین کو ان کی خیانت کے ظاہر ہونے اور اپنے امور میں حد سے تجاوز کرنے پر ان کو سزا دینے، مارنے، اور ان کے مال و اسباب کو ضبط کرنے کا حکم دیا،²⁰⁵ اس طرح ان بددیانت اہلکاروں کو ایک ہزار کوڑوں اور ایک کروڑ دینار تک تاوان کی سزا بھگتنا پڑی،²⁰⁶ اس سلسلے میں چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

احمد بن اسرائیل کو روزانہ دس کوڑوں کے حساب سے ایک ہزار کوڑے لگائے گئے اور اسے مار پیٹ کر اس سے اسی ہزار دینار وصول کئے گئے۔²⁰⁷ ایٹاخ کے میرمنشی سلیمان بن وہب سے چار لاکھ دینار وصول کئے گئے نیز اسے قید کر کے ملاحوں کا کرتہ پہنایا گیا۔²⁰⁸ حسن بن وہب سے چودہ ہزار، احمد بن الخصب اور اس کے کاتبوں سے پچاس لاکھ دینار بطور تاوان وصول کیا گیا۔²⁰⁹ امراہیم بن رباح اور اس کے ماتحت منشیوں سے ایک لاکھ دینار، نجاح سے ساٹھ ہزار دینار اور ابو الودیر سے ایک لاکھ چالیس ہزار دینار تاوان وصول کیا

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

210 گیا۔ عالموں سے جو کچھ وصول کیا گیا وہ تاوان کی ان رقموں کے علاوہ تھا۔²¹¹

زندقیوں اور ملحدوں سے اسے سخت نفرت تھی یہی وجہ تھی کہ 231ھ/845ء میں دیار ربیع کے خارجیوں نے جب اپنے دین کی ترویج و اشاعت کے لیے اپنی سرگرمیاں تیز کیں تو خلیفہ واثق کے حکم سے ابو یوسف محمد بن سعید نے ان پر فوج کشی کی جس میں خوارج کے بہت سے آدمی کام آئے²¹²۔ اور خوارج کا سردار محمد بن عمرو شیبانی فرار ہوتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا، جب اسے خلیفہ واثق کے سامنے پیش کیا گیا تو خلیفہ نے کہا کہ اسے قتل کرنے کی بجائے ایسی اذیت ناک اسیری سے دوچار کیا جائے کہ آئندہ کسی بھی خارجی کو بغاوت کی جرأت نہ ہو²¹³۔ اپنے پیشروؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس نے بھی اپنی انگشتی کے عکس کو اللہ سے منسوب کیا، جس کی عبارت اس طرح تھی۔

214 **اللہ ثقة الواثق** - ”واثق کو اللہ پر ہی بھروسہ ہے۔“

واثق اور معتزلہ:-

معتصم کی وفات کے بعد واثق باللہ اس کا جانشین ہوا یہ وہ دور تھا کہ جب معتزلہ اپنی اوج قوت و شوکت کو پہنچ چکے تھے²¹⁵۔ اور اسی نشہ کامرانی اور حصول قوت نے انہیں مدہوش اور اندھا کر دیا تھا۔

واثق باللہ، احمد بن ابی داؤد اور محمد بن عبد الملک الزبائت سے متاثر ہونے کی وجہ سے ان کے ہاتھوں میں کھلونا تھا یہ دونوں ہی غالی معتزلی تھے اور ان کی مرضی کے بغیر سلطنت کا پتہ بھی نہ ہلتا تھا۔ واثق ان کے آگے اس حد تک بے بس تھا کہ وہ ان کے حکم سے ناراضگی کا اظہار بھی نہ کر سکتا تھا²¹⁶۔

واثق باللہ کے کٹر معتزلی ہونے کی وجہ سے اس کے عہد میں دو راہنما اور زیادہ شدید ہو گیا چنانچہ اس نے اپنے باپ معتصم باللہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلافت سنبھالتے ہی جملہ مصار و دیار کے قضا کے نام فرمان جاری کیا کہ خلق قرآن کے مسئلے میں لوگوں کی آزمائش کی جائے اور گواہیاں صرف ان لوگوں کی قبول کی جائیں جو اہل التوحید (یعنی معتزلی) ہوں، چنانچہ آزمائش میں خلق قرآن سے انکار کرنے والوں کو حوالہ زنداں کر دیا گیا²¹⁷، اس طرح 231ھ/845ء میں سرحدی علاقوں کے لوگوں کا بھی خلق قرآن کے سلسلے میں امتحان لیا گیا، اقرار کرنے والے سرخرو ہوئے اور انکار کرنے والے چار افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا²¹⁸۔ نیز اس نے حاکم بصرہ کو لکھا کہ ائمہ و مؤذنین کا امتحان لیا جائے کہ انہوں نے خلق قرآن کا عقیدہ کیوں چھوڑ دیا ہے حالانکہ یہ لوگ میرے والد بزرگوار کے زمانے میں اس عقیدے کے قائل تھے²¹⁹۔

واثق باللہ اپنے عقیدے اور مسلک میں اس حد تک متشدد تھا کہ اس نے مصر سے ابو یعقوب اور یوسف بن یحییٰ البوسیطی کو عراق طلب کیا، انہیں اس حالت میں عراق لایا گیا کہ ان کی گردنوں اور پاؤں میں لوہے کی زنجیریں تھیں اور ہر زنجیر کا وزن 40 رطل (20 سیر) تھا۔ خلق قرآن کے مسئلے میں ان کی آزمائش کی گئی، ان کا شمار چونکہ علمائے حق میں ہوتا تھا اس لئے انہوں نے قرآن کے مخلوق ہونے سے صاف انکار کر دیا، ان کے انکار پر انہیں زنجیروں میں جکڑ کر جیل میں ڈال دیا گیا، پھر یہ دونوں حالت اسیری ہی میں دنیا سے رخصت

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ہو گئے²²⁰۔ دیگر علمائے حق پر سختیوں اور جفا کاریوں کے باوجود واثق باللہ نے امام احمد بن حنبلؒ سے کوئی تعرض نہ کیا، نہ ہی ان سے مزید پوچھ گچھ کی گئی، البتہ انہیں یہ پیغام ضرور بھجوا دیا گیا کہ ”خبردار مجھے زمین پر چلتے پھرتے نظر نہ آئیں“ یہی وجہ تھی کہ واثق باللہ جب تک زندہ رہا امام موصوف نماز تک کے لیے باہر نہ نکلے²²¹۔

واثق باللہ کے تعصب اور غلو اعتزال کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے روم میں قید مسلمانوں کی رہائی کے لیے یہ شرط عائد کی کہ رہائی سے قبل قیدیوں کی خلق قرآن کے سلسلے میں آزمائش کی جائے جو اس نظریے کا قائل ہو اسے فدیہ دے کر آزاد کرالیا جائے اور انکار کرنے والوں کو رومیوں کی قید ہی میں رہنے دیا جائے چنانچہ قیدیوں کی آزمائش کے لیے خلیفہ نے جعفر بن العدا، طالب بن ابی داؤد اور یحییٰ بن آدم الکرخی کو روانہ کیا نیز طالب بن ابی داؤد کو خلق قرآن کا اقرار کرنے والے قیدیوں کو رہائی کے بعد انعام دینے کے لیے پانچ ہزار درہم عطا کئے گئے²²²۔ واثق باللہ نے یہ بھی تاکید کی کہ مسلمان جنگی قیدیوں کا معاوضہ اس وقت تک ادا نہ کیا جائے جب تک رہائی پانے والے قیدی خلق قرآن کا اقرار نہ کر لیں اور روایت باری تعالیٰ سے انکار نہ کر دیں²²³۔ بصورت دیگر انہیں بدستور قید میں ہی رہنے دیا جائے، اس طرح جب قیدی آزمائش کرنے والوں کی حسب خواہش اقرار کر لیں تو ان کا فدیہ دے کر انہیں چھڑا لیا جائے رہائی پانے والوں کو فوری طور پر ایک ایک دینار بطور انعام بھی دیا گیا²²⁴۔ ان قیدیوں میں سے چار لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے خلق قرآن کا انکار کیا اور روایت باری تعالیٰ کا اقرار کیا²²⁵۔ ابن خلدون کے نزدیک ان رہائی پانے والے قیدیوں میں مردوں کی تعداد چار ہزار چونسٹھ، عورتیں اور بچے آٹھ سو اور ایک سواہل ذمہ شامل تھے²²⁶۔ جب کہ طبری نے ان قیدیوں میں مردوں کی تعداد تین ہزار، بچوں اور عورتوں کی تعداد پانچ سو بتائی ہے²²⁷۔ رومیوں کی قید سے آزاد ہونے کے بعد انہیں وفد کی صورت میں واثق باللہ کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ واثق باللہ نے ان میں سے ہر ایک شخص کو ایک ایک گھوڑا اور ایک ایک ہزار دینار عطا کئے²²⁸۔ عقیدہ اعتزال ایک ایسی اندھی اور بہری بدعت تھی جس کا کتاب و سنت اور عقل سلیم کی رو سے کوئی مستند ثبوت نہ تھا بلکہ یہ عقیدہ اعتزال کتاب و سنت اور عقل سلیم کے بالکل برعکس تھا²²⁹۔

واثق باللہ نے مستند خلافت پر بیٹھتے ہی علم حدیث کے معروف عالم احمد بن نصر خراسانی کو بغداد سے طلب کر کے سرمن رانی میں قید کر دیا اس پر عتاب کی وجہ یہ تھی کہ وہ واثق کے عقیدہ خلق قرآن اور اکابرین معتزلہ (احمد بن ابی داؤد اور محمد بن عبد الملک) پر مدعا تنقید کرتا اور کہتا تھا کہ ایسا عقیدہ رکھنے والے کافر و خنزیر ہیں²³⁰ اور لوگوں کو عقیدہ خلق قرآن سے باز رہنے کی تلقین و تبلیغ کرتا، بغداد کی کثیر آبادی احمد بن نصر کی ہمنوا بن گئی تھی چنانچہ ایک دن احمد بن نصر کو دربار خلافت میں طلب کر کے اس سے خلق قرآن کے بارے میں دریافت کیا گیا احمد بن نصر نے جواب دیا کہ قرآن اللہ کی مخلوق نہیں بلکہ یہ اللہ کا کلام ہے²³¹ پھر اس سے قیامت کے روز دیدار الہی کے بارے میں دریافت کیا گیا، اس پر اس نے جواب دیا کہ قیامت کے روز ہر شخص کو دیدار الہی ہوگا کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة۔²³²

”اس روز چہرے سبز و تازہ ہوں گے اور لوگ اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے“

پھر احمد بن نصر نے اپنے موقف کی دلیل میں حضور ﷺ کی یہ حدیث پیش کی،

233

انکم مسترون ربکم کما ترون هذا القمر لا تضامون فی رؤیتہ۔

”بلاشبہ تم اپنے رب کو یوں دیکھو گے جیسے تم اس چاند کو دیکھتے ہو اور تم اس کی دید میں شبہ نہیں کرتے“

یہ حدیث سنتے ہی واثق باللہ نے کہا کہ تم جھوٹے ہو، احمد بن نصر نے اس کے جواب میں خلیفہ سے کہا کہ میں امیر المؤمنین کی بھلائی اس میں سمجھتا ہوں کہ وہ رسول خدا کی حدیث کی مخالفت نہ کریں²³⁴، اس پر واثق باللہ نے کہا افسوس ہے کہ آپ لوگ اللہ تعالیٰ کو بھروسہ، مجسم اور ایک مکان میں مقید اور آنکھوں میں محصور سمجھتے ہو اور صفات الہی کا انکار کرتے ہو اور کفر کا ارتکاب کرتے ہو۔ اس گفتگو کے بعد اکابرین معتزلہ نے احمد بن نصر کے قتل کا فتویٰ جاری کر دیا²³⁵ چنانچہ احمد بن نصر کو قتل کے مخصوص چڑے پر ہاتھ پاؤں باندھ کر بٹھا دیا گیا، واثق باللہ نے احمد بن نصر کے قتل سے پہلے کہا کہ ”لوگوں میں سے کوئی شخص بھی میرے ساتھ نہ آئے کیونکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کے قتل کا ثواب صرف مجھے ہی ملے، جان لو کہ یہ وہ شخص ہے جو ہمارے رب کی عبادت نہیں کرتا اور یہ غیر متعلقہ صفات الہی بیان کرتا ہے“²³⁶ پھر واثق باللہ نے تلوار سے ایک وار اس کے کندھے پر کیا جبکہ دوسری ضرب اس کے سر پر لگائی، پھر پیٹ ناف سے سینہ تک چاک کر دیا، اس کے بعد سیمالد مشقی نے اس کا سرتن سے الگ کر دیا²³⁷، پھر نعش کو اس جگہ سولی پر لٹکا دیا گیا جہاں پر بابک خرمی کو سولی دی گئی تھی، ان کے سر کو بغداد لاکر پہلے چند روز مشرقی سمت نصب کر دیا گیا²³⁸۔ پھر اسے چند روز کے لیے مغربی سمت نصب کر دیا جس جگہ احمد بن نصر کا سر نصب تھا وہاں پر پہرہ دار بٹھا دیا گیا تاکہ وہ اس کے سر کو قبلہ کی جانب نہ ہونے دے اگر اس کا سر گھوم کر قبلہ کی طرف ہو بھی جائے تو پہرہ دار لکڑی سے اسے مشرق کی طرف پھیر دے²³⁹۔ اس دوران ایک پرچی پر یہ عبارت لکھ کر اس کے کان میں لٹکا دی گئی ”یہ کافر و مشرک اور گمراہ احمد بن نصر کا سر ہے اسے امیر المؤمنین واثق باللہ نے عقیدہ خلق قرآن سے انکار اور رویت باری تعالیٰ کے اقرار پر اسے توبہ کرنے اور رجوع الی الحق کا موقعہ دینے کے بعد اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اسے جلد ہی اپنی دوزخ اور دردناک عذاب کی طرف بھیج لیا ہے“²⁴⁰۔ احمد بن نصر کا سر اور دھڑ چھ سال تک سولی پر لٹکا رہا یہاں تک کہ واثق باللہ کی موت پر متوکل نے خلافت سنبھالنے کے بعد اس کے سر اور دھڑ کو سولی سے اتاروا کر دفن کر لیا²⁴¹۔ احمد بن نصر کے واقعہ قتل سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ واثق باللہ کس قدر متعصب اور انتہا پسند تھا۔ واثق باللہ ایسے لوگوں کو مصائب میں ڈال کر بڑی خوشی محسوس کرتا تھا²⁴² احمد بن نصر خزاہی کے قتل کے بعد واثق باللہ نے اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا، بعد ازاں انہیں ایسی تنگ و تاریک قید میں ڈال دیا جہاں انہیں دن اور رات کا بھی اندازہ نہ تھا نیز ان کے خاندان والوں کو ہر قسم کی مالی معاونت سے بھی محروم کر دیا اس پر ظلم یہ کہ ان کی ملاقاتوں پر بھی پابندی عائد کر دی²⁴³، تاہم اس تمام ظلم و ستم کے بعد محمد بن واثق باللہ (جسے مہندی باللہ بھی کہا جاتا ہے) کا بیان ہے کہ میرے والد موت سے قبل اعتزال کے عقائد سے تائب ہو چکے تھے²⁴⁴ مہندی باللہ اس کی تفصیل کچھ اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ

”ایک دفعہ ہم بھی دربار خلافت میں موجود تھے کہ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن محمد ازدی کو (جو کہ امام نسائی اور ابوداؤد کے استاد تھے)

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

جھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑ کر خلیفہ کے روبرو پیش کیا گیا، اس دوران احمد بن ابی داؤد اور ان کے ساتھی بھی وہاں موجود تھے۔ شیخ ابو عبد الرحمن عبد اللہ نے آتے ہی السلام علیکم یا امیر المؤمنین کہا واثق باللہ نے اس کے جواب میں کہا خدا تجھے سلامت نہ رکھے، شیخ ابو عبد الرحمن نے کہا، اے امیر المؤمنین جس نے آپ کو ادب و سلیقے کی تعلیم دی وہ بڑا ہی بد تہذیب معلوم ہوتا ہے ²⁴⁵ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

و اذا حییتہم بتحیۃ فحیوا باحسن منها و ردوہا۔ ²⁴⁶

”اور جب تمہیں کوئی دعا دے تو تم بھی اس سے بہتر دعا دو یا اسی کو لوٹا دو“

پھر ابو عبد الرحمن نے کہا آپ کا تو یہ حال ہے کہ نہ آپ نے مجھے سلام کیا اور نہ ہی آپ نے میرے سلام کا اچھا جواب دیا، اب واثق باللہ نے ابو عبد الرحمن کی باتوں سے پہلو تہیہ کرتے ہوئے احمد بن ابی داؤد کو مناظرے کا حکم دیا۔ شیخ ابو عبد الرحمن نے بڑے جارحانہ انداز میں احمد بن ابی داؤد سے سوالات کرتے ہوئے کہا خلق قرآن کا حضور اکرمؐ اور خلفائے راشدین کو علم تھا یا نہیں؟ اگر رسول خدا اور خلفائے راشدین کو اس کا علم تھا تو آپ نے اور آپ کے اصحاب نے لوگوں کو اس کی تعلیم کیوں نہ دی؟ اس پر احمد بن ابی داؤد نے کہا ہاں رسول اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کو اس کا علم تھا لیکن آپ نے لوگوں کو اس طرف مائل نہ کیا۔ یہ جواب سن کر ابو عبد الرحمن نے کہا، ”جس کام کو حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین نے نہیں کیا تم اسے کیوں کرتے ہو؟“ ²⁴⁷ یہ سن کر دربار میں موجود تمام لوگ انگشت بدنداں اور حیران و ششدر رہ گئے۔ ²⁴⁸ اس کے بعد واثق باللہ محل میں جا کر ابو عبد الرحمن کے الفاظ دہراتا رہا کہ ”جس کام کو رسول خدا اور اس کے صحابہؓ نے نہیں کیا ہمیں وہ کام کرنے کا کیا حق ہے؟ اور جس کام کے کرنے میں آپ ﷺ نے سکوت اختیار کیا ہمیں بالجبر اسے منوانے کا کوئی حق نہیں“

اس کے بعد واثق باللہ دربار میں آیا اور اس نے ابو عبد الرحمن عبد اللہ کو تین ہزار اشرفیاں دے کر آزاد کر دیا۔ ²⁴⁹ مہندی باللہ کا قول ہے کہ اس واقعے کے بعد میرے والد واثق باللہ نے خلق قرآن کے سلسلے میں کسی کو پریشان نہ کیا۔ ²⁵⁰ اور نہ ہی اس کے بعد احمد بن ابی داؤد کو دربار خلافت میں وہ پہلی سی پذیرائی حاصل ہوئی بلکہ اس واقعے کے بعد وہ خلیفہ کی نظروں میں گر گیا۔ ²⁵¹ پھر میرا والد اس حالت میں مرا کہ وہ معتزلی عقائد و نظریات سے تائب ہو چکا تھا۔ ²⁵²

واثق باللہ کے غیر سنجیدہ رویے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے باپ معتصم باللہ کو مرے ہوئے ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ اس نے دربار میں رعایا کے درمیان گانا گایا۔ ²⁵³ یہ اس وقت کے مذہبی لوگوں کے لئے لمحہ فکریہ تھا، اس کے پیشرو دربار عام تو درکنار گانے والوں کے سامنے آنا بھی کسر شان سمجھتے تھے اسحاق موصلی کا بیان ہے کہ ”ابو جعفر منصور مجلس عیش و نشاط میں اپنے ہمنشیوں کے درمیان پردہ حائل رکھتا تھا اس طرح ہمنشیوں کی نشستوں اور گانے والوں کا فاصلہ ابو جعفر منصور سے بیس میٹر دور ہوتا تھا۔“ ²⁵⁴

واثق باللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ بڑا فضول خرچ تھا ابن فہم کا بیان ہے کہ ”واثق جس خوان میں کھانا کھاتا اس کی ساخت سونے کی تھی، اس کے چار حصے تھے اور ہر حصہ اتنا وزنی تھا کہ اسے اٹھانے کے لئے بیس آدمی درکار ہوتے تھے نیز اس کے کھانے کے تمام برتن، گلاس، رکابیاں اور شکر دان وغیرہ سب سونے کی ساخت کے تھے۔“ ²⁵⁵ واثق باللہ کی اس فضول خرچی اور عیاشی کے برعکس خلیفہ اول

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ابو بکر صدیقؓ کو تو اس وظیفہ کا بھی رنج تھا جو انہیں سالانہ چھ ہزار درہم کے حساب سے ملتا تھا یہی وجہ تھی کہ آپؓ نے زندگی کے آخری لمحات میں اپنی جائیداد کا ایک حصہ فروخت کرنے کا حکم دیا تا کہ اس سے اتنی رقم بیت المال میں جمع کرائی جاسکے جتنی آپ وہاں سے لے چکے تھے۔²⁵⁶ ویسے بھی خلیفہ تو بیت المال کا امین ہوتا ہے، ابو جعفر منصور کا قول ہے، ”مجھے اللہ تعالیٰ نے سرکاری خزانے کا قفل (تالا) بنایا ہے، اس لیے میں اللہ کی منشاء و ارادہ کے مطابق ہی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کرتا ہوں، اس لیے اللہ جب ضرورت محسوس کرتا ہے مجھے کھول دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس کے برعکس کرتا ہے۔“²⁵⁷

واثق باللہ کی جب موت کا وقت آیا تو اس وقت اسے اپنی بے بسی کا اندازہ ہوا، اسے پتہ چلا کہ میں بادشاہ ہوتے ہوئے بھی کس قدر لاچار ہوں پھر ان اشعار کو بار بار روہرانے لگا، ”موت میں تمام افراد مشترک ہیں نہ ان میں سے کوئی رعیت کا آدمی بچے گا اور نہ بادشاہ۔ کم مال والوں کو ان کی محتاجی نے کوئی نقصان دیا اور نہ ہی بادشاہوں کو ملکیتوں نے کچھ فائدہ دیا“

پھر اس نے اپنے رخسار زمین پر لگا دیے اور کہنے لگا، ”اے وہ ذات جس کی حکومت کو زوال نہیں اس پر رحم کر جس کی حکومت کو زوال آگیا ہے۔“²⁵⁸

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

متوکل علی اللہ

(233ھ 247ھ/847ء تا 861ء)

اس کا نام جعفر بن معصم بن ہارون الرشید بن مہدی بن ابو جعفر منصور بن عبد اللہ بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباسؓ بن عبد المطلب اس کی کنیت ابو الفضل اور اس کا لقب متوکل علی اللہ تھا²⁵⁹ اس کی ماں ام ولد اور اس کا نام شجاع تھا²⁶⁰ متوکل علی اللہ واثق باللہ (ذوالحجہ 233ھ/847ء) کے انتقال کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوا²⁶¹۔

متوکل اپنے باپ اور بھائی کے برعکس سنت نبویؐ پر عمل پیرا ہونے والا شخص تھا اس نے منصب خلافت سنبھالتے ہی ملک کے طول و عرض میں سنت نبویؐ پر عمل درآمد کرانے کے لئے احکامات جاری کر دیئے²⁶² متوکل کا دل چونکہ رسول خدا کی محبت سے سرشار تھا اس لئے اس نے 234ھ/848ء میں پورے ملک سے محدثین و مورخین کو مدعو کیا اور انہیں گراں قدر عطیات سے نوازا نیز ان سے سیرت رسولؐ اور حدیث پر کتب تحریر کرنے کی درخواست کی²⁶³۔ متوکل نے علامہ ابو بکر بن ابی شیبہ کو جامع رصافہ میں متعین کیا، اور ان کے بھائی عثمان بن ابی شیبہ کو جامع منصورہ میں متعین کیا ان میں سے ہر ایک کے وعظ میں تیس تیس ہزار لوگ شریک ہوتے تھے²⁶⁴ اس حسن انتظام کی وجہ سے لوگوں نے متوکل کو بڑا سراہا اور اس کی بھلائی کے لئے بڑی دعائیں کی گئیں، یہاں تک کہ لوگ کہنے لگے کہ خلیفہ تو صرف تین ہی ہوئے ہیں ایک حضرت ابو بکر صدیقؓ جنہوں نے مرتدین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا، دوسرے حضرت عمر فاروقؓ جنہوں نے دنیا میں مظالم کا خاتمہ کیا اور تیسرے متوکل ہیں جنہوں نے سنت نبویؐ کا احیاء کیا، اسی وجہ سے بعض لوگ متوکل کو ”محی السنہ“ کے خطاب سے یاد کرنے لگے۔²⁶⁵

احیاء سنت کے بارے میں متوکل علی اللہ نے جو سعی کی مورخین اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قتل متوکل کے ایک ماہ بعد کسی نے خواب میں اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اس نے جواب دیا کہ ”میں نے احیاء سنت کے سلسلے میں جو معمولی سی کوشش کی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض میرے تمام گناہ معاف کر دیئے“²⁶⁶۔ متوکل کے اس کام پر ابو بکر بن خبازہ نے متوکل کی تعریف میں بڑا ہی عالیشان اور نفیس قصیدہ لکھا²⁶⁷۔ بن کثیر کے بقول اسے حضرت عمر بن عبد العزیز سے تشبیہ دی جانے لگی کیونکہ متوکل علی اللہ نے عباسی خلفاء کے ظالمانہ قوانین کا خاتمہ کیا²⁶⁸۔

متوکل علی اللہ کا حضور اکرم ﷺ سے عقیدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب اسے حضور اکرم ﷺ کا وہ نیزہ ملا جسے شاہ حبشہ نجاشی نے آپ ﷺ کی خدمت میں بھجوایا تھا اور آپ ﷺ اس نیزے کو آگے کھڑا کر کے نماز ادا فرماتے تھے تو اس کے ملنے پر متوکل کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ متوکل نے اسے چو ما پھر آنکھوں اور سینے سے لگایا، بعد ازاں اس کے حکم سے پولیس افسر وہ نیزہ لے کر اس کے آگے آگے چلتا²⁶⁹، لوگوں کے بقول اس سے قبل خلیفہ کو کبھی بھی اتنا خوش نہ دیکھا گیا²⁷⁰۔

متوکل علی اللہ رسول اللہ کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ سے بھی بڑی عقیدت و محبت رکھتا تھا، کسی بھی صحابی رسولؐ کی شان میں گستاخی اس کے لئے ناقابل برداشت تھی جب اہل بغداد کے سترہ معتبر لوگوں نے احمد بن محمد بن عاصم²⁷¹ کے خلاف قاضی ابو حسان زیاد دی کے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

پاس شہادت دی کہ اس نے حضرت عائشہؓ، حضرت صفہؓ اور شہین (حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ) کو گالیاں دی ہیں ²⁷² بتو قاضی ابوحسان زیادہ نے تحقیق کے بعد ساری صورتحال متوکل کو لکھ بھیجی، اس کے جواب میں خلیفہ نے حکم دیا کہ ”پہلے احمد بن محمد بن عاصم کو مجمع عام میں گالی دینے کی سزا دی جائے، بعد ازاں ان صحابہ کرامؓ کی شان میں گستاخی پر پانچ سو کوڑے مارے جائیں پھر اگر یہ مرجائے تو اسے غسل اور نماز جنازہ کے بغیر دریائے دجلہ میں پھینک دیا جائے نیز اس کی نعش اس کے ورثاء کے حوالے ہرگز نہ کی جائے، یہ سزا دین میں الحاد پیدا کرنے والوں اور جماعت المسلمین سے نکل جانے والوں کی ہے تاکہ آئندہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں ²⁷³۔ اسی طرح متوکل علی اللہ نے علی بن جہم شاعر کو حضرت علیؓ سے بغض و عناد رکھنے کے جرم میں خراسان جلاوطن کر دیا۔ ²⁷⁴ جہاں مقام خشکبات میں کلیبوں نے اسے قتل کر دیا۔ ²⁷⁵

اہل حرم سے اس کی عقیدت و محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک سال شدید خشک سالی میں متوکل علی اللہ نے ایک لاکھ اشرفیاں خرچ کر کے مکہ اور عرفات میں پانی کی بہم رسانی کو ممکن بنایا۔ ²⁷⁶

اپنے اسلاف کے برعکس متوکل علی اللہ کا رویہ امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ بڑا مثبت اور ہمدردانہ رہا۔ متوکل نے 237ھ / 851ء میں عبداللہ بن اسحاق کو لکھا کہ امام احمد بن حنبلؒ کو جیسے بھی ممکن ہو میرے پاس بھجوانے کا انتظام کرو کیونکہ مجھے ان کی زیارت اور قرب کی خواہش ہے تاکہ میں ان کی دعا سے برکت حاصل کر سکوں، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ خلیفہ کے اصرار اور اپنی علالت کے باوجود سرمن رائی چلے آئے، اس دوران روزانہ سرکردہ امراء مملکت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور خلیفہ کی طرف سے آپ کو نیک خواہشات کے پیغام پہنچاتے ²⁷⁷، خلیفہ کی طرف سے آپ کو ہر قسم کی سہولیات بہم پہنچائیں گئیں ²⁷⁸ لیکن آپ نے ان سہولیات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ دراصل امام موصوف کو بغداد سے سرمن رائی بلانے میں چند مصلحتیں کا فرما تھیں ایک تو خلیفہ متوکل زیادہ سے زیادہ آپ کی صحبت سے فیضیاب ہونا چاہتا تھا، دوسرے خلیفہ کی یہ خواہش تھی کہ چونکہ لوگ عرصہ دراز سے آپ کے درس سے محروم رہے اب جبکہ خدا کی طرف سے تمام مصیبتیں اٹل چکی ہیں لہذا آپ دوبارہ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کریں لیکن آپ نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ”میرے منہ میں دانت تک نہیں ہیں اور اب میں بہت کمزور ہو گیا ہوں لہذا میں یہ خدمت سرانجام دینے سے قاصر ہوں ²⁷⁹، اسی دوران روزانہ آپ کے پاس انواع و اقسام کے کھانے، پھل اور برف آتی رہی لیکن آپ ان چیزوں میں سے کچھ بھی لینے کے روادار نہ تھے بلکہ اس دوران آپ خالی پیٹ اور روزے سے ہی رہے، ایک موقع پر خلیفہ کی طرف سے آپ کو خطیر مال و اسباب بھیجا گیا جسے آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن آپ کے اہل و عیال اور چچا نے اسے قبول کر لیا، اس پر امام موصوف نے اپنے اہل و عیال اور چچا کی سخت ملامت کی ²⁸⁰۔ سرمن رائی میں قیام کے دوران خلیفہ کی خواہش پر امام احمد بن حنبلؒ کو المعتر بن متوکل کے گھر لایا گیا تاکہ ان سے خلیفہ کے بیٹے المعتر بن متوکل کے لئے دعا کرائی جاسکے اور خلیفہ کی ماں بھی آپ کی زیارت کر سکے، گھر پہنچنے پر امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے المعتر بن متوکل کو بٹھاتے ہوئے اس کے مودب نے کہا ”اللہ امیر کا بھلا کرے جس نے خلیفہ کو مشورہ دیا کہ وہ تیرا مودب ہو“ اس پر المعتر نے کہا ”انھوں نے مجھے کچھ سکھایا تو میں اسے ضرور سیکھوں گا“ امام احمد

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

281

بن حبلؓ فرماتے ہیں کہ ”میں صغریٰ میں المعز بن متوکل کی زہانت سے حیران رہ گیا کیونکہ وہ اس وقت بہت ہی چھوٹا بچہ تھا“

اس موقع پر متوکل علی اللہ نے خود آپ کو قیمتی خلعت، کپڑے، ٹوپی اور چادر پہنائی۔ اس دوران امام موصوف بالکل خاموشی سے بیٹھے رہے، (مگر بغداد جا کر آپ نے یہ تمام چیزیں فروخت کر کے ان کی رقم فقراء و مساکین میں تقسیم کر دیں) اس کے بعد امام احمد بن حنبلؓ

282

اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے اور متوکل کی ناراضگی و غضب سے پناہ مانگتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گئے۔

سرمں رائی میں قیام کے دوران خلیفہ امور مملکت کے بارے میں آپ کی مشاورت سے امراء و قاضیوں کا تقرر عمل میں

283

لانا رہا۔ قاضی یحییٰ بن اسلم کو آپ کے مشورے سے ہی چیف جسٹس مقرر کیا گیا۔²⁸⁴

امام احمد بن حنبلؓ سے متوکل کے احترام و عقیدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ خلیفہ نے اس شخص کو کوڑے لگوانے کا حکم دیا جس نے امام احمد بن حنبلؓ پر زندقہ کا الزام کر آپ کے آبا و اجداد پر سب و مہم کیا تھا²⁸⁵، تحقیق کے بعد متوکل علی اللہ نے عبد اللہ بن اسحاق کو حکم دیا کہ اسے دو سو کوڑے لگائے جائیں جبکہ عبد اللہ بن اسحاق نے اسے پانچ سو کوڑے لگوائے، خلیفہ نے عبد اللہ بن اسحاق سے زائد کوڑے مروانہ کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ میں نے دو سو کوڑے آپ کے حکم سے لگائے ہیں جبکہ باقی کوڑے ایک صالح شخص امام احمد بن حنبلؓ پر تہمت کی وجہ سے لگائے گئے ہیں۔²⁸⁶

متوکل کو اپنے باپ اور بھائی کے برعکس غیر شرعی اور معتزلی نظریات سے شدید نفرت تھی واثق باللہ کے بعد متوکل نے معتزلیوں کے بارے میں جو روش اختیار کی اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو وہ ذرا بھی غیر فطری اور حیرت انگیز نہ تھی کیونکہ یہ تغیر فوری طور پر وقوع پذیر نہیں ہوا بلکہ یہ سب کچھ تو مد ربی عمل کا نتیجہ تھا متوکل معتزلہ کے بارے میں انتقامی کاروائیاں کرنے کی بجائے ان کے اثر و نفوذ کو کم کرنے کی تدابیر سوچنے لگا اور اس نے حکم جاری کیا کہ

”آج کے بعد کوئی بھی شخص علم الکلام اور خلق قرآن کے بارے میں گفتگو نہ کرے (یعنی مسئلہ

خلق قرآن اور علم القرآن کے مناظروں اور مباحثوں پر پابندی عائد کر دی گئی) اور اگر اب

کسی نے علم الکلام کو سکھایا یا اس کے متعلق گفتگو کی تو موت تک اس کا ٹھکانہ زمین و آسمان پر

287

ہو گا یوں لوگ اب مناظروں کی بجائے قرآن و سنت میں مشغول ہو گئے۔“

اس کے ساتھ ہی عہد واثق میں جن لوگوں کو عقیدہ خلق قرآن کی مخالفت کی وجہ سے نشانہ ستم بنا کر قید کر دیا گیا تھا انہیں متوکل علی اللہ نے رہائی بخشی²⁸⁸، لیکن اس کے باوجود معتزلہ کے ظاہری دم خم اور شان و شوکت میں کوئی فرق نہ آیا یہاں تک کہ احمد بن ابی داؤد ابھی تک

289

قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھا جب اسے معزول بھی کیا گیا تو اس کے بیٹے ابو الولید بن احمد بن ابی داؤد کو قاضی القضاۃ مقرر کر دیا تھا

290

، وجہ یہ تھی کہ متوکل امور مملکت میں معتزلہ کے اختیار و اقتدار کی وجہ سے خوف زدہ تھا اس لئے وہ جلد بازی میں ان کے خلاف کوئی فیصلہ کر

نے سے احتراز کر رہا تھا چنانچہ احمد بن نصر کی نیش کو جو گزشتہ چھ سالوں سے صلیب پر لٹک رہی تھی متوکل علی اللہ نے تخت خلافت پر متمکن ہوتے

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ہی اتنا راجا چاہا لیکن معتزلہ کی ہنگامہ آرائی اور فتنہ و فساد کے اندیشے سے وہ ایسا کرنے سے باز رہا²⁹¹۔

234ھ/848ء میں متوکل نے معتزلہ کے خلاف عملی اقدام کا فیصلہ کیا، اس نے فقہا و محدثین اور مؤرخین کو سرمن رائی میں طلب کر

کے انہیں انعام و اکرام سے نوازا اور ان کے لیے وظائف مقرر کئے، نیز علمائے حق کو حکم دیا کہ وہ نظریہ خلق قرآن کے خلاف اور رویت باری تعالیٰ کے حق میں لوگوں کو وعظ کریں تاکہ معتزلہ کے عقائد باطلہ کا رد کیا جاسکے²⁹²۔

237ھ/851ء میں متوکل علی اللہ نے الاعلان معتزلہ کے خلاف اپنی برہمی اور غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے ابو الولید بن

احمد بن ابی داؤد کو منصب مظالم عسکر (امور فوجداری) اور قاضی القضاۃ کے عہدوں سے معزول کر دیا²⁹³۔ متوکل نے اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ

ابو الولید اور اس کے بھائیوں کو حوالہ زنداں کیا، ان کی اور ان کے باپ احمد بن ابی داؤد کی تمام املاک کو ضبط کر لیا²⁹⁴ اور انہیں اس وقت تک

رہا نہ کیا جب تک کہ ان سے ایک لاکھ ساٹھ ہزار دینار و بیس ہزار دینار کے ہیرے جو ہرات بطور جرمانہ وصول نہ کر لیے²⁹⁵۔ بعد ازاں

ان کے پورے خاندان کو سامراء سے بغداد منتقل کر دیا اور یہیں پر احمد بن ابی داؤد اور اس کے بیٹے ابو الولید کا انتقال ہوا²⁹⁶۔ معتزلی

اکابرین پر عتاب کے بعد متوکل نے احمد بن نصر کی نعش اور سر کو صلیب سے اتار کر دفن کرنے کی اجازت دی²⁹⁷۔ اس کے بعد ہی خلیفہ امام

احمد بن حنبلؒ کو سرمن رائی میں بلوا کر ان کی صحبت سے فیضیاب ہوا²⁹⁸۔ احمد بن ابی داؤد کے بعد اب محمد بن عبد الملک الزیات کی باری

تھی۔ خلیفہ کے حکم سے پہلے ابن الزیات کے گھر کا سب کچھ یعنی اثاثہ البیت، سواریاں، جانور، لونڈیاں اور غلام قصر ہارونی میں بھجوا دیے

گئے²⁹⁹، نیز ابو الوزیر کو حکم دیا گیا کہ ابن الزیات اور اس کے گھر والوں کی جس قدر املاک ہیں وہ بحق سرکار ضبط کر لی جائیں یہاں تک کہ

سامراء میں بھی ہر چیز کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا، مال و اسباب کی وصولی کے بعد خلیفہ نے راشد مغربی کو ابن الزیات کے تجارتی اثاثے

ضبط کرنے کا حکم دیا چنانچہ راشد مغربی نے اس کے غلام روح کو گرفتار کیا جو اس کے گھر اور مال و زر کا منتظم تھا، تفتیش کے بعد بغداد میں ابن

الزیات کے متعدد کارخانے پائے گئے جن میں گیہوں، آٹا، جَو، دانے، تیل، انجیر اور ہر طرح کا مال تجارت موجود تھا دوران تفتیش ایک ایسا

گھر بھی ملا جو پورے کا پورا کپڑے سے بھرا ہوا تھا، اس دوران نوے ہزار دینار کا سامان تجارت بھی قرق کر لیا گیا³⁰⁰۔

مال کی وصولی کے بعد ابن الزیات کو قید کر دیا گیا، دوران قید اسے صرف اتنا کھانا میسر آتا جس سے اس کی سانسیں بحال رہ سکیں،

اسے کئی کئی رات دن سونے نہ دیا جاتا جب یہ سونے کی کوشش کرتا تو اسے سوئیاں چھوئی جاتیں۔ آخر اسے ایسے تنور میں ڈال دیا گیا جو اس نے

لوگوں کو اذیت ناک موت سے دوچار کرنے کے لیے خود تیار کیا تھا۔³⁰¹ کئی روز تنور میں رکھنے کے بعد اسے نکال کر پچاس تازیانے لگائے

گئے، یہاں تک کہ پٹے پٹے ہی اس کا دم نکل گیا۔ اس کے اعمال بد کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب اس کی نعش اس کے

بیٹوں عبید اللہ بن محمد بن عبد الملک اور سلیمان بن محمد بن عبد الملک کے سپرد کی گئی تو انہوں نے کہا ”الحمد للہ کہ اس فاسق سے نجات مل

گئی۔“³⁰² اس کے بیٹوں نے اسے اسی لکڑی پر جس پر ابن الزیات کو تازیانے لگائے گئے تھے غسل دے کر دفن کر دیا، قبر چونکہ گہری نہ

کھودی گئی تھی اس لیے کتے اس کی نعش نکال کر اس کا گوشت کھا گئے۔³⁰³ ابن الزیات کو اس ذلت آمیز سلوک سے اس لیے دوچار ہونا

پڑا کہ عہدِ واثق میں اسی کے مشوروں سے ہی خلیفہ واثق باللہ علمائے حق پر ظلم و ستم کرتا تھا۔

جس کے بارے میں بھی خلیفہ متوکل علی اللہ کو پتہ چل جاتا کہ وہ معتزلی اور سرکاری ملازم ہے اسے فوراً نوکری سے برخاست کر دیا

304

جائز اس کی تمام املاک سرکاری تحویل میں لے لی جاتیں۔

متوکل علی اللہ زندیقوں اور ملحدوں کا سخت دشمن تھا یہی وجہ تھی کہ اسے جس کے بارے میں ذرا بھی شبہ ہوا کہ فلاں شخص زندیق ہے اس نے بغیر کسی مصلحت کے اس کے استیصال سے گریز نہ کیا۔ عہدِ متوکل میں نیشاپور سے ستائیس آدمیوں کی معیت میں محمود بن فرج نیشاپوری اپنے اہل خانہ کے ساتھ بغداد میں وارد ہوا۔ یہ اپنے آپ کو نبی اور ذوالقرنین گردانتا تھا۔ اس کے معتقدین بھی اس کی نبوت کا اقرار کرتے اور کہتے تھے کہ اس پر جبرائیل کے ذریعے وحی آتی ہے۔ ان لوگوں کے پاس ایک مصحف تھا جسے اس کے مقلدین پڑھتے اور اس کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ محمود بن فرج نیشاپوری کا قرآن ہے جسے جبرائیل ان کے پاس لایا تھا۔

متوکل علی اللہ کو جب ان لوگوں کے فاسدانہ اور ملحدانہ عقائد کا علم ہوا تو اس نے محمود نیشاپوری کو سوتا زیا نے مارنے کا حکم دیا۔ تازیانے مارنے سے قبل اس کی ہکذیب کے ساتھ ساتھ اس کے مقلدین نے اس کے منہ پر دس دس ٹھانچے مارے، تازیانے کھانے کے باوجود بھی یہ (معاذ اللہ) اپنی نبوت سے منحرف نہ ہوا، یہاں تک کہ یہ تازیانے کھانا کھاتا ہی دنیا سے رخصت ہو گیا۔³⁰⁵

اس کے مقلدین میں ایک ضعیف العمر شخص بھی تھا جو اس پر وحی کے نازل ہونے کی شہادت دیتا تھا۔ اس بوڑھے کو ابھی چالیس تازیانے ہی لگے تھے کہ وہ محمود بن فرج نیشاپوری کی نبوت سے منحرف ہو گیا۔ محمود نیشاپوری کی موت کے بعد اس کے مقلدین کو قید کر دیا گیا، دورانِ قید ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ متوکل کی بیدار مغزی سے ایک نئے نئے فتنے کے پیدا ہوتے ہی اس کی بیخ کنی کر دی گئی۔

متوکل نے مصر کے قاضی القضاۃ ابو بکر محمد بن ابولیت کو معزول کر کے اس کی جگہ حارث بن مسکین (جو امام مالک کا شاگرد تھا) کو تعینات کیا گیا ابو بکر محمد بن ابولیت پر فرقہ ہیمیرہ³⁰⁶ کے خفیہ سردار ہونے اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے کے الزامات تھے۔ خلیفہ متوکل نے حکم دیا کہ ابو بکر محمد بن ابولیت کو برسا زار روزانہ بیس کوڑے مارے جائیں۔ نیز اس کی داڑھی منڈوا کر، اسے گدھے پر سوار کر کے اس کی خوب تذلیل کی جائے تاکہ مظلوموں کی اشک شوقی ہو سکے³⁰⁷۔ الغرض متوکل نے ذندیقوں اور ملحدوں سے آہنی ہاتھوں سے نمٹ کر بدعت اور اہل بدعت کا خاتمہ کیا اور احیائے سنت کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دیں³⁰⁸۔

متوکل رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے ہمیشہ ہی کوشاں رہتا اور رعایا کو پہنچنے والی ہر تکلیف کا مداوا کئے بغیر آرام و سکون سے نہ بیٹھتا، چنانچہ اس نے اپنے عہدِ حکومت میں رومیوں کے استیصال میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی اور اسے جب بھی موقع ملا اس نے رومیوں کی قید میں مسلمانوں کی رہائی کے لیے مقدور بھر کوششیں کیں یعنی کبھی فدیہ دے کر اور کبھی رومی علاقوں پر چڑھائی کر کے مسلمانوں کو آزاد کر وایا۔ 241ھ/855ء میں رومیوں نے عیث وزربہ پر غارتگری کر کے اہل زط کے مسلمانوں کو غلام بنا کر ملکہ روم تزرورہ کے پاس لے گئے، ان قیدیوں میں مردوں کی تعداد سات سو پچاس جبکہ عورتیں اور بچے ایک سو پچاس تھے۔³⁰⁹ اس سے قبل بھی ملکہ روم کی قید میں بیس ہزار مسلمان

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

موجود تھے³¹⁰، ان تمام قیدیوں کو ملکہ روم کے سامنے عیسائیت قبول کرنے کی پیش کش کی گئی، جو مسلمان اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لیتے انہیں چھوڑ دیا جاتا اس کے برعکس انکار کرنے والوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا جاتا۔³¹¹ چنانچہ عیسائیت قبول نہ کرنے والے بارہ ہزار مسلمان قیدیوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا، اس کے باوجود بھی کافی مسلمان بچ گئے۔ ان کے بارے میں ملکہ روم نے خلیفہ متوکل کو پیغام بکھوایا کہ باقی ماندہ قیدیوں کا فدیہ دے دیا جائے تو انہیں رہا کیا جاسکتا ہے متوکل علی اللہ نے اپنے خادم حنیف اور قاضی بغداد جعفر بن عبد الواحد کو ڈیڑھ لاکھ درہم فدیہ کے لیے اور ساٹھ ہزار درہم ان کے مان و نفقہ کے لیے دے کر روم روانہ کیا۔³¹² اس طرح رومی قید سے سات سو پچاس مردوں اور ایک سو پچاس عورتوں کو رہائی میسر آئی۔³¹³

اسی طرح 246ھ/860ء میں متوکل روم میں قید چار ہزار مسلمانوں کی رہائی تک بے چین رہا³¹⁴ اور اسے اس وقت تک سکون میسر نہ آیا جب تک کہ یہ قیدی اپنے اپنے گھروں میں پہنچ نہ گئے۔³¹⁵

اس کے بعد بھی رومیوں نے اپنی شریکستانہ کارروائیوں کا سلسلہ جاری رکھا، اب متوکل نے رومیوں کے آئے دن کی قتل و غارت سے تنگ آ کر انہیں سبق سکھانے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کے لیے اس نے بغا کبیر کو ایک لشکر جبار کے ساتھ روم روانہ کیا، بغا کبیر نے روم میں داخل ہوتے ہی جنگ و خونریزی کی ایسی ہولی کھیلی کہ رومی الامان! الامان! پکاراٹھے، اس معرکے میں رومیوں کے بڑے بڑے جرنیل کام آئے سینکڑوں شہروں اور دیہاتوں کو برباد و ویران کر دیا گیا۔ متوکل کی رومیوں پر اس فوج کشی کا فائدہ یہ ہوا کہ اس واقعے کے کافی عرصہ بعد تک رومیوں کو اسلامی شہروں پر دوبارہ حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔³¹⁶

عہد متوکل میں قوم بجاۃ³¹⁷ نے رومیوں کی طرح بلاد بجاۃ میں رہنے والے مسلمانوں کا ناحق خون کیا، مقتول مسلمانوں کے بیوی بچوں کو غلام بنا لیا نیز بجاۃ میں رہنے والے مسلمانوں پر کان کنی کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیے قوم بجاۃ کی خونریزی دیکھتے ہوئے باقی ماندہ مسلمانوں نے وہاں سے نقل مکانی شروع کر دی۔³¹⁸ اس سے قبل قوم بجاۃ اور عباسی خلافت کے درمیان معاہدہ چلا آ رہا تھا کہ علاقہ بجاۃ میں رہنے والے مسلمان قوم بجاۃ پر حملہ آور ہوں گے اور نہ ہی قوم بجاۃ مسلمانوں پر غارت گری کرے گی۔ نیز یہاں پر آباؤ مسلمان حسب سابق کان کنی کے فرائض سرانجام دیتے رہیں گے۔ مزید یہ کہ قوم بجاۃ ہر سال عباسی خلیفہ کو بجاۃ میں ٹکٹنے والے سونے اور جواہرات کا خُس (یعنی چار سو مثقال سونا) دیا کرے گی۔³¹⁹ لیکن قوم بجاۃ کی معاہدے سے خلاف ورزی کے نتیجے میں جہاں ناحق مسلمانوں کا خون ہوا وہاں اس کے ساتھ ساتھ عباسی حکومت کے محاصل میں بھی نمایاں کمی واقع ہوئی۔ چنانچہ متوکل علی اللہ نے قوم بجاۃ کو ان کی وعدہ خلافیوں کا مزہ پکھانے کے لیے محمد بن عبد اللہ المعروف باقمی کو مکمل تیاری کے ساتھ بلاد بجاۃ روانہ کیا۔ فریقین میں گھسان کارن پڑا، اس معرکے میں قوم بجاۃ کے ہزاروں لوگ قہرہ اجل بن گئے اور اتنے ہی قید ہوئے۔ آخر شکست و موت کو سامنے دیکھتے ہوئے قوم بجاۃ کے سردار علی بابا نے باقمی سے امان طلب کی، جسے امان دے کر دوبارہ خلافت میں پیش کیا گیا۔³²⁰ علی بابا نے آئندہ مسلمانوں کے قتل و غارت گری سے باز رہنے، مسلمانوں کو دوبارہ کان کنی پر مامور کرنے اور گزشتہ چار سال کا خُس ادا کرنے کا وعدہ کیا اس پر علی بابا کو رہائی نصیب

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ہوئی۔³²¹ اس کے بعد عہد متوکل میں قوم بجاۃ نے پھر کبھی مسلمانوں پر دست درازی کی کوشش نہ کی۔ رعایا کے بارے میں متوکل اکثر کہا کرتا تھا کہ گزشتہ خلفاء رعایا پر اپنی اطاعت کی خاطر سختی کرتے تھے اور میں رعایا پر اس لیے مہربان ہوں کہ وہ بخوشی میری فرمانبرداری کرتے رہیں۔³²²

متوکل علویوں کا ازلی دشمن ہونے کے باوجود کبھی کبھار ان سے حسن سلوک بھی کرتا تھا۔ ایک بار متوکل نے ابوالحسن علی بن محمد علوی سے چند اشعار سننے کی فرمائش کی چنانچہ ابوالحسن علی بن محمد نے متوکل کو قیامت کے بارے میں کچھ ایسے اشعار سنائے جنہیں سن کر خلیفہ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، یہاں تک کہ وہاں پر موجود سب حاضرین اشکبار ہو گئے۔ اس کے بعد ابوالحسن علوی کو چار ہزار دینار دے کر بڑی عزت و تکریم سے رخصت کیا۔³²³

متوکل اچھا شعری ذوق رکھنے کی وجہ سے شعراء کو گرانقدر عطیات اور انعام دینے میں بھی اپنی مثال آپ تھا۔ سیوطی کا بیان ہے کہ ایک دفع مروان بن ابی جنوب نے متوکل کی شان میں ایک عالیشان قصیدہ سنایا، یہ قصیدہ سن کر متوکل عیش کراٹھا۔ پھر اس نے خوش ہو کر مروان بن ابی جنوب کو ایک لاکھ تیس ہزار درہم نقد اور کپڑے کے پچاس تھان دیتے ہوئے کہا، ”میں اس وقت تک ہاتھ نہ روکوں گا جب تک میرا انعام تجھے ڈوب نہ دے۔“³²⁴

اسی طرح حسن بن الضحاک الخلیج نامی شاعر نے متوکل کو چند اشعار سنائے، متوکل کو یہ اتنے پسند آئے کہ اس نے ہر شعر کے بدلے حسن بن الضحاک کو سو سو دینار انعام دینے کا حکم دیا۔³²⁵

متوکل کس نفسی کا پیکر تھا۔ تکبر تو اسے چھو کر بھی نہ گیا تھا۔ ایک دفعہ یہ عید کی نماز پڑھ کر واپس اپنے محل آ رہا تھا کہ اس نے لوگوں کے اثر دہام کو دیکھا جو اس کے اشارہ امد و پرکٹ مرنے کے لیے تیار تھے۔ اس نے اپنی یہ شان و شوکت اور جاہ و جلال دیکھتے ہوئے مٹھی بھر خاک اپنے سر میں ڈال لی۔ پھر اپنے آپ سے یوں مخاطب ہوا،

”میں نے اس قدر لوگوں کی کثرت دیکھی جو سب کے سب میرے زیر دست تھے اس لیے میں نے یہ پسند کیا کہ اللہ عزوجل کے لیے تواضع کروں۔“³²⁶

متوکل کا قول ہے۔

”اللہ کی ذات پر اس کے سوا کوئی دلیل نہیں، علم کو آداب خدمت کے لیے طلب کیا جاتا ہے جس نے دنیا کو پہچان لیا وہ اس سے بے رغبت ہو گیا اور جس نے آخرت کو پہچان لیا اس نے اس میں رغبت کی اور جس نے اللہ کو پہچانا اس نے اس کی رضا کو ترجیح دی اور جس نے دنیا کی طرف نظر ارادت اور محبت سے دیکھا اللہ تعالیٰ اس کے دل میں نور یقین اور زہد پیدا کر دے گا۔“³²⁷

متوکل علماء و فقہاء کی بڑی قدر کرتا تھا۔ ہشام بن عمار کا بیان ہے کہ متوکل کہتا تھا،

”افسوس! کاش کہ امام شافعی محمد بن ادریس اس زمانے میں زندہ ہوتے تو میں ان سے ملاقاتیں کرتا، ان کے دیدار سے فیضیاب

ہونا اور ان سے تعلیم حاصل کرتا“

متوکل اس بارے میں کہتا تھا کہ ”مجھے رسول اللہؐ نے خواب میں بشارت دیتے ہوئے کہا ہے، ”لوگو! امام شافعیؒ محمد بن ادریس اللہ کی رحمت سے پیوست ہو گئے جبکہ وہ تمہارے لیے بہترین علم چھوڑ گئے ہیں، اس لیے اگر تم ان کی راہ پر چلو گے تو ہدایت یافتہ رہو گے۔“³²⁸

اپنے پیشروؤں کی تقلید میں اس نے بھی اپنی انگوٹھی پر درج ذیل الفاظ کندہ کروائے

329

”جعفر علی اللہ یو کل“ جعفر کا اللہ پر بھروسہ ہے۔

اپنے آباؤ اجداد کی طرح متوکل علی اللہ کو بھی عیسائیوں سے سخت نفرت تھی۔ متوکل جو پہلے ہی رومیوں کی آئے دن کی قتل و غارت گری سے تنگ تھا۔ 237ھ / 851ء میں حمص کے نصاریٰ نے بلوایوں کے ساتھ مل کر متوکل علی اللہ کے گورنر حمص ابوالمغیث موسیٰ رافعی کو دارالامارت سے نکال کر اس کے ذاتی محافظوں کو قتل کر ڈالا۔ اس واقعے کے بعد متوکل نے دارالخلافہ، دمشق اور رملہ سے کثیر افواج کو حمص بچھوا کر بلوایوں کی بغاوت کو فرو کیا، اس معرکے میں کامیابی کے بعد بلوایوں کے ساتھ ساتھ نصاریٰ کے سرکردہ لوگوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار کر ان کی نعشوں کو ان کے دروازوں پر صلیب دے دی گئی۔³³⁰ باقی ماندہ عیسائیوں کو شہر بدر کر دیا گیا۔ اس کے بعد متوکل علی اللہ کی طرف سے سرکاری فرمان جاری کیا گیا کہ

_____ اسلامی سلطنت میں تغیر ہونے والے تمام نئے گرجا گھروں کو مسمار کر دیا جائے البتہ پرانے گرجا گھروں کو قائم رہنے دیا جائے۔

_____ عیسائیوں کے گرجا گھروں سے بھی عشر وصول کیا جائے۔

_____ جو گرجا گھر ضرورت سے زیادہ وسیع ہوں، ان کے غیر ضروری حصوں کو منہدم کر کے اس کی جگہ نئی مساجد تعمیر کر دی جائیں، تاہم اگر

_____ مذکورہ جگہ مساجد کے لیے کافی ہو تو اسے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے۔³³¹

_____ عیسائیوں کے گھروں پر شیطین کی تصاویر بنی ہوں جس سے ان کے گھر مسلمانوں کے گھروں سے الگ نظر آئیں۔³³²

_____ عیسائیوں اور ذمیوں کو سلطنت کے ایسے عہدوں پر تعینات نہ کیا جائے جہاں پر مسلمانوں کے دینی احکامات کا اجراء ہوتا ہو۔

_____ نصاریٰ کی درسگاہوں میں مسلمانوں کے بچے نہ پڑھیں اور نہ ہی عیسائی مدارس میں مسلمان اساتذہ عیسائی بچوں کو پڑھائیں۔

_____ شعانین³³³ کے تہوار پر صلیب کا جلوس نکالنے پر پابندی عائد کر دی گئی۔

_____ مجوسیوں کو صرف سڑک کے کنارے چلنے کی اجازت ہوگی۔

_____ نصاریٰ کی قبریں زمین کے برابر ہوں گی تاکہ مسلمانوں کی قبروں سے ان کی مشابہت نہ رہے۔³³⁴

_____ تمام ذمی کمر بند کی بجائے زنار³³⁵ پہنیں گے۔

_____ اسلامی ریاست میں بسنے والے تمام ذمی اپنے گلے میں لکڑی کے منکے پہنیں تاکہ وہ مسلمانوں سے الگ نظر آئیں۔

_____ ذمیوں کے لیے گھڑ سواری کو ممنوع قرار دے دیا گیا تاہم انہیں گدھے اور خچر پر سواری کی اجازت تھی۔³³⁶

_____ ایسے کاغذ استعمال نہ کریں جن پر مسلمانوں کے بارے میں احکام ہوں۔

متوکل علی اللہ کے مندرجہ بالا اقدامات اگرچہ عیسائیوں کی مسلم دشمنی کا رد عمل تھے، تاہم اس کا یہ عمل سنت رسولؐ کے برعکس تھا۔ اس کی مثال عہد رسالت میں حضور اکرامؐ کے اہل نجران کے ساتھ معاہدے سے دی جاسکتی ہے۔ اس معاہدے کی چند ایک دفعات کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

”نجران کے اساقفہ (پادریوں کے سردار یا بشپ) میں سے کسی کو اس کی استقیفہ ترک نہ کرائی جائے گی، نہ کسی راہب سے اس کی راہبانیت چھڑائی جائے گی، نہ ہی کسی کاہن سے اس کی کہانت ترک کرنے کا کہا جائے گا اور نہ ہی اس پر کسی قسم کی ذلت مسلط کی جائے گی۔“³³⁸

خلیفہ بننے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا رویہ بھی ذمیوں کے ساتھ بڑا ہمدردانہ رہا۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروقؓ نے ایک نابینا یہودی کو مانگتے ہوئے دیکھا تو آپؓ اسے اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ پہلے آپؓ نے خود اس کی مالی معاونت فرمائی پھر خازن بیت المال سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا،

”اس کا اور اس جیسے دوسرے افراد کا خیال رکھا کرو، کیونکہ یہ بات انصاف سے بعید ہے کہ ہم جوانی میں ان سے جزیہ وصول کر کے کھائیں اور بڑھاپے میں انہیں تنہا چھوڑ دیں۔“³³⁹

حضرت عمر فاروقؓ جب بیت المقدس گئے تو آپؓ نے ان (عیسائیوں) کے کلیساؤں میں نماز ادا کرنے سے اجتراز کیا، مبادا مسلمان اسے مثال بنا کر کلیساؤں کو مساجد میں تبدیل کر دیں۔

مندرجہ بالا واقعات سے ہم بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام ذمیوں کو جزیہ کے عوض وہ تمام حقوق اور آزادیاں دیتا ہے جو اسلامی ریاست میں بسنے والے مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے ہمیں متوکل علی اللہ کے مندرجہ بالا اقدامات سنت نبویؐ اور خلفائے راشدین کی سیرت سے متصادم نظر آتے ہیں۔ اپنے اسلاف کی طرح متوکل میں خوبیوں کے علاوہ چند سنگین خرابیاں بھی تھیں اسے بھی علویوں سے خدا واسطے کا پیر تھا۔ وہ ان سے بغض و عداوت رکھتا تھا۔³⁴⁰ اس نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی روضہ حسینؑ اور اس کے ارد گرد کی قبروں کو مسمار کر کے اس کی جگہ کاشتکاری کا حکم دیا، اور یہ علاقہ عرصہ دراز تک ویران و غیر آباد رہا۔³⁴¹

مزار حسینؑ کے نشانات کی زیارتوں پر بھی پابندی عائد کر دی گئی متوکل نے حکم دیا کہ روضہ حسین کے اطراف میں رہنے والے لوگ اپنے اپنے گھروں اور حویلیوں کو تین دن کے اندر اندر خالی کر دیں بصورت دیگر ان کے گھروں کو مسمار کر کے ان کے مکینوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔³⁴² متوکل کے ان اقدامات سے لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہو گئے جس سے مشتعل ہو کر

لوگوں نے مساجد اور شہر بغداد کی دیواروں پر اس کے خلاف گالیاں لکھیں، شعراء نے اپنے کلام میں اس کی بڑی بھوک۔³⁴³ متوکل نے باغ فدک کو علویوں سے لے کر دوبارہ ضبط کر لیا۔³⁴⁴ یحییٰ بن عمر کو صرف علوی ہونے کے جرم میں پابند سلاسل کر دیا گیا۔³⁴⁵

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

دھیری کے بقول متوکل اپنے مصاحبین میں بیٹھ کر اکثر حضرت علیؑ کے نقائص بیان کرتا اور انہیں برا بھلا کہتا تھا۔ ایک دفعہ متوکل اپنے بیٹے المنصور کے سامنے بھی حضرت علیؑ پر تنقیص کرنے لگا جس سے اس کے بیٹے کا رنگ سرخ ہو گیا۔ اور وہ متوکل کا دشمن ہو گیا چنانچہ اس نے اپنے باپ کو قتل کروا دیا۔³⁴⁶

متوکل کی علویوں سے نفرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ اس نے اپنے بیٹوں (معتز اور مونسید) کے استاد علامہ یعقوب بن سکت سے پوچھا کہ ”معتز اور مونسید اچھے ہیں یا حسن و حسین؟“ یعقوب بن سکت نے جواب دیا ”ان سے تو قبر (حضرت علیؑ کا غلام) ہی اچھا ہے یہ سنتے ہی متوکل نے اپنے ترک غلاموں سے کہا کہ،

”اسے خوب کچلو، یہاں تک کہ یہ مر جائے۔“

چنانچہ ترکوں کے تشدد سے یعقوب بن سکت کا انتقال ہو گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ متوکل نے اس کی زبان کھنچوا دی، جس سے اس کی موت واقع ہوئی³⁴⁷۔ مسعودی کے بقول متوکل ہر وقت شراب و شباب میں مشغول رہتا تھا³⁴⁸۔ اس کی اسی شرابخواری اور بدمستی نے سلطنت عباسیہ کو تباہی و بربادی کی طرف دھکیل دیا۔³⁴⁹ متوکل علی اللہ نے، لایعنی، مضحکہ خیز اور مہمل باتوں کو اختیار کیا جو بادشاہوں کے لیے باعث تنگ و عار ہوا کرتی ہیں³⁵⁰۔

سیوطی اس کے بارے میں کہتا ہے کہ،

”متوکل اپنی خواہشات کا بندہ تھا اس کے پاس چار ہزار لونڈیاں تھیں، جن سب سے وہ محبت کر چکا تھا۔“³⁵¹

متوکل علی اللہ سابق عباسی خلفاء کی طرح وعدہ خلاف اور منتقم مزاج بھی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے ایٹاخ ترکی³⁵² کو جان کی امان دینے کے باوجود اپنے انتقام کا نشانہ بنایا اور قید کے دوران ہی پیاس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ بعد ازاں اس کی نعش کو دریائے دجلہ میں پھینک دیا گیا۔³⁵³ متوکل کا وبال صرف ایٹاخ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اس کے عہد میں ایٹاخ کے دونوں بیٹے منصور بن ایٹاخ اور مظفر بن ایٹاخ حوالہ زنداں ہی رہے۔ متوکل کے قتل کے بعد عہد منتصور میں انہیں رہائی نصیب ہوئی۔ ایٹاخ ترکی کی طرح متوکل علی اللہ نے محمد بن عبد الملک الزیات کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا۔ اس کی معزولی اور قتل کا ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔

یعقوبی کا قول ہے کہ،

”متوکل بڑا سخت گیر، بے رحم، لوگوں کے ساتھ بری طرح پیش آنے والا اور ان کا استخفاف کرنے والا تھا متوکل کا کہنا تھا کہ حیا، ہجرا پن، رحم کمزوری اور سخاوت حماقت ہے۔“ یہی وجہ تھی کہ متوکل اپنے مخالفین میں سے جب کسی کو مصیبت میں دیکھتا تو اس پر خوشی کا اظہار کرتا تھا۔³⁵⁴

سید امیر علیؑ اس کے بارے میں قسطنطین نے شراب خوری اور بدمستی میں غرق سلطنت عباسیہ کو تباہی و بربادی کی طرف دھکیل دیا اور خلافت عباسیہ کا زوال اسی کے عہد میں شروع ہوا۔“³⁵⁵

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

﴿حواشی﴾

- 1- یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح، تاریخ الیہو بی مترجم۔ اختر فچوری، نفس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، 1989ء، جلد 2، ص 685۔
- 2- بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، للنشر والتوزیع، الریاض، 1999ء، کتاب جزاء الصید، باب المحرم یموت بعرفة ولم یامر النبی ان یردی عنه بقیة الحج، ص 298، حدیث 1850۔
- 3- السیوطی، جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، سنہ 1305ھ۔
- 4- جلال اللہ، زہدی حسن، تاریخ معتزلہ مترجم۔ رئیس احمد جعفری، سعید۔ ایچ۔ ایم کمپنی، کراچی، 1969ء، ص 322۔
- 5- حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی مترجم۔ علیم اللہ صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1959ء، جلد 2، ص 136۔
- 6- ابن کثیر، عماد الدین الدمشقی، البدایہ والنہایہ، دار الفکر، بیروت، لبنان، 1978ء، جلد 5، حصہ 10، ص 242۔
- 7- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 302۔
- 8- المسعودی، علی بن الحسین بن علی، تنبیه الاشراف، مترجم۔ عبداللہ العماوی، ادارة الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی، حیدرآباد دکن، انڈیا، 1926ء، ص 239۔
- 9- ایضاً۔
- 10- طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، مطبعۃ الاستقلامۃ بالقاہرہ، مصر، 1939ء، جلد 7، ص 111۔
- 11- المسعودی، تنبیه الاشراف، ص 238۔
- 12- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 303۔
- 13- المسعودی، علی بن الحسین بن علی، مروج الذهب ومعاون الجوہر، دارالاندلس، لبنان، بیروت، 1965ء، جلد 3، ص 394-395۔
- 14- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 114۔
- 15- ابن خلدون، عبدالرحمان بن محمد بن محمد، کتاب العبر و دیوان المبتداء والخیر، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، 2003ء، جلد 1، ص 1164۔
- 16- ابن طقطقی، محمد بن علی بن طباطبائی، الفخری فی الادب السلطانی والدول الاسلامیہ، مترجم۔ محمود علی خاں، ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی، انڈیا، 1969ء، ص 315۔

- 17- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 224۔
 - 18- احمد امین مصری، تنجی الاسلام، مترجم۔ عمراحمہ عثمانی، دوست ایسوسی ایٹس، اردو بازار، لاہور، 1933ء، ص 159۔
 - 19- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 242۔
 - 20- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 102۔
 - 21- المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 3، ص 403۔
 - 22- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 301۔
 - 23- احمد امین مصری، تنجی الاسلام، ص 159۔
 - 24-A- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 102۔
 - 24-B. Joseph Hell, The Arab civilization, Translated by - S. Khuda Bakhsh,
 Shaikh Muhammad Ashraf, Kashmiri Bazar, Lahore, 1943, P-43.
 - 25- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 242۔
 - 26- احمد امین مصری، تنجی الاسلام، ص 159۔
 - 27- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 303۔
 - 28- حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 135۔
 - 29- المسعودی، تنبیہ الاشراف، ص 238۔
 - 30- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 304۔
 - 31- القرآن، 13:49۔
 - 32- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 105۔
 - 33- ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 314۔
 - 34- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 306۔
 - 35- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 275۔
 - 36- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 322۔
 - 37- _____ ایضاً _____
 - 38- _____ ایضاً _____
-

- 39۔ ایضاً
- 40۔ شبلی نعمانی، المامون، الاسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور، سن مذاور، ص 212۔
- 41۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 277۔
- 42۔ ایضاً، ص 267-268۔
- 43۔ المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجواهر، جلد 3، ص 421۔
- 44۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 278۔
- 45۔ ایضاً، ص 277۔
- 46۔ المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجواهر، جلد 3، ص 420۔
- 47۔ القرآن، 36:27۔
- 48۔ المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجواهر، جلد 3، ص 536۔
- 49۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 270۔
- 50۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 731۔
- 51۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1184۔
- 52۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 326۔
- 53۔ Karen Armstrong , Islam: A Short History, Nigarshat Publishers,
 Urdu Bazaar, Lahore, 2005, P-89
- 54۔ Ameer Ali, Syed, A Short History of the Saracens, Islamic Book Service,
 Lahore, 1926, P-266
- 55۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 175۔
- 56۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 720۔
- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 263۔
- 57۔ المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجواهر، جلد 3، ص 444۔
- 58۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 720-721۔
- 59۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 176۔

- 60۔ القرآن، 92:12۔
- 61۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 715۔
- 62۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1180۔
- 63۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 298۔
- 64۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 225۔
- 65۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 172۔
- 66۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1176۔
- 67۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 90۔
- 68۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 308۔
- 69۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 325۔
- 70۔ Hugh Kennedy, , The Early Abbasid Caliphate, Barnes and Noble Book, To Towa, New Jersey, U.S.A, 1981, P-157-158
- 71۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 90۔
- 72۔ Karen Armstrong, Islam: A Short History, .P-89
- 73۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 322۔
- 74۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1176۔
- 75۔ حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 141۔
- 76۔ ابن خلکان، احمد بن محمد بن امیرایم، وفیات الاعیان وابتاء الزمان، مترجم۔ اختر فتحپوری، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، 2000ء، جلد 3، ص 216۔
- 77۔ المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجواهر، جلد 3، ص 441۔
- 78۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 715۔
- 79۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1179۔
- 80۔ ایضاً
- 81۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 736۔

- 82- ابن خلکان، وفيات الاعیان، جلد 3، ص 218 -
- 83- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 249 -
- 84- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 150 -
- 85- یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 713 -
- 86- ابن خلکان، وفيات الاعیان، جلد 3، ص 713 -
- شبلی نعمانی، المامون، ص 85 -
- 87- Ameer Ali , A short History of the Saracens, P-267- 268.
- Morgan, Kenneth W, Islam: The Straight Path. Ronald Press Company,
 New Yark, U.S.A, 1958, P-309.
- 88- ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 323 -
- 89- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 280 -
- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 210 -
- 90- شبلی نعمانی، المامون، ص 214 -
- 91- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 277 -
- 92- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 316 -
- 93- _____ ایضاً _____ ص 328 -
- 94- _____ ایضاً _____ ص 326 -
- 95- ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 320 -
- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 306 -
- 96- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 275 -
- 97- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 306 -
- 98- _____ ایضاً _____ ص 307 -
- 99- _____ ایضاً _____ ص 321 -
- 100- _____ ایضاً _____ ص 322 -
-

- 101۔ المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجواهر، جلد 3، ص 419۔
- 102۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 328۔
- 103۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 267۔
- 104۔ _____ ایضاً _____ ص 277۔
- 105۔ _____ ایضاً _____ ص 270۔
- 106۔ ابو زہرہ، محمد، المذاہب الاسلامیہ مترجم۔ غلام احمد حریری، ملک سنز پبلشرز، کارخانہ بازار، فیصل آباد، 2004ء، ص 257۔
- 107۔ جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 326۔
- بغدادی، عبدالقادر بن طاہر بن محمد، الفرق بین الفرق، مترجم۔ علی محسن صدیقی، قرطاس، کراچی یونیورسٹی، کراچی، 2005ء، ص 295۔
- 108۔ جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 327۔
- 109۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 195-196۔
- 110۔ ابو زہرہ، محمد، امام احمد بن حنبل، مترجم۔ سائب حسین نقوی، مروہوی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹڈ، پبلشرز، لاہور، 1991ء، ص 111۔
- 111۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 206۔
- 112۔ ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 259۔
- ایضاً، امام احمد بن حنبل، ص 112۔
- 113۔ _____ ایضاً _____ ص 113۔
- 114۔ ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمن بن علی، مناقب الامام احمد بن حنبل، طبعة القاہرہ، 1930ء، ص 410۔
- 115۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 208۔
- 116۔ ابو زہرہ، امام احمد بن حنبل، ص 114۔
- 117۔ ایضاً، المذاہب الاسلامیہ، ص 260۔
- 118۔ _____ ایضاً _____ ص 257۔
- ایضاً، امام احمد بن حنبل، ص 145۔

- 120 - یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 722۔
- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 265۔
- 121 - ہیکل محمد حسین، عمر فاروق، مترجم۔ محمد مسعود عبدہ، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور، بن نداد، ص 752۔
- 122 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 324۔
- 123 - ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1179۔
- 124 - المسعودی، مروج الذهب و معادن الجواهر، جلد 3، ص 454۔
- 125 - المسعودی، تنبیہ الاشراف، ص 244۔
- 126 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 334۔
- 127-Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P-284.
- 128 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 3، ص 263۔
- 129 - ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1188۔
- 130 - ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 339۔
- 131 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 296۔
- 132 - ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 339۔
- 133 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 264۔
- 134 - یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 745۔
- 135 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 336۔
- 136 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 288۔
- 137 - ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 340۔
- 138 - بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر البغدادی الشہیر، فتوح البلدان، بمطبعۃ الموسوعات، بالقاہرہ، مصر، 1901ء، ص 70-71۔
- 139 - ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، مترجم محمد نجات اللہ صدیقی، الاسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، 1966ء، ص 273-274۔
- 140 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 296۔
- 141 - المسعودی، مروج الذهب و معادن الجواهر، جلد 3، ص 463۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- 142 - ابن طقطقی، الفخری فی الادب السلطانی، ص 342۔
- 143 - المسعودی، تنبیه الاشراف، ص 250۔
- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 335-336۔
- 144 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 255۔
- 145 - المسعودی، تنبیه الاشراف، ص 248-249۔
- 146 - حسن ابراہیم حسن، تاریخ الاسلام لسیاسی، جلد 2، ص 161-162۔
- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 225۔
- 147 - الدینوری، احمد بن داؤد، الاخبار الطوال، مترجم۔ مرزا محمد منور، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 1986ء، ص 649۔
- 148 - ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1182۔
- 149 - بغدادی، الفرق بین الفرق، ص 399۔
- 150 - المسعودی، تنبیه الاشراف، ص 245۔
- 151 - طوسی، ابوعلی حسن بن علی نظام الملک، سیاست نامہ، مترجم۔ محمد منور، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1961ء، ص 252-253۔
- بغدادی، الفرق بین الفرق، ص 398۔
- 152 - ایضاً، ص 397۔
- 153 - طوسی، سیاست نامہ، ص 253۔
- 154 - یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 742۔
- 155 - ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1187-1188۔
- 156 - ایضاً، ص 1188۔
- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 261۔
- 157 - المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 3، ص 470۔
- 158 - المسعودی، تنبیه الاشراف، ص 245۔
- 159 - ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1188۔
- 160 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 260۔
- 161 - الدینوری، الاخبار الطوال، ص 653۔

- 162۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 285
- 163۔ المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوہر، جلد 3، ص 471
- 164۔ Ameer Ali ,A Short History of the Saracens, P-285.
- 165۔ طوسی، سیاست نامہ، ص 205-206۔
- 166۔ حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 232-233۔
- 167۔ Browne,Edward G,A Literary History of Persia, London, U.K. 1909, Vol- 1,
P- 230.
- 168۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens ,P-285.
- 169۔ حسن امیرایم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 233۔
- 170۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 226۔
- 171۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1194۔
- 172۔ احمد امین مصری، فتحی الاسلام، ص 192-193۔
- 173۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 292۔
- 174۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1194۔
- 175۔ احمد امین مصری، فتحی الاسلام، ص 194۔
- 176۔ الدینوری، الاخبار الطوال، ص 655۔
- 177۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1194۔
- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 308۔
- 178۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1194۔
- احمد امین مصری، فتحی الاسلام، ص 193۔
- 179۔ المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوہر، جلد 3، ص 474۔
- 180۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 337۔
- 181۔ المسعودی، تنبیہ الاشراف، ص 250۔
- 182۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 336۔
-

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- 183۔ _____ ایضاً _____ ص 337۔
- 184۔ _____ ایضاً _____ ص 334۔
- 185۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 289۔
- 186۔ ابن الاثیر، ابی الحسن علی بن ابی کرم محمد بن محمد ابی ابو عبد اللہ کریم بن عبد اللہ الحداد الشیبانی، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العربی، بیروت، لبنان، 2004ء، جلد 6، ص 79۔
- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 337۔
- 187۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P-59,61,63.
- 188۔ المسعودی، تنبیه الاشراف، ص 255۔
- 189۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 342۔
- 190۔ حسن امیراہم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، جلد 2، ص 175۔
- السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 342۔
- 191۔ _____ ایضاً _____ ص 343۔
- 192۔ _____ ایضاً _____ ص 345۔
- 193۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 308-309۔
- 194۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 343۔
- 195۔ _____ ایضاً _____
- 196۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 310۔
- 197۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 755۔
- 198۔ ندوی، معین الدین احمد، تاریخ الاسلام، غنفر اکیڈمی، کراچی، 1975ء، جلد 3، ص 189۔
- 199۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 302۔
- 200۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 751۔
- 201۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 323۔
- 202۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1196۔
- 203۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 755۔

- 204۔ ندوی، تاریخ الاسلام، جلد 3، ص 189۔
- 205۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 301۔
- 206۔ _____ ایضاً _____
- 207۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1195۔
- 208۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 321۔
- 209۔ _____ ایضاً _____ ص 319۔
- 210۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1196۔
- 211۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 319۔
- 212۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 307۔
- 213۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 754-755۔
- 214۔ المسعودی، تنبیه الاشراف، ص 256۔
- 215۔ جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 341۔
- 216۔ المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجواهر، جلد 3، ص 477-478۔
- 217۔ جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 342۔
- 218۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 331۔
- 219۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 340۔
- 220۔ جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 342۔
- 221۔ ابو زہرہ، امام احمد بن حنبل، ص 146۔
- جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 342۔
- 222۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 332۔
- 223۔ ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1197۔
- 224۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 753-754۔
- جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 343۔
- 225۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 307۔
-

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- 226 - ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1197۔
- 227 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 332۔
- 228 - _____ ایضاً _____ ص 333۔
- 229 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 307۔
- 230 - جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 324۔
- 231 - ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1197۔
- 232 - القرآن، 22:75۔
- 233 - بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ (وَجْهٌ يُرْمَىٰ ذُنُوبُهُ إِلَىٰ رَبِّهَا نَظَرَةٌ)، ص 1279، حدیث 7434۔
- محمد قطب الدین خاں، مظاہر حق (شرح مشکوٰۃ المصابیح) مترجم۔ عبداللہ جاوید غازی پوری، اردو بازار، لاہور، 2002ء، باب
- رُؤْيَةُ اللَّهِ تَعَالَى، جلد 5، ص 222، حدیث 1۔
- 234 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 304۔
- 235 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 341۔
- 236 - _____ ایضاً _____۔
- 237 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 329۔
- 238 - یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 754۔
- 239 - الدیمیری، محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ کمال الدین، حیات الحیوان، مترجم۔ ناظم الدین، الاسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور،
- سن ندارد، جلد 1، ص 248۔
- 240 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 329۔
- 241 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 341۔
- 242 - المسعودی، تنبیه الاشراف، ص 256۔
- 243 - یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 589۔
- جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 345۔
- 244 - _____ ایضاً _____۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

245۔ الدیمیری، حیات الحیوان، جلد 1، ص 249۔

246۔ القرآن، 4: 86

247۔ ابو زہرہ، امام احمد بن حنبل، ص 148۔

248۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 342۔

249۔ _____ ایضاً _____

250۔ جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 352۔

251۔ ابن جوزی، مناقب الامام احمد بن حنبل، ص 356۔

252۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 309۔

253۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 339۔

254۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 269۔

255۔ _____ ایضاً _____ ص 343

256۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 27.

257۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 263۔

258۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 310۔

259۔ المسعودی، تنبیه الاشراف، ص 256۔

260۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 346۔

261۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1198۔

262۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 346۔

263۔ المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 4، ص 2۔

جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 355۔

264۔ _____ ایضاً _____ ص 356۔

265۔ _____ ایضاً _____ ص 361۔

266۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 351۔

267۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 346۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

- 268 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 351۔
- 269 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 318۔
- 270 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 346۔
- 271 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 274۔
- 272 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 324۔
- 273 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 274۔
- 244 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 317۔
- 275 - المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 4، ص 29۔
- 276 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 349۔
- 277 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 338۔
- 278 - جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 356۔
- 279 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 338۔
- 280 - _____ ایضاً _____ ص 339۔
- 281 - _____ ایضاً _____
- 282 - _____ ایضاً _____
- 283 - یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 763۔
- 284 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 316۔
- 285 - _____ ایضاً _____ ص 340۔
- 286 - _____ ایضاً _____
- 287 - الدیمیری، حیات الحیوان، جلد 1، ص 251-254۔
- 288 - یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 757۔
- 289 - جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 354۔
- 290 - خطیب بغدادی، احمد بن علی، تاریخ بغداد، طبعہ القاہرہ، مصر، 1930ء، جلد 1، ص 298۔
- 291 - جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 355۔

- 292۔ _____ ایضاً _____ ص 356۔
- 293۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 367۔
- 294۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 289.
- 295۔ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1200۔
- 296۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 368۔
- 297۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، جلد 1، ص 298۔
- 298۔ ابن الجوزی، مناقب الامام احمد بن حنبل، ص 361۔
- 299۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 311۔
- 300۔ _____ ایضاً _____
- 301۔ _____ ایضاً _____
- _____ ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1198۔
- 302۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 346۔
- 303۔ _____ ایضاً _____
- 304۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 289.
- 305۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 357۔
- 306۔ جہم بن صفوان نے فرقہ جہمیہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ خراسانی الاصل اور بنی راسب کے موالیوں میں سے تھا۔ پہلے پہل یہ شریح بن حارث کا کاتب مقرر ہوا، پھر اس نے شریح بن حارث کے ساتھ مل کر نصر بن سیار کے خلاف خروج کیا۔ اس کی دعوت و تبلیغ کا مرکز خراسان تھا۔ بنی مروان کے آخری ایام میں مسلم بن احوزما زنی نے اسے قتل کر دیا۔ دیکھیے۔
- _____ ابو زہرہ، المذاہب الاسلامیہ، ص 179-180۔
- 307۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 347۔
- 308۔ جلال اللہ، تاریخ معتزلہ، ص 357۔
- 309۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 324۔
- 310۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 376-377۔
- 311۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 289.

- 312 - ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1202۔
- 313 - یعقوبی، تاریخ الیعتوبی، جلد 2، ص 765۔
- 314 - طبری کے نزدیک ان رہائی پانے والے مسلمانوں کی تعداد تین سو سڑھ تھی۔ دیکھیے۔
- طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 388۔
- 315 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 347۔
- 316 - ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1202۔
- 317 - قوم بجاء حبشیوں کی نسل سے تھے اور ان کا مسکن حبشہ اور سوڈان کا مغربی حصہ تھا بلا وجاء سونے اور جواہرات کی کانوں کی وجہ سے بڑا مشہور تھا ان کانوں میں کام کرنے والوں کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ دیکھیے۔
- ندوی، تاریخ الاسلام، جلد 3، ص 194۔
- ابن کثیر البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 324۔
- 318 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 389۔
- 319 - ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1201۔
- 320 - _____ ایضاً _____ ص 1202۔
- 321 - _____ ایضاً _____
- 322 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 352۔
- 323 - المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 4، ص 10-11۔
- 324 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 349۔
- 325 - المسعودی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، جلد 4، ص 41۔
- 326 - طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 391۔
- 327 - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 349۔
- 328 - السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 351-352۔
- 329 - المسعودی، تنبیہ الاشراف، ص 257۔
- 330 - ابن خلدون، کتاب العمر، جلد 1، ص 1101۔
- 331 - _____ ایضاً _____

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

332۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 760۔

333۔ شعائین، عیسائی ہر سال اپریل کے پہلے جمعہ کو حضرت عیسیٰ کی مصلوبیت کے سلسلے میں تہوار مناتے اور صلیب کا جلوس نکالتے ہیں۔ دیکھیے۔

طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 372۔

334. Hitti, Philip K., The Arabs, Macmillan and Company Ltd., London, 1953, P-105.

335۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 354۔

336. Hitti, The Arabs, P-105.

337۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 313۔

338۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص 272۔

339۔ ایضاً _____ ص 390۔

340۔ الدیمیری، حیات النبی ان، جلد 1، ص 253۔

341۔ ابن طقطقی، الفخری فی الاداب السلطانیہ، ص 340۔

342۔ طبری، تاریخ الامم والملوک، جلد 7، ص 265۔

343۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 347۔

344. Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 289.

345۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد 5، حصہ 10، ص 314۔

346. Watt, W. Montgomery, The Majesty that was Islam, SidWick and Jack son, London, 1984, P-153.

347۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 348۔

348۔ المسعودی، مروج الذهب ومعادن الجواهر، جلد 4، ص 9۔

349. Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 288.

350۔ المسعودی، تنبیہ الاشراف، ص 257۔

351۔ السیوطی، تاریخ الخلفاء، ص 349-350۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

352۔ ایتاخ ترکی پیشے کا اعتبار سے باورچی تھا۔ معتصم نے اس کی جسمانی ساخت اور شجاعت سے متاثر ہو کر اسے خرید لیا۔ اپنی مزاج شناسی اور دانشمندی کی بدولت اسے دربار خلافت میں بڑی عزت و توقیر حاصل ہو گئی۔ باغی اراکین دولت کی تباہی و بربادی عام طور پر اسی کے ہاتھوں اور اس کے مکان پر ہوتی تھی۔ یہ حالت نشہ میں متوکل سے گستاخی کا ارتکاب کر بیٹھا، یہی چیز اس کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ دیکھیے۔

ابن خلدون، کتاب العبر، جلد 1، ص 1198۔

353۔ یعقوبی، تاریخ یعقوبی، جلد 2، ص 758-759۔

354۔ ایضاً، ص 756۔

355۔ Ameer Ali, A Short History of the Saracens, P- 289.

﴿حاصل کلام﴾

اسلامی حکومتوں کی تاریخ میں مذہبی و سیاسی اہمیت عصری وسعت، تہذیب و تمدن کے فروغ اور علوم و فنون کی تاریخ کے اعتبار سے خلافت عباسیہ کا عرصہ سب سے زیادہ اہمیت و امتیاز کا حامل ہے یہ خلافت 132ھ تا 656ھ/749ء تا 1258ء تک تقریباً ساڑھے پانچ سو سال تک قائم رہی۔

مقالہ زیر نظر میں دور عباسیہ کے عروج کے زمانہ ابوالعباس عبداللہ بن محمد السفاح تا متوکل علی اللہ (132ھ تا 247ھ/749ء تا 861ء) کے دور تک کے مذہبی رجحانات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ یہ دور ایک کامیاب انقلاب سے شروع ہوتا ہے اور اپنے انتہائی عروج تک جا پہنچتا ہے اس میں ابو جعفر منصور (136ھ تا 158ھ/753ء تا 774ء)، ہارون الرشید (170ھ تا 193ھ/786ء تا 808ء)، مامون الرشید (198ھ تا 218ھ/813ء تا 833ء) اور معتصم باللہ (218ھ تا 227ھ/833ء تا 841ء) جیسے عظیم المرتبت خلفاء گزرے ہیں۔

عباسی خلفاء کے بام عروج کا دور تقریباً ایک سو پندرہ سالہ تاریخ پر محیط ہے۔ بقیہ چار سو سال ان کے زوال کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اگرچہ معتصم باللہ کے بعد خلافت عباسیہ کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ اور اس پر ترک حاوی ہو گئے تھے لیکن اس کے باوجود پھر بھی خلفاء کے بہت سے اختیارات باقی تھے۔ حکومت کا نظام ان ہی کے احکام و فرامین سے چلتا تھا اور پھر یہ کہ مذہبی سیادت و قیادت اور نظریات جو ان خلفاء نے اوائل زمانہ میں پروان چڑھائے، ان کی روشنی میں کاروبار مملکت کو چلایا جاتا رہا، یہی وہ ماحاصل تھا جس کی بنیاد پر دور زوال کے خلفاء کی برائے نام خلافت تقریباً چار صدیوں تک قائم رہی۔ اگر دور عروج کے اولوالعزم خلفاء اپنے ان مذہبی رجحانات کو حکومتی اداروں اور کاروبار مملکت سے ہم آہنگ نہ کرتے تو عباسی خلافت نہ تو پانچ صدیوں تک برقرار رہتی اور نہ ہی اسے عوام کی نظروں میں اس قدر تقدیس و وقعت ملتی اور یہ بھی اموی خلافت کی طرح جلد زوال پذیر ہو جاتی۔ بادی النظر میں عباسی خلفاء نے یہ سب دینی معتقدات محض وقتی ضرورت اور ماحولیاتی اثر کے تحت اختیار کیے لیکن جلد ہی یہ مذہبی رجحانات ان کی ضرورت بن گئے۔

دراصل مدینہ منورہ کی پہلی اسلامی ریاست جس کا آغاز خالصتاً آفاقی احکامات اور حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کے اصول حکمرانی پر مبنی تھا۔ انہی اصول و روایات کو خلفاء راشدین جیسے السابقون الاولون نے جاری رکھا، لیکن اس حکومت کے خاتمے کے بعد مسلم حکمرانوں کو اسلامی ریاست کی وسعتوں اور مال غنیمت کی فراوانی نے دیگر اقوام کی بیشتر تہذیبی برائیوں کے زیر اثر کر لیا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ خلافت راشدہ کے دور کا خالصتاً الہی بنیادوں پر استوار ہونے والا نظام اموی حکومت کے قیام کے فوراً بعد موروثی حاکمیت کی شکل اختیار کر گیا۔ اب اس میں نہ وہ پہلی سی تنقیدی روح باقی رہی اور نہ ہی محاسبہ کی گرفت۔ اس کے ساتھ ساتھ خالصتاً اسلامی دستور کی وہ شقیں معطل ہو کر رہ گئیں جو حاکم کو عوام کے سامنے جوابدہ کرتی تھیں، تاہم اسلامی قوانین جاری و ساری رہے، جن کی تعبیر اموی خلفاء نے اپنی دینی مصلحتوں کے تحت کی۔ لیکن اموی حکمرانوں کے ان تمام اقدامات کے خلاف مسلم عوام صدائے احتجاج بلند کرتے رہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ دور

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

حضور اکرم ﷺ کے بابرکت زمانہ اور خلافت راشدہ کے قریب تر تھا اور ابھی تک ایسے بیشتر حضرات موجود تھے جنہوں نے اپنی جرأت و ہیا کی سے اموی حکومت کے ان تمام غیر شرعی اقدامات کے خلاف کلمہ حق بلند کیا۔ اس کے نتیجے میں بالا آخر امویوں کو زوال اور عباسی تحریک کو کامیابی حاصل ہوئی۔

عباسی تحریک کے حاملین کے سامنے وہ تمام پس منظر تھا جس کی روشنی میں دعوت اسلامی نے کامیابی حاصل کی تھی اور مدینہ منورہ کی اسلامی مملکت اپنی تمام تر مذہبی قیادت و سیادت کے ساتھ وجود میں آئی تھی۔ حضور اکرم ﷺ تمام انسانیت کے لئے جادۂ ورشد و ہدایت تھے اور رہتی دنیا تک کے مسلمانوں کے لیے قابل تقلید اور قابل تقلید قرار پائے۔ اسی طرح خلفاء راشدین نے حضور اکرم ﷺ سے نسبت کے مطابق اپنی تمام تر دنیوی ذمہ داریوں سے عہدہ ہر آہونے کی کوشش کی۔ لیکن جو نئی رشد و ہدایت کے حامل اس نظام کو اموی حکمرانوں نے اپنے دنیوی جاہ و جلال اور کروفر سے بدلنے کی کوشش کی تو ماسوائے ناکامی و انتظامی خلفشار کے انہیں کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اور اس سے وابستہ تحریک کے حاملین کے سامنے یہ دونوں راستے تھے لیکن اب نہ تو السابقون الاولون کا دور تھا اور نہ ہی ان کے مشاہدہ کنندگان باقی رہے تھے۔ مزید یہ کہ اسلامی سلطنت کی وسعتوں نے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں کو جالیا تھا اس کے نتیجے میں ذمیوں اور نو مسلموں پر مشتمل جو معاشرہ وجود پذیر ہوا وہ مذہبی حدود و قیود اور دینی نظام کی برکتوں سے ما آشنا تھا، مزید یہ کہ وہ اپنی باقیات کو چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے۔ ایک راستہ یہی تھا کہ وہ ایک نئی راہ تلاش کریں جو دونوں نظاموں سے مطابقت رکھتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ نئی حکومت نے نظریاتی اور عملی اعتبار سے ایرانیوں سے متاثر ہو کر نئی حکمت عملی اختیار کی۔

خاندان بنو عباس کو شہرت دوام اس لیے حاصل ہوئی کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی آواز پر لبیک کہی۔ اگرچہ فتح مکہ تک اس خاندان کے بیشتر افراد مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن حضور اکرم ﷺ سے اپنی قرابت کی وجہ سے بنو عباس کا رویہ آپ سے ہمدردانہ رہا اور حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کے چچا ہونے کے سوا آپ ﷺ کے دوسرے چچا بولہب کے برعکس آپ ﷺ سے ہر ممکن تعاون کیا ماسوائے جنگ بدر کے مسلمانوں کے خلاف کسی اور بڑے محاربے میں ان کا ذکر نہیں ملتا نیز مشرکین مکہ کی ایذا رساں صف سے مکمل طور پر علیحدگی اختیار کیے رکھی، جہاں بھی آپ کو اخلاقی مدد کی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت عباسؓ نے علی الاعلان اس کا اظہار کیا اس سلسلے میں مقاطعہ قریش کا واقعہ ہوا بیعت عقبہ کا موقع یا ہجرت مدینہ کے بعد مشرکین کی جارحانہ کاروائیاں ہوں، ان سب میں خاندان بنو عباس کا کردار بانی اسلام حضور اکرم ﷺ اور مسلمانوں سے نہ صرف ہمدردانہ رہا بلکہ بعض غزوات میں حضرت عباسؓ حضور اکرم ﷺ کو مشرکین مکہ کے فاسدانہ عزائم سے آگاہ کرتے رہے اور مدینہ کی اسلامی ریاست کی تائید و حمایت میں پیش پیش رہے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت عباسؓ اور ان کے خاندان نے برملا اسلام قبول کیا اور اسلام کی تقویت کا باعث ہوئے۔

بنو طالب اور بنو عباس حضور اکرم ﷺ کے اہل بیت شمار ہوتے تھے۔ لیکن حضرت علیؓ کی قبولیت اسلام میں اولیت، بچپن ہی سے رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ پرورش اور حضرت فاطمہؓ سے سلسلہ مناکحت کی وجہ سے حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو زیادہ فضیلت حاصل

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

تھی۔ لیکن یہ واقعہ تاریخ اسلام کا ایک سیاہ باب ہے کہ حضرت علیؑ کی خلافت کے دوران حضرت معاویہؓ سے ان کی سیاسی چٹقلش مملکت اسلامیہ کو دو حصوں میں منقسم کرنے پر منتج ہوئی اور پھر حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد تمام عالم اسلام پر امویوں کی حکومت قائم ہوئی، جو اپنی عملی ساخت کے اعتبار سے خلفائے راشدین کے دور سے قطعی مختلف تھی، اس موقع پر ہمیں حضرت علیؑ کی اولاد کی اخلاقی امداد میں آل عباس پیش پیش نظر آتے ہیں۔

سانحہ کربلا امویوں کے زوال کا پیش خیمہ ثابت ہوا جس کے نتیجے میں ان کے خلاف نفرت کے جذبات امت مسلمہ کے دل میں پیدا ہوئے اس موقع پر اموی حکومت کے خاتمے اور اس کی بجائے اولاد علیؑ کی خلافت کے قیام کی وہ تحریک شروع ہوئی جسے ابتداء میں بنو ہاشم اہل بیت کی تحریک کے نام سے معنون کیا گیا۔ اس میں آل عباس بھی نمایاں رہے لیکن حقیقتاً اس تحریک کا اصل مقصد اولاد علیؑ کی خلافت کا قیام تھا۔ خود امام محمد بن علی عباسی بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ علویوں اور عباسیوں میں اتحاد قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں میں صرف اہل بیت کی امامت کے لیے تبلیغ کریں اور یہی وجہ ہے کہ سلیمان بن عبد الملک (98ھ/716ء) کے دور تک اس تحریک کی قیادت و سیادت علویوں کے پاس رہی۔

اس تحریک کے امام ابو ہاشم عبد اللہ علویوں کی طرف سے آخری امام تھے۔ فلسطین سے گزرتے ہوئے دوران سفر جب امام موصوف کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو انہوں نے تحریک ہاشمیہ کی امامت محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس بن عبد المطلب کو منتقل کر دی اور اس کے بعد یہ تحریک اپنی کامیابی تک عباسیوں کی سرپرستی میں جاری رہی لیکن اس کے باوجود اس تحریک سے وابستہ افراد کا تصور یہی رہا کہ اموی حکومت کے خاتمہ کے بعد خاندان بنو ہاشم میں سے اولاد علیؑ ہی کو منصب خلافت و امامت سپرد کیا جائے گا۔ اس بات کا اقرار ابو جعفر منصور نے اہل حجاز کی متعلقہ کانفرنس میں کیا تھا جو آل علی کو خلافت و امامت کا مستحق سمجھتی تھی۔ لیکن ہاشمی تحریک کی کامیابی کے بعد اقتدار کا حصول عباسیوں کو اپنے اصل عزائم سے باز نہ رکھ سکا اور ان کی کوششوں اور نئی تاویلات نے علویوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اقتدار سے دور دھکیل دیا۔ اگرچہ اس دوران علویوں نے ایک سیاسی گروہ کی شکل میں عباسی خلافت کے خلاف اپنی جدوجہد جاری رکھی لیکن عباسی اپنی مقتدرہ قوت کے بل بوتے پر انہیں پوری طرح سے ناکام و نامراد کرتے رہے۔

بنو عباس نے خلافت سنبھالنے کے بعد اپنی عافیت اس میں سمجھی کہ قیصر و کسریٰ کی طرز کی حکومت کو مذہبی تقدس کا لبادہ پہنا کر جاودانی زندگی عطا کی جائے، ان کی انہی کوششوں کی وجہ سے مسلم مورخین عباسیوں کے اقتدار کو خلافت کے تصور کا صحیح طور پر آئینہ دار قرار دیتے ہیں۔ دراصل امویوں سے سبق حاصل کرتے ہوئے عباسیوں نے روز اول سے ہی اپنی مذہبی سیادت (امامت) کا پرچار کیا، اموی زوال کے پس پشت جو عوامل کارفرما تھے ان میں سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ عوام کی نظر میں ان کا اقتدار محض دنیوی حیثیت (سیکولر) رکھتا تھا۔ جس کے لیے عقیدت و احترام کے جذبات کا پیدا ہونا غیر فطری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عباسیوں نے جمہور کے سامنے اپنے اقتدار کو روز اول سے ہی امامت (مذہبی و روحانی سیادت) کا نورانی ہالہ پہنا کر اسے مقبول عام کرنے کی سعی کی تھی۔ انہوں نے اس نظریہ کی

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

ترویج کی کہ اب زمام خلافت حضرت عیسیٰ کے دربارہ ظہور تک انہی کے خاندان میں رہے گی اور یہ کہ ان کی خلافت کا خاتمہ کائنات کی تباہی کے مترادف ہوگا۔ ان کی حکمت عملی اس بات کی متقاضی تھی کہ مسلمانانِ عالم ان کے اقتدار اعلیٰ کو روحانی اور مذہبی سربراہی کے طور پر تسلیم کریں۔ اصل مقصد امویوں کے مقابلے میں خود کو کمیتز کرنا تھا۔

انہوں نے اپنے استحقاق خلافت کے لیے حضور اکرم ﷺ کے حقیقی جانشین ہونے کا دعویٰ پیش کیا۔ اور آپ ﷺ کی مشہور حدیث ”الامراء من القریش“ کو ”الامراء من العباس“ کا مفہوم دیا۔ منصور نے اس مقصد کے حصول کے لیے علماء وقت کی ہمدردیاں حاصل کیں اور ان کی تائید و حمایت سے عوامی رائے کو قائل کیا کہ خلافت کے اصل حقدار آلِ عباس ہی ہیں۔

بنو عباس نے اپنی حکمرانی کو ایک دولہ (انقلابی ریاست) سے تشبیہ دی۔ ابو جعفر منصور نے ایرانیوں کے زیر اثر بادشاہت کے بارے میں خدائی حق کا نظریہ پیش کیا۔ وہ اس بات کا داعی تھا کہ اسے بادشاہت کے حقوق خداوند تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوئے ہیں کیونکہ وہ مامور من اللہ ہے لہذا وہ کسی انسان کے سامنے جوابدہ نہیں۔ علاوہ ازیں عوام کی نگاہوں میں عزت و احترام کی نمو کے لیے انہوں نے اپنی پر شکوہ درباری زندگی کو امامت کے ظاہری لوازمات سے مزین کیا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے خلیفہ سیاہ رنگ کا عمامہ پہنتا۔ نبی آخر الزماں ﷺ کی روئے مبارک زیب تن کرتا، اس کے ہاتھ میں آپ ﷺ کا عصا مبارک ہوتا اور مصحفِ عثمانی اس کے سامنے رکھا جاتا۔ امراء دربار ایک ایک کر کے اس کے ہاتھ کو بوسہ دیتے۔ یہ وہ درباری آداب تھے جن کی بدولت عباسی خلفاء نے خود کو محافظ اسلام کی حیثیت سے پیش کیا اور دین دار مسلمانوں کے دلوں میں عزت و احترام کے جذبات پیدا کیے اور جب ایک صدی گزرنے کے بعد بنو عباس کی حکومت رو بہ انحطاط ہونا شروع ہوئی تو انہوں نے اپنے ظاہری اقتدار کو تقویت دینے کے لیے اسی مذہبی پیشوائی (امامت) کا سہارا لیا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے خلافت کے مذہبی کردار پر زیادہ زور دیا اس دوران مکہ اور مدینہ جیسے اماکن مقدسہ کی تعظیم و تکریم کے لیے ریاست اور خلیفہ کی طرف سے خصوصی اہتمام کیے گئے۔

التوکل (233ھ - 247ھ / 847ء تا 861ء) امامت کے عملی پرچار میں سب سے نمایاں نظر آتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب عباسیوں نے نیابت رسول اللہ کی بجائے نیابت اللہ کا نظریہ پیش کیا اور خلفاء کے لیے ”ظل اللہ“ (زمین پر خدا کا سایہ) کی اصطلاح اختیار کی۔ ان خطابات کا مقصد خلیفہ کو زیادہ پروقار بنانا مقصود تھا یعنی اب وہ حضور اکرم ﷺ کا نائب ہونے کی بجائے صرف اللہ تعالیٰ کا نائب تھا اور اسی سے براہ راست اختیار کے حصول کا دعویٰ کرتا تھا۔ یہ وہ حکمت عملی تھی جس کی نظریاتی اور عملی ترویج کی بدولت خلافت بنو عباس زوال کے باوجود صدیوں تک قائم رہی۔

عباسی خلفاء نے روحانی رہنما ہونے کی حیثیت سے دیوان التفتاء قائم کیا محکمہ عدل میں قاضی التفتاء اور دیگر قاضیوں کے عدل و نصب کے اختیار، تقرری کی شرائط اور حقوق و فرائض متعین کئے اور اس طرح بلا تخصیص انصاف کی فراہمی کیلئے طریقہ کار وضع کیا اس دور میں ہر مسلک و مذہب کے افراد کو اپنی اپنی فقہ اور رواج کے مطابق انصاف کی فراہمی ممکن بنائی گئی عدالتی نظام میں قضاۃ اور افتاء کے شعبہ جات

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

انصاف کی ترویج میں بہت مہم و معاون ثابت ہوئے۔ عباسی خلفاء نے بلا تخصیص انصاف کی فراہمی کے لئے سابقہ اسلامی روایات سے ماوراء ہو کر لیکن انصاف اور شرعی نقطہ نگاہ کو مد نظر رکھتے ہوئے سنگین فوجداری مقدمات کی سماعت اور مقتدر و با رسوخ افراد کے خلاف مقدمات کی چھان بین کے لئے ایک علیحدہ شعبہ دیوان ”النظر فی النظام“ کے نام سے قائم کیا۔ جس کی سماعت و صدارت کے فرائض وہ خود سرانجام دیتے تھے اس سلسلے میں ان کی معاونت کے لئے اپنے وقت کے مشہور قضاة اور فقہاء موجود ہوتے تھے۔ تمام عدالتی و شرعی اصول و قواعد کو سامنے رکھتے ہوئے خود خلفاء فیصلے صادر کرتے اس طرح با رسوخ اور مقتدر افراد و امرا یا بی سے نہ بچ پاتے۔

مرکزی محکمہ جات میں مالیات کے نظام کو اسلامی قوانین محاصل سے ہم آہنگ کرنے کی انتہائی سعی کی گئی۔ عباسی دور کے مشہور ماہر مالیات امام ابو یوسف نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ”کتاب الخراج“ میں مالیاتی نظام کا جو شرعی اور عملی لائحہ عمل تیار کیا، اسے خلفائے عباسیہ نے تمام مملکت میں رائج کیا۔

عباسی دور کے ذرائع محاصل میں سابقہ اسلامی دور کے محاصل مثلاً زکوٰۃ، خراج، عشر، غنائم، فہس اور جزیہ وغیرہ بدستور قائم رہے۔ تاہم دیگر ذرائع آمدن کو بھی شرعی حیثیت دینے کی کوشش کی گئی مگر اس کے ساتھ ساتھ بعض انتظامی و سیاسی مصلحتوں کی بناء پر خلفائے عباسیہ نے امویوں کی طرح بیت المال کے نظام اور اس کے اخراجات میں صحیح حدود سے تجاوز کیا اور اس کے شرعی جواز کی اجتہادی تاویل پیش کرنے کی مقدور بھر سعی کی۔

اسلام میں جہاں فرض عین ہے اور اسلامی مملکت کے تحفظ کے لیے محکمہ دفاع کی جو ضرورت و اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ عباسی خلفاء نے اسلامی فوج کی تنظیم و تربیت کے لیے ”دیوان الجند“ قائم کیا۔ دور عباسیہ میں متعدد اسلامی دینی و لادینی تحریکوں نے جنم لیا۔ ان مسلم دینی تحریکوں میں شیعہ، خوارج اور معتزلہ وغیرہ نے باہمی سیاسی منافقتات کے لہن سے جنم لیا، جنہوں نے بعد ازاں دین اسلام کے فروغی رجحانات کے حامل فرقوں کی صورت اختیار کر لی اور امت مسلمہ کو انتشار و افتراق میں مبتلا کر ڈالا جس کا خمیازہ ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ ان دینی اختلافات نے مسلم ائمہ کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔

اس کے ساتھ ساتھ بعض نظریاتی و ماحولیاتی اثرات اور سیاسی تقاضوں کے پیش نظر عرب فوج کی اجارہ داری کو ختم کرنے کے لئے ایرانی، خراسانی اور ترک فوجیوں کو بھرتی کیا، ان کے اس اقدام سے اگرچہ فوری طور پر عرب اثر و نفوذ کا خاتمہ ہو گیا لیکن عباسی خلفاء کے یہی اقدامات ان کے زوال پر منتج ہوئے اور اس کے نتیجے میں خراسانیوں اور ترکوں نے اتنی طاقت پکڑی کہ ایک وقت ایسا آیا کہ ترک جرنیلوں نے خلفاء کے عزل و نصب کے اختیارات خود سنبھال کر عباسی خلافت کی تباہی کا سامان پیدا کیا۔ میدان جنگ میں فوج کو تکنیکی ساخت کے لحاظ سے باقاعدہ رضا کار حربیہ اور پیادہ فوج میں تقسیم کیا۔ سرحدی مقامات پر اور اہم جگہوں پر فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں نظام جاسوسی کا شرعی قیام خود حضور اکرم ﷺ کے دور سے ملتا ہے۔ جسے خلفاء راشدین اور بنو امیہ نے نئی جہتوں سے روشناس کرایا۔ خلفائے بنو عباس نے اس نظام جاسوسی میں کئی ترامیم و اضافے کئے۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

خلافت عباسیہ کے آغاز سے ہی بازنطینی حکومت سے اسلامی جہاد ہوتا رہا جس میں رومیوں کو با رہزیمیت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی چپقلش بعد ازاں صلیبی جنگوں کی صورت اختیار کر گئی۔ جن میں سلطان صلاح الدین ایوبی جیسے جرنیلوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ہلال و صلیب کے یہ محاربات اپنے اندر ایک حد تک شرعی جہاد کا عزم رکھتے تھے خلفائے عباسیہ نے اپنی ذات کی حد تک از حد مذہبی جوش و ولولے کا ثبوت دیا۔ جنگوں سے حاصل شدہ غنائم اور جزیہ وغیرہ کی وصولی اور قیدیوں سے سلوک وغیرہ کے سلسلے میں عباسی خلفاء نے مذہبی رجحانات کو اختیار کیا۔ دور عباسیہ کی یہ بات سب سے نمایاں ہے کہ اس میں مزید فتوحات کو ضروری نہ سمجھا گیا اور تمام تر توجہ سلطنت کے انتظام اور علوم و فنون کی ترقی کے لئے صرف کی گئی، یہی وجہ ہے کہ اسلامی علوم و فنون کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں ابو جعفر منصور، ہارون الرشید، مامون الرشید اور متوکل جیسے بلند تر علمی ذوق کے حامل خلفاء پیش پیش نظر آتے ہیں۔ دینی علوم و فنون، علوم عقلیہ اور علوم نقلیہ کی سرپرستی اور ترقی و ترویج کے متعلق ان کی خدمات مسلمہ ہیں یہ علوم و فنون بغداد، بصرہ، کوفہ اور بخارا وغیرہ کی عظیم الشان درس گاہوں میں پڑھائے جاتے تھے ان خلفاء کے ساتھ ساتھ ان ادواروں سے وابستہ علماء و فقہاء کی سعی و کوشش بھی نمایاں تھی۔ تاہم اس دور میں دہری علماء کی طرف سے اختراع پذیر بعض ایسے اختلافی مسائل بھی جڑ پکڑ گئے جن سے عباسی خلفاء کی والہانہ وابستگی ان نظریات کی جبری ترویج و اشاعت پر منہج ہوئی اور جس کی بدولت امام احمد بن حنبل جیسے علمائے حق سے ناروا سلوک روا رکھا گیا۔ ان خلفاء کے دور میں معتزلیوں کو بڑا عروج و اقتدار حاصل رہا، خاص طور پر مامون الرشید، معتصم باللہ اور واثق باللہ کے عہد میں علمائے حق کو مبتلائے محن کیا گیا، عباسی خلفاء معتزلی نظریات کو مقبول عام بنانے کے لئے رعایا پر بڑے بڑے ظلم و ستم روا رکھے۔ ان کے ادوار میں صرف وہی لوگ ان کے ظلم و ستم سے محفوظ رہے جنہوں نے یا تو ان کے نظریات کو اپنا لیا یا پھر ان سے کنارہ کشی اختیار کر کے گوشہ نشین ہو گئے، مگر ان خلفاء کی طرف سے روا رکھا جانے والا جبر واکراہ بھی اسلامی عقائد کی حقانیت کو متزلزل نہ کر سکا۔

خلفائے بنو عباس نے معتزلہ جیسی بعض تحریکوں کو اپنی بقاء کے لیے ضروری سمجھتے ہوئے ان کی پشت پناہی کی اور کچھ تحریکوں کو اپنے مخالف گردانتے ہوئے ان کی بیخ کنی پر آمادہ ہوئے، یہی وہ تحریکیں تھیں جنہوں نے مسلمانوں کی مابعد کی سیاسی و معاشرتی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ مثلاً خلفائے عباسیہ کے دور میں نو مسلموں کے عروج اور ذمیوں کی از حد توقیر نے ایسی لادینی تحریکوں کی پشت پناہی میں اہم کردار ادا کیا، جن کا مرکز محور مملکت اسلامیہ کے مشرقی مقبوضات تھے، ان میں خراساں کا علاقہ سرفہرست ہے جو کئی لادینی تحریکوں کی آماجگاہ رہا، ان لادینی تحریکوں میں راوندیہ، متعصبیہ، خرمیہ اور زنادقہ شامل ہیں ان تحریک کی بدولت بدعتیہ کی خوب ہوا ملی اور نو مسلموں خصوصاً خراسانیوں کو اسلام سے بدگشتہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ دراصل ان نام نہاد تحریکوں کے بانیوں کے پیش نظر اقتدار کے حصول کا مطمح نظر تھا۔ لیکن خلفاء بنو عباس کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے تمام لادینی تحریکوں سے نہ صرف قطع تعلق رکھا بلکہ ان کی بیخ کنی میں اہم کردار ادا کیا حکومتی سطح پر اس طرح کے رد عمل نے جہاں مسلمانوں خصوصاً نو مسلموں میں ان لادینی تحریکوں کی اصلیت کو آشکارا کیا وہاں دوسری طرف ان تحریک کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

تاہم حکومت کے تغیر سے مذہبی احوال میں جو فرق پڑا وہ اصلی نہ تھا بلکہ زیادہ تر نمائشی تھا۔ عباسی خلفاء اپنے پیش رو (اموی خلفاء) کے برعکس دین داری کا لبادہ ضرور اوڑھے رہے اور بظاہر بڑی مذہبیت بھی جتاتے، لیکن یہ خلفاء بھی اپنے پیش رو سے کچھ کم دنیا دار ثابت نہ ہوئے۔ عباسی خلافت میں اور اموی خلافت میں بظاہر کوئی بنیادی فرق تھا تو صرف یہ کہ اموی حکومت خالصتاً عربی سلطنت تھی جب کہ اس کے برعکس عباسی خلافت زیادہ بین الاقوامی نوعیت رکھتی تھی، بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ عباسی سلطنت تو مسلمانوں کی سلطنت تھی جس کے مختلف نسلی اجزاء میں عرب صرف ایک جزو ترکیبی کا درجہ رکھتے تھے۔

خلفائے بنو عباس کے یہ مثبت مذہبی رجحانات بہت حد تک مملکت اسلامیہ کے استحکام کا باعث ہوئے۔ خالصتاً مذہبی بنیادوں پر استوار ہونے والی یہ طویل العمر خلافت اسلام کی اشاعت اور اسلامی حکومت و اقتدار کی طوالت کا باعث ہوئی۔ پھر اسی خلافت کے عرصہ اقتدار کے لٹن سے عالم اسلام کے طول و عرض میں نئی اسلامی حکومتیں نمودار ہوئیں جن کا خلافت عباسیہ سے اس کے زوال تک مرکزی اتحاد قائم رہا اور جب ہلاکو خاں کے ہاتھوں خلافت عباسیہ کا خاتمہ ہوا تو یہی اسلامی مملکتیں عباسیوں کے دینی رجحانات کی حامل رہیں جن کے اثرات ہم آج بھی تمام اسلامی مملکتوں میں ایک حد تک پاتے ہیں۔

﴿کتابیات﴾

- 1- القرآن۔
- 2- آزاد، عبدالکلام، مسئلہ خلافت، مکتبہ جمال، اردو بازار، لاہور، 2004ء۔
- 3- اردو دائرہ معارف الاسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1973ء۔
- 4- ابن الاثیر، ابی الحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد ابی عبدالکریم بن عبد الواحد الشیبانی، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، مطبعۃ الاسلامیہ، ایران، 1914ء۔
- 5- الکامل فی التاریخ، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، 2004ء۔
- 6- ابن ابی الحدید، الشریف الرضی محمد بن ابی احمد الحسین، شرح نہج البلاغۃ، القاہرہ، 1329ھ۔
- 7- احمد امین مصری، صفحی الاسلام، مترجم۔ عمر احمد عثمانی، دوست ایسوسی ایٹس، اردو بازار، لاہور، 1933ء۔
- 8- -----، فجر الاسلام، مترجم۔ عمر احمد عثمانی، دوست ایسوسی ایٹس، اردو بازار، لاہور، 2003ء۔
- 9- احمد بن حنبل، المسند الامام احمد بن حنبل، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، 1993ء۔
- 10- ابن اسحاق، محمد بن یسار، سیرۃ ابن اسحاق (بکتاب المبتدأ والمبعث المغازی) تحقیق وتعلیق ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مترجم۔ نورانی، بحوالہ نقوش (رسول نمبر) ادارہ فروغ اردو، لاہور، 1985ء۔
- 11- الاصححانی، ابوالفرج، کتاب الاغانی، طبعۃ القاہرہ، مصر، 1285ھ۔
- 12- مجلسی، محمد باقر، جلاء العیون، عباس بک ایجنسی، لکھنؤ، انڈیا، 2001ء۔
- 13- بخاری، محمد بن اسمعیل، صحیح بخاری، للنشر والتوزیع، الریاض، 1999ء۔
- 14- بغدادی، عبد القاہر بن طاہر بن محمد، الفرق بین الفرق، مترجم۔ پروفیسر علی محسن صدیقی، قرطاس، کراچی یونیورسٹی، کراچی، 2005ء۔
- 15- بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر البغدادی، فتوح البلدان، مطبعۃ الموسوعات شارع باب الخلق، بمصر، 1901ء۔
- 16- بلایوی، ابوالفضل عبد الحفیظ، مصباح اللغات، سعید۔ ایچ۔ ایم۔ کمپنی، کراچی، 1973ء۔
- 17- البیرونی، ابوریحان محمد بن احمد، الاثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ، مطبوعۃ اڈورڈسٹاؤ، لیبرگ، 1879ء۔
- 18- الترمذی، ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ، جامع ترمذی، دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، 1999ء۔
- 19- تمیمی، محی الدین ابو محمد عبد الواحد بن علی، حضارۃ الاسلام فی دار الاسلام، طبعۃ القاہرہ، مصر، سن ندارد۔
- 20- تنظیم حسین، سید، اسمعیلیہ، سواد اعظم اہل سنت، کراچی، 1986ء۔

- 21- الجاحظ، عثمان بن کھر، کتاب التاج فی اخلاق الملوک، مدونہ احمد ذکی پاشا، طبعہ القاہرہ، 1944ء۔
- 22- جلال اللہ، زہدی حسن، تاریخ معتزلہ، مترجم۔ رئیس احمد جعفری، سعید ایچ۔ ایم۔ کمپنی، کراچی، 1969ء۔
- 23- جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، مترجم۔ حلیم انصاری ردولوی، ٹی بک پوائنٹ، اردو بازار، کراچی، 2004ء۔
- 24- جعفری، رئیس احمد، امامت و سیاست، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1961ء۔
- 25- ابن جوزی، ابوالفرج عبدالرحمن بن علی، مناقب الامام احمد بن حنبل، طبعہ القاہرہ، 1930ء۔
- 26- الجوی، علاؤ الدین عطا ملک، تاریخ اسماعیلیہ، قرطاس، کراچی یونیورسٹی، کراچی، 2004ء۔
- 27- جیراج پوری، اسلم، تاریخ الامت، دارہ طلوع اسلام، لاہور، سن نندارد۔
- 28- ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد الاندلسی، الملل والنحل، مترجم۔ عبداللہ العماوی، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، سن نندارد۔
- 29- ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد بن سعید، جمہورۃ الناس العرب، دار المعارف، القاہرہ، مصر، سن نندارد۔
- 30- حسن امراہیم حسن، تاریخ الاسلام السیاسی، مترجم۔ علیم اللہ صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1959ء۔
- 31- -----، فاطمیون فی المصر واعمالہم السیاسیہ والدینیہ بوجہ خاص، المطبعۃ الامیریہ، بولاق، 1932ء۔
- 32- -----، علی امراہیم حسن، النظم الاسلامیہ، مترجم۔ علیم اللہ صدیقی، ندوۃ المصنفین، دہلی، انڈیا، 1947ء۔
- 33- حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، مکتبہ امینیمہ، حیدرآباد دکن، انڈیا، سن نندارد۔
- 34- -----، اسلام کا دستوری ارتقاء، مکتبہ امینیمہ، حیدرآباد دکن، انڈیا، سن نندارد۔
- 35- -----، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور، 1950ء۔
- 36- -----، رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی، نیکن بکس، اردو بازار، لاہور، 2005ء۔
- 37- خطیب بغدادی، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد و مدینۃ السلام، طبعہ القاہرہ، 1931ء۔
- 38- ابن خلدون، ابوزید عبدالرحمن بن محمد بن محمد، کتاب العمر و دیوان المبتداء والخیر، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، 2003ء۔
- 39- -----، مقدمہ ابن خلدون، المکتبۃ التجاریہ، مکتۃ المکرمتہ، 1997ء۔
- 40- ابن خلکان، احمد بن محمد بن ابوبکر، وفیات الاعیان، دارالصادر، بیروت، لبنان، سن نندارد۔
- 41- الدیمیری، محمد بن موسیٰ بن علی کمال الدین، حیات الحیوان، مترجم۔ ناظم الدین، اسلامی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور، سن نندارد۔
- 42- الدینوری، ابو حنیفہ احمد بن داؤد، الاخبار الطوال، مترجم۔ مرزا محمد منور، اردو سائنس اکیڈمی، لاہور، 1986ء۔
- 43- رحمانی بیگم، ڈاکٹر، دعوت عباسیہ، کریم پبلشرز، کراچی، 1967ء۔
- 44- رضا خان، پروفیسر، تاریخ مسلمانان عالم، علمی کتب خانہ، لاہور، 1983ء۔

- 45۔ رضوی، تصدق حسین، لغات کشوری، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، سن ندارد۔
- 46۔ رضی، سید، نہج البلاغہ مترجم۔ مفتی جعفر حسین، المعراج کمپنی، لاہور، سن ندارد۔
- 47۔ ابو زہرہ، محمد، المذاہب الاسلامیہ، مترجم۔ غلام احمد حریری، ملک سنز پبلشرز، کارخانہ بازار، فیصل آباد، 2004ء۔
- 48۔ عبدالعزیز، محدث دہلوی، تحفۃ اثناء عشریہ، مترجم۔ عبدالمجید خاں، میر محمد کتب خانہ، آرام باغ، کراچی، سن ندارد۔
- 49۔ ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد البصری، طبقات الکبریٰ، دارالبیروت، لبنان، 1960ء۔
- 50۔ السیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی، سن ندارد۔
- 51۔ _____، حسن الحاضرہ، مطبعۃ الشرقیہ، مصر، 1327ھ۔
- 52۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء، مترجم۔ محمد عبدالشکور، قدیمی کتب خانہ، کراچی، سن ندارد۔
- 53۔ شبلی نعمانی، مولانا، سیرۃ النبی ﷺ، قمر سعید پبلشرز، لاہور، 1976ء۔
- 54۔ _____، المامون، اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور، سن ندارد۔
- 55۔ _____، الفاروق، مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار، لاہور، 2005ء۔
- 56۔ شہرستانی، محمد بن عبد الکریم بن ابی بکر احمد، کتاب السلسل والنخل، مترجم۔ پروفیسر علی حسن صدیقی، قمر طاس، کراچی یونیورسٹی، کراچی، 2007ء۔
- 57۔ صبحی صالح، ڈاکٹر، علوم قرآن، مترجم۔ غلام محمد حریری، ملک سنز پبلشرز، کارخانہ بازار، فیصل آباد، 1988ء۔
- 58۔ الصدوق القمی، ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ، علل الشرائع، الکساء پبلشرز، کراچی، 2005ء۔
- 59۔ صدیقی، امیر حسین، خلافت و سلطنت، مترجم۔ بسطین احمد و معراج محمد باریق، جمعیۃ الفلاح، کراچی، 1962ء۔
- 60۔ طالب ہاشمی، سیرت عبد اللہ بن زبیرؓ، قومی کتب خانہ، لاہور، 1987ء۔
- 61۔ طبری، ابی جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، مطبعۃ الاستقامتہ، بالقاہرہ، مصر، 1939ء۔
- 62۔ ابن طقطقی، محمد بن علی بن طباطبائی، الفخری فی الاداب السلطانیہ والدولۃ الاسلامیہ، مترجم۔ محمود علی خان، ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی، انڈیا، 1969ء۔
- 63۔ طنطاوی، عمر بن خطابؓ، مترجم۔ عبدالصمد صارم، البیان چوک مارکلی، لاہور، 1971ء۔
- 64۔ طوسی، ابو علی حسن بن علی نظام الملک، سیاست نامہ، مترجم۔ محمد منور، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1961ء۔
- 65۔ طہ حسین، ڈاکٹر، علیؓ و نبوہ، مترجم۔ عبد الحمید نعمانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1989ء۔
- 66۔ _____، الشیخان، مترجم۔ شاہ حسین عطاء، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، سن ندارد۔

- 67- _____، الفتنۃ الکبریٰ عثمانی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی، 1987ء۔
- 68- عباد اللہ اختر، بغداد، ادارہ تخلیقات، لاہور، 2006ء۔
- 69- ابن عبد البر، ابو عمر، الاستیعاب، دارۃ المعارف، حیدرآباد دکن، انڈیا، 1336ھ۔
- 70- ابن عبد ربہ، ابو عمر احمد بن محمد اندلسی، العقد الفرید، لجنة التالیف و الترجمة، قاہرہ، مصر، 1940ء۔
- 71- ابن العربی، ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ احمد المعافری الاندلسی، العواصم من القواصم، مترجم محمد سلیمان گیلانی، ادارہ احیاء السنہ، گوجرانوالہ، 1983ء۔
- 72- عمر ابو النصر، الحارون، مترجم محمد احمد، مکتبہ جدید، انارکلی، لاہور، 1955ء۔
- 73- القارابی، ابو نصر اسمعیل بن حماد الجوهری، الصحاح، دار التراث العربی، بیروت، لبنان، 1999ء۔
- 74- قاسم محمود، سید، شاہکار اسلامی انسائیکلو پیڈیا، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور، سن ندارد۔
- 75- قدیر الدین، قاضی، اسلام میں فرقہ بندی کی ابتدا، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، 1995ء۔
- 76- القلقشنیدی، ابو العباس احمد، نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب، الشرکۃ العربیۃ للطباعة والنشر، القاہرہ، مصر، 1959ء۔
- 77- الکنتھی، محمد بن شاکر، فوات الوفيات، مطبعة السعادة، مصر، سن ندارد۔
- 78- ابن کثیر، ابو القہد اعماد الدین دمشقی، البدایہ والنہایہ، دار الفکر، دمشق، شام، سن ندارد۔
- 79- الکلبی، محمد بن یعقوب بن اسحاق الرازی، کتاب الشافی (ترجمہ الاصول کافی)، مترجم سید ظفر حسین امروہوی، شمیم بک ڈپو، ناظم آباد، کراچی، 1996ء۔
- 80- لوئیس معلوف الیسوی، المنجد فی اللغة الادب والاعلام، دار المشرق، بیروت، لبنان، 1983ء۔
- 81- لیونا رڈ ہائینڈر، مسلمانوں کے سیاسی نظریے، مترجم عابد علی عابد، بزم اقبال ہرنگھ داس گارڈن، لاہور، 1958ء۔
- 82- ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، دارا لکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1988ء۔
- 83- الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی، الاحکام السلطانیہ، مترجم سید محمد امجد، ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور، 1988ء۔
- 84- محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، دارۃ المعارف، کراچی، 2006ء۔
- 85- محمد قطب الدین، مظاہر حق جدید، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی، 2002ء۔
- 86- مسعود احمد، تاریخ الاسلام والمسلمین، جماعت المسلمین، کراچی، 1980ء۔
- 87- المسعودی، ابو الحسن علی بن الحسن بن علی، مروج الذهب ومعاون الجوهر، دارالاندلس، للطباعة والنشر، بیروت، لبنان، سن ندارد۔

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

mushtaqkhan.iiui@gmail.com: ڈاکٹر مشتاق خان
Bibliography

- Ameer Ali, Syed, A Short History of the Saracens, Islamic Book Service, Urdu Bazar, Lahore, 1926.
- Ameer Ali, Syed, The Spirit of Islam, Islamic Book Service, Urdu Bazar, Lahore, 1969.
- Barnard Lewis, The Arabs in History, Hutchinson and Company (Publishers) Limited, London, 1970.
- Browne, Edward G., A Literary History of Persia London, U.K. 1909.
- D.O. Lary, Philosophy of Islam, Nafees Academy, Karachi, N.D.
- Hitti, Philip K., History of the Arabs, Macmillan and Company Limited, England, 1953.
- Hitti, Philip K., The Arabs, Macmillan and Company Limited, London, 1953.
- Hogarth, D.G., A History of Arabia, Oxford University Press, England, 1922.
- Hugh Kennedy, The Early Abbasid Caliphate, Barnes and Noble Book, To Towa, New Jersey, U.S.A, 1981.
- Joseph Hell, The Arab Civilization, Translated by- S. Khuda Bukhsh, Shaikh Muhammad Ashraf, Kashmiri Bazar, Lahore, 1943.
- Karen Armstrong, Islam: A Short History, Negarshat Publishers, Urdu Bazar, Lahore, 2005.
- Le Strange, Guy, Baghdad During The Abbasid Calophate, Oxford, 1924.
- Morgan, Kenneth W. Islam: The Straight Path, Ronald Press Company, New York, 1958.

اگر آپ کو اپنے تحقیقی مقالہ کے لیے مناسب معاوضے میں معاون تحقیق درکار ہو تو مجھ سے رابطہ کیجیے۔

ڈاکٹر مشتاق خان: mushtaqkhan.iiui@gmail.com

The University Press, Cambridge, 1930.

- O' Leary, DE Lacy, D.D., Arabic Thought and its Place in History, Routledge and Kegan Paul Limited, London, 1954.
- Palmer, Haroon-el-Rashid, London, 1881.
- Watt, W. Montgomery, Muhammad At Mecca, The Clarendon Press, Oxford, 1953.
- Watt, W. Montgomery, Muhammad At Medina, The Clarendon Press, Oxford, 1962.
- Watt, W. Montgomery, The Majesty That was Islam, Sidwick and Jackson, London, 1984.
- Wellhausen, J., The Arab Kingdom and its Fall, Translated By- Margaret Graham Weir, Khayats 92-94 Rue Bliss, Beirut, Labnan, 1927.